از کلیات رسائل نور

لمعات

تالیف

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

PAK NUR FOUNDATION

Marfat.com

Marfat.com

کلیات رسائل نور سے ماخوذ

لمعات

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

PAK NUR FOUNDATION

پاک نور فاؤنڈیشن پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق پاک نور فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) محفوظ ہیں:

نام کتاب : لمعات (Urduca Lam'alar)

مصنف : بدیع الزمان سعید نورسیؒ

مترجم : ثناء اللہ شاہد

ناشر : پاک نور فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

طباعت : میثاق انٹر پرائزز، اسلام آباد
0333-5683292

طبع اوّل : دسمبر 2015ء

قیمت : 1200 روپے

297.04
J3901
142479

نظر ثانی

• ڈاکٹر نور محمد جمعہ • ڈاکٹر عبد المجیب

تصحیح و مراجعت

• محمد سرفراز • اسماعیل شاہد • مصطفیٰ کچماز • محمد رمضان

• جنید حشمت • محمد عثمان اجمل • رضوان احمد

ادارت و مشاورت

• عبد الرحمٰن آراز • صالح کرک ماز • محمود آراز • منیر توران

پروف ریڈنگ

• کاشف علی • رضاء المصطفیٰ • فضل مولیٰ • اظہر محمود

Tell:+92-51-2361510 Cell:+92-332-8356659,
336-5923336,333-6413966

ISBN 978-969-7618-01-9

Marfat.com

فہرست

(1)

پہلا لمعہ: 19

حضرت یونسؑ کی مناجات ﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ میں پائے جانے والے راز اور عظیم الشان حقیقت کی وضاحت اور یہ کہ ہر انسان کو اس مناجات کی سخت ضرورت ہے۔

دوسرا لمعہ: 22

حضرت ایوبؑ کی مناجات ﴿اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ﴾ اور اس چیز کا بیان کہ اس مناجات کے ہم بہت زیادہ محتاج ہیں۔ اس میں پانچ نکتے ہیں:

پہلا نکتہ: ہر گناہ سے کفر کا ایک راستہ نکلتا ہے

دوسرا نکتہ: انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مصیبت کے وقت حرفِ شکایت زبان پر لائے۔

تیسرا نکتہ: مصیبت زدہ انسان کو ثواب کی فکر کرنی چاہیے تاکہ وہ شکر کے مرتبے پر فائز ہو جائے۔

چوتھا نکتہ: انسان میں پائی جانے والی قوّتِ صبر کا بیان

پانچواں نکتہ: تین مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: حقیقی مصیبت وہ ہے جو دین کو پہنچے _ اس کا علاج

دوسرا مسئلہ: جس قدر مصیبت کو بڑا سمجھا جائے گا وہ بڑی ہوتی چلی جائے گی اور اس کا علاج۔

تیسرا مسئلہ: اس دور میں نوجوانوں کے لیے بیماری ایک نعمت کی حیثیت رکھتی ہے۔

(2)

خاتمہ: بیماریاں انسان میں عجز و فقر کے خزانوں کا منہ کھول دیتی ہیں۔

تیسرا لمعہ: 31

یا باقی أنت الباقی کے جملے میں پائی جانے والی دو حقیقتوں کا بیان _ تین نکتوں میں۔

پہلا نکتہ: دل کو ماسوا اللہ سے خالی کرنا۔

دوسرا نکتہ: انسانی فطرت میں بقا و دوام کا عشق پایا جاتا ہے۔

تیسرا نکتہ: اشیاء کے فنا و زوال میں زمانے کی تاثیر اور فانی عمر کو باقی عمر میں تبدیل کرنے کی کیفیت۔

Marfat.com

چوتھا لمعہ:

39

رسالۂ منہاج سُنّت

پہلا نکتہ: رسول اکرم ﷺ کی اپنی امت کے حق میں رأفت و رحمت۔

دوسرا نکتہ: نبوت کی جلیلُ القدر ذمہ داری اور آپ ﷺ کا جزوی اُمور کی طرف توجہ دینے کا مطلب۔

تیسرا نکتہ: فرمان گرامی ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی﴾ کی تفسیر۔

چوتھا نکتہ: اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان اختلاف اور افراط و تفریط کے نقصان کا بیان۔

پانچواں اور چھٹا لمعہ:

51

یہ دونوں لمعے انتیسویں لمعے میں درج کر دیے گئے ہیں۔

ساتواں لمعہ:

52

سورۃ الفتح کی آخری آیات میں پائی جانے والی سات قسم کی غیبی خبروں کی وضاحت پر مشتمل ہے۔

تتمہ: فرمانِ گرامی ﴿وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ میں پائی جانے والی غیبی خبر کی وضاحت۔

آٹھواں لمعہ:

62

یہ لمعہ کرامت غوثیہ کا رسالہ ہے۔ تقہ تصدیق غیبی اور تکشیر کے لمعات نامی مجموعہ میں درج کیا گیا ہے

نواں لمعہ:

63

(3)

پہلا سوال: خلوصی کے اہلِ بیت کی طرف منسوب ہونے کے بارے میں

دوسرا سوال: وحدتُ الوجود میں پائے جانے والے گہرے نقائص کا بیان

تیسرا سوال: علمِ جفر کے بارے میں

چوتھا سوال: اس دعوے کا جواب کہ عیسیٰ کا والد تھا _ شرعی اوامر و نواہی کی علت کا بیان۔

دسواں لمعہ:

76

رأفت و رحمت کے طمانچے؛ مہربانیوں سے بھرے ہوئے اُن تادیبی طمانچوں کا بیان پندرہ مثالیں کے ضمن میں، جو میرے بھائیوں کو اُس وقت پڑے جب ان سے قرآنی خدمت کے سلسلے میں کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔

گیارہواں لمعہ:

89

(سُنت کا زینہ اور مرض بدعت کا تریاق)

Marfat.com

پہلانکتہ: خاص طور پر بدعتوں کے غلبے کے دور میں اتباع سنت کی اہمیت۔

دوسرانکتہ: سنت کومضبوطی سے پکڑنے والا محبوبیت کے مقام پر پہنچنے کے قابل ہے۔

تیسرانکتہ: روحانی سیاحت میں سنت کومضبوطی سے پکڑنے کی اہمیت۔

چوتھانکتہ: ''رابطۃ الموت'' میں غور وفکر کرنے سے اُبھرنے والی روحانی حالت۔

پانچواں نکتہ: اللہ کے ساتھ محبت کرنے کے لیے سنتِ مطہرہ کی اتباع ضروری ہے۔

چھٹانکتہ: کل بدعة ضلالة اور سنت کی انواع واقسام کا بیان۔

ساتواں نکتہ: سنتِ مطہرہ عظیم الشان ادب ہے۔

آٹھواں نکتہ: اتباع سنت کا انجام نیک بختی اور ترکِ سنت کا انجام بدبختی ہے۔

(4)

نواں نکتہ: روشنی کے متلاشی کے لیے سنت نبوی کافی ہے۔

دسواں نکتہ: اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت

گیارہواں نکتہ: تین مسائل ہیں

پہلا مسئلہ: سنتِ نبوی کے سرچشمے

دوسرانکتہ: كان خلقه القرآن

تیسرانکتہ: نبی ﷺ اپنے تمام افعال واقوال واحوال میں استقامت کا نمونہ ہیں۔

بارہواں لمعہ: 107

دوسوالوں کا جواب

پہلاسوال: دونقطے ہیں:

پہلانقطہ: رزق کی دوقسمیں ہیں۔ بھوک سے موت واقع نہیں ہوتی۔

دوسرانقطہ: اِمکان کی قسمیں: امکانِ عقلی، امکانِ عرفی اور امکانِ عادی

دوسراسوال: دومسئلے ہیں۔

پہلا: زمین کا آسمانوں کی طرح سات طبقات پر مشتمل ہونا۔

دوسرا: سات آسمانوں کے بارے میں

تیرہواں لمعہ: 118

Marfat.com

(تعوذ کی حکمت کا رسالہ) تیرہ اشارات پر مشتمل ہے۔

پہلا اشارہ۔شیطان سے پناہ مانگنے کی حکمت

دوسرا اشارہ۔شیاطین جو کہ سراپا شرّ ہیں،اُن کی پیدائش میں کیا حکمت ہے؟

تیسرا اشارہ۔کافر کو مخلوقات کے حقوق پر دست درازی کرنے والا کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

چوتھا اشارہ: وجود خیرِ محض اور عدم شرِ محض ہے۔

پانچواں اشارہ: اہلِ ایمان شیطان کی کمزور سازشوں کے مقابلے میں مغلوب کیوں ہو جاتے ہیں؟

چھٹا اشارہ۔وسوسوں کا علاج

(5)

ساتواں اشارہ۔شر کو پیدا کرنا شرّ نہیں بلکہ شرّ کا کسب واکتساب شرّ ہے_ کبائر کا ارتکاب کرنے والا مومن کیسے رہتا ہے؟

آٹھواں اشارہ: کفر کی دو قسمیں اور ان کے درمیان فرق بہت سے لوگ کفر کا راستہ کیوں اختیار کر لیتے ہیں؟ کافر پر قرآن کی رحمت کا ایک پہلو۔

نواں اشارہ: کبھی اہلِ ہدایت اہلِ ضلالت کے مقابلے میں مغلوب ہو جاتے ہیں_ کائنات کا قانونِ تغیر وتحوّل کے تحت کمال کیطرف رواں دواں رہنا_ راہِ ہدایت وراہِ ضلالت کے درمیان فرق_ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے تمام افعال میں معجزات پر اعتماد کیوں نہیں کیا؟

دسواں اشارہ: شیاطین کے وجود کا اثبات۔

گیارہواں اشارہ: کفر کی ماہیت اور اس پر کائنات کے مبتلائے غضب ہونے کا بیان۔

بارہواں اشارہ: چار سوالات اور ان کے جوابات

تیرہواں اشارہ: شیطان کی دسیسہ کاریوں کے بارے میں تین نقاط۔

چودھواں لمعہ:

145

دو سوالوں کے جوابات۔

پہلا سوال: بیل اور مچھلی کے بیان میں_ تین بنیادوں اور تین پہلوؤں کے ساتھ۔

پہلی بنیاد: بنی اسرائیل کے علماء کی غلطیوں کے ذمہ دار وہ خود ہیں، اسلام نہیں۔

دوسری بنیاد: تشبیہات وتمثیلات ومجازات جب عوام تک پہنچ جائیں تو ملموس حقائق شمار ہو جاتے ہیں۔

تیسری بنیاد: متشابہ احادیث کا مفہوم

Marfat.com

پہلا پہلو: سلطنتِ ربوبیت کی نگرانی کرنے والے فرشتے

(8)

دوسرا پہلو: رسول اکرم ﷺ کے جواب میں مجاز کی حقیقت
تیسرا پہلو: جدید علم فلکیات کی روشنی میں اسکا بیان
دوسرا سوال: آل عباء کے متعلق ہے۔
دوسرا مقام: بسم اللہ الرحمن الرحیم میں پائے جانے والے چھ اسرار پر مشتمل ہے۔

پندرہواں لمعہ: 164

مقالات، مکتوبات اور چودہویں لمعات تک کی فہرست۔

سولہواں لمعہ: 165

پہلا سوال: اہلِ ولایت خلافِ واقعہ بات کی خبر کیوں دیتے ہیں؟
دوسرا سوال: آپ جدّت پسندوں کی سیاست کی مخالفت کیوں نہیں کرتے ہیں؟
تیسرا سوال: آپ جنگ کی اس شدّت کے ساتھ مخالفت کیوں کرتے ہیں؟
چوتھا سوال: جو چیز آپ کے ہاتھ میں ہے وہ نور ہے تو پھر آپ احتیاط برتنے کے لیے کیوں کہتے ہیں؟
خاتمہ: نبی ﷺ کی ریش مبارک کے بارے میں۔ایک سوال۔
پہلا سوال: فرمان گرامی ﴿تغربُ فی عین حمئة﴾ کی حقیقت کا ظاہری معنی۔
دوسرا سوال: سدِّ ذُوالقرنین کہاں واقع ہے؟ یأ جوج مأ جوج کون ہیں؟
مغیّبات خمسہ کے بارے میں ایک سوال
لطائفِ عشرہ کے بارے میں ایک سوال

سترہواں لمعہ: 180

(معرفت الٰہیہ کے بارے میں کچھ یاددہانیاں)

(9)

پہلی یاددہانی۔نفس کیساتھ خطاب، دل کو ناموافق چیز کے ساتھ وابستہ نہیں ہونا چاہیے۔
دوسری یاددہانی: اے انسان اس بات کا ہرگز گمان نہ کر، کہ اللہ کے سوا ہر چیز تجھ سے بڑی ہے اور نہ یہ کہ تیرا نفس کسی بھی چیز سے بڑا ہے۔

Marfat.com

تیسری یاددہانی: دنیا زوال کیطرف رواں دواں ہے، اسلئے اس پر ایسی چیز سوار نہ کر کہ جسکی اسمیں طاقت نہیں ہے۔

چوتھی یاددہانی: ہر انسان حشرِ اکبر میں بعینہٖ اُٹھایا جائے گا۔

پانچویں یاددہانی: یورپ کی معنوی شخصیت کے ساتھ ایک گفتگو۔ یورپ کی بیمار وسفیہہ اور جہنم جیسی تہذیب کی پردہ دری۔

یورپ اور قرآن کے نظریۂ حیات میں موازنہ، مغربی تہذیب کی کمزور بنیادیں۔

چھٹی یاددہانی: کفار کی تعداد کی کثرت کی کوئی قیمت نہیں۔

ساتویں یاددہانی: اس آدمی سے خطاب جو مسلمانوں کو یورپ کا دامن پکڑنے پر اُبھارتا ہے۔

آٹھویں یاددہانی: لذت وسعادت عمل، میں الم وشقاوت سستی میں ہے۔ اجرت عمل کے اندر داخل ہے۔ ہر شے وحدانیت کی گواہی دیتی ہے۔

نویں یاددہانی: نبوت کمال کا خلاصہ ہے۔

دسویں یاددہانی: معرفتِ الٰہیہ کے انوار کی تین قسمیں ہیں۔ ہر سہ اقسام کے تقاضے۔

گیارہویں یاددہانی: عوام الناس کی سمجھ سوچ

(10)

کے درجات کا خیال رکھنے میں قرآن کریم کی وسیع رحمت۔

بارہویں یاددہانی: گریہ زاری اور دعا۔

تیرہویں یاددہانی: پانچ مسائل جن میں التباس واشتباہ ہو جاتا ہے:

۱۔ داعیانِ حق پر بندے کی ذمہ داری اور حقوق اللہ کے درمیان تمیز ملتبس ہو جاتی ہے۔

۲۔ اوراد واذکار کے پڑھنے والے پر وہ دنیاوی فوائد مشتبہ ہو جاتے ہیں جو سلف صالحین کو ملے تھے۔

۳۔ سالک پر اپنا مقام، اپنی حدود اور حدود فراموشی مشتبہ ہو جاتی ہے۔

۴۔ بہت سے لوگوں پر جب دو چیزیں اکٹھی آجائیں تو ان میں سے ایک چیز کو دوسری کی علت قرار دینا مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اقتران اور علت کے درمیان فرق کا بیان اور شرکِ خفی کی پہچان۔

۵۔ جماعت پر اپنے مرشد کا معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے، وہ اپنے عمل کے ماحصل کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُسے اس عمل کا مصدر ومنبع سمجھتے ہیں۔

چودہویں یاددہانی: توحید کے چار اسرار ورموز۔

۱۔ انسان کا معبود وہی ہو سکتا ہے جو ارض وسما پر حکومت کر رہا ہو۔

Marfat.com

۲۔انسانی فطرت میں پائی جانے والی بقاودوام کی محبت اسمِ گرامی ''الباقی'' کی تجلّی ہے۔

۳۔خبردار! تمہارے لطائف کا لطف کسی لقمے یا کلمے میں ہی غرق نہ ہوجائے!

۴۔تمہاری دنیا قبر ہے۔اس میں اس طرح داخل ہوجاؤ کہ یہ زندگی کے وسیع ترین مدارج پر مشتمل ہے۔

پندرہویں یاددہانی: اسم گرامی ''الحفیظ'' کی تجلّی۔

(11)

انیسواں لمعہ: 217

(کفایت شعاری وشکر گزاری)

پہلا نکتہ: کفایت شعاری معنوی شکر ہے اور اسراف نعمت کی ناقدری ہے۔

دوسرا نکتہ: کفایت شعاری حکمت الٰہیہ کے ساتھ ہم آہنگی کا نام ہے اور اسراف اس کی ضد ہے۔

تیسرا نکتہ: شکر و سپاس کی غرض سے نعمت کی بار بار طلب

چوتھا نکتہ: کفایت شعاری عزت و آبرو کا سبب ہے

پانچواں نکتہ: کفایت شعاری برکت اور لذت کا سبب ہے۔

چھٹا نکتہ: کفایت شعاری کمینگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

ساتواں نکتہ: قناعت ختم نہ ہونے والا خزانہ اور حرص محرومی کا سبب ہے۔

بیسواں لمعہ: 233

(اخلاص)

سوال: اہلِ حق کے درمیان اختلاف اور اہلِ ضلالت کے درمیان اتفاق کیوں ہے؟

پہلا سبب: اہلِ دین کے وظائف واعمال سب کے لیے ہوتے ہیں اور ان کی اجرت بھی متعین نہیں_ اس کا علاج اخلاص کے ساتھ۔

دوسرا سبب: اہلِ دین اپنے لیے اتفاق کو ضروری نہیں سمجھتے_ اس کا علاج مثبت عمل کے ساتھ تعلق رکھنے والی نو چیزوں میں ہے۔

تیسرا سبب: عالی ہمتی کو ایسے غلط انداز سے استعمال کیا جائے کہ وہ اختلاف تک پہنچادے_ اس کا علاج اس بات کو جان لینا ہے کہ اللہ کی رضامندی اخلاص سے ملتی ہے نہ کہ پیروکاروں کی کثرت سے۔

چوتھا سبب: استقامت پر ثابت قدم رہنے سے

Marfat.com

(12)

کمزور پڑ جانا_ اس کا علاج یہ ہے کہ راہِ حق میں راہیوں کے ساتھ محبت رکھی جائے اور قیادت کا حق بہر کیف اُنہیں کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

پانچواں سبب: اتفاق میں چھپی ہوئی قوّتِ کاملہ کی ضرورت کا شعور نہ ہونا اس کا علاج یہ ہے تعاون کے دستور کے مطابق عمل کیا جائے اور اختلاف کے نقصانات کا ادراک کیا جائے۔

چھٹا سبب: کچھ اہم مسائل کے بارے میں پراگندہ نظری_ اس کا علاج یہ ہے کہ دوسروں کی بیہودہ باتوں سے درگزری کی جائے اور ان کی کمیوں کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور ان بیہودہ باتوں کو چھوڑنے کی دعوت دی جائے۔

ساتواں سبب: راہِ حق پر چلنے والوں کا اپنے فضائل و مکارم کی نگہداشت نہ کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا_ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان خود کو قصوروار سمجھے اور جادۂ حق پر رہے۔

اکیسواں لمعہ:

(اخلاص نمبر 2)

اخلاص کی اہمیت۔

اخلاص کے دساتیر۔

پہلا دستور: اعمال میں اللہ کی رضا کی طلب

دوسرا دستور: بھائیوں پر تنقید نہ کرنا

تیسرا دستور: قوّت حق میں ہے

چوتھا دستور۔ اپنے بھائیوں کی خوبیوں پر فخر کرنا۔

کسبِ اخلاص کے وسائل۔

پہلا وسیلہ_ رابطۃ الموت

دوسرا وسیلہ: مخلوقات میں ایمانی غور و فکر

اخلاص کی راہ میں رکاوٹیں۔

پہلی رکاوٹ: مادی منافع جات سے پیدا ہونے والا حسد ہے، اخلاص کو دوام دینے والی دو مثالیں

(13)

دوسری رکاوٹ: حبّ جاہ اور لوگوں کی توجہ کی خواہش

Marfat.com

تیسری رکاوٹ: خوف وطمع۔

بائیسواں لمعہ: 265

(تین اشارات)

پہلا اشارہ: اہلِ دنیا تمہارے اُخروی معاملات میں دخل اندازی کیوں کرتے ہیں؟

دوسرا اشارہ: آپ ہمارے ساتھ ربط وضبط کیوں نہیں رکھتے؟ پھر آپ شکوہ بھی کرتے ہیں؟

تیسرا اشارہ: آپ کو جمہوری قوانین کے مطابق رہنا چاہیے!

خاتمہ: ایک حیرت خیز ستم ظریفی جس پر اللہ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

تیئیسواں لمعہ: 275

(نیچر کی حقیقت)

تنبیہ: نیچر پرست منکرین کے مذہب کی ماہیت وحقیقت

دوسری تنبیہ: یہ رسالہ قلم بند کرنے کا سبب۔

مقدمہ: لوگوں کے منہ سے نکلنے والی تین خطرناک باتیں جن سے کفر کی بدبو آتی ہے۔

پہلی بات: کسی چیز کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ اسے اسباب نے ایجاد کیا ہے۔

پہلا محال: فارمیسی میں مختلف کیمیاوی مواد کے اجتماع کو کسی اتفاقی حادثے کا مرہونِ منت سمجھنا۔

دوسرا محال: خود باہمد گر متضاد ومتباین اسباب کا انتہائی نظم وضبط اور دقیق میزان کے تحت اکٹھے ہو جانا۔

تیسرا محال: نظم وضبط سے آراستہ کسی چیز کی نسبت متعدد طبعی اسباب کی طرف کر دینا۔

دوسرا مسئلہ: کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ خود بخود تشکل پذیر ہوتی ہے۔

پہلا محال: ہر ذرّے میں ایک ایسی آنکھ کا وجود ماننا ضروری ہو جاتا ہے جو تمام جسم کے ہر گوشے میں دیکھتی ہو۔

دوسرا محال: یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر ذرّہ بیک وقت حاکم بھی ہو اور محکوم بھی۔

تیسرا محال: جسم میں کام کرنے والے مرکبات کی تعداد کے برابر سانچوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

تیسری بات: کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ نیچر کے تقاضے کے تحت ظہور میں آئی ہے۔

پہلا محال: نیچر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر چیز میں بے حد وحساب معنوی آلات وادوات رکھ دے۔

دوسرا محال: نیچر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مٹی کی ایک مٹھی میں لاتعداد کارخانے رکھ دے۔

Marfat.com

تیسرا احتمال: دو مثالوں سے واضح ہوگا:

پہلی مثال: کسی سادہ لوح اور تہذیب سے لابلد انسان کا عالی شان محل میں داخل ہونا۔

دوسری مثال: تہذیب و تمدّن سے نا آشنا انسان کا کسی فوجی کیمپ یا جامع مسجد ایا صوفیا میں داخل ہونا۔

حاصل کلام: نیچر قوانین کے مجموعے کا نام ہے یہ بذات خود قادِر نہیں۔

خاتمہ:

پہلا سوال: پروردگار کو ہماری عبادت کی کیا ضرورت ہے؟

دوسرا سوال: حقیقت کا راز سہولتِ ایجاد کہاں پوشیدہ ہے؟۔

تیسرا سوال: فلاسفر جو یہ کہتے ہیں کہ ''ہر چیز عدم سے نہیں آتی'' اسکا کیا معنی ہے۔

(15)

چوبیسواں لمعہ:

309

(پردہ)

پہلی حکمت: پردہ عورتوں کے لیے ایک فطری امر ہے اور بے پردگی و نمائش خلافِ فطرت ہے۔

دوسری حکمت: عورت اس دنیاوی زندگی ہی میں اپنے خاوند کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کی ابدی دوست بھی ہے۔

تیسری حکمت: چاردیواری کی سعادت مندی خاوند، بیوی کے باہمی اعتماد کے ساتھ وابستہ ہے، اور بے حیائی اس کا ستیاناس کر دیتی ہے۔

آخری دور میں عورتوں کا فتنہ

اُخروی بہنوں کے ساتھ ایک گفتگو۔

پہلا نکتہ: عورتیں شفقت کی سرخیل اور مہر و محبت کی ہیرو ہیں۔

دوسرا نکتہ: غافل اور معصوم عورتوں کو خراب کرنے میں عورتوں کی تنظیموں کا کردار اور اس کا علاج۔

تیسرا نکتہ: شرعی حدود کو پامال کر کے حاصل کرنے والی لذتیں دگنے دکھوں کا باعث بنتی ہیں۔

پچیسواں لمعہ:

326

(بیماروں کے نام پیغام)

پہلی دوا: بیماری انسان کے سرمائے میں بھاری نفع کا سبب بنتی ہے۔

دوسری دوا: بیماری عمر کے منٹوں کو گھنٹوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔

Marfat.com

تیسری دوا: بیماری ایک نصیحت آموز مرشد ہے۔

چوتھی دوا: بیماری اسمائے حسنیٰ کا تعارف کراتی ہے۔

پانچویں دوا: بیماری اللہ کا احسان ہے۔

چھٹی دوا: بیماری یاد دلاتی ہے کہ اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔

ساتویں دوا: بیماری آپ کو نعمت کی لذت چکھاتی ہے۔

آٹھویں دوا: بیماری گناہوں کا صفایا کرتی ہے۔

(16)

نویں دوا: موت فی نفسہٖ خوفناک نہیں ہے۔

دسویں دوا: ثواب کا دھیان قلق واضطراب کا ازالہ کرتا ہے۔

گیارہویں دوا: بیماری معنوی لذت عطا کرتی ہے۔

بارہویں دوا: بیماری دعا کے چشمے بہا دیتی ہے۔

تیرہویں دوا: بیماری انسان کو وہاں تک پہنچا دیتی ہے جہاں عمل نہیں پہنچا سکتا۔

چودہویں دوا: بیماری ایک معنوی نورانی چشمہ ہے۔

پندرہویں دوا: بیماری کی زد میں آئے لوگ سخت جان ہو جاتے ہیں۔

سولہویں دوا: بیماری بیمار کو لوگوں سے بے نیاز ہونے سے بچاتی ہے۔

سترہویں دوا: بیماروں کا خیال رکھنا اور ان کی تیمارداری کرنا سنتِ نبوی ہے۔

اٹھارہویں دوا: اپنے سے زیادہ مصیبت زدہ کو نگاہ میں رکھو۔

انیسویں دوا: بیماری زندگی کو آلائشوں سے پاک کرتی ہے اور اسمائے حسنیٰ کو آشکار کرتی ہے۔

بیسویں دوا: حقیقی اور وہمی بیماری کا علاج ہے۔

اکیسویں دوا: معنوی لذت مریض کو گھیرے رکھتی ہے۔

بائیسویں دوا: فالج مومن آدمی کے لیے ایک بابرکت بیماری کیوں ہے؟

تئیسویں دوا: رحمتِ الٰہیہ بیمار کی طرف متوجہ رہتی ہے۔

چوبیسویں دوا: بچوں کی بیماریاں اور بوڑھوں کے لیے رعایتیں۔

پچیسویں دوا: قدسی علاج

Marfat.com

چھبیسواں لمعہ:

348

(بوڑھوں کے لیے اُمید بھرا پیغام)

تنبیہ:

پہلی اُمید: اُمیدوں کا اصل سرچشمہ ایمان ہے۔

دوسری اُمید: بڑھاپے میں رحمتِ الٰہیہ کی تجلی المناک غم کو

(17)

تابندہ خوشی میں تبدیل کر دیتی ہے۔

تیسری امید: نبی ﷺ کے نور کا انکشاف اور آپ ﷺ کی شفاعت مرہمِ شافی اور اُمید کی روشنی ہے۔

چوتھی اُمید: قرآن کریم کی امداد نا اُمیدی کا ازالہ کر دیتی ہے۔

پانچویں اُمید: ایمان بالآخرت ایک نہ بجھنے والی روشنی اور بر آنے والی اُمید عطا کر دیتا ہے۔

چھٹی اُمید۔ ایمان باللہ اور ایمان بالملائکہ اُنس اور تسلّی عطا کرتا ہے۔

ساتویں اُمید: ایمان کی روشنیاں جہاتِ ستہ سے تاریکیوں کو بھگا دیتی ہیں۔

آٹھویں اُمید: قرآن کی بشارت خود بیماری کے اندر ہی سے دوا کا راستہ دکھا دیتی ہے۔

نویں اُمید: بڑھاپے کا ضعف و عجز رحمتِ الٰہیہ کے دروازے کے سفارشی بن جائیں گے۔

دسویں اُمید: نورِ قرآن سے غم سرور میں بدل جاتا ہے۔

گیارہویں اُمید: حکمتِ قرآن کی مدد سے دل کی فلسفے پر فتح۔

بارہویں اُمید: فرمان گرامی ﴿کل شیءٍ ھالكٌ الا وجھه﴾ سے پھوٹنے والی روشنی۔

تیرہویں اُمید: ''وان'' شہر پر ٹوٹنے والے دلنگار حادثے اور فرمان گرامی ﴿سبح لله۔۔۔﴾ کی تجلی۔

چودھویں اُمید: فرمانِ گرامی ﴿حسبنا الله و نعم الوکیل﴾ کے مراتب۔

پندرھویں اُمید: غم و اضطراب کے وقت عنایتِ الٰہیہ کی دستگیری۔

(18)

سولہویں اُمید: جیل کے اندر اور باہر عنایتِ الٰہیہ کی امداد۔

اٹھائیسواں لمعہ:

قرآنی حروف مکھی کے بارے میں ایک لطیف بات چیت

Marfat.com

الٰہی کلمات

_ لوہے کو نازل کرنے کا مطلب

_ ہد ہد کا اپنے خالق کے بارے میں بیان

_ چوپائیوں کو نازل کرنے کا مطلب

دستور

_ اسکی شہر میں لکھا جانے والا ایک فقرہ، رسائل کی بزرگی، طمانچۂ رحمت،

دو چھوٹی چھوٹی حکایتیں

دو نکتے: پہلا: نیکیوں اور گناہوں کا فوری بدلہ

دوسرا: فرمان گرامی ﴿ما اُرید منهم من رزق﴾ میں پائے جانے والے اعجازی پہلو

فرمانِ گرامی ﴿أو هم قائلون﴾ کے بارے میں ایک سوال،

ایک خوبصورت خیال

وحدتُ الوجود _ عصر حاضر میں اس کے نقصانات

وحدتُ الوجود کے بارے میں ایک سوال کا جواب

جیل کی کھڑکی سے غور و فکر۔

(19)

سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے

جہنم میں تا دیر رہنا عدل کیسے ہے؟

ایک لطیف توافق

چوری سے باتیں سننے والے جاسوس جنوں پر انگاروں کی بارش _ اور قریب ترین جگہوں میں جنوں کا مشاہدہ

انیسواں لمعہ:

(بلند پایہ ایمانی تفکر)

ایک وضاحتی نوٹ

پہلا باب: سبحان اللہ کے بارے میں _ تین فصلیں ہیں۔

دوسرا باب: الحمد للہ کے بارے میں _ نو نقطے ہیں۔

تیسرا باب: اللہ اکبر کے بارے میں _ سات نقطے ہیں۔

چوتھا باب: دو فصلوں پر مشتمل ہے

Marfat.com

پہلی فصل۔اللہ تعالیٰ کی معرفت اور توحید کے مراتب
دوسری فصل۔تحمید و تعظیم کے بارے میں
کلمۂ شہادت لاالٰہ اِلّا اللّٰہ مُحمد رَسُولُ اللہ کا بیان
پانچواں باب: (حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل) کے مراتب کا بیان۔پانچ نکتوں میں
چھٹا باب۔﴿لا حول و لا قوّۃ الا باللّٰہ العلی العظیم﴾ کے بارے میں
تیسواں لمعہ: 462
پہلا نقطہ: اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''القدّوس''۔
دوسرا نقطہ: اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''العدل''۔اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''الحکیم''
پہلا نقطہ: کائنات ایک عظیم الشان کتاب
دوسرا نقطہ: دو مسئلے ہیں:
پہلا: جمال اور کمال دیکھنے اور دکھانے کا تقاضا کرتے ہیں۔
دوسرا: شرک کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔
تیسرا نقطہ: سائنس اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''الحکیم'' کا تعارف کراتی ہے۔
چوتھا نقطہ: نظر آنے والی یہ حکمتیں آخرت کا تقاضا کرتی ہیں۔
پانچواں نقطہ: دو مسئلے ہیں
پہلا: فطرت میں اسراف نہیں۔
دوسرا: اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''الحکیم'' بداہتاً نبوتِ محمدی کا مقتضی ہے۔
چوتھا نکتہ: اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ''الفرد''۔
پہلا اشارہ۔توحید کی مہریں
پہلی مہر: کائنات کے اجزاء کے درمیان باہمی تعاون
دوسری مہر: زمین پر زندگی کی تدبیر و بندوبست
تیسری مہر: انسان کی خصوصی علامت۔
دوسرا اشارہ: کائناتوں کا باہمی تداخل اور عناصر کی وحدت صانع کی وحدت پر دلالت کرتا ہے
تیسرا اشارہ: صمدانی مکتوبات
چوتھا اشارہ: توحید فطری ہے اور شرک محال ہے۔
پہلا نقطہ: استناد و انتساب کی قوت

Marfat.com

(21)

دوسرا نقطہ: توحید میں تخلیق کی سہولت۔

تیسرا نقطہ: تخلیق کی نسبت الفردُ الواحد کی طرف کرنے سے تخلیق کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔

پانچواں اشارہ: استقلال وانفرادیت حاکمیت کا خاصہ ہے،

چھٹا اشارہ: دوائے شافی

ساتواں اشارہ۔ سراجِ مُنیر

پانچواں نکتہ: اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی "الحیّ"

پہلی رمز۔ زندگی کی ماہیت اور اہمیت

دوسری رمز۔ زندگی کے ملک وملکوت کے دو پہلو

تیسری رمز۔ زندگی کا نتیجہ۔ شکر وعبادت

چوتھی رمز۔ زندگی ایمان کے ارکان کا اثبات کرتی ہے

پانچویں رمز۔ زندگی اسمائے الٰہیہ کو آشکار کرتی ہے۔

چھٹا نکتہ: اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی "القیوم"

اعتذار وتنبیہ

پہلی شعاع: خالقِ قیّوم اَزلی ہے

دوسری شعاع: دو مسئلے ہیں۔

پہلا: اللہ تعالیٰ کی قیّومیّت کی پہچان

دوسرا: اشیاء کے فوائد اور رازِ قیّومیت کے ساتھ وابستہ حکمتیں

(23)

تیسری شعاع۔ رازِ قیّومیت اور دائمی فعالیّت کی حکمت

چوتھی شعاع۔ دائمی فعالیت کی حکمت کا تیسرا شعبہ

پانچویں شعاع: دو مسئلے ہیں

پہلا: اسمِ اعظم کے انوار کی تجلّیٔ اعظم کے درمیان سے کائنات پر نظر

دوسرا: انسان اور رازِ قیّومیت۔

کلمۂ اختتام از مترجم

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَنَادَیٰ فِی الظُّلُمَاتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

﴿اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔۔۔﴾

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

یَابَاقِیْ اَنْتَ الْبَاقِیْ ۔ یَابَاقِیْ اَنْتَ الْبَاقِیْ

﴿لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا هُدًی وَشِفَاءٌ﴾

یہ اکتیسویں مکتوب کا پہلا حصہ ہے۔ یہ چھ لمعات پر مشتمل ہے جو کہ مذکورہ کلمات میں سے ہر کلمے میں پائے جانے والے انوار میں سے کسی نہ کسی نور کو آشکار کرتے ہیں۔ ان کلمات کو ہمہ وقت اور خاص کر مغرب اور عشاء کے درمیان تینتیس مرتبہ پڑھنے کے بہت سے فضائل ہیں۔

Marfat.com

پہلا لمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾

سیدنا یونس بن متّٰی علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی مناجات عظیم ترین اور اجابتِ دعا کے لیے اہم ترین وسیلہ ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کے مشہور قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ: انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا تو انہیں ایک بہت بڑی مچھلی نے نگل لیا۔ اب حالت یہ ہے کہ سمندر بپھرا ہوا اور رات ہیبت ناک اور تاریک تر ہے۔ اور وہ ہر طرف سے نا اُمید ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اِن حالات میں ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ کی مناجات آپ کے لیے نجات کا ایک تیز ترین وسیلہ بن گئی۔

اِن مناجات میں راز یہ پایا جاتا ہے کہ:

اِن حالات میں مادی اسباب بالکلیہ ختم ہو گئے تھے۔ اب ایسی حالت میں جو ذات انہیں نجات دے سکتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کا حکم اس مچھلی، سمندر، رات اور فضائے آسمان غرضیکہ ہر جگہ پر لاگو ہو، کیونکہ یہ سب کے سب بالاتفاق اُن کے درپے آزار ہو چکے تھے۔ پس جس ذات نے ان تینوں چیزوں کو ایک ساتھ اپنے حکم کے تابع فرمان کر رکھا ہے وہی انہیں سلامتی کے ساحل پر لگا سکتی تھی۔ وگرنہ تمام مخلوق بھی اُن کی خدمت گزار اور مددگار ہو جاتی تو بھی انہیں بچا نہ سکتی۔

اس سے پتا چلا کہ اسباب کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور پناہ صرف مسبّبُ الأسباب کے دَر پر ہی مل سکتی ہے۔ چنانچہ توحید کے اس نور کے اندر ان کے سامنے احدیّت کا راز منکشف ہو گیا، اور اس بنا پر اس مناجات نے اُن کے لیے رات، سمندر اور مچھلی کو ایک ساتھ مسخر کر دیا، چنانچہ اس نے مچھلی کے پیٹ کو توحید کے نُور سے آبدوز کا رُوپ دے دیا۔ اور پہاڑوں جیسی تلاطم خیز موجوں کی ہولناکیوں کے مابین سمندر اس نُور کی برکت سے ایک پُرامن صحرا، سیرگاہ اور تفریح کا میدان بن گیا۔

اس مناجات نے روئے آسماں پر چھائے ہوئے بادل صاف کر دیے اور ان پر چمکنے والے چاند کو ایک روشن چراغ بنا دیا۔

اور وہ مخلوقات جو انہیں ہر طرف سے ڈرا دھمکا رہی تھیں اُنہوں نے ہر جہت سے آپ کے لیے دوستی کا اظہار کر دیا۔

یہاں تک کہ وہ سلامتی کے ساحل پر جا لگے اور اُنہوں نے کدّو کی بیل کے نیچے لُطفِ ربّانی کا مشاہدہ کر لیا۔

اب ہم اپنی طرف دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ہمارے حالات یونس علیہ السلام کی پہلی حالت سے بھی سو گنا زیادہ

Marfat.com

خوفناک ہیں۔ ہماری رات ہمارا مستقبل ہے اور ہمارا مستقبل غفلت کی نظر سے دیکھیں تو اُن کی رات سے سوگنا زیادہ دہشت ناک ہے۔ ہمارا سمندر ہماری یہ گردش میں رہنے والی زمین ہے اور اس سمندر کی ہر لہر میں ہزاروں جنازے ہیں۔ اور یہ سمندر اُن کے سمندر سے ہزار گنا زیادہ ہولناک ہے۔ اور ہماری مچھلی ہماری یہ نفسانی خواہشات ہیں، اور یہ ہماری ابدی زندگی کو چاروں طرف سے بھینچے ہوئے ہے اور اسے ہلاک کرنے کی کوشش میں ہے۔ اور یہ مچھلی اُن کی مچھلی سے ہزار درجے زیادہ نقصان دہ ہے؛ کیونکہ اُن کی مچھلی تو سو سال کی زندگی کو ہلاک کرتی ہے لیکن ہماری مچھلی کروڑوں سالوں کی زندگی کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے کے درپے ہے۔

ہماری حقیقی حالت اگر کچھ اسی طرح کی ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم حضرت یونس علیہ السلام کی اقتدا کرتے ہوئے تمام اسباب سے منہ موڑ لیں اور بغیر کسی توسُّط کے اپنے مُسبّبُ الاسباب پروردگار کی پناہ میں آجائیں اور کہیں:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾

اور اس بات کا عینُ الیقین حاصل کر لیں کہ ہماری غفلت و گمراہی کی وجہ سے مستقبل، دُنیا اور ہوائے نفس ہمیں برباد کرنے پر متفق ہو چکے ہیں، اور جو ذات ہمیں ان کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے وہ وہی ذات ہے کہ مستقبل جس کے امر کے، دنیا جس کے حکم کے اور ہمارے نفس جس کی ادارات کے تحت ہیں۔

کیا خالقُ السماوات والارض کے علاوہ اور کوئی سبب ہے جو ہمارے دلوں کے گہرے اور مخفی ترین خیالات سے واقف ہو؟ جو آخرت کو وجود دے کر ہمارے مستقبل کو روشن کر دے اور ہمیں دنیا کی لاکھوں غرق کر دینے والی موجوں سے بچا کر ساحلِ نجات پر اُتار سکتا ہو؟ یقیناً کوئی نہیں۔ اُس واجبُ الوجود ذات کے سوا کوئی بھی چیز کسی بھی لحاظ سے اس کے اذن اور ارادے کے بغیر نہ مدد کر سکتی ہے اور نہ ہی نجات دے سکتی ہے۔

پس جب حقیقت کچھ اِسی طرح سے ہے تو پھر ہمیں بھی اِن مناجات کے راز کو سامنے رکھ کر کہنا چاہیے کہ جب ہماری حالت درحقیقت کچھ اسی طرح کی ہے تو پھر ہمیں بھی ان مناجات کے راز کو سامنے رکھ کر اُن کی نظرِ رحمت کا وسیلہ لے کر اور اُن کے لطف و کرم کی بھیک مانگتے ہوئے اُن دلکش مناجات کو سامنے رکھنا چاہیے جنہوں نے سیدنا یونس علیہ السلام کے لیے مچھلی کو اس طرح مسخر کر دیا تھا کہ گویا وہ سمندر کے نیچے چلنے والی اور سمندر کو ایک خوبصورت سیرگاہ بنا دیا تھا۔

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾

اور ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ﴾ کے جملے سے اس کی نظرِ رحمت کی توجہ اپنے مستقبل کی طرف، ﴿سُبْحَانَكَ﴾ والے سے اپنی دنیا کی طرف اور ﴿اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ﴾ والے فقرے سے اپنے نفوس کی طرف مبذول کرائیں تاکہ نورِ ایمان اور مہتابِ قرآن سے ہمارا مستقبل روشن ہو جائے۔ اور ہماری رات کی دہشت اور وحشت اُنس و تفریح میں بدل جائے اور

Marfat.com

ہمارا یہ کرہ اور ہماری دنیا۔ جس پر سالوں اور صدیوں کی موجوں کے دوش پر بے حد وحساب سوار ہیں اور یہ جنازے موت وحیات کی دائمی تبدیلی سے عدم کی بھینٹ چڑھتے جا رہے ہیں۔ ہماری یہ دنیا اِسلام کی اُس حقیقت میں داخل ہو جائے گی جو قرآن کے کارخانے میں بنے ہوئے ایک معنوی سفینے کا حکم رکھتی ہے۔ اور ہماری یہ زمین اس سمندر کی سطح پر محوِ سفر رہے گی تا آنکہ ساحلِ امن وعافیت پر جا لگے، اور ہمارا وظیفۂ حیات اختتام پذیر ہو جائے۔

چنانچہ ہم جب اس پُر ہیبت منظر کا نظارہ نورِ قرآن کی دُوربین سے کرتے ہیں تو ہمیں بہت سے دم بدم تبدّل آشنا اور تجدّد پذیر مناظر نظر آتے ہیں، ان کی دائمی تجدّد پذیری سطحِ سمندر پر چلنے والی تیز ہواؤں اور اس میں پیدا ہونے والے ہچکولوں اور زلزلوں سے جنم لیتی خوفناک وحشت کو ایک عبرت گیر نظر عطا کرتی اور مخلوق کے بارے میں غور وفکر پر اُبھارتی ہے، اور یوں یہ وحشت تجدُّد کی خوش منظری ورعنائی اور تجدید کی لطافت سے روشنی حاصل کرے گی۔ اب ہمارے نفس ہائے امارہ ہمیں مغلوب نہیں کر سکیں گے بلکہ قرآن کریم کے عطا کردہ اس لطیف راز کی بدولت ہم ہی اِسے مغلوب کریں گے، بلکہ قرآن کریم سے پھوٹنے والی اس تربیت کے طفیل ہم اس پر سوار ہو جائیں گے اور یوں نفسِ امّارہ ہماری اطاعت گزار ہو جائے گا اور ہمیں دائمی زندگی سے ہمکنار کرنے کا ایک نفع مند وسیلہ اور بہترین ذریعہ بن جائے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ: انسان جب اپنی جامع ماہیت کے اعتبار سے جیسے بخار سے دکھ درد محسوس کرتا ہے ویسے ہی زمین کی جنبش اور قیامت میں برپا ہونے والے کائنات کے زلزلۂ کبریٰ سے کانپتا اور دُکھ درد محسوس کرتا ہے، اور جس طرح مائکروبی جراثیم سے ڈرتا ہے ویسے ہی اَجرام سماوی میں ظاہر ہونے والے دم دار ستارے سے ڈرتا ہے۔ وہ جس طرح اس عظیم الشان دنیا سے محبت کرتا ہے اُسی طرح اپنے گھر سے بھی محبت کرتا ہے، اور جس طرح اُس غیر محدود جنت کے ساتھ پورے اشتیاق سے محبت کرتا ہے اُسی طرح اپنے چھوٹے سے باغیچے سے بھی محبت کرتا ہے۔ تو ایسے انسان کا معبود، اُس کا پروردگار، اس کی پناہ گاہ، اس کا نجات دہندہ اور مقصود ومطلوب وہی ہونا چاہیے کہ یہ کائنات تمام کی تمام جس کے قبضۂ تصرّف میں ہو، ذرّات وسیارات جس کے تابعِ فرمان ہوں۔

پس اس طرح کا انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ یونس علیہ السلام کی طرح کہتا رہے کہ: ﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

☆ ☆ ☆

Marfat.com

دوسرا لمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاَیُّوبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾

بے شک صبر و شکیبائی کے ہیرو سیدنا ایوب علیہ السلام کی یہ مناجات بڑی مجرب اور مؤثر ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم آیتِ کریمہ سے اقتباس کرتے ہوئے کہیں کہ:

﴿رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾

حضرت ایوب علیہ السلام کے مشہور قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ: وہ مدتِ مدید تک خارش، پھوڑوں اور زخموں کا تختۂ مشق رہے، لیکن اُنہوں نے بکمال صبر و استقامت اس بیماری کو برداشت کیا اور اس پر پروردگار سے ثوابِ عظیم کی اُمید رکھی۔ پھر جب اُن زخموں سے جنم لینے والے کیڑوں نے آپ کے دل اور زبان کو نقصان پہنچایا تو پھر آپ نے اپنے پروردگار سے مناجات کیں، اپنی استراحت کے لیے نہیں بلکہ اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں آپ کی عبودیت میں خلل نہ آجائے؛ کیونکہ اِن زخموں نے آپ کے دل اور زبان کو متاثر کر دیا تھا جو کہ ذکر اور معرفتِ الٰہیہ کا مقام ہیں۔ چنانچہ آپ نے کہا:

پروردگار! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور یہ میری زبان کے ذکر اور دل کی عبودیت میں خلل انداز ہو رہی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی خالص اور پاک صاف مناجات کو معجزانہ شرفِ قبولیت بخشا اور اُنہیں مکمل عافیت عطا فرمائی اور اپنی رحمتِ شاملہ کا مظہر بنا دیا۔

☆ یہ لمعہ پانچ نکات پر مشتمل ہے۔

پہلا نکتہ

حضرت ایوب علیہ السلام کے زخموں اور ظاہری امراض کے مقابلے میں ہم باطنی رُوحانی اور قلبی امراض کا شکار ہیں، چنانچہ اگر ہمارا باطن ظاہر بن جائے اور ظاہر باطن بن جائے تو ہم ایوب علیہ السلام سے کہیں زیادہ زخمی اور بیمار نظر آئیں گے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ:

ہمارا ہر گناہ اور ہمارے ذہنوں میں جنم لینے والا ہر شُبہہ ہمارے قلوب و اَرواح میں زخم چھوڑ جاتا ہے۔ جناب ایوب علیہ السلام کے زخم اُن کی چھوٹی سی زندگی کو ڈراتے دھمکاتے تھے، لیکن ہمارے معنوی زخم ہماری اَبدی اور لمبی زندگی کو دھمکا رہے ہیں۔ اِس لیے ہم اِن ''ایوبی مناجات'' کے حضرت ایوب علیہ السلام سے ہزار درجہ زیادہ محتاج ہیں۔ اور خاص کر اِس

۱۴۲۴۶۹

Marfat.com

صورت میں کہ جس طرح اُن کے زخموں سے پیدا ہونے والوں کیڑوں نے اُن کے دل اور زبان کو نقصان پہنچا دیا تھا، اِسی طرح گناہوں سے پھوٹنے والے زخم اور ان زخموں سے جنم لینے والے وسوسے اور شکوک وشبہات ہمارے دل کے باطن کو چُھوتے ہیں جو کہ محلِ ایمان ہے اور ایمان کو زخمی کر دیتے ہیں، اور زبان کے روحانی ذوق کو چھوتے ہیں جو کہ ایمان کی ترجمان ہے، چنانچہ اس سے ذکر کی لذت چھین کر اُس کے رُوحانی ذوق کو تہ وبالا کر دیتے ہیں اور اُس کو ذکرِ الٰہی سے متنفر اور دور کرتے ہوئے کلی طور پر خاموش کر دیتے ہیں:

بلا شبہ گناہ دل میں پوری شدت سے گھس جاتا ہے اور اپنی جڑیں اس کی گہرائی تک لے جاتا ہے اور پھر اس میں سیاہ نقطے لگاتا رہتا ہے، حتی کہ اس سے ایمان کی روشنی کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور اس سے دل تاریک اور ویران ہو جاتا ہے دل میں تاریکی اور ویرانی کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور انتہائی سخت اور کٹھور ہو جاتا ہے۔؛ کیونکہ ہر گناہ کے اندر سے ایک راستہ نکل کر کُفر تک جاتا ہے، اس لیے اگر اس گناہ کو فوراً استغفار کے ساتھ مٹا نہ دیا جائے تو وہ ایک کیڑے کی طرح نہیں بلکہ ایک چھوٹے سے سانپ کی طرح دل کو ڈس لیتا ہے:

مثال کے طور پر ایک آدمی خفیہ طور پر کسی ایسے گناہ کا اِرتکاب کرتا ہے جو شرمندگی کا باعث ہو، پھر وہ جب دوسروں کو بتانے سے گریز کرتا ہے تو ملائکہ اور دیگر رُوحانی قوّتوں کا وجود اُس کے لیے بوجھ بن جاتا ہے اب ان حالات میں وہ کسی بھی چھوٹی موٹی دلیل سے اُن کے وجود کا اِنکار کرنا چاہتا ہے۔

اور مثال کے طور پر:

ایک آدمی کسی ایسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جس کا انجام جہنم ہے، تو اگر استغفار کے ذریعے اس سے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں کرے گا تو اُسے جب بھی جہنم سے ڈرایا جائے گا وہ اپنی دل کی گہرائیوں سے جہنم کی نہ ہونے کی خواہش ظاہر کرے گا۔ وہ کسی چھوٹے سے شک وشبہہ کے بل پر اُس کے وجود کے انکار کی جرأت کرے گا؛ کیونکہ دل کی گہرائیوں سے اُس کی یہ آرزو ہے کہ جہنم کا وجود نہیں ہونا چاہیے!

اور مثال کے طور پر: ایک آدمی نماز نہیں پڑھتا اور وظیفۂ عبادت کما حقہ ادا نہیں کرتا ہے، اور وہ اپنی کسی معمولی سی ذمہ داری سے غفلت کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے اپنے معمولی افسر کی معمولی سی ڈانٹ ڈپٹ سے تکلیف محسوس کرتا ہے، اب یہ آدمی خداوندِ کریم کی طرف سے بار بار صادر ہونے والے اوامر کے بارے میں جب اپنے فرائض سے غفلت برتے گا تو یہ غفلت اس کی رُوح میں شدید تنگی پیدا کرے گی، اور یہ تنگی اور تاریکی اس میں انکار کی رغبت پیدا کرے گی جس کی بنا پر وہ جھجکتے ہوئے انداز میں کہے گا:''کاش وہ اس طرح کی عبادت کا حکم نہ دیتا! کاش کہ یہ فریضہ نہ ہوتا! اس کے اس انداز سے انکار کی ایک اس طرح کی تمنا سر اُٹھاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معنوی عداوت کا پتا دیتی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص

Marfat.com

کے دل میں جب بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں کوئی شبہہ جنم لیتا ہے وہ اُس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایک قطعی دلیل کی طرح اُس کا دامن پکڑ لیتا ہے اور اس کے سامنے ہلاکت کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے لیکن وہ بدبخت یہ نہیں جانتا کہ انکار کی یہ رَوش اختیار کر کے وہ خود کو ایسی تنگی میں ڈال رہا ہے جو اس تنگی سے لاکھوں درجے سخت ہے، یعنی وظیفہء عبادت کی وجہ سے تو وہ ایک معمولی سی تنگی سے دوچار ہو رہا تھا لیکن اس کا انکار کر کے اس نے لاکھوں قسم کی تنگیاں مول لے لی ہیں، مطلب یہ کہ وہ مکھی کی خراش سے تو بھاگتا ہے لیکن سانپ کے ڈنگ پر خوش ہوتا ہے۔ اور یوں ان تین مثالوں پر قیاس کر کے ﴿بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ میں پایا جانے والا راز اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

دوسرا نکتہ

انسان کو مصائب و امراض میں شکوہ شکایت کرنے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں، جیسے کہ چھبیسویں مقالے، میں ''تقدیر'' کی بحث میں وضاحت سے بیان ہو چکا ہے۔

پہلی وجہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بدن کا لباس پہنایا ہوا ہے، اس لباس کو وہ اپنی صنعتگری کا مظہر بناتا ہے۔ اور انسان کو اُس نے ماپ بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اِس لباس کو اُس ماپ کے حساب سے کاٹتا ہے، بنابریں وہ کبھی اسے چھوٹا کرتا ہے اور کبھی اس میں تبدیلی لاتا ہے، اور یوں اپنے مختلف اسمائے گرامی کے جلووں کو آشکار کرتا ہے۔ پس جس طرح اسم گرامی ''الشافی'' ''مرض کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح اسم ''الرزّاق'' 'بھوک کا تقاضا کرتا ہے۔ دیگر اسمائے گرامی بھی اسی طرح ہیں۔

مَالِكُ الْمُلْكِ يَتَصَرَّفُ فِيْ مُلْكِهِ كَيْفَ يَشَاءُ۔

دوسری وجہ

زندگی مصائب و امراض کے ذریعے صاف ہوتی، قوت پکڑتی اور ترقی کرتی ہے، اور مصائب و آلام کے سبب سے ہی پھل دیتی، درجہء کمال کو پہنچتی اور زندگانی کے وظائف ادا کرتی ہے۔ فرشِ راحت پر لیٹی ہوئی ایک ہی ڈِگر پر چلتی ہوئی زندگی، وجود جو کہ خیرِ محض ہے، سے زیادہ عدم، جو کہ شرِ محض ہے، کے قریب ہے اور اس کی طرف رواں دواں ہے۔

تیسری وجہ

یہ دارِ دنیا امتحان اور عمل کی جگہ ہے۔ لذت، اجرت اور مکافات کی جگہ نہیں ہے۔

تو جب دنیا دارِ عمل اور محلِ عبادت ہے تو پھر امراض و مصائب بشرطیکہ وہ دینی نہ ہوں اور ان پر صبر بھی کیا جائے تو یہ

Marfat.com

اس عمل اور عبادت کے ساتھ مکمل موافقت رکھتے ہیں اور اسے قوت دیتے ہیں اور اس کی ہر گھڑی کو پورے دن کی عبادت کر دیتے ہیں، لہٰذا اس پر شکوے کی بجائے شکر ادا کرنا چاہیے۔

جی ہاں، عبادت کی دو قسمیں ہیں:

مثبت _ منفی

مثبت عبادت کے بارے میں سب جانتے ہیں۔ لیکن جہاں تک منفی عبادت کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امراض و مصائب میں مبتلا انسان کو جب اپنے ضعف و عجز کا احساس ہوتا ہے تو وہ سراپا التجا بن کر روتا گڑگڑاتا ہوا اپنے ربِّ رحیم کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور یوں اس عمل کے ذریعے وہ خالص عبادت بجالاتا ہے، ایسی خالص کہ جس میں ریاکاری کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اِن حالات میں اگر وہ صبر کرے، اپنی اس مصیبت کے ثواب کے بارے میں سوچے اور اس پر سراپا شکر و سپاس بن جائے تو اس صورت میں اس کی ہر گھڑی عبادت کے ایک دن کا حکم لے لے گی اور اس کی چھوٹی سی عمر ایک لمبی عمر کا رُوپ دھار جائے گی۔ بلکہ بعض کے نزدیک تو اس کا ایک منٹ ایک دن کی عبادت کی طرح ہو جائے گا۔

میرا ایک اُخروی بھائی تھا جس کا نام حافظ احمد مہاجر تھا، وہ ایک خطرناک قسم کے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتا تھا۔ ایک دن اچانک میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ:

اُسے خوشخبری دو، اُسے مبارکباد دو؛ کیونکہ اُس کی عمر کا گزرنے والا ایک ایک منٹ ایک ایک دن کی عبادت کا حکم لیتا جا رہا ہے۔ وہ یقیناً سراپا صبر بن کر شکر ادا کیا کرتا تھا۔

تیسرا نکتہ

ہر انسان جب اپنی گزشتہ زندگی کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل اور زبان پر یا تو غم کا ورود ہوتا ہے یا پھر خوشی کا؛ کیونکہ یا تو وہ افسوس کرے گا اور یا کہے گا: الحمد للہ، اب جو چیز اُس سے افسوس کرواتی ہے وہ معنوی آلام ہیں جو کہ گزرے وقت کی لذّتوں کے زوال اور فراق سے پیدا ہوتے ہیں؛ کیونکہ لذت کا زوال اَلم ہے، بلکہ کبھی ایک زوال پذیر لذت دائمی اَلم سے دوچار کر دیتی ہے۔ اور اُس کی یاد اُس اَلم کو کھود کھود کر اس کے اندر سے افسوس کے قطرے ٹپکاتی رہتی ہے۔ جبکہ ایک معنوی دائمی لذت جو کہ انسان کی گزشتہ زندگی کے آلام و مصائب کے زوال سے جنم لیتی ہے، وہ لذت انسان کی زبان سے الحمد للہ کہلواتی ہے جیسے کہ ہم نے ایک دو مقالوں میں اس کی وضاحت کی ہے۔ یہ ایک فطری حالت ہے جس کا شعور ہر انسان کو ہے۔ مزید یہ کہ ایک مریض اور دُکھی انسان جب اُس اجر و ثواب کے بارے میں سوچے گا جو اس کے ربِّ کریم نے اُس کے لیے آخرت میں تیار کر رکھا ہے اور جب اِس بارے میں سوچے گا کہ اس مصیبت کی وجہ سے اُس کی چھوٹی سی عمر طویل عمر میں تبدیل ہو گئی ہے، تو اِس پر وہ صبر سے بھی کئی گنا زیادہ شکر ادا کرے گا، اور بہر کیف یہ کہے گا کہ:

Marfat.com

الحمد لله علی کل حال سوی الکفر و الضلال

ایک مشہور مقولہ ہے کہ: ''مصیبت کا زمانہ لمبا ہوتا ہے''۔

جی ہاں! مصیبت کا زمانہ واقعتاً لمبا ہو جاتا ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ اس میں دُکھ درد ہوتا ہے جیسے کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ یہ زمانہ طویل عمر کی طرح زندگی سے بھرپور نتائج وثمرات عطا کرتا ہے۔

چوتھا نکتہ

اکیسویں مقالے کے پہلے مقام میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے صبر کی جو قوّت عطا کی ہوئی ہے، وہ اس قوّت کو اَوہام کی وادیوں میں پراگندہ نہ کر دے تو یہ اُسے ہر مصیبت کے مقابلے میں کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس پر وہم وغفلت نے اتنے دبیز پردے تان دیے ہیں کہ یہ اس فانی زندگی کو دائمی سمجھتا ہوا اپنی قوّتِ صبر کو ماضی اور مستقبل کی راہوں میں بکھیر دیتا ہے۔ اور یوں حال میں پائی جانے والی مصیبت کے مقابلے میں اس کے پاس چونکہ کچھ بھی نہیں رہتا ہے، چونکہ صبر کافی نہیں رہتا اس لیے وہ شکوے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ نعوذ باللہ انسان کے سامنے اللہ کی شکایتیں شروع کر دیتا ہے۔

پھر غیر منصفانہ انداز میں پاگلوں کی طرح شکوہ کر کے اپنی بے صبری کا اظہار کرتا ہے، جبکہ جو دن گزر گیا اس کی مصیبت گئی اور راحت باقی رہ گئی، اس کا درد واَلم گیا اور لذت باقی رہ گئی اور گلوگیری ودلگیری گئی اور اجر وثواب باقی رہ گیا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس حالت سے لذت گیر ہو کر شکر ادا کیا جائے نہ کہ شکوہ شکایت۔ اور یہ بھی ضروری ہوا کہ اُن ایام کے ساتھ محبت کی جائے نہ کہ اُن پر غصّے اور نفرت کا اظہار کیا جائے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی گزری ہوئی فانی عمر اس مصیبت کی وجہ سے ایک سعادت منداور باقی رہنے والی عمر کا رُوپ دھار جائے گی، اس لیے اُس میں پائے جانے والے مصائب وآلام کے تصوُّر میں گم رہنا اور اس وہم کی بنا پر اپنے صبر کا کچھ حصہ ان کی بھینٹ چڑھا دینا پاگل پن ہے۔ رہے آنے والے دن، تو وہ ابھی تک آئے نہیں، اس لیے آنے والے دنوں میں پیش آنے والے مرض اور مصیبت کا تصور کر کے بے صبری کا اظہار کرنا اور شکوہ شکایت کرنا حماقت ہے۔ چنانچہ جس طرح یہ بات حماقت بھرا جنون ہو گی کہ ایک انسان محض اس خدشے سے مسلسل کھانا پینا شروع کر دے کہ کل اور پرسوں مجھے بھوک اور پیاس لگے گی، اسی طرح یہ بات بھی سراپا حماقت اور جنون ہو گی کہ انسان کل کلاں آنے والے اُن آلام ومصائب کے بارے میں سوچتا رہے اور اُن سے دُکھ اُٹھاتا رہے؛ اور ان کی وجہ سے پریشان اور مصروفِ آہ وفغاں رہے جن کا آج وجود ہی نہیں ہے۔ ایسی رَوِش اختیار کر کے اپنی جان پر بغیر کسی مجبوری کے خود ظلم کرنا ایک ایسی بیوقوفی ہے جس کی وجہ سے ایسا آدمی کسی شفقت ورحمت کا مستحق نہیں رہتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ: جس طرح شکر نعمت میں اضافے کا باعث بنتا ہے اس طرح شکوہ مصیبت میں اضافہ کرتا ہے اور

Marfat.com

ایسے شکایت کے خوگر ناشکرے انسان سے شفقت ورحمت کا استحقاق چھین لیتا ہے۔

شہر میں ایک نیک آدمی کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ یہ پہلی جنگ عظیم کے پہلے سال کی بات ہے۔ میں اُس کی تیمارداری کے لیے گیا تو اُس نے مجھے کہا: ''پچھلی سوراتوں سے میں تکیے پر سر بھی نہیں رکھ سکا، یعنی بالکل سو نہیں سکا ہوں۔'' اور یوں اُس نے دردناک قسم کا شکوہ کیا۔ مجھے اُس کی اس حالت سے بہت تکلیف ہوئی پھر اچانک میرے دل میں ایک بات آئی اور میں نے اسے کہا:

میرے بھائی! تمہارے گزرے ہوئے درد بھرے سو دن اب خوشی بھرے سو دنوں کے حکم میں ہیں، اس لیے انہیں یاد کر کے حرفِ شکایت زبان پر مت لاؤ بلکہ اُن کے گزر جانے کا شکر ادا کرو۔ رہے آنے والے دِن، تو وہ ابھی آئے نہیں اس لیے ان کے بارے میں اپنے رحمان ورحیم پروردگار کی رحمت پر بھروسا رکھو۔ مار پڑے بغیر رونے پر آمادہ نہ رہو۔ جو چیز ہے ہی نہیں اُس سے ڈرو نہیں، اور عدم کو وجود کا رنگ نہ دو اور صرف موجودہ گھڑی کو ذہن میں رکھو۔ اور موجودہ گھڑی سے نپٹنے کے لیے تمہاری قوّتِ صبر کافی ہے۔ اور اُس پاگل کمانڈر کا کردار مت ادا کرو جس نے اپنے مرکز کی قوّت کو عین اُس وقت دائیں بائیں منتشر کر دیا جبکہ دشمن کا بایاں دستہ اس کے دائیں دستے سے آملا اور یوں دائیں دستے کی قوّت میں اضافہ ہو گیا۔ لیکن یہ دایاں دستہ ابھی حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اب اس کمانڈر نے یہ کیا کہ اپنے مرکز کی قوّت کو دائیں بائیں بھیج کر مرکز کو کمزور کر دیا دشمن نے اس صورتحال سے فائدہ اُٹھایا اور معمولی سے حملے کے ساتھ اس کے مرکز کو تہس نہس کر دیا۔

اس لیے تم اے میرے بھائی، اس کمانڈر جیسے مت بنو، اپنی تمام قوّت کو لمحۂ موجود کے لیے جمع کرو اور اللہ کی رحمت اور آخرت کے اجر کو نگاہ میں رکھو، اور یہ بات ذہن نشیں کر لو کہ تمہارا یہ مرض تمہاری چھوٹی سی اور فانی عمر کو ایک لمبی اور باقی عمر میں تبدیل کر دیتا ہے؛ اس لیے اس درد بھرے شکوے شکایت کی بجائے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

میری اس گفتگو سے وہ آدمی بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: الحمدللہ، میرا مرض صرف دس حصوں میں سے گر کر ایک حصہ رہ گیا ہے۔

پانچواں نکتہ: اس میں تین مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ

اصل اور نقصان دہ مصیبت وہ ہے جو دین کو پہنچے۔ اس لیے باری تعالیٰ کی چوکھٹ پر پناہ لے کر اُس دین کو نقصان دینے والی مصیبت سے محفوظ رہنے کی ہمیشہ دعا مانگنی چاہیے۔ رہے وہ مصائب جو کہ دین کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتے، تو وہ حقیقت کی نظر میں مصائب نہیں ہوتے، اُن میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو رحمانی تنبیہ وفہمائش کی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ

Marfat.com

جس طرح ایک چرواہا کسی دوسرے کے کھیت میں گھس جانے والی بکری کو پتھر مارتا ہے تو بکری سمجھ جاتی ہے کہ یہ پتھر مجھے خطرے سے آگاہ کرنے اور نقصان سے بچانے کے لیے آیا ہے، اور وہ راضی خوشی اپنی چراگاہ میں واپس آجاتی ہے؛ اسی طرح بہت سے ظاہری مصائب ہیں، جو کہ دراصل الٰہی تنبیہات ہیں۔

اور کچھ مصائب اُن میں سے وہ ہیں جو کہ گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔

اور کچھ وہ ہیں جو آکر انسان کو غفلت سے بیدار کرتے ہیں اور اسے انسانی ضعف و عجز کا شعور دے کر ایک قسم کا شعور بخشتے ہیں۔

رہا وہ مرض جو کہ مصیبت کی ایک قسم ہے، تو اِس طرح کا مرض مصیبت نہیں بلکہ یہ التفاتِ رحمانی اور تطہیر ہے جیسے کہ ایک حدیث بھی ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے: بخار کی کپکپاہٹ سے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے کہ درخت کو ہلانے سے پکے ہوئے پھل گر جاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام نے اپنی مناجات میں خود اپنی ذات کی راحت و رامش کے لیے نہیں پکارا تھا، بلکہ جب نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ مرض ذکرِ لسان وفکرِ قلب کے لیے رُکاوٹ بن گیا تو اُنہوں نے وظیفۂ عبودیت کی خاطر شفا کے لیے دعا کی۔ پس ہمیں اس مناجات کے ذریعے اپنے گناہوں سے جنم لینے والے معنوی اور رُوحانی زخموں کے لیے شفا کی نیت سے دعا مانگنی چاہیے۔ اور ہمارا اوّلین مقصد یہی ہے_ اور ہمیں اپنے مادی امراض کے لیے بھی جبکہ وہ عبادت کے آگے رکاوٹ بن جائیں_ اللہ کے حضور گریہ زاری کرنی چاہیے۔ لیکن یہ گریہ زاری اعتراض اور شکوہ شکایت کے انداز میں نہیں ہونی چاہیے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی عاجزی و درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے اور مدد طلبی کے انداز میں اس کی پناہ میں آجائیں؛ کیونکہ جب ہم اس کی ربوبیت پر راضی ہیں تو پھر اس ربوبیت کی جہت سے وہ ہمیں جو کچھ بھی دے ہمیں اُس پر راضی رہنا چاہیے۔ لیکن ایسے انداز سے شکوہ شکایت اور آہ وزاری کرنا جس سے اُس کی قضا وقدر پر اعتراض کا پہلو نمایاں ہوتا ہو، یہ انداز تقدیر پر تنقید اور رحمت پر تہمت زنی کے مترادف ہے۔ جو تقدیر پر تنقید کرے گا وہ اپنا سر ہتھوڑا پر مار مار کر پھوڑ لے گا۔ اور جو رحمت کو الزام دے گا وہ باری تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔ چنانچہ جس طرح ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو اگر انتقام لینے کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ مزید ٹوٹے گا، اسی طرح مصیبت میں مبتلا انسان اگر مصیبت کے مقابلے میں غم، شکوہ، شکایت، اعتراض اور قلق واضطراب کرے گا تو مصیبت کو دوگنا کر بیٹھے گا۔

دُوسرا مسئلہ

انسان جب بھی کسی مادی مصیبت کو بڑا سمجھے گا وہ بڑی ہو جائے گی اور جب بھی اسے چھوٹا سمجھے گا وہ چھوٹی ہو جائے گی، مثال کے طور پر: رات کے وقت آنکھ کے ساتھ چھو جانے والے کسی خیال پر انسان اگر زیادہ توجہ دے گا تو وہ پھیلتا

Marfat.com

جائے گا اور اگر اس کی طرف مطلق توجہ نہیں دے گا تو وہ غائب ہو جائے گا۔ اور جیسے کہ اگر وہ شہد کی مکھیوں کو چھیڑے گا تو وہ اس پر زیادہ شدت سے حملہ کر دیں گی، اور اگر اُن سے پرے ہٹ جائے گا تو وہ متفرق ہو جائیں گی۔

یہی صورتِ حال ان مادی آلام و مصائب کی ہے، کہ انسان اگر اِن کو زیادہ اہمیت دے گا اور انہیں بڑا سمجھے گا تو وہ بڑے ہوتے جائیں گے اور غم واندوہ کی وجہ سے بڑھتے بڑھتے جسم سے آگے بڑھ کر اپنی جڑیں دل میں مضبوط کر لیں گے اور وہاں معنوی مصیبت کا نتیجہ دیں گے اور پھر اس معنوی مصیبت کو اپنا مرکز بنا کر طول پکڑتے جائیں گے۔

لیکن انسان جب اس غم واندوہ اور قلق واضطراب کو توکل اور رضا بالقضا کا سہارا لے کر پرے ہٹا دے گا تو یہ مادی مصیبت دھیرے دھیرے ہلکی پڑ جائے گی، بالکل اُس درخت کی طرح کہ جس کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو وہ دھیرے دھیرے سوکھ کر ختم ہو جائے گا۔ میں نے ایک دن اس حقیقت کی ترجمانی ان الفاظ کے ساتھ کی تھی:

ارے مسکین! چیخ وپکار چھوڑ،

مصیبت میں اللہ پر بھروسا رکھ۔

یاد رکھ کہ، چیخ وپکار بلا در بلا در خطا ہے۔

اگر تجھے وہ مل جائے جس نے تجھے مبتلائے مصیبت کیا ہے تو یاد رکھ کہ، پھر یہ مصیبت بلا دَر صفا ہے۔ صفا دَر عطا ہے۔

تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تُو چھوٹی سی مصیبت پر مصروف آہ وفغاں ہے جبکہ تیرے سر پر تو پوری دنیا کے برابر مصیبتیں ہیں۔

اس لیے آ توکل کر۔

توکل کی مدد سے مصیبت کا سامنا کر کے مسکرایا کر تا کہ خود مصیبت بھی مسکرا دے۔ کیونکہ مصیبت جُوں جُوں مسکرائے گی چھوٹی ہوتی چلی جائے گی اور تبدیل ہوتی جائے گی۔

جس طرح ہنسنے کے طفیل باہمی عداوت مصالحت کا رُوپ دھار جاتی ہے اور جھگڑا مزاح کا رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ اور خوفناک دشمن کے سامنے مسکراہٹ سے ظلم زیادتی کمزور ہوتی ہوتی بالآخر منعدم ہو جاتی ہے۔ مصیبت کے سامنے بھی یہی رویہ اختیار کرکے اور توکل کا ہاتھ پکڑ کر اس کے دائرے سے باہر نکلا جائے گا۔

تیسرا مسئلہ

ہر دور کا اپنا ایک علیحدہ حکم ہوتا ہے، چنانچہ غفلت کے اس دور میں مصیبت نے اپنی شکل وصورت تبدیل کر لی ہے، مطلب یہ کہ بعض اوقات اور بعض لوگوں کے ہاں مصیبت مصیبت نہیں بلکہ لطفِ الٰہی ہوتی ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دور میں مریض بڑے خوش بخت ہیں، بشرطیکہ یہ مصیبت دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نہ تو مصیبت میرے ذہن میں کوئی ایسی سوچ پیدا کرتی ہے جو مرض یا مصیبت کے لیے مخالفانہ رویہ رکھتی ہو، اور نہ ہی کسی مریض یا

Marfat.com

مصیبت زدہ کو دیکھ کر مجھے دُکھ درد کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ میرے پاس جو بھی نوجوان مریض آتا ہے میں اس کے بارے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اپنے جیسے دوسرے نوجوانوں کی بہ نسبت دین کے ساتھ زیادہ مضبوط بندھن سے بندھا ہوا ہے اور اس کا دل آخرت کے ساتھ اُن سے زیادہ جُڑا ہوا ہے۔ اس سے مجھے یہ یقین ہوگیا کہ اس قسم کی بیماری ایسے لوگوں کے حق میں کوئی مصیبت نہیں بلکہ نعمتِ الٰہیہ کی ایک قسم ہے؛ کیونکہ اس بیماری نے اگر چہ بظاہر اُس کی چھوٹی سی اور فانی زندگی کو مبتلائے مشقت کر دیا ہے لیکن یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ اُس کی ابدی زندگی کے لیے سُود مند ثابت ہوگی اور ایک قسم کی عبادت کے حکم میں آجائے گی۔

جی ہاں، یہ بات عین ممکن ہے کہ یہ نوجوان اگر صحت وعافیت سے بہرہ ور رہوتا تو اُن اُمور کا التزام نہ کرسکتا جن کا حالتِ مرض میں کررہا ہے، بلکہ جوانی کی سرمستیوں میں اور زمانے کی ناہمواریوں میں کھو کر نفسانی خواہشات کی رَو میں بہہ جاتا!۔

خاتمہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی لامحدود قدرت اور لا انتہا رحمت کے اظہار کے لیے انسان کی ماہیت میں لامحدود عجز اور نہ ختم ہونے والا فقر رکھ دیا ہے۔

اِسی طرح اُس انسان کو اپنے لامحدود نقوش واسماء کے اظہار کے لیے ایک مشین کی طرح پیدا کیا ہے، چنانچہ یہ لامحدود جہتوں سے لذّت اُٹھاتا ہے اور اِسی طرح لا انتہا جہتوں سے دُکھ پاتا ہے۔ اور اس انسانی مشینری میں سینکڑوں آلات پائے جاتے ہیں اور ہر آلے کا ایک علیحدہ دُکھ ہے، علیحدہ لذت ہے، علیحدہ عمل ہے اور علیحدہ جزا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اَسمائے الٰہیہ جو کہ انسانِ اکبر یعنی کائنات میں تجلّی ریز ہیں اُن اسماء کے جلوے انسان کے اندر بھی جگمگا رہے ہیں جو کہ عالَمِ اصغر ہے۔

اس عالَمِ اصغر یعنی انسان میں پائے جانے والے تمام نفع بخش اُمور جیسے صحت وعافیت ولذات وغیرہ اِسے آمادۂ شکر کرتے ہیں اور اس مشینری کو بہت سی جہتوں سے متعدد کام لینے کے لیے استعمال کرتے ہیں جس سے انسان شکر کی ایک چھوٹی سی فیکٹری کا رُوپ دھار جاتا ہے، اِسی طرح باری تعالیٰ مصائب، بیماریوں، آلام اور حرکت دینے والے دیگر عوارض کے ذریعے اسی مشین کے دیگر پہیوں کو بھی متحرک کر دیتا ہے اور اس طرح ماہیت انسانی میں مندرج عجز، ضعف وفقر کی معدنیات کو کام میں لاتا ہے۔ چنانچہ یہ آلام ومصائب انسان کو صرف ایک زبان سے نہیں بلکہ تمام اعضاء کی زبانوں سے بارگاہِ خداوندی میں پناہ خواہی اور مدد کی صورت سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ گویا کہ انسان ان عوارض ومصائب میں ایک ایسے متحرک قلم کا رُوپ دھار جاتا ہے جس کے دامن میں ہزاروں مختلف قلم پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ انسان اس کے ساتھ اپنے صحیفۂ حیات میں یا لوحِ مثال میں اپنی زندگی کے مقدّرات کو رقم کرتا رہتا ہے اور اُن سے اسمائے الٰہیہ کے اعلان واظہار کی لوحیں تیار کرتا رہتا ہے۔ اور یوں انسان ایک سبحانی منظوم قصیدہ بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کا وظیفہ ادا کرتا رہتا ہے۔

Marfat.com

تیسرا لمعہ

نوٹ۔اس مضمون میں ذوق وشوق اور جذبات واحساسات کی کافی حد تک آمیزش ہے،اس لیے میں یہ امید کرتا ہوں کہ اسے منطق کے معیاروں پر نہیں پرکھا جائے گا،اس کی وجہ یہ ہے کہ جذبات واحساسات کو نہ تو عقل کے قاعدوں ضابطوں سے پرکھا جاتا ہے اور نہ ہی فکر ونظر کے پیمانوں سے جانچا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَه، لَه الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

اس عظیم الشان آیت کریمہ کی تفسیر دو ایسے جملے کرتے ہیں جو دو بہت بڑی حقیقتوں کی پردہ کشائی کرتے ہیں، وہ دو جملے اتنے اہم ہیں کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں نے انہیں اپنے اوراد واذکار کے مغز کی حیثیت دے رکھی ہے، وہ لوگ ان جملوں کا ورد اپنے خاص ختم میں کرتے ہیں، وہ دو جملے یہ ہیں:

یا باقی أنت الباقی   یا باقی أنت الباقی

یہ دو جملے اس آیتِ کریمہ میں پائے جانے والے بے شمار جلیل القدر معانی پر مشتمل ہیں، ہم یہاں چند ایسے نکتے بیان کرتے ہیں جن سے اُن دو حقیقتوں کی وضاحت ہوگی جن کی پردہ کشائی یہ دو جملے کرتے ہیں:

پہلا نکتہ:

یا باقی انت الباقی کا جب پہلی دفعہ ورد کیا جاتا ہے تو دل کو ماسوی اللہ سے بالکل خالی کر دیتا ہے، یہ جملہ دل میں وہی عمل کرتا ہے جو عمل جراحی کرتا ہے، چنانچہ یہ دل سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو کاٹ کر باہر پھینک دیتا ہے۔اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ہمہ گیر قسم کی فطرت اور ماہیت عطا کی ہے اس کی بنا پر یہ اکثر مخلوقات کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے،اس کی اِس ہمہ گیر فطرت اور ماہیت میں محبت کی جو غیر محدود استعداد رکھ دی گئی ہے اُس کی وجہ سے یہ عمومی طور پر تمام موجودات ومخلوقات کے ساتھ گہری محبت رکھتا ہے۔وہ اس بہت بڑی دنیا کے ساتھ ایسے ہی محبت رکھتا ہے جیسے اپنے گھر کے ساتھ،اور وہ جنت کے وسیع وعریض باغات کے ساتھ ایسے ہی محبت رکھتا ہے جیسے اپنے باغیچے کے ساتھ۔لیکن یہ موجودات جن کے ساتھ انسان محبت کا دم بھرتا ہے،انہیں دوام حاصل نہیں ہے، بلکہ سب کی سب زوال پذیر ہیں، یہی وجہ

Marfat.com

ہے کہ انسان ہمیشہ جدائی کے دُکھ سے دوچار رہتا ہے، اور اس غیر محدود اور لازوال محبت کو محدود اور زوال پذیر چیزوں کے ساتھ وابستہ کر کے غیر محدود روحانی عذاب میں گرفتار رہتا ہے، صرف اس وجہ سے کہ وہ محبت کا غلط استعمال کر کے بہت بڑی کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لئے اس ضمن میں وہ جن آلام ومصائب کا شکار رہتا ہے وہ اس کی اپنی کوتاہی سے جنم لیتے ہیں کیونکہ اس میں محبت کی استعداد اس لیے ودیعت کی گئی ہے کہ وہ اس کا تعلق صرف اس ذات کے ساتھ جوڑ کر رکھے جس کا حُسن غیر محدود اور لازوال ہے۔ لیکن انسان ایسا نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ اپنی محبت کا تعلق اُن موجودات کے ساتھ جوڑتا ہے جو از بس فانی اور زوال پذیر ہیں، اور یوں اپنے کرموں کا پھل وہ الم ہائے فراق کی صورت میں پاتا ہے۔

اس لیے انسان جب ''یا باقی أنت الباقی'' کا ورد کرتا ہے تو اُس وقت دراصل وہ یہ اِعلان کرتا ہے کہ میں اس کمی کوتاہی سے دستبردار ہوتا ہوں، ان فانی محبوبوں سے قطعِ تعلق کرتا ہوں اور قبل اس کے کہ یہ مجھے چھوڑ جائیں، میں خود ہی انہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ اور پھر وہ اپنے فکر ونظر کا محور ہمیشہ رہنے والے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کو بنالیتا ہے۔

یعنی وہ ''یـابـاقـی أنـت الـبـاقـی'' کے ذریعے یہ کہتا ہے کہ: ''الٰہی! تیرے سوا کسی کو بھی حقیقی بقا حاصل نہیں ہے، تیرے علاوہ جو کچھ بھی ہے فانی، زوال پذیر اور لازوال عشق کے قابل نہیں ہے، اور نہ ہی اسے وہ دل دیا جاسکتا ہے جو درحقیقت بقا ودوام کے لیے بنایا گیا ہے''۔ اور چونکہ یہ تمام موجودات دم بدم فنا ہورہی ہیں اور یہ سب عنقریب مجھے چھوڑ کر اپنا راستہ لیں گی اس لیے قبل اس کے کہ یہ مجھ سے منہ موڑ کر چل دیں، میں انہیں خود ہی

''یا باقی أنت الباقی''

کہتا ہوا چھوڑتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میرا یہ یقینی اعتقاد ہے کہ تیرے سوا میرے مالک! کوئی بھی حقیقی بقا کا اہل نہیں ہے، اور یہ موجودات اس وقت تک باقی ہیں جب تک کہ تُو نے انہیں باقی رکھا ہے، اس لیے ان کے ساتھ محبت کا رشتہ تیری محبت اور تیری رضامندی کی روشنی میں ہی استوار کیا جاسکتا ہے، وگرنہ وہ تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان سے دل لگایا جاسکے۔

یہ کیفیت دل کو ان تمام محبوباؤں سے یکسر خالی کر دیتی ہے جنہیں پہلے وہ بے حساب محبت سے نوازرہا تھا، کیونکہ وہ تمام محبوب جو پہلے اسے حسن وجمال کا مجسّمہ نظر آتے تھے، اب اسے صاف نظر آنا شروع ہو جاتا ہے کہ یہ سب تو فنا وزوال کی زد میں ہیں۔ اب وہ تمام بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹنے شروع ہو جاتے ہیں جن کے ذریعے دل موجودات کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس کے بَرخلاف اگر دل اپنے اِن فانی محبوباؤں کے مجسّموں سے خالی نہ ہوسکے تو پھر ان فانی محبوباؤں کی تعداد کے برابر اس کی تہ میں نشتر چلتے ہیں، زخم پھوٹتے ہیں: دُکھ اُبھرتے ہیں اور حسرتیں اٹھتی ہیں۔

رہا دوسرا جملہ، یعنی ''یا باقی أنت الباقی''

Marfat.com

تو یہ اُس شفا بخش مرہم اور لوشن کی حیثیت رکھتا ہے جو زخموں کو مُندمل کرتا ہے، پہلے جملے نے دِل کا آپریشن کیا تھا اور اس میں جم کر بیٹھ جانے والے تمام تعلقات کو کاٹ کر باہر کر دیا تھا، اور یہ دوسرا جملہ ان زخموں کے لیے مرہم کا کام دیتا ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے: ''میرے مالک! میرے لیے یہی کافی ہے کہ تو باقی ہے، تیری بقا کے ہوتے ہوئے مجھے اور کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اور چونکہ میرے آقا! تو موجود ہے، اس لئے ہر چیز موجود ہے''۔

جی ہاں! موجودات میں جو حسن، احسان اور کمال پایا جاتا ہے _ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ پیار کا جذبہ اُبھرتا ہے _ وہ اس ذات کا احسان اور کمال اور کا پتہ دیتا ہے جو حقیقت میں باقی رہے گی۔ کائنات میں پایا جانے والا یہ حسن و جمال اور کمال اُس حسن و جمال و کمال کا پرتَو ہے جو بے شمار پردوں کے پیچھے سے جھلک رہا ہے، بلکہ یہ حسن و جمال اس کے اسمائے حُسنیٰ کی تجلّیات کے پرتَو کا بھی پرتو ہے۔

دوسرا نکتہ:

انسان کی فطرت میں بقا و دوام کا شدید عشق پایا جاتا ہے، اس حد تک کہ وہ جن چیزوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اُن کے بارے میں بھی یہی سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ یونہی رہیں گی، بلکہ وہ کسی بھی چیز کے ساتھ محبت کرتا ہی اس وہم میں مبتلا ہو کر ہے کہ یہ چیز سدا بہار ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن جونہی اُسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیز زوال پذیر ہے یا کسی چیز کے فنا و زوال کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتا ہے، تو اُس پر روح کی گہرائیوں سے بصد حسرت و افسوس آنسو بہاتا ہے۔

جی ہاں، یہ تمام آہیں اور حسرتیں جو ہجر و فراق سے جنم لیتی ہیں یہ دراصل وہ غمگین تعبیریں ہیں جن کا سرچشمہ بقا و دوام کا عشق ہے انسان کسی چیز کے ساتھ محبت کرتا ہی اس لیے ہے کہ وہ اُس کے بارے میں اس وہم میں مبتلا ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ رہے گی، اگر اس کا یہ وہم ختم ہو جائے تو وہ کسی بھی چیز کے ساتھ محبت نہ کرے۔

بلکہ یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ:

عالمِ بقا اور جنتِ خلود کے وجود میں آنے کے جتنے بھی اسباب ہیں، ان میں سے اہم ترین سبب یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں بقا و دوام کی شدید ترین خواہش رکھ دی گئی ہے اور وہ ہمیشہ اسی چیز کی طلب و جستجو میں رہتا ہے۔ تو اس باقی رہنے والی ذات نے انسان کی اِس طلب و جستجو اور اثر انگیز دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور اس فانی اور زوال پذیر انسان کے لیے ایک ابدی اور لازوال جہان پیدا کر دیا؛ کیونکہ یہ بات کبھی ممکن نہیں ہو سکتی کہ وہ فاطرُ الکریم اور خالقُ الرّحیم ذات جو چھوٹے سے معدے کی اُس دُعا کو سنتی ہے جو وہ اپنی زبان حال سے مانگتا ہے اور اُس کی دعا قبول کر کے اُس کے لیے رنگا رنگ کے لذیذ کھانے پیدا کر کے اُس کی جزوی رغبت کو پوری کر کے اس کے لیے وقتی بقا کا سامان کرتی ہے، یہ ممکن نہیں کہ وہ ذات وہ دعا قبول نہ کرے جو تمام نوعِ انسانی اپنی زبانِ حال یعنی کردار سے اور زبانِ مقال یعنی گفتار سے مانگ رہی

Marfat.com

ہے، وہ کُلی، دائمی، حقیقی اور خالص دعا جو اس کی فطری حاجات وضروریات اور شدید ترین خواہشات ورغبات کی گہرائیوں سے نکلتی ہے۔ حاشاوکلا، یہ کسی بھی طور ممکن نہیں ہے۔ خُلو دو بقا کی اس دعا کو ردّ کر دینا قطعاً محال ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی دعا کو قبول نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمتِ خالدہ، عدالتِ کاملہ، رحمتِ واسعہ اور قدرتِ مطلقہ کے یکسر منافی ہے۔

انسان چونکہ بقاودوام کا عاشق ہے، اس لیے اُس کے تمام کمالات اور تمام ذوق وشوق اس بقاودوام کے ماتحت ہیں، لیکن یہ بقاودوام چونکہ الباقی یعنی اللہ ذوالجلال کی خاص صفت ہے، اس کے اِسمائے حسنیٰ باقی رہنے والے ہیں اور ان اسماء کی تجلیات کو منعکس کرنے والے آئینے بھی اسی رنگ میں رنگے جاتے ہیں یعنی وہ بھی ایک قسم کی بقا سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں؛ اس لیے اس انسان کے لیے سب سے ضروری اور جلیل القدر وظیفہ یہ ٹھہرا کہ وہ تمام رابطے اور تعلقات کے رشتے اس ذات کے ساتھ مضبوطی سے باندھ کر رکھے جو باقی رہنے والی ہے، اور اس کے اسمائے حسنیٰ کو مضبوطی کے ساتھ تھام کر رکھے؛ کیونکہ جو چیز بھی اُس باقی رہنے والی ذات کی راہ میں لگادی جائے گی وہ بقاودوام سے ہمکنار ہو جائے گی۔

اس حقیقت سے دوسرا جملہ: ''يا باقي أنت الباقي'' پردہ سرکاتا ہے، اور اس طرح یہ جملہ انسان کے اندرونی زخموں پر مرہم بھی رکھتا ہے اور اُس کی فطرت میں رکھی گئی بقاودوام کی شدید خواہش کے لئے تسلّی کا سامان بھی مہیّا کرتا ہے۔

تیسرا نکتہ:

اِس دنیا میں اُشیاءِ کائنات کے فناوزوال کے ضمن میں وقت کی تاثیر مختلف درجات رکھتی ہے، باوجود اس کے کہ تمام موجودات ہم مرکز یا متداخل دائروں کی طرح باہم گر پیوستہ ہیں، لیکن فناوزوال کے معاملے میں ان کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

جیسے گھڑی کی سیکنڈوں والی، منٹوں والی اور گھنٹوں والی تینوں سوئیاں ایک ہی دائرے میں گھومتی ہیں، لیکن ان کی ظاہری شکلوں میں مشابہت کے باوجود ان سب کی رفتار ایک دوسرے سے مختلف ہے، بالکل یہی معاملہ انسان کا ہے کہ وقت کا حکم اس کے جسم، اُس کے نفس، اس کے دل اور اس کی روح کے بارے میں مختلف ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ: جسم کی زندگی، اس کا وجود اور اس کی بقا اُس دن یا اس لمحے میں محصور ہے جس میں وہ جی رہا ہوتا ہے، جسم کے لیے ماضی اور مستقبل دونوں ہی معدوم ہیں۔ جبکہ دل کی زندگی کا دائرہ اور اس کے وجود کا میدان وسعت پکڑتا جاتا ہے، حتی کہ اس کی ماضی اور مستقبل کے کئی دن اس میں سما جاتے ہیں۔

اور روح کی زندگی کا دائرہ اور اس کا میدان ان دونوں کے دائروں اور میدانوں سے کئی گنا زیادہ وسیع ہے، اتنا کہ وہ اپنی ماضی اور مستقبل کے کئی سال لپیٹ میں لے لیتا ہے انسان کی اس فانی عمر کے اندر اس کی قلبی اور روحی زندگی کے پہلو سے ایک غیر فانی عمر اور سدا بہار زندگی چھپی ہوئی ہے، وہ قلبی اور روحی زندگی جو اللہ تعالیٰ کی معرفت، پروردگار کی محبت، اُس

Marfat.com

کی بندگی اور رضامندی میں استوار ہوتی ہے، بلکہ یہ ہمیشہ رہنے والی عمر اُس ہمیشہ رہنے والی دنیا میں (اس فانی عمر کے اندر سے) جنم لے گی، اور یوں یہ فانی اور زوال پذیر عمر ایک غیر فانی اور لازوال عمر سے ہمکنار ہو جائے گی۔

جی ہاں! وہ ایک لمحہ جو انسان، اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اس کی محبت میں اور اُس کی رضامندی کی چاہ میں گزارتا ہے، وہ ایک لمحہ ایک سال کے برابر کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ وہ ایک لمحہ وہ بقاودوام حاصل کر لیتا ہے جسے کبھی زوال نہیں آسکتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف اس عمر کا ایک سال اگر اُس کی راہ میں صرف نہ ہو تو وہ حتمی طور پر ضائع جائے گا، اور اس کی حیثیت پلک جھپکتے گزر جانے والے لمحے کی سی ہوگی۔ اس بنا پر، غفلت میں اٹے ہوئے لوگوں کی زندگیاں بظاہر کتنی بھی لمبی کیوں نہ ہو جائیں، ان کی وقعت ان لمحوں کی سی ہوتی ہے جو ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہوتے ہیں۔

یہ مشہور قول اس حقیقت کا سراغ دیتا ہے۔ ''سِنَةُ الفِرَاقِ سَنَةٌ و سَنَةُ الوِصَالِ سِنَةٌ''

(یعنی فراق کا ایک لمحہ ایک سال ہے اور وصال کا ایک سال ایک لمحہ ہے)

مراد یہ ہے کہ ہجر و فراق میں گزرا ہوا ایک لمحہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ جیسے وہ ایک سال ہو؛ جبکہ وصل میں گزرا ہوا ایک پورا سال اتنا چھوٹا سا لگتا ہے جیسے کہ وہ ایک سیکنڈ ہو۔

لیکن مجھے اس مشہور قول سے اختلاف ہے اس لیے میں کہتا ہوں:

وہ ایک سیکنڈ جو انسان اللہ کی رضامندی میں اور اس لازوال ذات کی راہ میں گزارتا ہے، یعنی وصال کا یہ ایک سیکنڈ صرف ایک سال ہی کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اُس کھڑکی کی سی ہے جو دائمی اور لازوال زندگی کی طرف کھلتی ہے، اور غفلت و گمراہی سے جنم لینے والا فراق صرف ایک سال کو ہی نہیں بلکہ ہزاروں سالوں کو ایک سیکنڈ کی طرح بنا دیتا ہے اس سے بھی زیادہ مشہور ایک اور ضرب المثل ہے جو ہمارے اس موقف کی تائید کرتی ہے؛

ایک شاعر کہتا ہے:

أَرضُ الفَلَاةِ مَعَ الأَعْدَاءِ فِنْجَانٌ

سَمُّ الْخِيَاطِ مَعَ الأَحْبَابِ مَيْدَانٌ

''یعنی دشمنوں کے ساتھ صحرا کی طرح کھلی زمین ایک کپ کی طرح چھوٹی ہے، لیکن دوستوں کے ساتھ سوئی کا سوراخ بھی کھلا میدان ہے''۔

اگر ہم اِس بیان کردہ ضرب المثل کی صحیح توجیہ کرنا چاہیں تو وہ کچھ یوں ہوگی:

فانی موجودات کا وصال بہت ہی مختصر ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ وصال فانی اور زوال پذیر ہے، وہ بظاہر کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو جائے بہر کیف ایک لمحے میں گزر جاتا ہے، اور ایک ایسا حسرت بھرا خواب و خیال بن جاتا ہے جس کی تعبیر غم و اندوہ کے سوا

Marfat.com

کچھ بھی نہیں۔اس طرح قلب انسانی جو کہ بقاودوام کا مشتاق ہے اس وصال کے ایک سال سے صرف اتنا ہی لذت گیر ہوتا ہے جتنا ایک لمحے کی لذت سے ہوا جاتا ہے، جبکہ فراق بہت لمبا ہے اور جدائی کا میدان بڑا وسیع وعریض ہے، اس لیے جدائی کے ایک لمحے میں فراق کے اتنے رنگ ہوتے ہیں جو مکمل ایک سال بلکہ کئی سالوں پر حاوی ہو جاتے ہیں۔اور یوں جدائی کا ایک لمحہ کئی سالوں کے برابر ہو جاتا ہے۔اس لیے بقاودوام کا مشتاق دل ایک لمحے کے فراق میں اتنا دکھ اٹھاتا ہے جیسے کہ کئی سال تک جدائی کے صدمے اُٹھاتا رہا ہو، کیونکہ یہ فراق اس کے دل میں فراق کے کئی رنگوں کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔اور یوں اس پہلو سے اگر دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ مادی اور پست محبت کی تمام شکلوں کا ماضی اور مستقبل فراق کے بے شمار رنگوں سے بھرا ہوا ہے۔

اسی مناسبت سے ہم کہتے ہیں:

لوگو! کیا تم اپنی اس فانی، ناپائیدار اور زوال پذیر عمر کو ایک ایسی عمر میں تبدیل کرنا چاہتے ہو جو باقی رہنے والی، لافانی، پائیدار اور لازوال ہو؟ بلکہ جو ثمر آور اور نفع بخش ہو؟

جواب اگر ہاں میں ہے _ اور یقیناً ہاں میں ہی ہوگا؛ کیونکہ انسانیت کا تقاضا ہی یہی ہے _ تو پھر اپنی اس عمر کو اس لازوال ذات کی راہ میں صرف کر دو، کیونکہ جو چیز بھی اپنا رُخ اس باقی رہنے والی لازوال ذات کی طرف کر لیتی ہے وہ اس کی لازوال تجلیات سے اپنا حصہ پا لیتی ہے۔

اور ہر انسان چونکہ پوری شدّ ومد سے لمبی عمر کا طلبگار اور بقاودوام کا مشتاق ہے، اور اس کے سامنے ایسا وسیلہ بھی موجود ہے جس کے ذریعے وہ اس فانی عمر کو غیر فانی عمر میں تبدیل کر سکتا ہے، بلکہ اگر اس میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہو تو بہر صورت اس وسیلے کی تلاش میں لگ جائے گا اور اس کی کھوج لگا کر چھوڑے گا۔اور اس ممکن بات کو عملی جامہ پہنانے اور اسے ایک جیتی جاگتی تصویر بنانے کے لیے سرتوڑ کوشش کرے گا۔اور اس کے تمام اعمال وکردار اور حرکات وسکنات کا ہدف صرف وہ وسیلہ ہی رہ جائے گا۔

وہ وسیلہ یہ ہے:

جو کام کرو اللہ کے لیے کرو، میل جول اللہ کے لیے رکھو، تگ ودو اللہ کے لیے کرو، اور تمہاری تمام حرکات وسکنات کی تہہ میں اللہ کی رضامندی موجود ہونی چاہیے۔

(اللہ کے لیے، اللہ کی رضا کے لیے، اللہ کی خاطر)

ایسا کرو گے تو تمہیں بخوبی نظر آ جائے گا کہ تمہاری مختصر سی عمر کے چند منٹ کئی سالوں کے برابر ہو گئے ہیں۔

اس حقیقت کی طرف ''لیلۃ القدر'' اشارہ کرتی ہے، باوجود اس کے کہ یہ صرف ایک ہی رات ہے لیکن یہ قرآن کریم

Marfat.com

کے مطابق ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے، یعنی یہ لگ بھگ اسّی سال کی برابری کا حکم رکھتی ہے۔

بالکل اسی حقیقت کی طرف ہمیں ایک اور اشارہ بھی ملتا ہے، اور وہ ہے اس قاعدے کی صورت میں جو اہلِ ولایت اور اصحابِ حقیقت کے ہاں ''بسطِ الزماں'' یعنی ''وقت کے پھیلاؤ'' کے نام سے مسلمہ طور پر پایا جاتا ہے، جس کا ثبوت اور عملی مظاہرہ ہمیں معراج نبوی کی صورت میں ملتا ہے، معراج کے موقع پر چند منٹ کئی سالوں تک پھیل گئے، اور یوں معراج کی چند گھڑیوں میں اتنی وُسعت اور اتنی لمبائی ہوئی جتنی کہ ہزاروں سالوں میں ہوتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ معراج کے ذریعے عالم بقا میں داخل ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ عالمِ بقا کے چند منٹ اس دنیا کے ہزاروں سالوں پر حاوی ہیں۔

''بسط الزمان'' کی اِس حقیقت کا ثبوت ہمیں اولیاء کرام کے ساتھ پیش آنے والے کئی واقعات ان میں سے کچھ تو پورے ایک دن میں انجام پانے والے کام صرف ایک منٹ میں انجام دے لیتے تھے، اور کچھ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے صرف ایک گھنٹے میں وہ عظیم الشان کام سرانجام دیے ہیں جن کے لیے پورا ایک سال درکار تھا اور کچھ نے پورا قرآن صرف ایک منٹ میں ختم کر لیا۔

اولیاءِ کرام کے بارے میں وارد ہونے والی اس طرح کی روایات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہیں؛ کیونکہ اسطرح اہلِ حق اور صدق، جانتے ہوئے کذب پر تنزل نہیں کرتے، پھر یہ بھی ہے کہ یہ تمام اہل حق اور صدق نے وہی کچھ بیان کیا ہے جس کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، اس لیے اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے پتا چلا کہ ''بسط الزمان'' (حاشیہ:۱) ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

''بسط الزمان'' کی ایک اور قسم بھی ہے جس کی تصدیق سب لوگ کرتے ہیں، اور وہ ہے نیند میں خواب کی حالت، خواب کی حالت میں انسان ایک لمحے کی مدت میں کئی مرحلوں سے گزرتا ہے، کبھی یہ دیکھتا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ باتیں کر رہا ہے، کئی لذیذ چیزوں سے لذت گیر ہو رہا ہے، یا تکلیف دہ چیزوں سے تکلیف اٹھاتا ہے، یا ان جیسے دیگر حالات جن کے لیے مکمل ایک دن یا کئی دن درکار ہوتے ہیں_ جبکہ خواب کا دورانیہ زیادہ سے زیادہ ایک منٹ ہوتا ہے!

(حاشیہ:۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْماً أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ (الکھف:19) ''اُن میں سے ایک نے پوچھا: کہو کتنی دیر اس حال میں رہے؟'' دوسروں نے کہا: شاید دن بھر یا اس سے کچھ کم رہے ہوں گے''۔ ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوا تِسْعًا﴾ (الکھف:25) ''اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے، اور (کچھ لوگ مدت کے شمار میں) 9 سال اور بڑھ گئے ہیں'' یہ دونوں آیتیں ''طیّ الزمان'' (وقت کے سمٹ جانے) کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور آنے والی آیت ''بسط الزمان'' کی رہنمائی دیتی ہے: ﴿وَاِنَّ يَوْماً عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (الحج:47) ''بے شک تیرے رب کے ہاں ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہوا کرتا ہے''۔ مؤلف۔

Marfat.com

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

باوجود اس کے کہ انسان فانی ہے اور اُسے بقا کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو ایک ایسے آئینے کی طرح بنایا ہے جو اس کی لازوال تجلیات کو منعکس کرتا ہے، اور اُسے ایسے اہم کاموں کا مکلّف کردیا ہے جو لافانی پھل دیتے ہیں، اور اسے حسین ترین صورت پر پیدا کیا ہے، اتنی حسین کہ اس کی یہ صورت اس کے لازوال اَسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے نقوش کا مرکز ومحور بن گئی ہے، بنا بریں، اس انسان کی خوش نصیبی اور بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ یہ: اپنی تمام تر کوششوں، قابلیتوں اور فطری صلاحیتوں کا رُخ اللہ کی طرف کردے، اس کے اسمائے حسنیٰ کا دامن مضبوطی سے پکڑ کر اس کی رضامندی کی راہ میں آگے بڑھتا جائے، جس طرح اس کی زبان ورد کررہی ہے، یعنی:

یا باقی أنت الباقی اس طرح اسکا قلب، روح، عقل اور تمام لطائف ''هو الباقی هو الازلیُّ الابدیُّ هو السَرمَدیُّ هو الدَّائمُ هُوَ المَطلُوبُ هُوَ المَحبُوبُ هُوَ المَقصُودُ هُوَ المَعبُودُ''

(صرف وہی باقی اور لازوال ہے، وہی ازلی اور ابدی ہے، وہی سرمدی ہے، وہی دائمی ہے، وہی مطلوب ہے وہی محبوب ہے، وہی مقصود ہے اور وہی معبود ہے)

﴿سُبحَانَکَ لاَ عِلمَ لَنَا اِلاَّمَا عَلَّمتَنَا اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ﴾

﴿رَبَّنَالاَ تُؤَاخِذنَااِن نَسِینَا اَو اَخطَانَا﴾

Marfat.com

چوتھا لمعہ

منہاجِ سُنّت

(اس مضمون کے بارے میں یہ رائے ٹھہری کہ اس کا نام "منہاج السنۃ" رکھا جائے)۔

"امامت کا مسئلہ، اگرچہ ایک فرعی مسئلہ ہے تاہم اس کے ساتھ اتنا اہتمام برتا گیا ہے کہ "علم الکلام" "اصول الدین" کے کتابوں میں اِسے ایمان سے متعلقہ مباحث میں شامل کرلیا گیا ہے، اس پہلو کے پیش نظر یہ مسئلہ ہماری قرآنی خدمات کے میدان کا بنیادی مسئلہ بن گیا ہے۔ یہاں اس پر جزوی سی بحث کی گئی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ☆ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّاهُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

﴿قُلْ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾

اس آیت کریمہ میں پائے جانے والے بہت سے عظیم الشان حقائق میں سے ہم بعض حقائق کی طرف دو مقامات کی صورت میں اشارہ کریں گے۔

Marfat.com

پہلا مقام

(اس میں چار نکتے ہیں)

پہلا نکتہ:

اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے کمال شفقت اور انتہائی رحمت کا پیکر ہیں۔

جی ہاں! ایسی بہت سی صحیح حدیثیں ہیں جن میں امت کے لیے آپ ﷺ کی رأفت و رحمت اور بھرپور مہر و محبت کے بارے میں وضاحت سے اس طرح سے بتایا گیا ہے کہ حشر کے دن اس وقت کہ جب ہر نبی اُس دن کی ہیبت و ہولناکی کی وجہ سے "نفسی نفسی" پکار رہا ہوگا، آپ ﷺ اُس وقت "اُمّتی اُمّتی" پکار رہے ہوں گے۔ ان روایات ہی کی طرح وہ روایت بھی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت سنا کہ آپ ﷺ "اُمّتی اُمّتی" کی سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ اہلِ کشف اولیاءِ صالحین کے ہاں یہ بات ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔

پھر اسی طرح آپ ﷺ کی تمام سیرت مبارکہ، اور آپ ﷺ کے شفقت و رحمت سے مزیّن وہ اخلاق جو چار دانگ عالم میں مشہور و معروف ہوئے، وہ بھی آپ ﷺ کی کمال رأفت و شفقت کا پتہ دیتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے اُمت سے جو یہ فرمایا ہے کہ مجھے تمہارے درود کی چاہت ہے اس لیے تُم مجھ پر بے حد و حساب درود پڑھا کرو اس سے بھی اُمت کے ساتھ آپ ﷺ کے اُن مشفقانہ تعلقات کا پتا چلتا ہے جن میں اُمت کی سعادتیں پنہاں ہیں۔

اب اُس رؤوف الرحیم مرشدِ اعظم کی اس ہمہ گیر شفقت اور بے پایاں رحمت کی روشنی میں غور کرو کہ آپ کی گرانقدر سنت سے مُنہ پھیرنا کتنی بڑی قدر ناشناسی بلکہ وجدان کی موت ہوگی!

دوسرا نکتہ:

وظیفۂ نبوت یقیناً ایک بڑا ہمہ گیر اور عظیم الشان وظیفہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری اس پہلو سے ہمہ گیر اور عظیم الشان ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی نبوت کی کُلّی، عمومی اور ہمہ گیر ذمہ داریوں کے ضمن میں کچھ جزوی اور خاص قسم کے امور و معاملات میں عظیم الشان رأفت و شفقت کا اِظہار کیا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اتنی عظیم شفقت اور وسیع رأفت و رحمت کو ان چھوٹے چھوٹے امور میں صرف کر دینا، بظاہر نبوت کی عظیم الشان ذمہ داریوں کے مناسب نہیں ہے! لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جزوی معاملہ اور کارِ خاص جس میں اس شفقت کا اظہار ہوا ہے وہ جزوی معاملہ دراصل

Marfat.com

نبوّت ہی کے کسی بڑے اہم اور کلّی معاملے کے سلسلے کی کسی اہم کڑی کی نشاندہی کرتا تھا، اس لیے اس معاملے کی نمائندگی کرنے والوں کو خصوصی اہمیت دی گی۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسینؓ کے ساتھ جو اُن کے بچپنے میں بہت زیادہ شفقت اور بالغ اہمیت کا اظہار کیا ہے، اس کا تعلق اس فطری شفقت اور محبت کے ساتھ نہیں ہے جو صرف قرابتداری یا خونی رشتے کے احساس سے جنم لیتی ہے، بلکہ اس چیز کا سرچشمہ یہ بھی ہے کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں سے اس نورانی سلسلے کا آغاز ہوتا ہے جو نبوّت کی عظیم الشان ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھے پر اُٹھانے والا تھا، اور اِن دونوں میں سے ہر ایک وارثانِ نبوت کی ایک بہت بڑی جماعت کا بانی، اس کا نمائندہ اور اس کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ تھا۔

جی ہاں! رسول گرامی ﷺ نے جو حضرت حسنؓ کو کمال شفقت کے ساتھ گود میں اُٹھایا ہے اور حضرت حسینؓ کا جو سر چوما ہے، وہ جناب مہدی کے ساتھ مشابہت رکھنے والی ان بے شمار ہستیوں کی وجہ سے تھا جو حضرت حسنؓ کی مبارک نورانی نسل سے ظہور میں آنے والی تھیں اور جو نبوت کے اِس سلسلے کی وراثت سے مزیّن ہونے والی تھیں، جیسے کہ غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں وہ مقدس اور جلیل القدر ذمہ داریاں یہ پاکیزہ ہستیاں مستقبل میں نبھانے والی تھیں اُن کا مشاہدہ رسول گرامی ﷺ نے نبوت کی اُس پار دیکھ لینے والی بصیرت سے کر لیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اُن کی خدمات کو سراہتے، ان کے کارناموں کی قدردانی کرتے اور ان کی کوششوں کو پسند فرماتے ہوئے حضرت حسنؓ کا سر چوم لیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت حسینؓ کے لیے جو خصوصی توجہ اور شدید میلان کا اظہار فرمایا ہے، اس کے پیچھے بھی یہی راز کارفرما ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نورانی نسل سے امام مہدی جیسے عظیم الشان اَئمہ کرام پیدا ہوں گے جو نبوت کے حقیقی وارث ہوں گے جیسے کہ زین العابدین اور جعفر صادق رضی اللہ عنہما ہیں۔

جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے جو حسینؓ کی گردن کو بوسہ دیا اور ان کے ساتھ انتہائی شفقت اور کمال اہتمام کا مظاہرہ کیا، وہ ان لوگوں کے لیے جو اسلام کی شان بلند کریں گے اور آپ ﷺ کے بعد رسالت کی ذمہ داری ادا کریں گے۔

جی ہاں! رسول گرامی ﷺ کی وہ نظر جو آپ کے غیب کے ساتھ اُنس رکھنے والے دِل کے ذریعے اِسی دنیا میں رہتے ہوئے اُس میدانِ حشر کا مشاہدہ کر لیتی ہے جو اَبدیت میں پھیلا ہوا ہے، اور جو اِسی زمین میں رہتے ہوئے آسمانوں میں موجود جنّت اور ملائکہ کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور جو نظر سیدنا آدم علیہ السلام کے وقت سے وقوع پذیر ہونے والے ماضی کے تاریک پردوں میں چھپے ہوئے واقعات کا مشاہدہ کر لیتی ہے، حتّی کہ جو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرّف ہو جاتی ہے۔ بے شک یہ وہی نورانی نظر اور تیز بصیرت ہے جس نے اِن اَقطاب، اَئمہ کرام اور ہدایت یافتہ وارثانِ نبوت کو دیکھ لیا جو سلسلہ وار حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی نسل سے ظہور میں آنے والے تھے، بنابریں آپ ﷺ نے ان دونوں کے سروں کو

Marfat.com

چوم لیا۔

جی ہاں! وہ بوسہ جو آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے سر کو دیا ہے اس میں عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

تیسرا نکتہ:

اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی ﴿اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ﴾ کا۔ ایک قول کے مطابق۔ یہ معنی ہے کہ رسول گرامی ﷺ رسالت کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے کسی سے بھی کوئی اجر نہیں مانگتے سوائے اس کے کہ آپ ﷺ کی اہلِ بیت سے محبت کی جائے اور بس۔

اگر یہ کہا جائے کہ:

اس آیت کے مطابق نسل کی قرابت کے لحاظ سے آنے والی منفعت سوچ لی گئی ہے، جبکہ آیت کریمہ ﴿اِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقَاکُمْ﴾ یہ بتاتی ہے کہ رسالت کی ذمہ داریوں میں قرابتوں اور محبتوں کا سلسلہ تقویٰ کے ساتھ جڑا ہوا ہے نہ کہ نسلی قرابت کے ساتھ؟ تو

الجواب: رسول اللہ ﷺ نے اپنی غیب آشنا نظر سے اس بات کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ: اُن کے اہلِ بیت کی حیثیت اس گرانڈیل نورانی درخت کی سی ہوگی جس کی شاخیں اور برگ و بار تمام عالم اسلام میں پھیل جائیں گی، اور اس طرح جو لوگ عالم اسلام میں لوگوں کی اصلاح و تربیت کا بیڑا اُٹھائیں گے اور تمام انسانی کمالات کے اُبھرتے ہوئے نمونے ہوں گے، ان میں زیادہ تر اہلِ بیت سے ہی اٹھیں گے۔

آپ ﷺ کی امت تشہد کی حالت میں درود کی شکل میں آپ ﷺ کے اہلِ بیت کے لیے جو دعا کرتی ہے اس دعا کی قبولیت کے بارے میں آپ ﷺ نے کشف کر دیا ہے، اور وہ دعا یہ ہے:

"اللھم صلّ علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید"۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ملتِ ابراہیمی کے اکثر نورانی ہادی اور رہنما وہ انبیاء ہیں جو آپ ﷺ کی نسل اور خاندان سے ہوئے ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے دیکھ لیا کہ آپ ﷺ کے خاندان کے اقطاب کا مرتبہ اُمتِ محمدیہ میں بنی اسرائیل کے انبیاء کا سا ہوگا اور یہ لوگ مختلف مسالک و مذاہب اور طریقہ ہائے کار کے ذریعے خدمتِ اسلام کا عظیم الشان وظیفہ ادا کریں گے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کو یہ کہنے دینے کا حکم ہوا کہ: ﴿قُلْ لاَ أَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا اِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ﴾ اور اس طرح آپ ﷺ نے اپنے آلِ بیت کے لیے اپنی اُمت کی مودّت طلب کی۔

Marfat.com

اس حقیقت کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: "یا أیها الناس انی قد ترکت فیکم ما ان أخذتم به لن تضلوا: کتاب الله وعترتی أهل بیتی"؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ بیت ہی سنتِ شریفہ کا سرچشمہ، اس کے محافظ اور اس پر عمل پیرا ہونے کے اوّلین مکلّف ہیں۔

اور یوں جو کچھ ذکر ہوا اس کی روشنی میں اس حدیث کی وضاحت بھی ہوگئی، یعنی کتاب وسنت کی مکمل اتباع سے اہلِ بیت کی محبت سے بہرہ ور ہوا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وظیفۂ رسالت کو سامنے رکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد اسنتِ نبوی کی مکمل پیروی ہی ہے، بنا بریں، جو شخص سنت کا تارک ہے وہ حقیقت میں اہلِ بیت سے اور اہل بیت کے حقیقی طرفداروں میں سے ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔

پھر آپ ﷺ کے تمام امت کو اہلِ بیت کے اردگرد جمع کرنے کی خواہش میں حکمت یہ ہے کہ: آپ ﷺ کو اذنِ الٰہی سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت کی نسل بڑھتی جائے گی۔ جبکہ اسلام میں کمزوری در آئے گی۔ اب ایسے حالات میں ایک ایسی جماعت کا وجود بہت ضروری ہے جو کافی قوی، مضبوط اور بہت سے افراد پر مشتمل ہو اور جس کے تمام افراد آپس میں مربوط، جڑے ہوئے اور ایک دوسرے پر بھروسا کرنے والے ہوں تاکہ وہ جماعت عالمِ اسلام کی معنوی ترقی کا مرکز ومحور بن جائے۔ اس بات کا علم آپ کو اذنِ الٰہی سے ہوگیا تھا اس لیے آپ نے اپنی اُمت کو اپنے اہلِ بیت کے اردگرد جمع رہنے کی ترغیب دی۔

جی ہاں! اہلِ بیت کے افراد ایمان واعتقاد کے باب میں اگرچہ دوسرے لوگوں سے زمانے کے لحاظ سے پہلے یا آگے نہیں ہیں، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ وہ تسلیم ورضا، پابندی شریعت اور اسلام کی طرف گیری میں دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ وہ اسلام کی طرف گیری اس لیے کرتے ہیں کہ یہ نعمت انہیں فطری اور نسلی طور پر ملی ہے اور ان کے مزاج کا حصہ بن گئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز فطرت اور طبیعت کا حصہ ہو اس کی طرف گیری چھوڑی نہیں جاسکتی ہے اگرچہ موقف بظاہر کمزور ہو، غیر معروف ہو، بلکہ باطل ہی کیوں نہ ہو، تو پھر اُس حقیقی طرف گیری کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے ساتھ اس کے اُن آباء واجداد کا ایک لمبا سلسلہ بندھا ہوا ہو جنہوں نے اس کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کا شرف حاصل کیا ہو؟ یہی حقیقت انتہائی طاقتور ہے، جو عزوشرف کی بلندیوں اور حق مبین کے راستے پر ہے، اب جو کوئی اس فطری اور اصلی تعلق داری کا بغیر کسی تکلّف کے شعور رکھتا ہے کیا وہ اس حمایت اور طرفداری سے دستکش ہوسکتا ہے؟

چنانچہ اہلِ بیت کا یہ جو اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے وہ فطری ہے، اور اس بنا پر ان کے لیے اسلام کے حق میں ایک معمولی سی دلیل بھی بہت بڑی اور قوی بُرہان کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ ان کا رشتہ اسلام کے ساتھ فطری ہے، جبکہ دوسرے لوگ اسلام کے ساتھ گہری وابستگی کا اظہار اُسی وقت کرتے ہیں جب کسی قوی بُرہان سے مطمئن ہوجاتے ہیں۔

Marfat.com

چوتھا نکتہ:

تیسرے نکتے کی مناسبت سے ہم ایک ایسے مسئلے پر بھی اشارہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جو اتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ عقائد کی کتابوں میں ایک بڑے مسئلے کی حیثیت سے راہ پا گیا ہے اور ایمان کے بنیادی ارکان کے سلسلے کی ایک اہم کڑی بن گیا ہے'' اور اہل سنت وشیعہ کے مابین وجہِ نزاع بننے والا مسئلہ تقریباً وہی ہے، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ: اهل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ: سیدنا علیؓ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور یہ کہ ابوبکر صدیقؓ اُن سے افضل اور پہلے خلیفہ ہونے کے زیادہ حقدار تھے، اس لیے انہیں خلافت پہلے ملی''

اور شیعہ کہتے ہیں کہ: '' خلافت علیؓ کا حق تھا مگر ان پر ظلم ہوا، اور یہ کہ علیؓ سب سے افضل ہیں''۔ اور اپنے اس دعوے کی تائید میں وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: سیدنا علیؓ کے فضائل میں جو بہت سی احادیث مروی ہیں، اور اُن کی ذات جو تصوف کے اکثر سلسلوں اور خود اولیاء کرام کے لیے مرجع ہے، حتی کہ انہیں سلطان الاولیاء کا لقب دیا جاتا ہے، پھر یہ کہ ان کی ذات علم، شجاعت اور عبادت جیسی بہت سی اعلیٰ صفات سے متصف تھی، اِن سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کا آپ ﷺ کے ساتھ جو گہرا تعلق تھا جس کا اظہار آپ ﷺ اُن کے اور اُن اہلِ بیت کے بارے میں کرتے تھے جو اُن کی نسل سے آنے والے تھے۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ اس لیے خلافت انہیں کا حق تھا لیکن اُن سے چھین لی گئی۔

الجواب: حضرت علیؓ کا اپنے سے پہلے والے خلفاء کی حیثیت واہمیت کا اقرار کرنا، ان کی اتباع میں چلنا، ان کے عہدِ خلافت میں شیخ القضاۃ کا منصب قبول کرنا اور امورِ خلافت کے بارے میں کم وبیش سال تک اہلِ حل وعقد کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کرنا۔ یہ تمام چیزیں شیعہ حضرات کے دعویٰ کو زخمی کر دیتی ہیں۔

پھر خلفاءِ ثلاثہ کے دور میں جو فتوحات، اور جہادی مُہمیں برپا ہوئیں، اور برخلاف اس کے حضرت علیؓ کا دورِ خلافت جو بے شمار فتنوں اور فسادوں کی زد میں رہا، خلافت کے مسئلہ میں یہ چیز بھی شیعہ حضرات کے دعویٰ کو ردّ کر دیتی ہے، یعنی یہ کہ اهل السنت والجماعت کا دعویٰ صحیح اور مبنی برحق ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ دو طرح کے ہیں:

الف: شیعہ ولایت

ب: شیعہ خلافت

یہ جو دوسری قسم کے شیعہ ہیں اِن کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے دعووں میں سچے نہیں ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے اپنے سیاسی اغراض ومقاصد کو اپنے دعووں کے ساتھ گڈمڈ کر دیا ہے، لیکن پہلی قسم کے شیعوں کے بارے میں تو یہ

Marfat.com

کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے دعووں کے پیچھے کوئی سیاسی مقاصد نہیں! حالاں کہ شیعہ ولایت بھی شیعہ خلافت کے ہمنوا ہو گئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ سلسلہ ہائے تصوّف میں اُولیاء کرام کی ایک قسم ایسی ہے جو سیدنا علیؓ کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں، اور اس طرح وہ شیعہ خلافت کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ شیعہ خلافت کا رجحان تمام تر سیاسی ہے؟

الجواب: حضرت علیؓ کی ذات گرامی کو دو زاویوں سے دیکھنا چاہیے۔

پہلا زاویہ: ان کے ذاتی فضائل اور شخصی بلند و بالا مقام کا ہے۔

دوسرا زاویہ: یہ کہ وہ اہل بیت کی معنوی شخصیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور اہل بیت کی معنوی شخصیت رسولِ کریم ﷺ کی حقیقی شخصیت کی ایک حد تک عکاسی کرتی ہے۔

پہلے زاویہ نگاہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ تمام اہلِ حقیقت _ جن میں علیؓ سرِ فہرست ہیں _ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو مقدم سمجھتے ہیں، اُن کی رائے میں اسلام کی خدمت اور قربِ الٰہی کی رُو سے ان دونوں کا مقام سب سے بلند ہے۔

رہا دوسرا زاویہء نگاہ، یعنی یہ کہ حضرت علیؓ اہل بیت کی معنوی شخصیت کی نمائندگی کرتے ہیں، تو اس ضمن میں یاد رکھنا چاہیے کہ اہلِ بیت کی معنوی شخصیت جو ہے وہ چونکہ حقیقتِ محمدی کی نمائندگی کرتی ہے، اس لیے مقابلے کی صورت میں کوئی بھی چیز اُن کے مقام و مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی ہے۔ اور یہ جو علیؓ کے فضائل اور مدح و ثنا میں بہت زیادہ احادیثِ نبویہ وارد ہوئی ہیں، وہ اسی دوسرے پہلو کو اُجاگر کرنے کے لیے ہوئی ہیں۔

اس حقیقت کی تائید اِس مفہوم میں وارد ہونے والی ایک صحیح حدیث سے ہوتی ہے: ''انّ نسلَ کلِ نبی منه و أنا نسلي من علي''۔ (ہر نبی کی نسل اُس کی ذات سے چلتی ہے اور میری نسل علیؓ سے ہے)۔

رہی یہ بات کہ حضرت علیؓ کی شخصیت اور اُن کی مدح و ثنا کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کی تعداد ان حدیثوں سے زیادہ ہے جو دوسرے خلفاء راشدین کے بارے میں آتی ہیں تو: اس کا سبب یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعت، جو کہ اہل حق ہیں، نے ان کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کو خود پورے شدّ و مدّ سے معاشرے میں پھیلایا اور متعارف کرایا؛ اس وجہ سے کہ اموی اور خارجی لوگوں نے آپ جنابؓ کی شان میں گستاخی اور ہتکِ عزت کا رویّہ اختیار کر رکھا تھا، جبکہ دوسرے خلفاءِ راشدین اس نقد و جرح کے اس حد تک ہدف نہیں تھے، بنا بریں انہوں نے ان کے فضائل کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کو اس طرح عوام الناس میں پھیلانے کی ضرورت نہ سمجھی۔

مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کی آنکھ سے یہ چیز دیکھ لی تھی کہ علیؓ عنقریب المناک حوادث اور داخلی فتنوں سے دو چار ہوں گے، اس لیے آپ ﷺ نے اُن کی تسلی اور جمعِ خاطر کے لیے ایسے کلمات ارشاد فرمائے اور امت کی اِس جیسی احادیث سے رہنمائی فرمائی: (مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہُ)؛ اور یہ اس لئے کہ تاکہ علیؓ کو مایوسی سے اور امت کو اُن کے

Marfat.com

بارے میں بدظنی سے بچالیں۔

شیعہ ولایت حضرت علیؓ کے ساتھ جس بے حساب محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ''طریقت'' کی جہت سے انہیں جو دوسرے خلفاء پر فضیلت دیتے ہیں، اُن کا انداز انہیں شیعہ خلافت کی طرح ذمہ دار یا جوابدہ نہیں بناتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ ولایت اپنے اپنے مشرب کے حساب اپنے مرشد کو یقیناً محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور مُحِب کی مجبوری یہ ہے کہ وہ محبت کے میدان میں ہمیشہ افراط کا شکار رہتا ہے اور اپنے محبوب کو اس کے اصل مقام سے بلند ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ شیعہ ولایت کا معاملہ بھی یہی ہے کہ وہ اُن کی محبت میں حدود ناشناسی کا شکار رہتے ہیں۔

تو شیعہ ولایت میں سے جو اہلِ دل جوشِ محبت کی وجہ سے ایسی قلبی واردات سے مغلوب ہوتے ہیں انہیں اس ضمن میں معذور سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ محبت کی وجہ سے علیؓ کے مقام کو بڑھاتے ہوئے دوسرے خلفائے راشدین کی مذمّت کرنے اور اُن کے ساتھ عداوت رکھنے کو وطیرہ نہ بنالیں اور اپنی اس روش سے اسلامی اُصولوں کے دائرے سے نہ نکلیں۔

رہے شیعہ خلافت، تو اِن میں چونکہ سیاسی اغراض در آئی ہیں، اس لیے یہ لوگ ذاتی اغراض و مقاصد اور ذاتی دشمنی سے بچ نہیں سکتے ہیں، اس لیے یہ لوگ کسی بھی طور معذور نہیں سمجھے جا سکتے ہیں۔ ''لا لِحُبِّ عَلِيٍّ بَلْ لِبُغْضِ عُمَرَ'' اِن کی حالت یہ ہے کہ یہ حبِ علیؓ کی آڑ میں (عمرؓ) سے انتقام کا مظاہرہ کرتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایرانی قومیت سیدنا عمرؓ کے ہاتھوں بُری طرح مجروح ہوگئی، اب یہ لوگ جو علیؓ کے ساتھ محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کے پیچھے حبِ علی نہیں بلکہ بُغضِ عمر کارفرما ہے۔ اور عمرو بن العاصؓ کا علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا اور عمر بن سعدؓ کا کربلا کے المناک معرکے میں سیدنا حسینؓ کے بالمقابل صف آرا ہونا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے شیعہ لوگ جناب ''عمرؓ'' کے خلاف شدید غیظ و غضب اور بھرپور دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اور جہاں تک تعلق ہے شیعہ ولایت کا، تو انہیں اهل السنت و الجماعت پر ''نقد و جرح کا حق ہی نہیں پہنچتا ہے؛ اسلیئے کہ اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کمی نہ کرنے کیساتھ ساتھ انکے ساتھ دلی محبت کرتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ وہ اُن کی محبت میں اس انتہا پسندی سے دامن بچاتے ہیں جس کے خطرات اور نقصانات کے بارے میں حدیث شریف میں آگاہ کیا گیا ہے۔

رہی یہ بات کہ شیعان علیؓ کی رسول گرامی ﷺ نے تعریف کی ہے جیسے کہ احادیث میں یہ چیز آئی ہے، تو آپ ﷺ کی وہ تعریف اور حوصلہ دراصل اهل السنت و الجماعت کے لیے ہے؛ کیونکہ حضرت علیؓ کے اصلی پیروکار وہی ہیں جو اپنی محبت اور پیروکاری میں راہِ راست پر قائم ہیں، اس لیے حقیقی شیعان علیؓ تو دراصل اهل السنت

Marfat.com

والجماعت ہی ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں یہ بات بالکل صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے کہ سیدنا علیؓ کی محبت کے بارے میں انتہا پسندی اسی طرح خطرناک ہے جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں عیسائیوں کی انتہا پسندی خطرناک ثابت ہوئی ہے۔

سوال: اگر شیعہ ولایت یہ کہیں کہ: سیدنا علیؓ کی اتنی غیر معمولی فضیلتیں اگر قبول کر لی جائیں تو پھر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو اُن سے بہتر ماننا ناممکن ہو جاتا ہے!

الجواب:

اگر سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمرؓ کے شخصی فضائل اور اُن کی وہ جلیل القدر خدمات جو اُنہوں نے وارثانِ نبوت ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے دورِ خلافت میں انجام دی ہیں، اگر اُن سب کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے، اور حضرت علیؓ کے غیر معمولی اوصاف و خصائل، اُن کے دورِ خلافت میں انہیں پیش آنے والی مشکلات، داخلی انتشار، مسلمانوں کی آپس میں ہونے والی جنگوں اور خون ریز معرکوں اور ان وجوہات کی بنا پر ان کے بارے میں جنم لینے والی بدگمانیوں کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو بلاشک ابوبکر صدیق یا عمر فاروق یا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کا پلڑا یقیناً بھاری رہے گا، اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کے پیشِ نظر اہل السنت والجماعت نے اِن تینوں کو اُن کے مقابلے میں فضیلت دی۔

پھر نبوت کا مرتبہ ولایت کے مرتبے سے کہیں بلند ہے، اتنا کہ نبوت کی رتی بھر کی تجلی ولایت کی سیروں تجلیوں پر بھاری ہوتی ہے، جیسے کہ ہم نے "بارہویں اور چوبیسویں مقالہ" میں یہ بات ثابت کی ہے، اُس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ کیا گیا ہے، کیونکہ آپ دونوں کے دورِ خلافت میں نبوت کے احکام کی بنیادیں مضبوط ہوئی ہیں جو کہ نبوت کی حقیقی وراثت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو اپنے اپنے دورِ خلافت میں احکامِ الٰہی اور امورِ رسالت کو پھیلانے اور انہیں مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی جو توفیق ملی ہے، وہ اہلِ سنت کے ہاں اُن کی افضلیت کی بہت بڑی دلیل بن گئی ہے، لیکن چونکہ ان دونوں کو نبوت کی وراثت سے جو زائد حصہ ملا ہے اس کی بنا پر سیدنا علیؓ کے ذاتی فضائل کی نفی نہیں کی جاسکتی ہے، بنا بریں سیدنا علیؓ اُن دونوں کے دورِ خلافت میں چیف جسٹس کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور اُن کی اطاعت سے کبھی منحرف نہ ہوئے۔

بات یہ ہے کہ اہلِ حق یعنی اہل السنت والجماعت جو کہ علیؓ سے محبت رکھتے ہیں اور اُن کی توقیر کرتے ہیں، وہ ان لوگوں سے محبت کیوں نہ رکھیں جن سے خود علی محبت رکھتے تھے اور اُن کی تعظیم کرتے تھے؟

اس حقیقت کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ کرتے ہیں: ایک مالدار آدمی نے اپنی اولاد میں اپنا مال تقسیم کیا تو

Marfat.com

اُس نے اپنے ایک بیٹے کو 100 سکے چاندی کے اور 15 سونے کے دوسرے کو 20 سکے چاندی کے اور 20 سونے کے اور تیسرے کو 15 سکے چاندی کے اور 20 سونے کے دیے۔

اب اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے اور تیسرے بیٹے کو اگرچہ تعداد اور مقدار میں مال کم ملا ہے لیکن نوعیت اور معیار کے لحاظ سے پہلے سے اچھا ملا ہے۔

اس مثال کی روشنی میں ہم دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ قربِ الٰہی کی حقیقت جو کہ نبوّت کی وراثت اور احکامِ رسالت کی تاسیس کی صورت میں جلوہ گر ہے، اس حقیقت کا وہ تھوڑا سا زیادہ سونا جو شیخین (صدیق وعمر) کے حصے میں آیا ہے وہ حضرت علیؓ کے شخصی فضائل، جو ہر ولایت اور قُربِ الٰہی کے مقابلے میں کہیں بھاری ہے، اس لیے بغرضِ ضرورت موازنہ کرتے وقت اس پہلو کو مدّ نظر رکھنا اور اسے معیار بنانا بہت ضروری ہے، وگرنہ اگر موازنہ کرتے وقت ذاتی شجاعت، علم اور ولایت کے پہلو کو ہی رکھا گیا تو حقیقت کی شکل وصورت یکسر تبدیل ہو جائے گی۔

پھر اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ سیدنا علیؓ کا اس حیثیت سے کوئی بھی مدّ مقابل نہیں ہے کہ وہ اہلِ بیت کی روحانی شخصیت کی نمائندگی کرتے ہیں، اُن کی ذات اس معنوی یا روحانی شخصیت میں وراثتِ نبوّت کی حیثیت سے بلا شرکتِ غیرے جھلک رہی ہے؛ اور یہ اس لیے کہ رسول اعظم ﷺ کا عظیم الشان راز اس پہلو کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے شیعہ ءخلافت کا، تو انہیں اھل السنت و الجماعت کے سامنے شرمندہ ہونا چاہیے؛ کیونکہ یہ لوگ جب علیؓ کے ساتھ افراط بھری محبت کا دعوی کرتے ہیں تو اس طرزِ عمل سے اُن کی شان میں کمی کرنے کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں، بلکہ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''بے شک سیدنا علیؓ سیدنا ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ہمراہ قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے حالانکہ وہ دونوں حق پر نہیں تھے لیکن علیؓ نے ایسا طرزِ عمل ان دونوں سے بچاؤ کے لیے اختیار کیے رکھا''، جب وہ یہ کہتے ہیں اُس وقت اُن پر بد اخلاقی کا دھبہ لگا دیتے ہیں، اور شیعہ کی اصطلاح میں یوں کہیں گے کہ علیؓ نے یہ روش ''تقیہ'' کی وجہ سے اختیار کر رکھی تھی، مطلب یہ ہے کہ وہ اُن دونوں سے خوف کھاتے تھے اور محض دکھاوے کے لیے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر تمام کام سرانجام دیتے رہے!

اسلام کے اس عظیمُ الشان ہیرو کے بارے میں _ جس نے ''اسد اللہ'' کا لقب حاصل کیا اور جو دونوں دوستوں کے ہاں ایک قائد اور روزیر کے حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ایسے آدمی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ریاکاری سے کام لیتا رہا، ڈرتا اور خوف کھاتا رہا، جن کے ساتھ اسے ذرّہ برابر محبت نہیں تھی اُن کے ساتھ بناوٹی محبت کا دم بھرتا رہا بیس سال سے زیادہ عرصے تک ایسے لوگوں کی پیروی کرتا رہا اور اُن کے خوف کی وجہ سے ان کے ہم قدم ہو کر چلتا رہا۔ ایسی باتوں کا محبت کے ساتھ یقیناً کوئی تعلق نہیں ہے، اور سیدنا علیؓ کو ایسی محبت سے معاف ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔

Marfat.com

اہلِ حق کے مذہب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی بھی پہلو سے علیؓ کی شان میں کمی کرنے کا روادار نہیں، اُن پر کوئی اخلاقی تہمت نہیں رکھتے ہیں اور نہ ہی ایسے مردِ میدان اور میرِ لشکر کی طرف کسی قسم کے خوف کی نسبت کرتے ہیں۔ اہلِ حق یہ کہتے ہیں کہ: ''علیؓ اگر خلفائے راشدین کو حق پر نہ سمجھتے تو ایک لمحے کے لیے بھی نہ تو اُن کی دوستی کا دم بھرتے اور نہ ان کا کوئی حکم مانتے''۔

مطلب یہ کہ حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم تھی کہ خلفائے راشدین حق پر ہیں، وہ اُن کی فضیلت کا اقرار کرتے تھے اور بنابریں حق کی محبت میں اپنی بے مثال جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے تھے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

کسی بھی چیز میں افراط وتفریط اچھی چیز نہیں ہے، لیکن استقامت درمیانی راستہ ہے جسکو اہلِ سنت نے اختیار کیا ہے، لیکن بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح وہابیہ اور خوارج کے کچھ اُفکار نے اھل السنت والجماعت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، اِسی طرح کچھ سیاست کے شیدائی اور الحاد پرست لوگ سیدنا علیؓ کی ذاتِ گرامی کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں اور کہتے ہیں: ''وہ چونکہ سیاسی بصیرت سے نابلد تھے اِس لیے خلافت کے ادارے کو صحیح طور پر چلا نہ سکے اور بنابریں اپنے دورِ خلافت میں قوم کو بھی حسنِ انتظام سے نہ چلا سکے''۔ ایسی باتیں کرنے والے لوگ چونکہ اہلِ سنت کے بھیس میں ہوتے ہیں، اس لیے ان کی طرف سے صادر ہونے والے ایسے اتہامات کے مقابلے میں شیعہ حضرات اہلِ سنت پر غیظ وغضب اور بد اطواری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حالانکہ حالت یہ ہے کہ اہلِ سنت کے اصول اور ان کے مذہب کے بنیادی دستور ایسے افکار کے حامل نہیں ہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اس لیے خوارج اور دیگر ملحدین کی طرف سے وارد ہونے والے ایسے بیہودہ افکار کی وجہ سے اہلِ سنت کو قطعاً قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اہلِ سنت حضرت علیؓ کے ساتھ شیعہ لوگوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر محبت کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے تمام خطبوں اور دعاؤں میں حضرت علیؓ کی ان کے شایانِ شان تعریف کرتے ہیں، اور خاص کر اُولیاء واُصفیاء کہ جن کی اکثریت اہلِ سنت سے تعلق رکھتی ہے، وہ تو اُن کو اپنا مرشد اور آقا مانتے ہیں، اس لیے شیعہ حضرات کو چاہیے کہ وہ خوارج اور ملحدین کو۔ جو کہ شیعہ اور اہل سنت کے ایک ساتھ دشمن ہیں۔ چھوڑ کر اہل سنت کے ساتھ خواہ مخواہ کی عداوت کا رویہ نہ اپنائیں، کیونکہ اس ضمن میں دیکھا یہ گیا ہے کہ شیعہ حضرات میں سے کچھ لوگ کئی ایسی سُنتیں صرف اس وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اہل سنت ان پر عمل پیرا ہیں۔

بہرکیف، علماء کے ہاں چونکہ اس مسئلے پر کافی لے دے ہوئی ہے، اس لیے ہم نے بھی اس پر کافی تفصیل سے گفتگو کر دی ہے۔

اس لیے اے اہل حق یعنی اہل سنت!

Marfat.com

اور اے حضرات شیعہ، جنہوں نے اپنے مسلک کو محبتِ اہل بیت کا عنوان دے رکھا ہے!

اس بے معنی، بے بنیاد، باطل اور نقصان دہ نزاع سے فوری طور پر دستکش ہو جائے، اور اگر تم اس نزاع کو اپنے درمیان سے زائل نہ کر سکے تو یاد رکھو کہ: یہ زندیقیت جو اس دور میں مضبوط پیروں کے ساتھ مسلط ہو چکی ہے وہ تمہیں ایک دوسرے کے ہاتھوں برباد کرنے کے لیے آلہءکار بنائے گی اور جب اپنا کام نکال چکے گی تو پھر اس آلے کو بھی توڑ پھوڑ دے گی۔

تمہارے لیے جو کرنے والا ضروری کام ہے وہ یہ ہے اختلاف ونزاع کو ہوا دینے والے اِن جزوی اور فروعی مسائل کو یکسر نظرانداز کردو؛ کیونکہ تم سب اہل توحید ہو اور تمہارے مابین سینکڑوں ایسے مقدس رشتے ہیں جو بھائی چارے اور اتفاق اتحاد کا باعث بن سکتے ہیں۔

دوسرا مقام

فَاِنْ تَوَلَّوا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

اس آیت کی دوسری حقیقت کے بارے میں۔ (حاشیہ:۱)

☆ ☆ ☆

(حاشیہ:۱) حاشیہ یہ گیارھویں لمعہ میں لکھا گیا ہے

Marfat.com

پانچواں لمعہ (۱)

چھٹا لمعہ (۲)

(حاشیہ:۱) یہ لمعہ معنی اور مرتبہ کے لحاظ سے پانچواں لمعہ ہے اور مقام وصورت کے لحاظ سے چوتھی شعاع ہے۔ اس کا نام ''رسالہ۔۔۔۔'' ہے۔ اسی لیے اسے مجموعی ''شعاعات'' میں درج کر دیا گیا ہے۔

(حاشیہ:۲) چھٹا لمعہ نہیں لکھا گیا۔

Marfat.com

ساتواں لمعہ

[اس میں سورۃ الفتح کی آخری آیات میں پائی جانے والی سات قسم کی غیبی خبروں کی وضاحت کی گئی ہے]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾۔

سورۃ الفتح کی ان آخری تین آیات میں اعجاز کے بہت سے پہلو ہیں۔ اعجاز القرآن کے دس کُلی پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن معجز بیان غیب کی خبریں دیتا ہے اعجاز کا یہ پہلو ان تین آیات کریمہ میں سات آٹھ جہتوں سے نمایاں ہو رہا ہے:

پہلا پہلو:

آیت کریمہ: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا۔﴾

فتحِ مکہ سے پہلے ہی اُس کے فتح ہونے کی خبر دے رہی ہے چنانچہ وہ دو سال کے بعد بعینہٖ اُسی طرح فتح ہو گیا جیسے آیت نے خبر دی تھی۔

دوسرا پہلو:

فرمانِ گرامی: ﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ الخ﴾

یہ خبر دیتا ہے کہ صُلح حدیبیہ اگرچہ بظاہر اسلام کے حق میں نقصان دہ نظر آ رہی تھی اور قریش کو ایک طرح کا غلبہ حاصل ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا، لیکن اس کے باوجود یہ آیت یہ خبر دے رہی ہے کہ صلح حدیبیہ ایک عظیم الشان معنوی فتح کا رُوپ دھار جائے گی اور دیگر تمام فتوحات کے لیے شاہ کلید کا کردار ادا کرے گی۔ اور یہ مادی تلواریں اگرچہ نیام میں داخل ہو گئی ہیں،

Marfat.com

لیکن قرآنِ کریم کی ہیرے کی شمشیرِ آبدار نیام سے باہر آ گئی ہے اور اُس نے قلوب وعقول کو فتح کر لیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ صلح کی وجہ سے لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ میل جول شروع ہو گیا ہے اور اس طرح اسلام کے محاسن اور قرآن کے انوار نے قومی عناد وتعصّبات کے تمام پردے چاک کر کے اپنے حکم کو اُن کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔

مثال کے طور پر: خالد بن ولید جیسا ماہر جنگجو، عمرو بن عاص جیسا ماہر سیاستدان اور ان جیسے دیگر افراد جو کہ مغلوب ہونا جانتے ہی نہیں تھے، صلح حدیبیہ میں چمکنے والی قرآنی تلوار کے سامنے ڈھیر ہو گئے، یہ لوگ اسلام کے سامنے گردن ڈالے ہوئے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ اور اس اطاعت وانقیاد کے بعد خالد بن ولید سیف اللہ بن گئے جن کے ذریعے اسلامی فتوحات ظہور میں آئیں۔

ایک اہم سوال:

رسول اللہ ﷺ تو فخرِ کونین اور حبیبِ ربُّ العالمین ہیں، لیکن اِس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے صحابہ غزوۂ احد کے آخر میں اور جنگِ حنین کے آغاز میں مشرکوں کے مقابلے میں مغلوب ہو گئے تھے، اِس میں کیا حکمت تھی؟

الجواب:

اُس وقت مشرکوں میں خالد بن ولید جیسے بہت سے لوگ موجود تھے جنہوں نے مستقبل قریب میں اُس دور کے کبار صحابہ کا مرتبہ حاصل کرنا تھا، اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اُن کی مستقبل کی حسنات کا اجر انہیں بطور پیشگی ماضی میں ہی دے دیا تاکہ اُن کی عزّت آبرُو اور شان وعظمت اُن کے معزّز اور تابناک مستقبل کی نظر میں کلّی طور پر مجروح نہ ہونے پائے، مطلب یہ کہ ماضی کے کچھ صحابہ مستقبل کے کچھ صحابہ کے سامنے مغلوب ہو گئے تاکہ مستقبل کے صحابہ اسلام میں تلوار کی آب وتاب کے خوف سے نہیں بلکہ فروغِ حقیقت کے شوق سے داخل ہوں اور تاکہ اُن کی فطری شہامت نگوں سار نہ ہو۔

تیسرا پہلو

یہ آیت کریمہ ﴿لَا تَخَافُوْنَ﴾ کی قید کے ذریعے یہ خبر دے رہی ہے کہ تم لوگ بلا خوف وخطر بیت اللہ میں داخل ہو کر امن وامان کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کرو گے، حالانکہ جزیرۂ عرب کے بہت سے بدوی قبائل دشمن تھے اور مکہ مکرمہ کے اردگرد رہائش پذیر تھے، اور قبیلہ قریش کے بھی اکثر لوگ دشمن تھے۔ پس اس آیت کریمہ کا یہ خبر دینا کہ تم عنقریب بغیر کسی خوف وخطر کے خانہ کعبہ کا طواف کرو گے، اس چیز کی دلیل ہے کہ جزیرۂ عرب عنقریب زیرِ نگین وطاعت گزار ہو جائے گا اور تمام قریش عنقریب حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے۔ اور آیتِ کریمہ اس بات کی خبر بھی دیتی ہے کہ خطے میں عنقریب امن وامان کا دَور دَورہ ہو گا۔ اور بعینہٖ اُسی طرح ہوا جیسے کہ آیت نے خبر دی تھی۔

Marfat.com

چوتھا پہلو:

فرمانِ گرامی: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ انتہائی قطعی انداز سے اِس بات کی خبر دیتا ہے کہ رسول گرامی ﷺ کا لایا ہوا دین عنقریب تمام ادیان پر غالب آجائے گا، حالانکہ یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے ادیان جن کے اُن دنوں میں لاکھوں پیروکار تھے، وہ ان دنوں میں ایران، چین اور رُوم جیسی فاتح سلطنتوں کے سرکاری ادیان تھے، لیکن بایں ہمہ آیت کریمہ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام کا لایا ہوا دین جس کی حالت یہ تھی کہ اپنے چھوٹے سے قبیلے پر بھی مکمل غلبہ حاصل نہیں کر سکا تھا۔ آیت خبر دیتی ہے کہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے گا اور تمام سلطنتوں اور حکومتوں پر فتح یاب ہو جائے گا۔ اور اس بات کی خبر انتہائی واضح اور قطعی انداز کے ساتھ دے رہی ہے۔ مستقبل نے اس غیبی خبر کی تصدیق اس طرح کر دی کہ شمشیرِ اسلام مشرقی بحرِ محیط سے لے کر مغربی بحرِ محیط تک دراز ہوگئی۔

پانچواں پہلو:

آیت کریمہ: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ کا پہلا حصہ اگرچہ اِن بلندترین عادات وصفات اور امتیازی خصوصیات کے متعلق خبر دے رہا ہے، جن سے متصف ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ انبیاء کرامؑ کے بعد تمام نوعِ انسانی کے مابین اعلیٰ امتیازی حیثیت کے مالک بنے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے صریحی معنی کے ساتھ ان مختلف عادات وصفات اور امتیازی خصوصیات کے چہرے سے پردہ اُٹھا رہی ہے جن کے ساتھ صحابہ کے طبقات مستقبل میں مزیّن ہوں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ _ اہلِ تحقیق کے ہاں _ اپنے اشاری معنی کے ساتھ اُن خلفائے راشدین کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو وفات نبوی کے بعد ترتیب وار خلافت کی صُورت میں نبی ﷺ کے قائم مقام ہوں گے۔ اور مزید کہ یہ آیت اُن تمام امتیازی خصوصیات کی خبر دے رہی ہے جن کے ساتھ اُن میں سے ہر صحابی علیحدہ علیحدہ طور پر مشہور ہوگا؛ اور وہ اس طرح کہ فرمان گرامی ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ﴾ صدیق رضی اللہ عنہ پر دلالت کرتا ہے جنہوں نے مخصوص معیت، خصوصی صحبت و ہمراہی، سب سے پہلے وفات پا جانے اور آپ ﷺ کی معیت میں داخل ہونے کی امتیازی شہرت حاصل کی۔

اس طرح فرمان گرامی: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ عمر رضی اللہ عنہ پر دلالت کرتا ہے جو کہ اپنی فتوحات کے ساتھ مستقبل میں کرۂ ارض کی سلطنتوں پر لرزہ برپا کر دیں گے اور اپنے عدل وانصاف کے ساتھ ظالموں کے حق میں صاعقہ جیسی شدّت کا اظہار کریں گے۔

اور لفظِ ﴿رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ﴾ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دے رہا ہے جو اپنے کمال شفقت ورحمت کی بنا پر

Marfat.com

اپنی روح کو فدا کر کے خود کو موت کے سپرد کر دیں گے تا کہ مسلمان آپس میں خوں ریزی سے بچ جائیں۔ اُس وقت جبکہ مستقبل میں برپا ہونے والا بہت بڑا فتنہ سر اُٹھانے کے لیے پَر تول رہا تھا۔ انہوں نے مظلومی کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہو جانے کو ترجیح دی۔

اور فرمان گرامی: ﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ علی رضی اللہ عنہ کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں خبر دے رہا ہے، جنہوں نے انتہائی قابلیت سے سلطنت وخلافت کے ساتھ ربط وضبط رکھنے کے ساتھ ساتھ زُہد وعبادت اور فقر واقتصاد کو اختیار کیا۔ جن کے کثرت ودوام رکوع وسجود کی ہر کوئی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح یہ فرمان اس بات کی بھی خبر دیتا ہے کہ فتنوں کے اس دَور میں برپا ہونے والی جنگوں کے وہ ذمہ دار نہیں ہیں اور یہ کہ ان کی نیت اور مطلوب ومقصود فقط فضلِ الٰہی تھا۔

چھٹا پہلو:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾ فقرہ دو جہتوں سے غیب کے متعلق خبر پر مشتمل ہے:

پہلی جہت: یہ صحابہ کرام کے تورات میں پائے جانے والے اوصاف بتا رہا ہے اور یہ چیز نبی ﷺ جیسے اُمّی انسان کے بہ نسبت غیب کا حکم رکھتی ہے۔ جی ہاں، جیسے کہ انیسویں مکتوب میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ تورات میں نبی آخر الزمان ﷺ کے صحابہ کے بارے میں یہ فقرہ آیا ہے: ''قدسیوں کے جھنڈے اُن کے ساتھ ہوں گے''۔ مطلب یہ کہ اُس نبی کے صحابہ اہلِ اطاعت، اہلِ عبادت، اہلِ صلاح اور اہلِ ولایت ہوں گے۔ انہیں قُدسی کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مقدّس ہوں گے۔

پس باوجود اس کے کہ تورات میں اس کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو جانے کی وجہ سے تحریف واقع ہو چکی ہے، پھر بھی وہ اپنی بہت سی آیات کے ساتھ فرمان گرامی ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾ میں پائے جانے والی حقیقت کی تصدیق کرتی ہے۔

دوسری جہت: غیب کے متعلق خبر دینے کی دوسری جہت یہ ہے کہ آیت ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾ اس فقرے کے ساتھ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عبادت میں اس درجے تک جا پہنچیں گے کہ اُن کی رُوحوں میں پائی جانے والی نورانیت ان کے چہروں پر جگمگائے گی اور کثرتِ سجود کی وجہ سے اُن کی پیشانیوں پر ولایت کی مہر جیسے نشانات نمایاں ہوں گے۔

جی ہاں، مستقبل نے اس خبر کی تصدیق بالکل واضح طور پر قطعی اور تابناک صورت میں کر دی۔ چنانچہ فتنہ وفساد اور بدترین سیاسی انقلابات کے دَور میں زین العابدین جیسے بہت سے لوگ جو شب وروز میں ہزار رکعت تک پڑھ جاتے تھے اور طاؤس یمنی جس نے چالیس سال تک عشاء کے وضوء کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، اور اُن جیسے بہت سے دوسرے

Marfat.com

لوگوں نے آیت کریمہ ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾ میں پائے جانے والے راز کو طشت اَز بام کردیا۔

ساتواں پہلو:

﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾، یہ فقرہ دو پہلوؤں سے غیب کے متعلق خبر دینے پر مشتمل ہے۔

اوّل: یہ انجیل میں صحابہ کے بارے میں پائی جانے والی خبر کے متعلق خبر دے رہا ہے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو اُمّی نبی کی بہ نسبت غیب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جی ہاں، بلاشبہہ انجیل میں آخری زمانے میں آنے والے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے اوصاف کے بارے میں، ''مَعَهُ قَضِيبٌ مِنْ حَدِيدٍ وَأُمَّتُه كَذٰلِكَ'' (اس کے پاس لوہے کی شاخ ہوگی اور اُس کی اُمت بھی ایسی ہی ہوگی)

مطلب یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بغیر تلوار کے نہیں ہوگا بلکہ وہ صاحبِ سیف نبی ہوگا اور جہاد کرنے پر مأمور ہوگا، اور اس کے صحابہ بھی اسی طرح اصحابِ سیف اور جہاد کرنے پر مامور ہوں گے۔ اور'' قضیب من حدید '' کا یعنی فولادی شاخ رکھنے والا یہ نبی دنیا کا سردار ہوگا، کیونکہ انجیل میں ایک اور جگہ پر ہے:'' میں جارہا ہوں تاکہ عالم کا سردار آجائے''، یعنی عالم کا سردار آرہا ہے۔

انجیل کے ان دو فقروں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صحابہ کرام اگرچہ ابتدا میں قلیل اور ضعیف نظر آئیں گے لیکن وہ بیجوں اور گٹھلیوں کی طرح نشو ونما پاتے بڑھتے، پھلتے پھولتے قوی مضبوط، مستحکم اور زورآور ہوتے چلے جائیں گے اور یوں وہ کفار کو انکے غیظ وغضب کو نگلوا کر انکو غرق کرتے ہوئے اپنی تلواروں کے ساتھ نوع بشری کو اپنے لیے مسخر کر کے اس بات کو ثابت کریں گے کہ اُن کے نبی ﷺ صرف انہی کے نہیں بلکہ پورے عالم کے سردار ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں فقرے بعینہٖ وہی معنی دے رہے ہیں جو کہ سورۃ الفتح کی آیت کریمہ دے رہی ہے۔

دوم: یہ فقرہ خبر دیتا ہے کہ صحابہ نے اپنی قلّت وکمزوری کی وجہ سے اگرچہ صلح حدیبیہ کے مقام پر صلح کو قبول کرلیا تھا، وہ عنقریب تھوڑی ہی مدت کے بعد انتہائی تیزی کے ساتھ بہر صورت ہیبت ناک قوت اور شان وشوکت حاصل کرلیں گے اور اُن پر اس صلح کا راز کھل جائے گا، چنانچہ سطحِ زمین کے اس کھیت میں قدرت کے ہاتھوں اُگائی ہوئی نوعِ بشر کی بالیاں اُس دور میں اُن کی غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی، ناقص، کمزور، بے برکت اور بے جان سی رہ جائیں گی، لیکن اس کے برعکس صحابہ کرام کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی اور اُن کی بالیاں غالب، قدآور، مضبوط، پھل دار اور بابرکت ہوں گی، اس حد تک کہ وہ اپنی قوّت وکثرت کی بنا پر بڑی بڑی حکومتوں کو رشک وحسد کی آگ میں مبتلا کردیں گے۔

جی ہاں، مستقبل نے اس غیبی خبر کو واضح طور پر نمایاں کر کے دکھادیا۔ اور اس غیب کی خبر میں ایک اور اشارہ بھی پایا جاتا

Marfat.com

ہے، اور وہ یہ کہ:

اُس نے جب صحابہ کرام کی یہ تعریف کی کہ یہ بہت سی اہم صفات سے مزیّن ہیں، تو پھر اس موقع پر یہ ضروری تھا کہ کسی عظیمُ الشان مکافات کا وعدہ کیا جاتا، چنانچہ اُس نے ﴿مَغْفِرَةً﴾ کے لفظ کے ساتھ اس چیز کی طرف اشارہ کر دیا کہ مستقبل میں صحابہ کے مابین فتنہ و فساد کی فضا پیدا ہو جانے کی وجہ سے بڑی اہم غلطیاں سرزد ہو جائیں گی؛ کیونکہ مغفرت کا لفظ غلطی کے واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایسے وقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں مغفرت ہی سب سے اہم مطلوب اور اُن پر بلند احسان تھا اور سب سے بڑی مکافات درگزر اور معاف کر کے سزا نہ دینا تھا۔

پس لفظِ ﴿مَغْفِرَةً﴾ جیسے اس لطیف اشارے پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اس کا سورت کے آغاز میں ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ کے جملے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ یہاں سورت کے آغاز میں آنے والے اِس لفظِ مغفرت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقی گناہوں پر پردہ ڈال دیا جائے گا؛ کیونکہ نبوت معصوم ہے اور گناہ کا وجود ہی نہیں بلکہ اِس مقام پر اِس سے مراد نبی ﷺ کے لیے اس مغفرت کی خوشخبری ہے جو کہ مقامِ نبوّت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ اور یہ سورت کے اختتام میں وارد ہونے والی صحابہ کرام کی مغفرت والی خوشخبری کے ساتھ مل کر اِس لطیف اشارے کی لطافت کو دوبالا کر رہی ہے۔

یاد رہے کہ ہم نے سورۃُ الفتح کی آخری تین آیات میں پائے جانے والے اعجاز کے دس پہلوؤں میں سے صرف غیب کے متعلق خبر دینے کے بہت سے پہلوؤں میں سے سات پہلوؤں کا ذکر کیا ہے۔

اس آخری آیت کے حروف کی وضع قطع اور ساخت پرداخت میں پائی جانے والی اعجاز کی کرنوں میں سے ایک اہم کرن کی طرف چھبیسویں مقالے کے آخر میں اشارہ کر دیا گیا ہے، چھبیسویں مقالے میں تقدیر اور جزءِ اختیاری پر بحث کی گئی ہے۔ پس اس آخری آیت کا رُخ جس طرح مجموعی طور پر صحابہ کرام کی طرف ہے، اسی طرح یہ اپنی حدود و قیود کے ذریعے صحابہ کرام کے حالات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ پھر جس طرح یہ آیت اپنے الفاظ کے ذریعے صحابہ کرام کے اوصاف بیان کرتی ہے اسی طرح اپنے حروف، ان حروف کی تعداد کی تکرار کے ذریعے اصحابِ بدر، اُحُد، حنین، اہلِ صُفہ اور بیعتِ رضوان جیسے صحابہ کرام کے مشہور طبقات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اِسی طرح یہ آیت حروفِ ابجد اور ''توافُق'' کے حساب سے بہت سے اسرار و رموز کو آشکار کرتی ہے۔ یاد رہے کہ ''توافق'' علمِ جفر کی ایک قسم اور اس کی چابی ہے۔

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

Marfat.com

تتمّہ

وہ غیبی خبریں جن کے بارے میں سورۃ الفتح کی آخری آیات اشاری معنی کے ذریعے خبر دیتی ہیں، یہ آیت بھی اُن کے بارے میں اُسی طرح خبر دیتی ہے اور بعینہ اُسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس لیے ہم اس پر تھوڑی سی بحث کریں گے۔

﴿وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا﴾

اس آیتِ کریمہ کے ہزاروں نکات میں سے ہم صرف دو نکتوں کی طرف اشارہ کریں گے:

پہلا نکتہ:

قرآنِ معجز بیان جس طرح اپنے صریح معانی و مفاہیم کے ساتھ حقائق بیان کرتا ہے، اسی طرح اپنے اسالیب و ہیآت کے ساتھ بہت سے اشاری معانی عطا کرتا ہے، پس ہر آیت کے اُس کے معانی کی رُو سے بہت سے طبقات ہیں۔ اور قرآن کریم کی آمد چونکہ علمِ محیط کے سرچشمے سے ہوئی ہے۔ اس لیے اُس کے تمام معانی مطلوب ہو سکتے ہیں اور وہ انسان کے جزوی فکر اور شخصی ارادے سے حاصل ہونے والے کلام کی طرح ایک یا دو معنوں میں منحصر نہیں ہوتا یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر مفسرین نے قرآنی آیات کے لامحدود حقائق بیان کیے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ بہت سے حقائق ایسے بھی ہیں جن کی مفسرین نے اب تک وضاحت نہیں کی ہے، اور خاص کر قرآن کے حروف کے اشارات، کہ اِن اشاروں میں اُس کے صریحی معانی کے علاوہ بہت سے اہم علوم پائے جاتے ہیں۔

دُوسرا نکتہ:

یہ آیتِ کریمہ ﴿مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا﴾ کی تعبیر کے ذریعے اس چیز کی وضاحت کر رہی ہے کہ وہ اُصحابِ صراطِ مستقیم جنہوں نے نوعِ بشر کے مابین حقیقی الٰہی نعمتیں حاصل کی ہیں وہ گروہِ انبیاء، قافلۂ صدیقین، جماعتِ شہداء، اَصنافِ صالحین اور انواعِ تابعین ہیں آیت کریمہ جہاں ہمیں یہ حقیقت فراہم کر رہی ہے وہاں صراحت کے ساتھ ہمیں یہ بھی بتا رہی ہے کہ عالمِ اسلام میں ان پانچ گروہوں میں سے کامل ترین لوگ کون سے ہیں، اور اِس کے بعد اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اِن پانچ اقسام کے امام کون ہیں اور اُن کے مشہور اوصاف ذکر کر کے اُن کے پیش رو سرداروں کے متعلق وضاحت سے بتاتی ہے، اور پھر ایک طرح کی غیبی خبر کے ذریعے

Marfat.com

اعجاز کی ایک کرن کے ساتھ ان گروہوں کے مستقبل میں ہونے والے ائمہ اور ایک طرح سے ان کے طور طریقوں کا تعین کرتی ہے۔

جی ہاں، جس طرح لفظ ﴿مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ صراحتاً نبی ﷺ کی طرف دیکھتا ہے، اسی طرح لفظ ﴿وَالصِّدِّيقِينَ﴾ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد انہی کا مرتبہ ہے اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے پہلے خلیفہ یا قائم مقام یہی ہوں گے۔ اور یہ کہ صدیق کا لقب اُن کا خاص عنوان ہوگا جس سے وہ تمام اُمت میں مشہور و معروف ہوں گے، اور یہ کہ وہ صدیقین کے سرخیل ہوں گے۔

جیسے کہ آیتِ کریمہ لفظ ﴿وَالشُّهَدَاءِ﴾ کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ تینوں کی طرف ایک ساتھ اشارہ کرتی ہے، اور غیبی طریقے سے یہ حقیقت بھی فراہم کرتی ہے صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد یہ تینوں نبوت کی خلافت کا مظہر ہوں گے اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہوں گے اور ان کی شہادت کی فضیلت اُن کے دوسرے فضائل کے ساتھ سونے پہ سہاگہ ہوگی۔

اور لفظ ﴿وَالصَّالِحِينَ﴾ کے ذریعے اصحابِ صفہ، اصحابِ بدر اور بیعتِ رضوان والے صحابہ جیسے ممتاز افراد کی طرف اشارہ کرتی ہے اور ﴿وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا﴾ کے جملے کے صریحی معنی کے ساتھ اُن کی اتباع کا شوق دلاتی ہے اور اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تابعین کی اتباع میں بڑی بزرگی، لطافت اور بڑا حسن و جمال پایا جاتا ہے۔ اور اشاری معنی کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ پانچویں خلیفہ ہوں گے، اور اس اشاری معنی کے ساتھ حدیث شریف: "ان الخلافة بعدی ثلاثون سنة" کے حکم کی تصدیق کرتی ہوئی بتاتی ہے کہ اُن کی مدّتِ خلافت بالکل قلیل ہونے کے باوجود بڑی عظیم الشان ہوگی۔

حاصلِ کلام یہ کہ:

سورۃ الفتح کی آخری آیت جس طرح خلفائے اربعہ کی طرف دیکھتی ہے اسی طرح یہ آیت بھی اس آیت کی تائید کے طور پر اشاری طریقے سے غیبی خبر کی صورت میں اُن کے مستقبل کے کچھ حالات و اطوار کی طرف دیکھتی ہے۔

پس اِعجاز القرآن کی وہ قسم جس کا تعلق غیب کی خبر دینے کے ساتھ ہے، قرآنی آیات میں اِس قسم کے اعجاز کے اتنے زیادہ لمعات ہیں کہ اعداد و شمار سے باہر ہیں، رہی یہ بات کہ اہلِ ظاہر نے ان غیبی خبروں کو صرف چالیس یا پچاس آیتوں میں منحصر کر دیا ہے، تو یہ صرف ظاہری اور سطحی نظر کی وجہ سے ہوا ہے، وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ چیز ہزار سے بھی زیادہ آیتوں میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت چار یا پانچ پہلوؤں سے غیب کے متعلق خبر دینے پر مشتمل ہوتی ہے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

Marfat.com

تتمے کی ایک دوسری وضاحت

بلاشبہ آیت کریمہ: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ جو کہ سورۃ الفتح کے آخر میں پائے جانے والے اس غیبی اشارے کی تائید کرتی ہے، اور اصحابِ صراط مستقیم کی وضاحت کرتی ہوئی بتاتی ہے کہ سورۃ الفاتحہ کی آیت ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ سے کون لوگ مراد ہیں، اور ابدُ الآباد کے طویل راستے پر چلنے والے رفقاء کے روشن ترین، مانوس ترین، کثیر ترین اور دلکش ترین قافلے کو نمایاں کرتی ہے، اور اہلِ ایمان و اصحابِ شعور کو اس قافلے کے پیچھے چلانے، ان کے ساتھ جا ملانے اور اُن کا رفیقِ سفر بنانے کے لیے معجزانہ طور پر پوری شدت کے ساتھ کھینچتی ہے۔

اسی طرح یہ آیت سورۃ الفتح کی آخری آیت کی طرح خلفائے اربعہ اور خلیفۂ خامس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، یہ اشارہ ایسے اشاری اور رمزی معانی کے ساتھ کرتی ہے جنہیں **علم بلاغت میں ''معارضِ کلام'' اور معنئ مقصود کے علاوہ ''توابعِ تراکیب''** کہتے ہیں۔

اور متعدد جہتوں سے غیبی اُمور کے بارے میں خبر دیتی ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ آیت جس طرح اپنے صریح معنی کی رُو سے یہ حقیقت فراہم کر رہی ہے کہ وہ اصحابِ صراط مستقیم جنہوں نے نوعِ بشر میں سے بلند پایہ الٰہی نعمتیں حاصل کی ہیں وہ انبیاء کا کاروان، صدیقین کا گروہ، شہداء کی جماعت، صالحین کی انواع و اقسام اور محسن تابعین کی اصناف ہیں، اور یہ کہ ان تمام گروہوں کے کامل ترین اور افضل ترین لوگ عالم اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ اور غیب کی خبر دینے کی قبیل سے یہ آیت نبی آخر الزماں کی نبوت کی وراثت میں پائے جانے والے راز کی رُو سے انبیائے کرام کے پے در پے آنے والے ورثاء کے گروہ پر دلالت کرتی ہے۔

اور صدیقین کے اُس قافلے پر دلالت کرتی ہے جو کہ صدیق اکبر کی صدیقیت کے سر چشمے سے نکلتا اور چلتا ہے۔ اور اُن صالحین کی جماعت پر دلالت کرتی ہے جو کہ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کے راز کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور ان تابعین کی اصناف پر دلالت کرتی ہے جو کہ فرمان گرامی ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ میں پائے جانے والے راز کے ترجمان ہیں اور صحابہ اور خلفائے راشدین کی رفاقت میں چلتے ہیں۔

اسی طرح یہ اشاری معنی کی جہت سے ﴿وَالصِّدِّيقِينَ﴾ کے لفظ کے ساتھ اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے قائم مقام ہوں گے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ رہیں گے اور اُمت میں صدیق کے عنوان سے مشہور ہوں گے، اور صدیقین کے قافلہ کے سالار ہوں گے۔

Marfat.com

اور ﴿الشُّهَدَا﴾ کے لفظ کے ساتھ تین خلفائے راشدین کی شہادت کی خبر دے رہی ہے اور یہ کہ یہ تینوں شہداء ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلفاء ہوں گے؛ کیونکہ ﴿الشُّهَدَا﴾ جمع ہے اور جمع میں کم از کم تین فرد ہوتے ہیں پس عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام کی ریاست سنبھالیں گے اور شہادت کے درجے پر فائز ہوں گے، اور یہ غیبی خبر بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

پھر آیت کریمہ لفظ ﴿وَالصَّالِحِينَ﴾ کی قید کے ساتھ اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ مستقبل میں بہت سے ایسے اہلِ صلاح اہل تقوی اور عبادت گزار ہوں گے جو کہ اطاعت و عبادت میں اُس تعریف و ثنا کا مظہر رہیں گے جو اُن کے بارے میں تورات میں وارد ہوئی ہے، جیسے کہ اصحابِ صُفّہ ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ ﴿وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا﴾ کا جملہ راہِ اَبد میں چلنے والے ان چاروں قافلوں کی رفاقت و ہمراہی پر دلالت کرتا ہے، اور وہ اس طرح کہ وہ پیروکار جنہوں نے صحابہ کرام کی ہمراہی میں ہو کر علم و عمل میں اُن کی پیروکاری کی ہے، یہ جملہ ان کی اس پیروکاری کی روش کو تحسین و آفرین کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آیتِ کریمہ اِس طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی قلیل مدت۔ یاد رہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی اُس معجزانہ غیبی خبر کو سچ کر دکھایا تھا جس کے بارے میں حدیث میں آیا تھا کہ: ﴿إِنَّ ابْنِي الْحَسَنَ هٰذَا سَيِّدٌ سَيُصْلِحُ اللّٰهُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ﴾، اور دو بڑے لشکروں اور دو مسلمان جماعتوں کے درمیان صلح کروائی اور ان کے درمیان تنازع ختم کرایا۔ ان کی مدتِ خلافت اگرچہ بہت کم تھی یعنی چند مہینے تھی، لیکن تھی بڑی اہم۔ اور اس کی اہمیت پر دلالت یہ آیت نبی ﷺ کے فرمان "ان الخلافة بعدی ثلاثون سنة" کی رُو سے اور اس غیب کے ساتھ تعلق رکھنے والے فرمان کی تصدیق کی رُو سے کر رہی ہے۔ اور علمِ بلاغت میں ''توابعِ تراکیب'' کے قاعدے میں پائے جانے والے راز کی رُو سے ﴿وَحَسُنَ﴾ کے لفظ کے ساتھ پانچویں خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور اِس بات پر دلالت یہ اشاری معنی کے ساتھ کر رہی ہے اور اشاری معنی غیبی خبر کی ایک قسم ہے۔

اور یوں ان مذکورہ اشاری خبروں کی طرح اس آیت میں اور بھی بہت سے راز موجود ہیں۔ لیکن دروازہ فی الحال کُھلا نہیں، کیونکہ ہمارے مقصد کے ساتھ مَیل نہیں کھا رہا ہے۔ اور قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن میں سے ہر ایک بہت سے پہلوؤں کے ساتھ غیب کی خبروں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ قرآن کریم کی ایسی آیات جن میں غیب کی خبریں ہیں، ہزاروں کے حساب سے ہیں۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔ الخ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

Marfat.com

آٹھواں لمعہ

یہ لمعہ کرامت غوثیہ کا رسالہ ہے۔ ثقہ تصدیق غیبی اور تکثیر
کے لمعات نامی مجموعہ میں درج کیا گیا ہے

Marfat.com

نواں لمعہ

وحدۃ الوجود میں جو دقیق غلطیاں پائی جاتی ہیں، اُن کا اِدراک ہر کوئی نہیں کرسکتا، اور ہر ایک کو اس مسئلے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے ہر ایک کو یہ لمعہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

باسمہ تعالیٰ ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ﴾

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے عزیز القدر، خالص اور مخلص بھائی اور دوست!

ہمارے اپنے بھائی عبد المجید کو مستقل طور پر خط نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جو نامے میں آپ لوگوں کے نام لکھتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ اُس کے لیے کافی ہیں؛ کیونکہ عبد المجید ''خلوصی'' کے بعد ایک قابلِ قدر بھائی اور طالب علم ہے، اور میں ''خلوصی'' کے ساتھ اور کبھی اس سے پہلے اس کا نام لے کر اُسے یاد کرتا ہوں۔ اور یہ ''صبری'' اور پھر ''حقی آفندی'' بھی چونکہ میرے ان خطوط سے مستفید ہوتے ہیں، اس لیے ان دونوں کے لیے علیحدہ طور پر مستقل خطوط لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل کیا ہے اور آپ کو ان دونوں کا بڑا بھائی بنایا ہے اس لیے آپ میری طرف سے عبد المجید کے ساتھ خود خط و کتابت رکھیں اور اسے مطمئن کریں تا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ مجھے خلوصی کے بعد اسی کا دھیان رہتا ہے۔

آپ کا پہلا سوال:

یہ خاص سوال ہے جس کا تعلق آپ کے آباء واجداد میں سے ایک شخص (سید محمد) کے دستخط کے ساتھ ہے۔

میرے بھائی!

میرے پاس اس سوال کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جس کی بنیاد علم، تحقیق اور کشف پر ہو۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں اپنے دوستوں سے کہا کرتا تھا کہ: ''خلوصیؔ'' موجودہ تُرکوں اور کردوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا ہے؛ کیونکہ مجھے اس میں کوئی دوسری خصوصیت نظر آتی ہے۔ اور میرے دوست اس بات کی تصدیق کرتے تھے۔ چنانچہ ہم سب کہا کرتے تھے: خلوصی میں جو خاندانی شرافت جھلک رہی ہے وہ: دادِ حق را قابلیت شرط نیست کے قاعدے کی رُو سے عطائے خداوندی ہے۔

اور یہ بات قطعی طور پر یاد رکھو کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آل کی دو قسمیں ہیں:

Marfat.com

1۔آپ ﷺ کی نسبی آل

2۔رسالت کی جہت سے آپ ﷺ کی معنوی نورانی شخصیت کی آل۔

پس آپ آل کی اس دوسری قسم میں تو قطعی طور پر داخل ہیں، اور مزید یہ کہ میرے بلا دلیل اطمینان کی بنا پر آپ پہلی قسم میں بھی داخل ہیں۔اُس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے دادا جان نے دستخط کرتے وقت اپنے نام کے ساتھ''السید'' بلاوجہ نہیں لکھا ہے۔

آپ کا دوسرا سوال:

عزیز بھائی: آپ کے اس دوسرے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ: محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا ہے:''رُوح کی مخلوقیت اس کے منکشف ہو جانے سے عبارت ہے''۔اور آپ اپنے اس سوال کے ذریعے مجھ جیسے ضعیف و نادار آدمی کو محی الدین ابن عربی جیسے عجوبۂ روزگار اور علم الاسرار کے راز دار کا سامنا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔لیکن میں چونکہ اس بحث کی گہرائی میں قرآن کریم کی نصوص پر اعتماد کرتا ہوا اُتر رہا ہوں، اس لیے میں ایک مکھی کی حیثیت رکھتا ہوا بھی اس شکرے سے کہیں زیادہ اُونچا اُڑ سکوں گا۔

یاد رہے کہ ابن عربی دھوکہ دیتے تو نہیں لیکن دھوکہ کھا جاتے ہیں، وہ رہنمائی کرتے تو ہیں لیکن اپنی تمام تحریروں میں راہ یافتہ نہیں ہیں۔وہ جو کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہیں وہ سچ ہے لیکن حقیقت نہیں ہے۔جو حقیقت تمہارے اس سوال کا دارومدار ہے اس کی وضاحت انتیسویں مقالے میں رُوح کی بحث میں گزر چکی ہے۔

جی ہاں، بے شک رُوح اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک اُمری قانون ہے، لیکن ایسا قانون کہ جو زندگی سے بہرہ ور ہے اور جسے خارجی وجود پہنا دیا گیا ہے، اور جو خارجی وجود کا مالک ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی نے فقط اس کی ماہیت کے نقطے پر ہی غور کیا ہے اور وہ اپنے وحدۃ الوجود کے مشرب کی رُو سے تمام اشیاء کو'خیالی'' سمجھتے ہیں۔

ابن عربی نے چونکہ ایک مستقل مسلک اختیار کیا ہے اور وہ ایک اہم مشرب کے مالک ہیں اس لیے وہ اپنی خارقِ عادت کشفیات و مشاہدات کی بنا پر بعض آیات کو تکلف اور کمزور تاویلات کے ذریعے اپنے اِس مشرب کے اور اپنے مشہودات کے مطابق ڈھالنے پر مجبور نظر آتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آیات کے صریح الفاظ کو زخمی کر دیتے ہیں۔

ہم نے تمام رسائلِ نور میں قرآنی صراطِ مستقیم اور اہل السنہ کا منہج بالکل واضح کر دیا ہے۔

بے شک ابن عربی کا ذاتی طور پر ایک خاص مقام ہے، اور وہ عوام میں قبولِ عام کی مرتبے پر فائز ہیں، لیکن وہ اپنے

Marfat.com

کشفیات و مشاہدات کے بل پر حدود سے تجاوز کر گئے ہیں اور بہت سے مسائل میں جمہور علماءِ محققین کی مخالفت کر گئے ہیں۔ اور یہ بات تو مسلّم ہے کہ کشفیات و مشاہدات کا کوئی قانون ضابطہ نہیں ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے ان کی خاص راہ وروش کو انتہائی کوتاہ کر یوں سمجھو کہ گویا صدرالدین قونوی میں ہی محصور ہو کر رہ گئی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ وہ ایک عالی قدر، یگانۂ روزگار اور قطبِ عالم کی حیثیت رکھنے والے شخص ہیں، لیکن اُن کی کتابوں سے صحیح فائدہ اُٹھانا انتہائی نادر و کمیاب ہے، بلکہ اکثر علمائے محققین اور صوفیائے کرام ان کی قیمتی کتابوں کو پڑھنے کی ترغیب نہیں دیتے، بلکہ کچھ تو اُن کی کتابوں کو پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

ابن عربی اور محقق علماء کے مشرب اور ان دونوں فریقوں کے منابع و مصادر کے درمیان جو بنیادی فرق ہے، اُسے سمجھنے کے لیے بڑی دقیق بحث و نظر، گہرے مطالعے اور انتہائی وسعتِ نظری اور عالی ظرفی درکار ہے۔

جی ہاں، فرق بے شک بڑا دقیق اور عمیق ہے، اور سرچشمہ اس حد تک بلند اور عالی شان ہے کہ ابن عربی کا اُن کی غلطی پر مؤاخذہ کیا ہی نہیں گیا ہے اور وہ علماء کے ہاں مقبول رہے ہیں، ورنہ اگر فرق اور اس کا سرچشمہ علمی، فکری اور کشفی طور پر منظور و مشہود ہوتے تو وہ خوفناک سقوط اور بھاری غلطی کے سزاوار ٹھہرتے۔

فرق چونکہ بہت زیادہ گہرا ہے، اس لیے ہم اِس فرق اور اس کے سرچشمے کی وضاحت ایک تمثیل کے ساتھ کریں گے اور حضرت محی الدین ابن عربی کی صرف اس مسئلہ میں سرزد ہونے والی غلطی کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے:

مثال کے طور پر: سورج کا کسی آئینے میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ پس یہ آئینہ سورج کا ظرف اور اُس کا موصوف ہے، مطلب یہ ہے کہ سورج ایک جہت سے اس آئینے کو مزیّن کرتا ہے اور اس کا چمکدار رنگ اور اس کی تابناک صفت بنتا ہے۔

اب یہ آئینہ اگر کسی کیمرے کا ہو تو سورج کی مثالی صورت کو پائیدار صورت میں کاغذ پر منتقل کر دے گا۔ اب آئینے میں نظر انے والا سورج حقیقی سورج نہیں ہوگا۔ اور وہ اپنی تصویر والے کاغذ پر نظر آنے والی ماہیت کی جہت سے، اور اس جہت سے کہ اس نے آئینے کو مزیّن کیا ہے اور اُس آئینے کی ایک صفت ہی کا حکم لے چکا ہے، اِن دونوں جہتوں سے وہ سورج نہیں ہے بلکہ سورج کا جلوہ ہے جو کسی دوسرے وجود میں داخل ہو گیا ہے۔

رہا آئینے میں نظر آنے والے سورج کا وجود، تو وہ اگرچہ خارج میں موجود سورج کا عین وجود نہیں ہے، لیکن کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ عین بعین اس کا وجود ہے؛ کیونکہ اِس وجود کا اُس کے ساتھ ارتباط ہے اور یہ اُس کا اشارہ بھی دیتا ہے۔

اب اِس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے، اس بات کو صحیح کہنا ممکن ہوگا کہ: ''آئینے میں صرف حقیقی سورج ہے'' اس حیثیت سے کہ آئینے کو ظرف مان لیا جائے اور سورج سے اُس کا خارجی وجود مراد لیا جائے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ آئینے پر پھیلی ہوئی سورج کی وہ عکسی تصویر جو آئینے کی صفت کا حکم لے چکی ہے، اور اس کی وہ تصویر جو ٹریسنگ پیپر پر منتقل ہوئی ہے،

Marfat.com

وہ سورج ہے، تو یہ کہنا غلط ہوگا۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ آئینے میں سورج کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کا منعکس ہونے والا عکس اس تابدار آئینے کی سطح پر پڑ رہا ہے: اور پیچھے تصویر بن رہی ہے، اور یہ دونوں چیزیں اپنا الگ الگ وجود رکھتی ہیں، اور یہ دونوں وجود اگرچہ سورج کی تجلی کے مرہونِ منت ہیں، تاہم یہ خود سورج نہیں ہیں۔

انسان کا ذہن اور خیال بھی اس مثال کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ انسان کے فکر کے آئینے میں پائی جانے والی معلومات کے بھی دو رُخ ہیں، چنانچہ یہ ایک رُخ سے ''علم'' ہیں اور دوسرے رُخ سے ''معلوم''۔

چنانچہ اگر ہم ذہن کو اس معلوم کا ظرف بنالیں تو وہ معلوم، موجودِ ذہنی بن جائے گا اور اس کا وجود ایک دوسری چیز ہو گا۔

اور اگر ہم ذہن کو اس چیز کا موصوف بنالیں جو چیز اُس میں آئی ہے تو وہ چیز ذہن کی ایک صفت بن جائے گی، اور وہ چیز اس وقت ''علم'' ہوگی اور اس کا ایک خارجی وجود ہوگا اور اس کا یہ خارجی وجود اس ''معلوم'' کی طرح خارجی عرضی ہوگا اگرچہ اس معلوم کا وجود جوہری ہو۔

اب ان دونوں تمثیلوں کی رُو سے:

یہ کائنات آئینہ ہے، اور ہر موجود چیز کی ماہیت بھی آئینہ ہے، اور یہ آئینے اَزلی قدرت کے ذریعے ایجادِ الٰہی کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

پس ہر موجود ـــ کسی نہ کسی جہت سے ـــ اُس خورشیدِ اَزلی کے اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کا آئینہ بن جاتا ہے اور اُس اِسم کے کسی نہ کسی نقش کو ظاہر کردیتا ہے۔

اب جو لوگ حضرت ابن عربی کے مشرب پر ہیں اُن پر عالَم کا انکشاف صرف آئینیت اور ظرفیت کی جہت سے، اور آئینے میں مثالی وجود کی نفی کی جہت سے ہوا ہے، اور یہ کہ آئینے میں پڑنے والا عکس عین منعکس یعنی وہی چیز ہے جو یہ عکس ڈال رہی ہے۔

پس اُنہوں نے فرقِ مراتب کا خیال نہ رکھا اس لیے کہہ دیا: لا موجود الا هو اور یہاں تک ٹھوکر کھا گئے کہ اُس بنیادی قاعدے کا انکار کر گئے جو کہتا ہے کہ: ''حقائق الأشياء ثابتة''

لیکن اہلِ حقیقت:

وراثتِ نبوت کے راز اور قرآن کریم کی قطعی نصوص کی روشنی میں یہ سمجھتے ہیں کہ موجودات کے آئینوں میں قدرت و ارادۂ الٰہیہ کے جو نقوش پائے جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے آثار ہیں اور ہر موجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن ہر موجود وہ نہیں ہے کہ جیسے ''لا موجود الا هو'' کہنے کی نوبت آئے؛ کیونکہ اشیاء کا ایک وجود ہے اور وہ وجود کسی حد تک ثابت ہے

Marfat.com

اور یہ وجود واجبُ الوجود کی بہ نسبت اگر چہ ضعیف اور وہمی وخیالی جیسا ہے لیکن اُس قدیرِ اَزلی کے ایجاد کرنے کی وجہ سے اور اُس کے ارادے اور قدرت کی بنا پر موجود ہے۔

بے شک آئینے میں نظر آنے والے سورج کا اُس کے خارجی حقیقی وجود کے علاوہ ایک مثالی وجود بھی ہے۔

اور اس کا ایک خارجی عرضی وجود ہے جو آئینے کو اُس وقت اپنی زیب وزینت سے رنگین اور مزین کر دیتا ہے جب آئینے پر اس کا پھیلنے والا عکس پڑتا ہے۔

اور اس کا ایک مزید خارجی عرضی وجود اور بھی ہے، اور یہ وجود کسی حد تک ثابت بھی ہے، اور وہ اس کی کیمرے کے شیشے کے پیچھے ٹریسنگ پیپر پر منقش ہونے والی تصویر ہے۔

اب جس طرح اس مثال میں سورج کے ایک سے زیادہ وجود ہیں، بالکل یہی معاملہ کائنات کے آئینے اور اشیائے کائنات کی ماہیت کے آئینوں کا ہے۔ پس مصنوعات کے وہ نقوش جو اسمائے حسنیٰ کی_ قدرت، اختیار اور ارادے سے حاصل ہونے والی_ تجلیات کے طفیل ظہور پذیر ہیں، اِن نقوش کا ایک حادِث وجود ہے جو کہ واجبُ الوجود کے علاوہ ہے۔ اس وجود کو قدرتِ الٰہیہ کے ذریعے ثبات وقرار عطا کر دیا گیا ہے، لیکن اگر ارتباط منقطع ہو جائے تو تمام اشیاء آناً فاناً فنا ہو جائیں۔ پس ہر چیز اپنی بقا کے لیے ہر آن اس بات کی محتاج ہے کہ اُس کا خالق اُسے باقی رکھے؛ کیونکہ اشیاء کے حقائق اگر چہ ثابت ہیں لیکن ان کا ثبات وقرار اُس کے انہیں ثابت وبرقرار رکھنے پر موقوف ہے۔

اب حضرت محی الدین ابن عربی کا یہ کہنا کہ: ''رُوح مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عالم اَمر اور صفتِ ارادہ کی طرف سے آئی ہے''، بہت سی ظاہری نصوص کے خلاف ہے۔ جیسے کہ مذکورہ تحقیقات کی روشنی میں ان پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے اور وہ دھوکہ کھا گئے ہیں کیونکہ وہ کمزور موجودات کا مشاہدہ نہ کر سکے۔

وجہ یہ ہے کہ ''الخلاق اور الرزاق'' جیسے بہت سے اسمائے الٰہیہ کے مظاہر وہمی اور خیالی چیزیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ اسماء چونکہ سراپا حقائق ہیں اِس لیے ان کے مظاہر کی کوئی خارجی حقیقت بھی موجود ہے۔

آپ کا تیسرا سوال:

آپ ایک درس چاہتے ہیں جو علمِ ''جفر'' کے لیے چابی کا کام ہے۔

الجواب: ہم اس خدمت میں اپنی رائے اور تدبیر سے داخل نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ایک قسم کا اختیار جو ہمارے لیے بہتر ہے، ہمارے اپنے اختیار سے بڑھ کر ہمارے عمل پر حکمران ہے۔

یاد رکھیں کہ علم جفر انسان کو اُس کے حقیقی وظیفے سے ہٹا دیتا ہے؛ کیونکہ اس میں ذوق وشوق اور نظر دوڑانے کا چسکا ہوتا ہے۔ اس چابی کے ذریعے مجھ پر بسا اوقات قرآن کریم کے ساتھ تعلق رکھنے والے کئی اسرار کھلتے تھے لیکن جونہی میں اِن کی

Marfat.com

طرف کمال ذوق وشوق کے ساتھ متوجہ ہوتا تھا دروازے بند ہو جاتے تھے۔ مجھے اس چیز میں دو حکمتیں نظر آئیں:

پہلی حکمت: اس میں ﴿لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کے مقابلے میں خلاف ادب مقام میں جا گرنے کا احتمال ہے۔

دوسری حکمت: اُمت کو قطعی اور نا قابل تردید دلائل و براہین کے ساتھ ایمان وقرآن کے بنیادی حقائق بتانے کی ایک امتیازی فضیلت اور قدر وقیمت ہے جو کہ جفر جیسے مخفی علم سے سو درجے بہتر ہے؛ کیونکہ قطعی اور محکم دلائل و براہین اس مقدس وظیفے میں کسی طرح کے سوئے استعمال کی گنجائش نہیں چھوڑتے ہیں۔ اس کے برعکس علم جفر جیسے محکم قواعد وضوابط سے آزاد مخفی علوم میں سوئے استعمال کی گنجائش بہر کیف موجود ہے۔ اور مکار دھوکے باز اور جھوٹے لوگ اِس سے ناجائز فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ جب کبھی حقائق کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت ہم پر اس کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

یاد رہے کہ علم جفر کی آسان ترین، صاف ترین اور حسین ترین چابی ''توافق'' کی وہ انواع واقسام ہیں جو اسم گرامی ''البدیع'' سے جنم لیتی ہیں، اور جنہوں نے قرآن کریم میں لفظِ جلالت ''اللہ'' میں اپنی تجلیات کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے اور ہمارے نشر کردہ آثار کو زینت بخشی ہے۔ ''کرامتِ غوثیہ'' نامی رسالے میں کئی مقامات پر اِن میں سے کچھ چیزوں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ''توافق'' جب کسی چیز پر متعدد جہتوں سے دلالت کرے تو وہ ایک ایسا اشارہ ہوگا جو دلالت کے مرتبے کا حامل ہوگا۔ کبھی ایک توافق بعض قرائن کے ساتھ ایک دلیل کا حکم لے لیتا ہے۔

بہر کیف آپ کے سوال کے جواب میں فی الحال اتنا ہی کافی ہے، اور جب کبھی واقعتاً ضرورت پڑے گی تو آپ کو بتا دیا جائے گا۔

آپ کا چوتھا سوال:

یعنی عُمر آفندی کا سوال، آپ کا نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ: ایک بدبخت ڈاکٹر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا، اور وہ بزعم خوش اپنے لیے ایک آیت کی ''جنونی تاویل'' کے ذریعے دلیل بھی لے رہا ہے۔

یہ نادار آدمی اُس وقت بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا تا رہا ہے جب ایک ایسے رسمُ الخط کو ایجاد کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں جو مقطّع حروف پر مبنی ہو، اور اس سازش میں پوری سرگرمی سے حصہ لیتا تھا۔ مجھے انہیں دنوں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ آدمی زندیقوں کے طور اَطوار سے محسوس کر چکا ہے کہ وہ عنقریب اسلامی حروف کو ختم کر دیں گے، اِس لیے اُس نے اس زعم میں ناکام کوشش کی کہ وہ اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی خدمت سرانجام دے گا۔

اب وہ اس مسئلے میں اور اپنے دوسرے مسئلے میں یہ محسوس کر چکا ہے کہ زندیق لوگ اسلامی بنیادوں پر اب کے بار پھر

Marfat.com

خوفناک حملہ کریں گے۔ اس لیے میرے خیال میں وہ یہ چاہتا ہے کہ ایسی بے معنی تاویلات کے ذریعے مصالحت کی کوئی راہ نکال لے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جیسے کہ یہ آیت کریمہ پوری وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہے:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ﴾، اس لیے جو اِس مضبوط اور پایدار حقیقت کو کمزور اور بودی تاویلات کے ذریعے تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا اور اُس کی اس حیثیت کو کمزور اور بودی تاویلات کے ذریعے اِس گمان کی بنا پر تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا کہ یہ چیز قانونِ تناسل کے خلاف ہے اور اِس قانون کی مخالفت ناممکن ہے، اس کی نہ تو کوئی پروا کی جائے گی اور نہ اس کی بات کو کوئی اہمیت دی جائے گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایسا قانون قطعاً نہیں پایا جاتا ہے، جس کی کوئی شاذ اور نادر مثال نہ ملتی ہو اور کچھ افراد اُس قانون سے باہر نہ نکلے ہوں! اور کوئی ایسا قاعدہ کلیہ قطعاً موجود نہیں ہے جس میں غیر معمولی افراد کو خصوصی رعایت نہ ملی ہو!

اور یہ بات ممکن ہی نہیں کہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک کوئی بھی فرد کسی بھی قانون سے شاذ نہ ہوا ہو یا اُس سے باہر نہ نکلا ہو!

اب پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ''قانونِ تناسل'' آغاز کے اعتبار سے ہی ٹوٹ گیا ہے، یعنی حیوانات کی دو لاکھ انواع و اقسام کی ابتدا کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور ختم ہو گیا؛ اور وہ اس طرح کہ ان دو لاکھ حیوانات کے سب سے پہلے باپ جو اُن کے آدم تھے جیسے کہ انسانوں کا آدم ہے، ان سب آدموں نے قانونِ تناسل کو توڑا ہے اور وہ ماں باپ سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ انہیں جو وجود ملا ہے وہ اس قانون کے باہر سے ملا ہے۔

پھر ہمارا یہ آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے کہ ہر سال بہار کے موسم میں زندہ کائنات کی ایک لاکھ انواع_ جس کے افراد اعداد و شمار سے باہر ہیں_ اس قانون کے بغیر ہی پتوں کی سطحوں پر اور متعفن مواد میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور یہ قانون ان شاذ اور نادر چیزوں کی غیر معمولی انداز میں تخلیق کی بنا پر ٹوٹتا ہے۔ اب وہ عقل کتنی کمزوری اور بے ہودگی کا اِرتکاب کر رہی ہے جو اُنیس سو سالوں میں صرف ایک ایسا فرد ہضم نہیں کر پا رہی جو اِس قانون سے ہٹ کر پیدا ہوا ہے، اور قرآن کی قطعی نصوص کے مقابلے میں انتہائی حقیر اور بودی تاویلات کے دامن کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے، جبکہ یہ قانون آغاز میں ہی اپنی اس حد تک شاذ اور نادر صورتوں کی بنا پر ٹوٹ گیا ہے، بلکہ ہر سال ٹوٹتا ہے؟! ایسی عقل کی بے ہودگی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

اور وہ اُمور جنہیں یہ بدبخت ''طبیعی قوانین'' کا نام دیتے ہیں وہ تو صرف اللہ کی عادات کے قوانین ہیں جو کہ امرِ الٰہی

Marfat.com

اور اِرادۂ ربانیہ کی ایک کلی تجلی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بعض حکمتوں کے پیشِ نظر اپنی ان عادات کو تبدیل کرتا رہتا ہے، اور اس سے وہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا اِرادہ واختیار ہر چیز میں اور ہر قانون پر غالب اور حکمران ہے، اور یوں وہ بعض غیر معمولی اور خارقِ عادت افراد کے بارے میں اپنی عادت کو توڑتا اور معمول کی روش کے خلاف کام کرتا ہے، فرمانِ گرامی ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ اس حقیقت کو پوری طرح آشکار کر رہا ہے

دوسرا سوال:

عمر آفندی کا یہ سوال اُسی ڈاکٹر کے بارے میں ہے۔ وہ ڈاکٹر اس مسئلے میں ابلہ فریبی سے کام لے رہا ہے، اور اُس کے اقوال اتنے پست ہیں کہ ان کی طرف کان لگانا، اُنہیں کوئی اہمیت دینا یا ان کا جواب دینا بہت چھوٹا کام ہوگا۔ یہ مسکین کفر وایمان کے درمیان مصالحت چاہتا ہے۔

اب میں ــ اُس کی بے قیمت بحث کے مقابلے پر نہیں بلکہ ــ صرف عمر آفندی کے استفسار کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں کہ:

شرعی مأمورات ومنہیات میں علّت اللہ کے امر ونہی ہوتے ہیں، لیکن جہاں تک مصلحتوں اور حکمتوں کا تعلق ہے، تو ان میں ایسی ترجیحات پیشِ نظر ہوتی ہیں جو اسم گرامی ''الحکیم'' کے زاویے سے امر ونہی سے متعلقہ چیزوں کے اسباب بن سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

مسافر نماز قصر کر کے پڑھے گا، اب اس قصر کی کوئی علت اور حکمت ہے، علّت سفر ہے اور حکمت مشقت ہے۔ پس جب سفر کا وجود پایا جائے گا نماز قصر ہوگی اگر چہ مشقت نہ پائی جائے، لیکن اگر سفر نہ ہو نماز قصر نہیں ہوگی اگر چہ وہ اپنے گھر سو مشقتوں سے دوچار ہو۔ کیونکہ سفر میں عام طور پر اور کبھی بعض حالات میں جو مشقت پائی جاتی ہے وہ نماز کو قصر کرنے کی حکمت کے لیے کافی ہے، اور اسی طرح سفر کو قصر کی علّت بنانے کے لیے بھی کافی ہے۔

پس اس شرعی قاعدے کی بنا پر حکمتوں کے پیشِ نظر شرعی اَحکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، بلکہ اُن کی حقیقی علّتوں کو سامنے رکھا جائے گا۔

مثال کے طور پر ــ اُس ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق ــ خنزیر کا گوشت اس قاعدے کے تحت نقصان دہ ہے: ''جو خنزیر کا گوشت کھائے گا اس پر اسی کا رنگ چڑھ جائے گا'' پس اِس میں اتنے نقصانات اور اتنے امراض ہیں کہ ان کے بارے میں اس ڈاکٹر کو علم نہیں۔ چنانچہ یہ عام پالتو جانوروں کی طرح نہیں ہے جن کو کھانے سے نقصان نہیں، بلکہ اس کے گوشت کے نقصانات اس کے نفع سے بہت زیادہ ہیں۔

علاوہ ازیں اس کے گوشت میں جو سخت چربی ہوتی ہے وہ افرنگ کے ٹھنڈے علاقوں کے علاوہ دوسرے علاقوں میں

Marfat.com

طب کی رُو سے بہت نقصان دہ ہے۔

جیسے کہ یہ بات بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ بہت سے معنوی اور حقیقی نقصانات کا حامل ہے۔

پس ان حکمتوں کی طرح _ اُس کے حرام ہونے کی وجہ سے اور اُس کے ساتھ نہی کا تعلق ہونے کی وجہ سے _ وہ خود حکمت بن گیا ہے، اور حکمت کے لیے لازم نہیں کہ وہ ہر فرد میں اور ہر وقت میں پائی جائے اس لیے اُس حکمت کے بدل جانے سے علت نہیں بدلتی، اور اگر علت نہیں بدلے گی تو حکم نہیں بدلے گا۔ اب اس قاعدے کی رُو سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اُس مسکین آدمی نے شریعت کی رُوح سے بہت دُور پرے کی بات کی ہے، اِس لیے شریعت کے نام سے اُس کی بات کی پروانہیں کی جائے گی، کیونکہ خالقِ کائنات کے اِن بیوقوف فلاسفہ کے روپ میں بہت سے حیوانات لگے پھر رہے ہیں۔

ابن عربی کے بارے میں وارد ہونے والے سوال کی ذیلی بحث

سوال: ابن عربی وحدۃُ الوجود کے مسئلے کو ایمان کا بلند ترین مرتبہ گردانتے ہیں، اور اہلِ عشق میں سے کچھ اولیائے عظام نے اس میں اُن کی پیروی بھی کی ہے۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ: یہ مسئلہ تو کسی حد تک صرف اہلِ سُکر و استغراق اور اصحابِ شوق و عشق کا مشرب ہے، وگرنہ یہ کوئی اعلیٰ مرتبے کا یا حقیقی مسئلہ نہیں ہے۔

بات اگر واقعتاً ایسے ہی ہے تو پھر آپ ہمیں اختصار کے ساتھ بتا دیں کہ توحید کا وہ بلند ترین مرتبہ کون سا ہے جو قرآن کریم کی صراحت اور نبوت کی وراثت کے ذریعے بتایا گیا ہے؟؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے جیسا عاجز، مسکین اور ہیچ آدمی اپنی کوتاہ عقل کے ساتھ ان بلند مراتب کا محاکمہ نہیں کر سکتا ہے، کہ یہ معاملہ میری حد سے سو درجے آگے ہے۔ تاہم میں یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ قرآن کریم کے فیضان سے وارد ہونے والے ایک دو نکتے بیان کروں گا، اس اُمید پر کہ شاید اُن سے کچھ فائدہ ہو جائے!

پہلا نکتہ:- وحدۃُ الوجود کے مشرب میں جو اس قدر کشش پائی جاتی ہے، اُس کے بہت سے اسباب ہیں، اُن میں سے ایک دو سبب کی یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ وضاحت کی جائے گی۔

پہلا سبب: یہ لوگ اپنے ذہنوں میں اتنی وسعت پیدا نہیں کر سکے جس میں ربوبیت کی خلّاقیت اپنے بلند ترین مرتبے کے ساتھ سما سکے، اور اسی طرح یہ بات بھی اپنے دلوں میں مکمل طور پر نہ بٹھا سکے کہ اللہ تعالیٰ اپنی احدیّت کے ذریعے ہر چیز کی زمام اپنی ربوبیت کے قبضہء قدرت میں تھامے ہوئے ہے، اور یہ کہ ہر چیز اس کی قدرت و اختیار اور اس کے ارادے کے ساتھ پیدا کی جا رہی ہے۔ وہ چونکہ اس راز کا ادراک نہ کر سکے، اس لیے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: ہر چیز خُدا ہے۔ یا یہ کہ کسی جُز کا وجود نہیں۔ یا یہ کہ ہر چیز خیالی ہے۔ یا یہ کہ تمام اشیاء اُس کے مظاہر ہیں یا اس کی تجلیات ہیں۔

دوسرا سبب: بے شک عشق کی صفت جو کہ قطعی طور پر فراق نہیں چاہتی، جدائی سے پوری شدت کے ساتھ دُور بھاگتی ہے، افتراق سے کانپتی ہے، دُوری سے ایسے ڈرتی ہے جیسے جہنم سے، زوال سے آخری حد تک نفرت کرتی ہے، وصال کے ساتھ اپنی رُوح اور زندگی کی محبت کرتی ہے اور قرب کی لامحدود اشتیاق کے ساتھ ایسے تمنا کرتی ہے جیسے جنت کی تمنا کی جاتی ہے۔ یہ صفت ہر چیز میں اقربیتِ الٰہیہ کی کسی تجلّی کے ساتھ مضبوط بندھن کی بنا پر فراق اور دُوری کو معدوم سمجھتی ہے، چنانچہ یہ لوگ ''لا موجودَ الاھو'' کہتے ہوئے لقا اور وصال کو دائمی سمجھتے ہیں، اور اِسی وجہ سے عشق کی مستی اور بقا و لقا و وصال کے تقاضے کے تحت اس بات کا تصور رکھتے ہیں کہ وحدتُ الوجود میں انتہائی ذوق والا حالی مشرب پایا جاتا ہے، اس لیے اُنہوں نے وحدتُ الوجود کے مسئلے کو خوفناک جدائیوں سے خلاصی پانے کے لیے جائے پناہ سمجھا۔

Marfat.com

یعنی پہلے سبب کا سرچشمہ

عقل کا بعض بلند ترین اور وسیع ترین ایمانی حقائق کا ادراک نہ کرسکنا اور ان کا احاطہ نہ کرسکنا ہے، اور عقل کا نقطۂ ایمان کے سلسلے میں مکمل طور پر منکشف وآشکار نہ ہونا ہے

اور دوسرے سبب کا سرچشمہ

قلب کا نقطۂ عشق کے سلسلے میں غیر معمولی طور پر منکشف ہو جانا اور اس کا غیر معمولی طور پر وُسعت اور پھیلاؤ کا اختیار کر جانا ہے۔

رہا توحید کا وہ عظیم الشان مرتبہ جو وراثتِ نبوت کے اولیائے عظام اور اہلِ صحو اصفیائے کرام کو قرآن کریم کی صراحت کے ساتھ نظر آتا ہے، تو وہ انتہائی بلند ہے اور ربوبیت وخلاّقیتِ الٰہیہ کے مراتب میں سے انتہائی بلند مرتبے سے آشنا کرتا ہے اور اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ تمام اسمائے الٰہیہ حقیقی ہیں۔ اور یہ مرتبہ بنیادوں کا تحفظ کرتا ہے اور ربوبیت کے احکام کے توازن میں کوئی خلل یا خرابی نہیں ڈالتا ہے؛ کیونکہ اس نظریے کے حامل یہ کہتے ہیں کہ:

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتی احدیت اور مکان سے منزہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہر چیز کا اس کے تمام شئوون و احوال سمیت احاطہ کیا ہوا ہے، اور انہیں بغیر کسی واسطے کے اپنے علم کے ساتھ متعین کیا ہے اور انہیں اپنے ارادے کے ساتھ ترجیح دی ہے اور خصوصیت بخشی ہے، اور انہیں بغیر کسی توسّط کے اپنی قدرت کے ساتھ ثبات وقرار بخشا اور ایجاد کیا ہے۔ اور یہ کہ وہ تمام کائنات کو ایسے ہی ایجاد کرتا اور اس کی تدبیر کرتا ہے جیسے کہ کسی ایک چیز کو ایجاد کیا جاتا ہے، اور وہ ایک عظیم الشان فصلِ بہار کی تخلیق اُسی سہولت کے ساتھ کر لیتا ہے جس سہولت کے ساتھ ایک پھول کو تخلیق کرتا ہے۔ اور کوئی چیز دوسری چیز کے آگے رُکاوٹ نہیں بنتی۔ اور اُس کی توجہ اجزاء میں تقسیم نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی قدرت اور اپنے علم کے ساتھ اپنے تصرّف کے لحاظ سے ہر آن ہر جگہ موجود ہے۔ اور اُس کا تصرّف بٹتا یا تقسیم نہیں ہوتا ہے۔

سولہویں مقالے میں، اور بتیسویں مقالے کے دوسرے مقصد میں اس راز کو اچھی طرح واضح اور ثابت کر دیا گیا ہے۔

میں یہاں اِن دو مشربوں کے درمیان پائے جانے والے کچھ فرق کو سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کروں گا، یہ مثال اگرچہ مطلب کو پوری طرح واضح کرنے سے قاصر ہے، تاہم مثال بیان کرتے وقت اس کی کوتاہی کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا ہے؛ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ''مثال سے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں:(لا مشاحة فی التمثیل)

مثال کے طور پر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک ایسا مور پایا جاتا ہے جو بالکل غیر معمولی، بے نظیر، عظیم الجثہ اور انتہائی آراستہ وپیراستہ ہے، ایک آن میں مشرق سے لے کر مغرب تک اُڑان کر لیتا ہے، اور ایک آن میں اپنے شمال سے لے کر

Marfat.com

جنوب تک پھیلے ہوئے دونوں پروں کو کھول لیتا اور بند کر لیتا ہے، ہزاروں نقوش سے مزین کیا گیا ہے، اُس کے پروں کے ہر ریشے میں انتہائی خوبصورت اور پُر کشش صنعتکاری کے نمونے جھلکتے ہیں۔

اب بالفرض دو آدمی ہیں جو تفریحِ خاطر کے لیے نکلتے ہیں اور عقل وقلب کے دو پَروں کے ساتھ پرواز کر کے اُس پرندے کی بلندیوں تک اور اُس کی غیر معمولی زیب وزینت تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

اب اُن میں سے ایک تو اُس مور کی ظاہری شکل وصورت اور ڈیل ڈول کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور اس کے پروں کے ہر ریشے میں پائے جانے والے قدرت کے خارقِ عادت نقوش میں اُلجھ کر رہ جاتا ہے اور انتہائی شوق وشغف وعشق کے ساتھ اس کی محبت میں کھو جاتا ہے اور تھوڑا بہت غور وفکر کرنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کرتا بلکہ عشق کے دامن کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ جاتا ہے۔ البتہ وہ یہ بات سمجھتا ہے کہ یہ پیارے پیارے نقوش تغیر وتبدّل کی زد میں ہیں اور یہ محبوبائیں جن سے وہ پیار کرتا ہے اور جن کے عشق میں وہ سرگرداں ہے، روز بروز غائب اور زائل ہو رہی ہیں۔ اس لیے اُس آدمی کے لیے لازم تھا کہ وہ یہ کہتا کہ: یہ مور اس نقاش کی صنعگری کا ایک نقش ہے جو حقیقی وحدت کے ساتھ کُلّی خلاّقیت کا مالک ہے، وہ ذاتی احدیت جو نہ تو اس کی عقل میں سما سکتی ہے اور نہ وہ اس کا ادارک کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا کہنے کی بجائے خود کو تسلی دینے کی خاطر یہ کہنے لگا:

اس پرندے میں جو رُوح پائی جاتی ہے، اتنی بلند ہے کہ اس کا صانع اس کے اندر آ بیٹھا ہے، یا وہ خود ہی یہ پرندہ بن گیا ہے۔ اور یہ رُوح اس کے بدن کے ساتھ متحد ہوگئی ہے اور اس کا بدن اس ظاہری صورت کے ساتھ آمیختہ ہوگیا ہے۔ اور یوں اس رُوح کا کمال اور اس بدن کی بلندی دونوں اس صورت پر جلوے بکھیر رہے ہیں، اور ہر لمحے ایک نیا نقش اور نیا حسن آشکار کر رہے ہیں۔ پس یہ چیز حقیقی اختیار کے ساتھ ایجاد نہیں ہوئی بلکہ ایک جلوہ نمائی اور ظہور پذیری ہے۔

رہا دوسرا آدمی، تو وہ کہتا ہے کہ: ''یہ موزوں، منظم مضبوط اور ساختہ پرداختہ نقوش قطعی طور پر اِس بات کے مقتضی ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی ارادہ، اختیار، قصد اور مشیّت کارفرما ہو، اور یہ بلا ارادہ جلوہ نمائی اور بے اختیار ظہور پذیری نہیں۔

جی ہاں، بے شک مور کی ماہیت انتہائی خوبصورت، جاذبِ نظر اور بلند پایہ ہے، لیکن یہ ماہیت فاعل نہیں بلکہ منفعل ہے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ کسی طور بھی متحد نہیں ہوسکتی۔ اور یہ کہ اس کی رُوح بے شک خوبصورت اور بلند پایہ ہے لیکن وہ مُوجد اور متصرّف نہیں بلکہ مظہر اور دار ومدار ہے؛ کیونکہ اس کے پروں میں انتہائی قسم کی مُحکم صنعگری اور لا انتہا قدرت کے ذریعے بنائے گئے زیب وزینت کے نقوش بالبداہت نظر آ رہے ہیں، اور یہ نقوش اور صنعگری کے یہ شاہکار بغیر ارادہ واختیار کے ظہور میں نہیں آ سکتے!

پس کمال قدرت میں کمال حکمت پر، اور کمال اختیار میں کمال ربوبیت اور رحمت پر دلالت کرنے والے یہ نقوش اور

Marfat.com

صنعت گری کے یہ انوکھے شاہکار، ممکن نہیں کہ کسی جلوے یا جلوے جیسی چیز کا نتیجہ ہوں!

اور وہ کاتب جس نے یہ سنہری کتاب لکھی ہے، وہ خود اس کے اندر براجماں نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ کبھی متحد نہیں ہوگا، بلکہ اس کتاب کا اس کاتب کے قلم کے ریشے کے ساتھ ایک قسم کا مساس ہے اور بس۔ بنابریں، اس مثالی مور یعنی کائنات کی خارقِ عادت زینتیں، اِس مور کے خالق کی ایک سنہری تحریر ہیں۔

اب کائنات کے اِس مور میں نگاہِ فکر دوڑاؤ اور یہ تحریر پڑھو اور اس کاتب سے کہو:

ماشاء اللّٰہ۔ تبارك اللّٰہ۔ سبحان اللّٰہ۔

اب وہ شخص جو اس مکتوب کو کاتب سمجھتا ہے، یا کاتب کے بارے میں خیال کرتا ہے کہ وہ اس مکتوب کے اندر براجمان ہے، یا پھر اس مکتوب کو ایک خیال سمجھتا ہے، وہ اپنی عقل کو عشق کے دبیز پردے کے نیچے دبا چکا ہے اور حقیقت کی حقیقی صورت کا دیدار قطعاً نہیں کر پایا ہے۔

یاد رہے کہ عشق کی انواع واقسام کی سب سے اہم جہت جو کہ وحدتُ الوجود کے مشرب کو اپنانے کا سبب بنتی ہے، وہ دنیا کا عشق ہے؛ کیونکہ دنیا کا مجازی عشق جب حقیقی عشق میں تبدیل ہوتا ہے تو وحدتُ الوجود میں منقلب ہو جاتا ہے۔

کسی آدمی کو جب کسی بھی انسان کے ساتھ محبت ہو جائے تو وہ اپنے محبوب کے فنا و زوال کی حقیقت کو دل سے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، تب وہ اپنے دل کو تسلی دیتا ہے اور حقیقت کا دامن پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے: یہ معبود اور محبوبِ حقیقی کے حسن و جمال کا آئینہ ہے، اور یوں وہ اپنے اس محبوب کو حقیقی عشق دے کر اس کی بقا کا بندوبست کر لیتا ہے۔

اسی طرح آدمی جس نے اس دنیا اور عظیم کائنات کو ان کی مجموعی ہیئت سمیت اپنا محبوب بنا لیا پھر زوال وفراق کے دائمی تازیانوں سے جب یہ عجیب وغریب محبت حقیقی محبت میں تبدیل ہو جائے تو وہ اپنی اس عظیمُ الشان محبوبہ کو زوال وفراق سے بچانے کے لیے وحدتُ الوجود کے مشرب میں پناہ لیتا ہے۔

پس اگر وہ ابن عربی کی طرح قوی، مضبوط اور بلند پایہ ایمان کا مالک ہوگا تو یہ مشرب اس کے حق میں بلند اذواق پر مشتمل ایک روشن ودرخشاں مرتبہ ہوگا، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس بات کا احتمال بہرکیف موجود ہے کہ وہ بھول بھلیوں میں گھر جائے گا، مادیّات میں گر پڑے گا اور اسباب میں غرق ہو جائے گا۔

رہا وحدتُ الشہود، تو اس میں کوئی نقصان نہیں یہ بھی اصحابِ صحو کا ایک بلند پایہ مشرب ہے۔

"اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ"

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

☆ ☆ ☆

Marfat.com

دسواں لمعہ

شفقت بھرے طمانچوں کا رسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُحۡضَرًا وَمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡءٍ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَيۡنَهَا وَ بَيۡنَهٗۤ اَمَدًا بَعِيۡدًا– وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ بِالۡعِبَادِ﴾

یہ لمعہ اِس آیت کے رازوں میں سے ایک راز کی تفسیر کرتا ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ شفقت کے اُن طمانچوں کی وضاحت کرتا ہے جو میرے دوستوں کو اُن کی اُس بھول چوک اور غلطیوں کی پاداش میں چکھنے پڑے جو اُن سے اِس قرآنی خدمت کے سلسلے میں بشری تقاضوں کے تحت سرزد ہوئیں اور خدمتِ قرآن کے سلسلے میں ظہور میں آنے والی کچھ کرامتوں کے بارے میں، اور حضرت غوث اعظم کی ایک قسم کی کرامت کا ذکر کرتا ہے جو کہ اللہ کے حکم سے اِس مقدس خدمت کی نگرانی کر رہے ہیں اور اپنے عزم و ارادے اور دعا کے ساتھ اس کا تعاون کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ قرآنی خدمت کے اس سلسلے میں منسلک ہونے والے لوگوں کی کمر ہمت بندھی رہے اور وہ اپنی سنجیدہ جدوجہد میں ثابت قدم رہیں۔

اس مقدس خدمت کی کرامات تین قسم کی ہیں:

پہلی قسم: اس خدمت کو ظاہر کرنا۔

دوسری قسم: رکاوٹوں کو دُور کرنا، نقصان پہنچانے والے لوگوں کی شرارتوں سے اِس کا دفاع کرنا اور اُن کے خلاف تأدیبی کارروائی کرنا۔ خدمت کی اِن دو قسموں کے ساتھ تعلق رکھنے والے واقعات بے شمار اور طویل تر ہیں؛ (حاشیہ:۱) اس لیے انہیں کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں، اور سرِ دست تیسری قسم کے بارے میں بات کرتے ہیں جو کہ اِن دونوں کی بہ نسبت ہلکی اور آسان ہے۔

تیسری قسم: اور وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو اخلاص کے ساتھ قرآن کی اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اُنہیں جب سستی یا

(حاشیہ:۱) مثال کے طور پر دین کے مخالف اُن سیاسی لوگوں نے جتنا طلابِ نور کو عذاب و اہانت سے دوچار کیا اور اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا، انہیں ٹھیک اسی طرح کی بلکہ اس سے بڑھ کر سزا ملی۔ مؤلف

Marfat.com

اُکتاہٹ آگھیرتی ہے تو وہ شفقت بھرے طمانچوں کا مزا چکھتے ہیں، اور یوں وہ غفلت سے بیدار ہو کر پھر سے خدمت میں لگ جاتے ہیں۔ خدمت کی اس قسم کے ساتھ تعلق رکھنے والے واقعات سو سے بھی زیادہ ہیں، لیکن یہاں ہم اُن میں سے بیس کے قریب ایسے واقعات ذکر کریں گے جن میں سے تیرہ یا چودہ کا تعلق شفقت کے طمانچوں کے ساتھ ہے اور چھ یا سات کا تعلق ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ۔ چنانچہ ان میں سے

پہلا آدمی:- یہ بے چارہ سعید ہے۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ میں جب بھی خدمت کے باب میں سُست پڑتا اور کہتا کہ: تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تُو، اور یوں اپنے ذاتی اُمور میں مصروف ہو جاتا، تو رحمت کا یہ طمانچہ ضرور کھاتا، اور میں اس پر مطمئن بھی ہو جاتا کہ یہ طمانچہ مجھے میری سستی اور بے پروائی کی وجہ سے پڑا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یہ طمانچہ جب بھی پڑتا تھا اُس مقصد کے عین برعکس پڑتا تھا جس کی وجہ سے میں غفلت سے دوچار ہوتا تھا۔ پھر میرے مخلص دوستوں نے پیش آنے والے شفقت کے اِن طمانچوں کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تو انہیں پتا چلا کہ اُنہوں نے میری طرح یہ طمانچے اپنے اُن مقاصد کے عین برعکس کھائے ہیں جن کی وجہ سے وہ غفلت میں مبتلا ہوئے تھے، بنابریں، ہمارا یہ پختہ اعتقاد بن گیا کہ: یہ تمام واقعات قرآنی خدمت کی کرامات سے ظہور میں آئے ہیں: مثال کے طور پر یہ بیچارہ سعید۔ جن دنوں ''وان'' شہر میں ہمہ تن قرآنی حقائق کے بارے میں درس دینے میں مصروف تھا، اُن دنوں حکومت ہر شخص کو شک کی نظر سے دیکھتی تھی اور ''شیخ سعید'' کے واقعات حکومتی ارکان کو پریشاں کیے رکھتے تھے، اُن دنوں جب تک میں قرآنی خدمت میں مصروف رہا حکومت نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، اور نہ ہی وہ کسی جہت سے میرے درپے آزار ہو سکی، لیکن جب میں نے کہا: مجھے دوسروں سے کیا لگے؟، اور یہ سوچ کر اپنی آخرت کو بچانے کے لیے ''ارک'' نامی پہاڑ میں ایک پرانی غار نما جگہ میں گوشہ نشیں ہو گیا، اُس وقت حکومت نے مجھے پکڑ لیا اور بغیر کسی جُرم کے مجھے ''بوردور'' شہر میں جلاوطن کر دیا۔ اس شہر میں جلاوطن کیے گئے لوگوں کی نگرانی بڑی سختی سے ہوتی تھی، تمام قیدیوں کے لیے اپنی موجودگی کو یقینی بنانے کے لیے ہر روز شام کے وقت حاضری لگانا لازمی تھی، لیکن میں یہ حاضری لگانے کے لیے کبھی نہ گیا اور نہ ہی وہاں حکومت کے کسی نگران کارندے سے جان پہچان بنائی ''فوزی پاشا'' نے جب اس علاقے کا دورہ کیا اور یہاں کے گورنر نے اُس سے میرے اس رویے کی شکایت کی، تو فوزی پاشا نے کہا: ''اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے، بلکہ اس کا پورا پورا احترام کرو''۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فوزی کے منہ سے ایسے کلمات صرف قرآنی خدمت کی قدسیت نے ہی نکلوائے تھے۔ لیکن جب مجھ پر اپنی جان کو بچانے کی فکر اور آخرت کا تصور غالب آ گیا تھا اور اس بنا پر وقتی طور پر قرآنی خدمت کے سلسلے میں سستی اور کاہلی غالب آ گئی تھی، اور میں نے فوراً اپنے اس مقصد کے برعکس اور توقع کے بر خلاف طمانچہ کھایا تھا، یعنی اِس جلاوطنی سے دوسری جلاوطنی یعنی ''اسپارٹا'' کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔ پھر میں اسپارٹا میں بھی ہمہ تن قرآن کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ لیکن

Marfat.com

بیس دن گزرنے کے بعد مجھے بعض ڈرپوک لوگوں کی طرف سے کچھ ڈراوے موصول ہونے شروع ہو گئے۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے کہا: ہوسکتا ہے کہ اس علاقے کے حکومتی ذمہ داران آپ کی اِن سرگرمیوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوں!!! اس لیے اگر آپ کے احتیاط برتیں تو بہت ہوگا۔ اب کے بار دوسری دفعہ مجھ پر اپنا ذاتی مفاد غالب آ گیا، چنانچہ میں نے لوگوں سے میل ملاپ ختم کر دیا۔ نتیجتاً میرے لیے پھر جلاوطنی کے احکام صادر ہو گئے اور یوں تیسری مرتبہ جلاوطنی عمل میں آئی اور مجھے یہاں سے نکال کر ''بارلا'' منتقل کر دیا گیا۔ اور پھر جب بھی سستی، کاہلی اور اُکتاہٹ نے ''بارلا'' میں حملہ کیا اور ذاتی مفاد کا تصور قوت پکڑ گیا، تو مجھ پر اِن اہلِ دنیا کا ایک سانپ اور منافق مسلط ہو گیا۔۔۔ میں ایسے اَسّی (80) واقعات بتا سکتا ہوں جو یہاں آٹھ سالوں کے دوران مجھے پیش آئے۔ لوگوں کی اُکتاہٹ کے ڈر سے میں اسے اختصار سے بیان کر رہا ہوں۔

پس اے میرے بھائیو!

شفقت کے جن طمانچوں سے میں دو چار ہوا اُن کا میں نے ذکر کر دیا۔ اور اگر تمہاری طرف سے اجازت ہو اور تم لوگ مجھے معاف رکھو تو میں اُن طمانچوں کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا جن سے تم لوگ دو چار ہوئے آپ لوگوں سے اُمید ہے کہ غصّے ناراضگی کا اظہار نہیں کرو گے۔ ہاں، اگر تُم میں سے کوئی ناراض ہوتا ہے تو میں اس کے نام کی صراحت نہیں کروں گا۔

دوسرا آدمی:

عبدالمجید ہے، جو میرا سگا بھائی، سب سے قریبی، جانباز اور بلند پایہ شاگرد ہے۔ ''وان'' شہر میں اُس کا بڑا خوبصورت گھر تھا، اور معاشی حالت بھی نہایت مناسب تھی، اور وہ تدریس کے پیشے کے ساتھ منسلک تھا۔ قرآنی خدمت کے سلسلے میں جب مجھے اس شہر سے دُور سرحدوں پر جانا پڑا جہاں خدمت کا سلسلہ زیادہ رواج پا سکتا تھا، تو میں نے چاہا کہ اُسے ساتھ لے جاؤں، تو اُس نے میرے ساتھ اتفاق نہ کیا اور ہمارا شریکِ سفر نہ بنا۔ یہ اُس کی گویا کہ ایک اجتہادی رائے تھی، اُس نے میرا فائدہ سوچا تھا اُس کا خیال یہ تھا کہ میں اگر سرحد پار چلا گیا تو قرآنی خدمت صاف نہیں رہے گی بلکہ سیاست سے آلودہ ہو جائے گی اور اُسے ''وان'' شہر سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ لیکن اُس نے اپنے مقصد کے برعکس شفقت بھرے طمانچے کا مزا چکھ لیا۔ چنانچہ اُسے ''وان'' شہر، اپنا پیارا سا گھر اور اپنا وطن چھوڑ کر مجبوراً ''ارغنی'' نامی ایک قصبے میں جانا پڑا۔

تیسرے آدمی:

''خلوصی صاحب'' جو کہ اِس قرآنی خدمت کے ایک بڑے اہم رُکن ہیں۔ اُن کا واقعہ یہ ہے کہ وہ جب تحصیل ''اگریدر'' سے اپنے علاقے کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت اُنہیں وہ تمام اسباب و ذرائع مہیا تھے جن کے ساتھ اس دنیا کے رنگ و بو سے لُطف اندوز ہوا جا سکتا ہے اور اِس میں سعادت مندی کی زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے اُن

Marfat.com

میں اِس قرآنی خدمت کے سلسلے میں کچھ سستی اور کمزوری دَر آئی جو کہ کسی حد تک خالصتاً اُخروی معاملہ ہے؛ کیونکہ وہ جب اپنے مُدت سے بچھڑے ہوئے والدین سے ملے، اپنے وطن کو دیکھا، اور مزید یہ کہ وہ ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

بنابریں، دنیا نے مسکرا کر اُن کا استقبال کیا اور وہ اُنہیں بڑی خوبصورت لگی۔

جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ جو قرآن کی خدمت میں لگ جائے اُن کے لیے ضروری ہے کہ دُنیا اُس سے ناراض ہو جائے یا وہ دنیا سے ناراض ہو جائے تاکہ وہ قرآنی خدمت میں پورے اخلاص اور سنجیدگی کے ساتھ مصروف رہے۔ اور ''خلوصی'' جو ہے اگرچہ اُس کا دل بڑا مضبوط ہے، ڈگمگا تا نہیں، مگر اِس حالت نے اُسے سستی اور کاہلی پر آمادہ کر دیا، اس لیے اُنہوں نے شفقت بھرا طمانچہ کھایا، چنانچہ مکمل دو سال تک اس پر کچھ منافقین مسلط رہے، اُنہوں نے اُن کو دنیا سے اور دنیا کو اُن سے ناراض کر دیا۔ تب اُنہوں نے قرآنی خدمت کے اس معنوی وظیفے کا دامن پوری سنجیدگی کے ساتھ تھام لیا۔

چوتھا آدمی:

حافظ احمد مہاجر ہے۔ یہ آدمی اپنی آپ بیتی خود بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

جی ہاں، مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے قرآنی خدمت کے سلسلے کے بارے میں اجتہادی غلطی کی ہے، اور وہ اِس طرح کہ مجھے صرف اپنی آخرت کو بچانے کی فکر دامنگیر ہو گئی تھی، اور یوں میں ایک ایسی چیز کی طلب میں جا نکلا جو قرآنی خدمت کے میدان میں سستی اور کسلمندی کا سبب بن گئی۔ چنانچہ میں نے ایک شدید قسم کے شفقت بھرے لیکن سخت اور بخشش والے طمانچے کا مزا چکھا؛ اور وہ اس طرح کہ:

میرے اُستاد ترکی میں جاری ہونے والی جدید اصلاحات (حاشیہ:۱) کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے تھے اور میری مسجد جس میں مَیں نماز ادا کیا کرتا تھا، اُستاد کے پڑوس میں تھی، اور تین مبارک مہینے (رجب، شعبان، رمضان) آیا ہی چاہتے تھے۔ اب اگر میں مسجد چھوڑتا ہوں تو بہت سے ثواب سے محروم ہوتا ہوں، اور نتیجتاً اہل محلّہ مسجد میں نماز نہ پڑھنے کے عادی ہو جاتے، اور اگر اس نئے انداز کو اختیار نہیں کرتا ہوں تو امامت سے ہٹا دیا جاتا ہوں۔ کشش و پیچ کی اس حالت میں مَیں نے آرزو کی کہ کاش اُستاد _ جنہیں میں اپنی رُوح سے بھی زیادہ چاہتا ہوں _ وقتی طور پر کسی اور شہر میں چلے جائیں، لیکن میں یہ بات نہ سمجھ سکا کہ اُستاد اگر یہ جگہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جاتے ہیں تو قرآنی خدمت _ کچھ وقت کے لیے ہی سہی _ سُست رَوی کا شکار ہو جائے گی چنانچہ اِسی دوران میں ایک مشفقانہ لیکن انتہائی دہشت خیز طمانچے سے میں اِس طرح سے دوچار ہوا کہ ان تین مہینوں میں ہوش وخرد سے بیگانہ رہا۔

(حاشیہ:۱) اس سے مراد اذان اور نماز کو ترکی زبان میں ادا کرنے کی پابندی اور ان جیسی اسلامی شعائر کے خلاف دیگر بدعات ہیں۔ ایسے احکام 1950ء تک نافذ العمل رہے۔ مترجم۔

Marfat.com

لیکن اللہ کا شکر ہے کہ استادِ محترم کے دل میں قطعی طریقے سے یہ بات ڈال دی گئی کہ مصیبت کے اِن دنوں میں گزرنے والا ہر منٹ عبادت کے ایک دن کے حکم میں ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے اسی چیز کی اُمید رکھتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جو آرزو کی تھی اس کے پیچھے کوئی ذاتی غرض کارفرما نہیں تھی بلکہ اس کی وجہ مجھ پر آخرت کے بارے میں طاری ہونے والی سوچ فکر تھی۔

پانچواں آدمی:

حقی آفندی ہے، اور وہ چونکہ اِس وقت ہمارے پاس موجود نہیں ہے، اس لیے میں اس کا نائب بن کر اس کا واقعہ ذکر کرتا ہوں، جیسے کہ میں نے "خلوصی" کی نیابت کی ہے:

ان دنوں جبکہ حقی آفندی شاگردی کا وظیفہ کما حقہ ادا کر رہا تھا، اچانک ان دنوں علاقے میں ایک بد اخلاق ڈپٹی کمشنر تعینات ہو گیا: حقی آفندی نے اس اندیشے سے کہ اسے اور اس کے استاد کو نقصان نہ پہنچے، جو کچھ لکھا تھا سب چُھپا دیا، اور وقتی طور پر اس نُوری خدمت سے علیحدہ ہو گیا۔ لیکن اچانک ایسا ہوا کہ اُس کے خلاف ایک ایسا کیس کُھل گیا جس میں اُسے گلوخلاصی کے لیے ایک ہزار لیرا ادا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہ شفقت بھرے طمانچے کا مفہوم رکھتا تھا۔ اور اس نے ایک سال اس دھمکی کے تحت گزارا، تا آنکہ وہ دوبارہ واپس آ گیا ہم آپس میں ملے پھر وہ اور خدمتِ قرآن شاگردی کے وظیفے میں مصروف ہو گیا۔ اور یوں اس مشفق طمانچے کا حکم زائل ہو گیا اور وہ بری ہو گیا۔

پھر طالب علموں کے لیے قرآن کریم کو نئے انداز سے لکھنے کے لیے میدان عمل کھولا گیا (حاشیہ:۱) اور حقی آفندی کو بھی اس کا حصہ ملا تو اس نے اپنے حصے میں آنے والا سیپارہ انتہائی خوبصورت انداز کے ساتھ لکھا۔ لیکن وہ چونکہ معاشی طور پر خود کو تنگدست سمجھتا تھا، اس لیے اُس نے خفیہ طور پر کچہریوں میں وکالت نامے اور عرضیاں لکھنے کا کام شروع کر دیا، لیکن فوراً ہی رأفت و رحمت بھرے ایک دوسرے طمانچے سے دوچار ہو گیا جس کے نتیجے میں وقتی طور پر اس کی وہ اُنگلی ٹوٹ گئی جس کے ساتھ وہ قلم پکڑا کرتا تھا۔ یہ گویا کہ زبان معنی کے ساتھ اس بات کی تنبیہ تھی کہ جس انگلی کے ساتھ قرآن پاک لکھا جاتا ہے اس کے ساتھ مقدموں کی کارروائیاں لکھنا ٹھیک نہیں۔ ہم اُس کی اُنگلی پر نازل ہونے والی اس مصیبت کے بارے میں بڑے حیران تھے؛ کیونکہ ہمیں اس بات کا قطعاً علم نہیں تھا کہ وہ مقدموں کی وکالت کر رہا ہے۔ پھر پتا چلا کہ قرآن کریم کی پاک صاف اور مقدس خدمت اُن پاکیزہ اُنگلیوں کو کسی بھی دوسرے معاملے سے ملوّث کرنا پسند نہیں کرتی جو اس کی کتابت کے لیے خاص ہو چکی ہیں۔

بہرکیف میں نے خلوصی کو اپنی ذات جیسا سمجھ کر اُس کی طرف سے نیابتاً گفتگو کر دی ہے۔ اور حقی آفندی بھی بعینہٖ اُسی

(حاشیہ:۱) اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی کتابت اس انداز سے کی جائے جس سے "توافق" کا معجزہ ظہور میں آئے۔ مؤلف۔

Marfat.com

جیسا ہے، اگر وہ مجھے اپنا نائب بنانا پسند نہیں کرتا ہے تو اپنے ان تادیبی طمانچوں کی کاروائی خود سپردِ قلم کردے۔

چھٹا آدمی:

بکر آفندی ہے، اور وہ چونکہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، اس لیے میں اس کی صداقت اور امانت پر اعتماد کرتا ہوا اور حافظ توفیق شامی اور سلیمان آفندی جیسے خصوصی دوستوں کے بھروسے پر، اُس کی طرف سے نمائندگی کرتا ہوا گفتگو کرتا ہوں، بالکل ایسے جیسے کہ اپنے بھائی عبدالمجید کی طرف سے کی ہے۔

ہُوا یوں کہ بکر آفندی نے ''دسواں مقالہ'' طبع کیا تو ہم نے اس کی طرف ''پچیسواں مقالہ'' بھیج دیا جو کہ اعجاز القرآن کے بارے میں بحث کرتا ہے، اس لیے بھیج دیا تاکہ جدید لاطینی رسمُ الخط رواج پانے سے پہلے پہلے طبع ہو جائے، اور اُسے یہ بات بھی لکھ دی کہ جس طرح ہم نے دسویں مقالے کی طباعت پر اُٹھنے والا خرچہ بھیج دیا تھا، اِسی طرح اِس مقالے کی طباعت کا خرچہ بھی بھیج دیں گے۔ لیکن بکر آفندی کی نظر میری فقیرانہ حالت پر اَٹک گئی، اور اُس نے سوچا کہ طباعت پر اُٹھنے والا خرچہ چار سو لیرا ہے، اب یہ خرچہ اگر میں اپنی جیب سے ادا کرتا ہوں تو ممکن ہے کہ اُستاد کو یہ بات پسند نہ آئے، اور یوں وہ اپنے نفس کے دھوکے میں آ گیا اور مقالہ طبع نہ ہو سکا اور قرآنی خدمت کو بہت نقصان پہنچا۔ لیکن اس بات پر صرف دو مہینے ہی گزرے تھے کہ اُس کے نو سو لیرے چوری ہو گئے۔ اور یوں اُس نے اپنی اس سوچ کی پاداش میں شفقت بھرا دہشت ناک طمانچہ کھایا۔

اُمید ہے کہ اُس کے ضائع ہونے والے نو سو لیرے اُس کی طرف سے صدقہ ہو جائیں گے۔ انشاءاللہ۔

ساتواں آدمی:

حافظ توفیق شامی ہے، خود کہتا ہے:

جی ہاں، مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے قرآنی خدمت کے سلسلے میں سرزد ہونے والی کوتاہی کی وجہ سے دو طمانچے کھائے ہیں۔ یہ کوتاہی مجھ سے اپنی لاعلمی اور غلط سوچ کے باعث ہوئی۔ اور مجھے اِس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ یہ طمانچے اِسی جہت سے آئے تھے۔

پہلا طمانچہ:

میرا عربی رسمُ الخط الحمدللہ اتنا خوبصورت ہے کہ کسی حد تک قرآن کریم لکھنے کے لیے موزوں ہے۔ اُستادِ گرامی نے مجھے اولاً تین سپارے لکھنے کا حکم دیا اور بقیہ سپارے میرے دوسرے دوستوں میں تقسیم کر دیے۔ اب قرآنِ کریم کی کتابت کے شوق نے رسائلِ نور کی تصحیح اور کتابت کے بارے میں میری نیت کو گدلا دیا اور مجھ میں سستی اور کاہلی پیدا کر دی۔ اس پر مزید یہ کہ مجھ میں یہ غرور پیدا ہو گیا کہ میرا مرتبہ میرے اِن تمام رُفقاء سے بلند ہے جو کہ عربی رسمُ الخط سے نابلد ہیں، یہاں

Marfat.com

تک کہ جب ایک دفعہ اُستادِ گرامی نے رسمُ الخط کے بارے میں میری کچھ رہنمائی کرنا چاہی تو میں نے کہا: یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، اور اس میں کیا کرنا ہے، یہ میں بہتر جانتا ہوں، اس لیے مجھے کسی لیکچر کی ضرورت نہیں۔ جی ہاں، میں نے اِسی غرور بھرے لہجے میں گفتگو کی تھی۔

لیکن اپنی اِس خطا پر میں نے ایک ایسا غیر معمولی طمانچہ کھایا جو کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا، اور وہ یہ کہ میں اپنے اُس (خسرو) بھائی کو بھی نہیں پہنچا جنکا عربی خط سب سے برا تھا۔ چنانچہ ہم سب اس معاملے میں بہت حیران ہوئے۔ اور اب جا کر ہمیں یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ یہ ایک طمانچہ تھا۔

دوسرا طمانچہ:

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں دو ایسی حالتوں میں مبتلا تھا جو کہ قرآنی خدمت کے بارے میں کامل اخلاص اور محض اللہ کی رضا جوئی میں خلل انداز ہو رہی تھیں۔ نتیجتاً مجھے ایک شدید قسم کے طمانچے سے دوچار ہونا پڑا، اور وہ دو حالتیں یہ تھیں:

میں اِس علاقے میں اکیلا اور اجنبی تھا، اور یہ بھی کہ میں ۔ اور اسے شکوہ نہ سمجھیں ۔ اُستاد کے قناعت وکفایت شعاری جیسے اہم دستور کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے فقر وفاقہ کا شکار تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ خود پسند ومتکبر لوگوں کے درمیان زندگی گزارنے پر مجبور تھا، اور اس بنا پر مجھ میں اللہ معاف کرے ریاکاری اور ان لوگوں کی چاپلوسی کرنے کی عادت دَر آئی تھی، اور میرا یہ طرزِ حیات مروّت کے یکسر منافی تھا۔ اُستادِ محترم وقتاً فوقتاً مجھے تنبیہ کرتے رہے، یاددہانی کراتے رہے اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہے، لیکن افسوس کہ اپنے آپ کو اس بد عادت سے بچا نہ سکا، چنانچہ جنی اور انسی شیاطین میرے اِن قرآن حکیم کی خدمت کی رُوح کے منافی حالات سے فائدہ اُٹھاتے رہے، اور اس سے قرآنی خدمت کے معاملے میں سستی اور کاہلی بھی پیدا ہوتی تھی۔ تب میں اپنی اس کمی کوتاہی کی پاداش میں شدید ترین لیکن شفقت ورحمت سے بھرپور طمانچے سے دوچار ہوا۔ اور مجھے اس بات میں کسی بھی قسم کا شک نہ رہا کہ یہ طمانچہ میری اِس تقصیر کی وجہ سے آیا ہے، اور اِس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

اُن آٹھ سالوں کے دوران میں اُستاد کا مخاطب رہا اور رسائل کی تبییض وتسوید میں مصروف رہا، اس کے باوجود آٹھ مہینوں سے میں رسائل کے انوار سے مستفید نہ ہو پا رہا تھا۔ چنانچہ ہمارے لیے یہ بات انتہائی حیران کُن تھی، اور میں اور میرے اُستادِ محترم یہ کہتے ہوئے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے اس کے اسباب تلاش کر رہے تھے۔ اور اب ہمارا یہ قطعی اعتقاد بن گیا ہے کہ یہ قرآنی حقائق روشنیاں اور تابانیاں ہیں، اور روشنیاں تصنّع تملُّق اور تذلُّل کی تاریکیوں کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ ان انوار کے حقائق کے معانی مجھ سے دُور، اجنبی اور بیگانہ ہوتے رہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے کامل اخلاص عطا فرمائے جو اس خِدمت کے لائق ہو اور مجھے اہلِ دنیا کی

Marfat.com

خاطر تصنع اور ریا کاری سے محفوظ رکھے۔ اور میں اپنے تمام بھائیوں سے۔ اور اُن میں سرفہرست میرے اُستاد محترم ہیں۔ درخواست کرتا ہوں کہ میرے حق میں دعا کرتے رہیں۔

(انتہائی قصوروار: حافظ توفیق شامی)

آٹھواں آدمی:

سیرانی ہے: یہ بندہ ''خسروؔ'' کی طرح میرا ذہین فطین، محنتی اور ''نور'' کا مشتاق شاگرد تھا۔ میں نے ایک دن ''اسپارٹا'' میں ''توافق'' کے بارے میں جو کہ قرآن کے اَسرار و رُموز اور علم جفر کے لیے بڑی اہم چابی ہے۔ اپنے طالب علموں کی رائے معلوم کرنا چاہی تو تمام طالب علم اس میں کمال شوق کے ساتھ شریک ہوئے، لیکن یہ آدمی کسی اور سوچ میں کھویا ہوا اور کسی اور ہی چیز میں جی لگائے ہوئے تھا، اور صرف یہ نہیں کہ ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوا بلکہ اِس نے مجھے اُس حقیقت سے جو مجھے قطعی طور پر معلوم تھی، باز رکھنے کی کوشش کی۔ پھر اُس نے مجھے ایک انتہائی چبھتا ہوا خط لکھا جسے پڑھ کر مجھے دلی دُکھ ہوا، تو میں نے ایک آہ بھری اور کہا: میں نے اپنا یہ شاگرد کھو دیا۔ پھر میں نے اگرچہ معاملے پر روشنی ڈال کر اُس کی سوچ فکر کو روشن کرنا چاہا تھا، تاہم ایک اور موضوع آڑے آ گیا۔ تب اُس نے ایک شفقت بھرا طمانچہ کھایا اور اسے ایک سال کے لگ بھگ جیل کی ہوا کھانی پڑی۔

نواں آدمی:

حافظ زہدی (کبیر) ہے، یہ آدمی ''آغروس'' شہر میں طلاّبِ نُور کی نگرانی پر مأمور تھا، اِس نے اُن طلاّب نور کے معنوی عزّ و شرف کو کافی نہ سمجھا جو اِتباعِ سُنت اور اجتنابِ بدعت کے مسلک پر عمل پیرا ہو چکے تھے، بنا بریں، اُس نے اہلِ دنیا کی نظروں میں عزّت حاصل کرنے کے لیے ایک ناگوار قسم کی بدعت کی تعلیم دینے کی ملازمت حاصل کر لی، اور یوں اُس نے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جو ہمارے مسلک کے بالکل مُنافی تھی، تب اس نے ایک شفقت بھرا لیکن انتہائی خوفناک طمانچہ کھایا، اور وہ اس طرح کہ اُسے ایک ایسا حادثہ پیش آ گیا جس کی وجہ سے اُس کے تمام خاندان پیوندِ خاک ہو گیا۔

حافظ زہدی (صغیر) ایسے حادثے کا مستحق تو نہیں تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس حادثے کا اثر اس پر بھی پڑا۔ شاید کہ یہ حادثہ اس کے دل کو دنیا سے اچاٹ کر دے اور اس کے لیے ایک نفع بخش عملِ جراحی کا کام کر جائے، اور اُس کی عنانِ توجہ تمام تر قرآن کریم کی طرف پھیر دے۔ انشاء اللہ۔

دسواں آدمی:

اس آدمی کا نام حافظ احمد ہے، یہ سال دو سال رسائل نور کی کتابت میں پورے ذوق وشوق اور انہماک سے مصروف

Marfat.com

رہا اور اُن کے انوار سے مستفید ہوتا رہا۔ پھر اہلِ دنیا نے اس کے کسی نرم پٹھے اور کمزور رگ سے فائدہ اُٹھالیا اور اس کا ذوق وشوق ماند پڑ گیا، چنانچہ اُس نے دنیا داروں کے ساتھ محض اس لیے میل جول بڑھانا شروع کر دیا تا کہ وہ اُسے اِس کمزوری کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں، اور یہ اُنہیں اپنی بات منوا سکے اور ان کے درمیان کوئی مقام ومرتبہ حاصل کر سکے، اور اپنی تنگدستی کو دُور کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار سکے اور اپنے فقر وفاقہ کا کچھ مداوا کر سکے، اس بنا پر یہ سستی اور کاہلی کا شکار ہو کر قرآنی خدمت سے دُور ہو گیا۔ اور پھر اُسے دو طمانچے ایک ساتھ پڑے۔

پہلا طمانچہ اس طرح پڑا کہ اس کے خاندان میں مزید پانچ افراد کا اضافہ ہو گیا، حالانکہ اس کے حالات پہلے ہی بڑے پتلے تھے اور وہ انتہائی تنگدستی کا شکار تھا، چنانچہ یہ تنگدستی شدید تر ہو گئی۔

دوسرا طمانچہ:

وہ شرف وحیثیت کے لحاظ سے انتہائی حساس تھا یہاں تک کہ اگر کوئی اس پر تنقید یا اعتراض کرتا تو بپھر جاتا تھا لیکن اب لاشعوری طور پر سازشی لوگوں کے ہاتھوں اس طرح کھلونا بن کر رہ گیا کہ وہ اپنے شرف کے نوے فیصد حصے سے محروم ہو گیا۔ اور نوے فیصد لوگوں کو اپنا مخالف بنا دیا۔

بہر کیف ہماری اس کے لیے دعا ہے کہ اللہ اس کی غلطی پر پردہ ڈال دے اور وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر قرآن کی خدمت کے سلسلے میں اپنی ڈیوٹی دوبارہ سنبھال لے۔

گیارہواں آدمی:

ہو سکتا ہے اسے اچھا نہ لگے اس لیے نہیں لکھا گیا۔

بارہواں آدمی:

معلم غالب ہے۔

اس آدمی نے رسائل نور کی تبییض کے سلسلے میں پورے صدق واخلاص کے ساتھ بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اور کسی بھی مشکل کے سامنے کبھی کمزوری نہیں دکھائی چنانچہ یہ بسا اوقات ہمارے ہاں آتا اور پورے ذوق وشوق اور اہتمام سے سنتا اور لکھتا تھا۔ پھر اُس نے اپنی جیب سے تیس لیرے لگا کر مکمل ''مقالات'' اور ''مکتوبات'' لکھوائے، اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ رسائل کو اپنے علاقے میں عام کرے اور اپنے ابنائے وطن کی رہنمائی کرے۔ پھر ہوا یہ کہ اُس نے جیسا سوچا تھا ویسا کر نہ سکا اور بعض تحفظات کی وجہ سے رسائل کو ایک صندوق میں رکھ چھوڑا۔ لیکن پھر اچانک وہ ایک المناک حادثے سے دوچار ہو گیا جس کی ٹیسوں سے وہ کامل ایک سال مبتلائے غم وغصہ میں مبتلا رہا۔ اور یوں اُس کے وہ دشمن تو نہ رہے جو سرکاری کارندے تھے اور اُسے رسائل نور کی نشر واشاعت سے روکتے تھے، البتہ اُن کی جگہ

Marfat.com

کئی ایسے دشمن سامنے آگئے جو اُن پہلے دشمنوں سے کہیں زیادہ ظالم، سفاک اور بے رحم تھے۔ اور اس طرح وہ اپنے بعض عزیز ترین ساتھیوں سے بھی محروم ہوگیا۔

تیرھواں آدمی:

حافظ خالد ہے، حافظ خالد اپنی کہانی خود سناتے ہوئے کہتا ہے۔

جی ہاں، مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ جن دنوں میں اُستادِ محترم کے قرآنی خدمت کے سلسلے میں نشر کردہ رسائل کے مسوّدوں کی ہمیشہ پوری سرگرمی کے ساتھ کتابت کیا کرتا تھا، اُن دنوں ہمارے محلے کی ایک مسجد میں امامت کی آسامی نکلی، تو میرے دل میں علمی لباس، جُبّہ اور عمامہ باندھنے کی شدید ترین رغبت نے انگڑائی لی، چنانچہ میں نے اپنی نادانی کی وجہ سے امامت کی ذمہ داری قبول کرلی اور قرآنی خدمت کے باب میں میری ہمت وقتی طور پر کچھ کمزور اور شوق ماند پڑ گیا، لیکن اپنے اِس قصد و ارادے کے بالکل برعکس میں نے ایک شفقت بھرا طمانچہ کھایا۔ اور پھر باوجود اس کے کہ مُفتی صاحب نے مجھے ملازمت دینے کے بہت سے وعدے کیے تھے، اور باوجود اس کے کہ میں اس منصب پر آٹھ نو ماہ تک کام کرتا رہا، لیکن اس سب کے باوجود عمومی انداز سے بلند ہو کر جبّہ پہننے اور عمامہ باندھنے سے محروم رہا، تب مجھے اس بات کا پورا پورا یقین ہوگیا کہ یہ طمانچہ مجھے اُس تقصیر کی وجہ سے پڑا ہے جو مجھ سے قرآنی خدمت کے بارے میں سرزد ہوئی ہے؛ کیونکہ اُستادِ محترم درس کے دوران مجھے براہِ راست میرا نام لے کر مخاطب کیا کرتے تھے، اور میں اُن کا مسودہ لکھا کرتا تھا۔ لیکن جب میں میدانِ عمل سے باہر ہوا تو انہیں کافی تنگی تکلیف اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

بہر کیف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، اس خدمت کے تقدّس کا علم ہوگیا اور ہمارا یہ پختہ اعتقاد ہوگیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی جیسا مرشد حفاظت پر مامور فرشتوں کی طرح ہمارے پسِ پشت ہے۔

اضعف العباد حافظ خالد

چودھواں آدمی:

تین چھوٹے طمانچے جو کہ تین آدمیوں کو لگے، ان میں سے ہر ایک کا نام مصطفیٰ ہے۔

ان میں سے پہلا آدمی ''مصطفیٰ چاویش'' ہے۔ یہ ہماری چھوٹی سی مسجد کا خادم تھا، اُس کی انگیٹھی کے لیے ایندھن مہیا کرتا تھا، حتیٰ کہ مٹی کے تیل اور دیا سلائی کا تمام خرچ _ جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا _ اپنی جیبِ خاص سے کیا کرتا تھا۔ اور یہ خدمت وہ برابر آٹھ سال تک برابر سرانجام دیتا رہا۔ اور وہ خاص کر جمعہ کی راتوں میں باجماعت نماز سے پیچھے نہیں رہتا تھا، اِلاّ یہ کہ کوئی بہت ضروری کام آپڑے۔ پھر اہلِ دنیا نے اُس کے بھولپن سے فائدہ اُٹھایا اور اُسے کہا: سرکاری ملازم عنقریب حافظ کے عمامے کے بارے میں عمل دخل کریں گے اور خفیہ طور پر اذان کہنا بھی کچھ دیر کے لیے بند ہونا

Marfat.com

چاہیے (حاشیہ:۱) اور حافظ سے کہہ دو کہ اپنا عمامہ اُتار دے قبل اس کے کہ اُسے اتارنے پر مجبور کر دیا جائے۔ (یاد رہے کہ یہ حافظ رسائل نور کے ایک کاتب تھے)۔ لیکن مصطفیٰ چاویش کو یہ پتا نہ چل سکا کہ ایک ایسے انسان کو عمامہ اُتارنے کی خبر پہنچانا جو کہ قرآن کی خدمت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہو، ایسے بلند رُوحوں کے مالک لوگوں کو اس طرح کی خبریں گراں گزرتی ہیں! بہر کیف اُس نے اپنی صاف دِلی کی وجہ سے اُن کی بات حافظ تک پہنچا دی۔ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ مصطفیٰ چاویش کے ہاتھ کسی چیز سے لتھڑے ہوئے ہیں اور وہ ڈپٹی کمشنر کے پیچھے چلتا آرہا ہے اور دونوں ایک ساتھ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ میں نے دوسرے دن مصطفیٰ سے کہا: آج تم کس سے ملے تھے؟ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے ہاتھ آلودہ ہیں اور تم ڈپٹی کمشنر کے پیچھے پیچھے چل رہے ہو؟ تو اُس نے آہ بھری اور کہا: نمبردار نے مجھے ایک بات کہی تھی، اور کہا تھا کہ میری بات حافظ کو پہنچا دو میں نے وہ بات حافظ کو پہنچا دی، لیکن اس بات کے پس منظر کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔

پھر اُسی دن یہ واقعہ ہوا کہ وہ مسجد کے لیے تھوڑا سا پٹرول لایا، اور مسجد کا دروازہ خلافِ معمول کھلا رہ گیا، تب ایک میمنہ مسجد میں داخل ہوا اور میرے مصلے کے قریب گندگی پھیلا گیا۔ بعد میں ایک اور آدمی آیا، اس نے غلاظت والی جگہ کو دھونے کے ارادے سے پانی تلاش کیا تو اُسے پٹرول والا لوٹا نظر آیا اُس نے پٹرول کو پانی سمجھ کر اُسے تمام فرش پر بہا دیا، اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اسے بدبُو بالکل محسوس نہ ہوئی۔ اب گویا کہ مسجد اپنی زبانِ حال سے مصطفیٰ چاویش سے کہہ رہی تھی: مصطفیٰ صاحب! آج سے ہمیں تیرے پٹرول کی ضرورت نہیں رہی، میں اب تمہارا یہ پٹرول قبول نہیں کروں گی۔ گویا کہ اس معنوی کلام کی طرف اشارہ مقصود تھا اس لیے اس آدمی کو بدبُو قطعاً محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ یہ بھی ہوا کہ اُس پورے ہفتے میں ــ حتیٰ کہ جمعرات کو بھی ــ مصطفیٰ باوجود کوشش کے باجماعت نماز میں شریک نہ ہو سکا پھر وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ توبہ استغفار کی طرف متوجہ ہوا، تو اُس کی صاف دلی اُسے دوبارہ مل گئی۔

دوسرے دو مصطفیٰ نامی شخص:

اُن میں سے ایک تو وہ ہے جو ''قولا اُونی'' نامی بستی سے تعلق رکھتا تھا، یہ بڑا محنتی طالب علم تھا۔ اور اس کا وفادار ساتھی حافظ مصطفیٰ ہے۔

ہوا یہ کہ میں نے ان دونوں طالب علموں کو یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ وہ ابھی میرے پاس نہ آئیں تاکہ عید کے بعد اہل دنیا ہمارے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کریں اور نتیجتاً قرآن کی خدمت میں کوئی کوتاہی ظہور میں نہ آئے۔ اور اگر وہ آنا چاہیں تو علیحدہ علیحدہ آئیں، لیکن یہ تین آدمی ایک ساتھ آگئے اور یہ عزم کر کے رات میرے ہاں رہے کہ موسم ٹھیک رہا اور حالات

(حاشیہ:۱) اُن دِنوں اذان ترکی زبان میں تو علی الاعلان کہی جاتی تھی، لیکن اصل شرعی یعنی عربی اذان خفیہ طور پر دی جاتی تھی۔ مترجم۔

Marfat.com

ناسازگار نہ ہوئے تو پو پھٹنے سے پہلے ہی رخصت ہوجائیں گے بنابریں، میں، سلیمان، مصطفیٰ چاویش اوران لوگوں نے کسی احتیاطی تدبیر کے بارے میں نہ سوچا، بلکہ اس بارے میں سوچنا اس طرح بھول گئے کے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا، چنانچہ ہم میں سے ہرایک نے ذمہ داری دوسرے کے کندھے پر ڈال دی وہ لوگ صبح ہونے سے پہلے پہلے نکل گئے، لیکن نکلتے ہی انہیں تیز آندھی نے آلیا جو کہ مسلسل دو گھنٹے تک چلتی رہی، اور اس قدر ہولناک تھی کہ مجھے اُن کا بچنا مشکل نظر آتا تھا ان سردیوں میں اس طرح کی آندھی پہلے کبھی نہیں چلی تھی، اور میں ان کے بارے میں اتنا پریشان ہوا کہ آج تک کسی کے لیے نہیں ہوا ہوں گا۔ پھر میں نے ان کی صحت وسلامتی کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے اُن کے پیچھے سلیمان کو بھیجنا چاہا تاکہ اُسے احتیاطی تدابیر اختیار نہ کرنے کی کچھ سزا ملے، تو مصطفیٰ چاویش نے کہا: سلیمان اگر نکلا تو یہ بھی آندھی میں پھنس کر رہ جائے گا۔ تب مجھے اس کے پیچھے جانا پڑے گا، اور پھر عبداللہ چاویش کو میرے پیچھے آنا پڑے گا۔ چنانچہ ہم نے توکلنا علی اللہ کہا اور انتظار کرنے لگے۔

سوال: آپ کے خاص دوستوں کو جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں، اُن کے بارے میں آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ پریشانیاں اِن پر اس لیے آتی ہیں کہ وہ قرآنی خدمت کے باب میں کمی کوتاہی کا مظاہرہ کرتے ہیں! اور آپ کہتے ہیں کہ یہ سزا کا طمانچہ ہے! حالانکہ جو لوگ آپ کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں اور قرآن کی خدمت کے ساتھ حقیقی دشمنی رکھتے ہیں، وہ تو امن وسلامتی کی زندگی گزار رہے ہیں؟ تو یہ تادیبی طمانچے صرف دوست کو ہی کیوں پڑتے ہیں دشمن کو کوئی نقصان کیوں نہیں پہنچتا؟

الجواب:

ایک زرّیں قول ہے: ''الظلم لا یدوم والکفر یدوم''۔ اس قول کی روشنی میں دوستوں کی غلطیاں ہماری خدمت پر ظلم کا حکم لے لیتی ہیں؛ اس لیے فوراً اُن کی گرفت ہوجاتی ہے اور دوست شفقت بھرے طمانچے سے دوچار ہوجاتا ہے پھر اگر وہ عقل مند ہو تو فوراً متنبہ ہوجاتا ہے۔

رہا دشمن تو اس کا معاملہ اور ہے، قرآنی خدمت کے خلاف اُس کی ضد اور رُوگردانی گمراہی کی وجہ سے ہے، اور اس کی دشمنی اور زیادتی جانے یا انجانے میں زندیقیت کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ عام طور پر ایسے طمانچوں سے فوراً دوچار نہیں ہوتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر دوام پکڑتا ہے چنانچہ جس طرح چھوٹی موٹی غلطیوں کا ارتکاب کرنے والوں کے مقدمات تو پنچائتوں اور مقامی عدالتوں میں ہی نپٹا لیے جاتے ہیں، لیکن بڑے جرائم کے مقدمات بڑی عدالتوں کی تحویل میں دے دیے جاتے ہیں، اسی طرح اہلِ ایمان اور مخلص دوستوں کی بعض چھوٹی موٹی غلطیوں کی سزا کا فیصلہ ان کو پاک صاف کرنے کے لیے فوراً اسی دنیا میں کردیا جاتا، لیکن اہل ضلالت کے جرائم اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کا بدلہ اس

Marfat.com

چھوٹی سی دنیا میں سما نہیں سکتا، اس لیے ان کے مقدمات عالمِ بقا میں عدالتِ کبریٰ کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس دنیا میں سزا نہیں پاتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہونے والے الفاظ ''الدنیا سجن المومن و جنة الکافر'' بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں؛ اور وہ اس طرح کہ: مومن چونکہ اپنی بعض غلطیوں کی سزا اسی دنیا میں پالیتا ہے، اس لیے یہ دنیا اس کے حق میں دارُ الجزاء بن جاتی ہے، اور اہلِ ایمان کے لیے اُن کی پُر سعادت آخرت کی بہ نسبت جیل اور جہنم بن جاتی ہے۔

رہے کفار، تو وہ چونکہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، یہ دنیا ان کے لیے اُن کی آخرت کی بہ نسبت جنت بن جاتی ہے، اور یوں وہ اپنی نیکیوں کے کچھ بدلے اس دنیا میں پالیتے ہیں، اور اُن کے بڑے گناہ مؤخر کر دیے جاتے ہیں۔ وگرنہ مومن اس دنیا میں بھی معنوی طور پر اور حقیقت کی رُو سے بہت زیادہ سعادت مند ہے۔ اس حد تک کہ ایک مومن آدمی کا ایمان مومن کی رُوح میں ایک معنوی جنت کا حکم لے لیتا ہے۔ اور کافر کا کفر کافر کی ماہیت میں ایک معنوی جہنم دہکاتا ہے۔

﴿سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ﴾

☆ ☆ ☆

Marfat.com

گیارہواں لمعہ

سُنت کا زینہ اور مرضِ بدعت کا علاج

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ ﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبة: 128)

[درج ذیل آیت کریمہ کا پہلا مقام ''منہاجِ سنت'' اور دوسرا مقام ''مرقاتِ سنت'' ہے۔]

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (التوبة:129)

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:31)

ان دو عظیم الشان آیتوں میں سینکڑوں گہرے اور باریک قسم کے مسائل پائے جاتے ہیں، ہم اُن میں سے صرف گیارہ مسائل پر ''گیارہ نکتوں'' کی صورت میں روشنی ڈالیں گے۔

پہلا نکتہ:

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

''مَن تمسّک بسنتی عند فسادِ أمتی فلہ أجر مائة شہید''

''یعنی میری امت جب فساد کی لپیٹ میں آجائے گی، اُس وقت جو کوئی میری سُنت کو مضبوطی سے پکڑے گا اُسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا''

جی ہاں! بے شک سنتِ مطہرہ کی تابعداری بڑی ہی قیمتی سوغات ہے اور خاص کر ایسے حالات میں جب معاشرے میں بدعتوں کا دور دورہ ہو اور اُمت فساد کی لپیٹ میں ہو؛ کیونکہ ایسے حالات میں سنت مطہرہ کے کسی معمولی سے آداب کا بھی خیال رکھنا دل میں عظیم الشان تقویٰ اور مضبوط پائدار ایمان کا احساس اُجاگر کر دیتا ہے؛ وجہ اس کی سادہ سی ہے اور وہ یہ کہ سنت مطہرہ کی براہِ راست پیروی رسولِ اعظم ﷺ کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اور یہ یاد آوری جو اتباعِ سنت سے پیدا ہوتی ہے دل میں یہ احساس جاگزیں کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ انسان کے عمومی معاملات

Marfat.com

اور روزانہ کے تصرّفات _ جیسے کھانے پینے اور سونے وغیرہ کے آداب و معاملات _ بھی جب سنت نبوی کی نگرانی اور روشنی میں سرانجام پائیں تو وہ ایک شرعی عمل کا رُوپ دھار لیتے ہیں اور ایسی عبادت کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں جس کا ثواب ملتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اس روزانہ کے معاملات میں رسول اللہ ؐ کی پیروی سرانجام دیتا ہے کہ وہ کوئی اپنا کام نہیں بلکہ شریعت کے کسی حکم کی بجا آوری کر رہا ہے، اور یہ بات ذہن میں رکھتا ہے کہ آپ ؐ صاحبِ شریعت ہیں، اس بنا پر اُس کا دل شارعِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور یوں سکون اور اطمینان پاتا ہے اور ایک قسم کی عبادت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔

اس بیان کی روشنی میں _ جو آدمی سنت نبوی کی اتباع کو اپنی عادت بنالیتا ہے، سمجھو کہ وہ اپنی تمام عادات کو عبادات بنا لیتا ہے، اور یوں اس کے لئے اپنی تمام عمر کے ہر لمحے کو بار آور اور سراپا ثواب بنانا ممکن ہو جائے گا۔

دوسرا نکتہ:

امام ربّانی مجدّد الف ثانی ؒ نے فرمایا ہے:

''میں جب روحانی سیر و سلوک کی منزلیں طے کر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ اولیاء اللہ کے جتنے بھی طبقات ہیں ان میں سے وہ طبقہ سب سے زیادہ چمکدار، بلند مرتبہ، امن و سلامتی سے بہرہ ور اور لطافتوں کا حامل ہے جنہوں نے اپنی طریقت کی بنیاد اتباعِ سنت پر رکھی ہے، حتیٰ کہ اس طبقے کے عام اولیاء بھی مجھے دوسرے طبقوں کے خاص اولیاء کے مقابلے میں زیادہ پُر رونق اور پُر وقار نظر آ رہے تھے''۔

جی ہاں مجدد الف ثانی امامِ ربّانی سچ کہتے ہیں، اس لیے وہ آدمی جو سنت شریف کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اور اسے اپنے فکر و عمل کی بنیاد بنالیتا ہے وہ محبوبِ خُدا کے سائے تلے محبوبیت کے مرتبے کا اہلِ ہو جاتا ہے۔

تیسرا نکتہ:

یہ فقیر سعید، جب ''پرانے سعید'' کے حالات واطوار سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کی کوششوں میں مصروف تھا، اُن دنوں میرے دل و دماغ حقائق کی کھوج کے سلسلے میں ایک خوفناک قسم کے اَن دیکھے سے بگولے میں سرگرداں لڑھکتے رہے، مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے کہ میرا دل اور دماغ دونوں کبھی تو آسمان کی بلندیوں سے زمین کی گہرائیوں میں جا گرتے ہیں اور کبھی زمین کی گہرائیوں سے نکل کر آسمان کی بلندیوں تک چڑھتے ہوئے لڑھکنے لگتے ہیں۔ اور یہ ساری کیفیت اس لیے پیش آئی کہ مُرشد کوئی نہیں تھا، اور دوسری یہ کہ نفسِ امّارہ اپنے غرور اور خود بینی کے پھندے میں اُلجھا ہوا تھا۔

اُن دنوں میں مَیں نے یہ مشاہدہ کیا کہ سنتِ نبوی کے مسائل بلکہ حتیٰ کہ سنت نبوی کے معمولی اور سادہ سے آداب بھی

Marfat.com

بحری جہاز میں لگے ہوئے اس قطب نما کی حیثیت رکھتے ہیں جو سمندر میں جہاز کے لیے صحیح سمت کا تعین کرتا ہے۔ سنت کی ہر قسم ایک ایسے روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے جسے ہاتھ میں لے کر انسان زندگی کی بے شمار تاریک راہوں کو روشن کرتا ہے اور بچتا بچاتا منزل تک جا پہنچتا ہے۔

اور اس روحانی سیاحت کے دوران میں گونا گوں قسم کے ذہنی دباؤ اور ہولناک قسم کے گونا گوں بوجھ کے نیچے دبا ہوا ہانپ رہا تھا اور تھک ہار کر راستے کے درمیان میں بیٹھ گیا تھا، اچانک مَیں نے دیکھا کہ میں جوں جوں اُن بابرکت سنتوں کی پیروی کرتا ہوں جو میری اس حالت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، وہ سنتیں میرے کندھوں سے تمام قسم کے بوجھ اُتار کر مجھے پھول کی طرح ہلکا پُھلکا کر دیتی ہیں، چنانچہ میں جب خود کو مکمل طور پر سُنت کے سپُرد کر دیتا تھا شک شبہے اور تردد سے جنم لینے والے ہر غم اور ہر وسوسے سے نجات پا جاتا تھا، مثال کے طور پر اس قسم کا تردّد کہ ''میرے اس کام میں کوئی مصلحت ہے کہ نہیں؟ کیا یہ کام مبنی برحق ہے اور اسے کرنا چاہیے کہ نہیں وغیرہ؟'' اور مجھے واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ جب بھی سنت سے دور ہوتا ہوں تنگ دامانی کی لہریں تند و تیز ہو جاتی اور بڑھ جاتی تھیں، انجانے راستے پُرپیچ، ناہموار اور غیر واضح ہو جاتے تھے اور بوجھ بھاری ہو جاتے ہیں۔ اور میری حالت یہ ہے کہ ازبس عاجز اور لاچار ہوں، میری نظر کوتاہ ہے اور راستہ تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن پھر جبھی میں سنت کا دامن پکڑتا ہوں اور اس کے نقش پا پر چلتا ہوں راستہ جگمگا اٹھتا ہے، اس کی ناہمواریاں ختم ہو جاتی ہیں، اس میں ہر طرف سے امن و سلامتی کی پھوار پڑنے لگتی ہے، گرانباریاں ہلکی ہو جاتی ہیں اور رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔

جی ہاں، اس دوران میں مجھے ایسی ہی کیفیات کا احساس ہوا، اور یوں میں نے ذاتی مشاہدے سے امام ربانی کے اس قول کی تصدیق کر لی۔

چوتھا نکتہ:

میں جن دنوں ''رابطۃ الموت''

کے بارے میں سوچ بچار کر رہا تھا، اس سوچ بچار کے نتیجے میں۔

اور ''الموت حق'' (موت حق ہے) کے قضیے پر پختہ ایمان کی طفیل سے اور دنیا کی زوال بدوشی اور فنا پذیری کے متعلق اُن دنوں مجھ پر ایک خاص قسم کی روحانی کیفیت طاری ہوئی، چنانچہ میں نے دیکھا کہ میں ایک عجیب و غریب سے عالم میں ہوں، میں نے خود پر نظر کی تو دیکھا کہ میں ایک جنازہ ہوں جو کہ تین بڑے بڑے اور اہم جنازوں کے دوش پر کھڑا ہے:

پہلا جنازہ: ان تمام زندہ مخلوقات کا معنوی جنازہ جن کا میری شخصی زندگی کے ساتھ ربط و ضبط ہے، جو اپنی زندگی نبھا

Marfat.com

کر موت کی آغوش میں جا کر ماضی کی قبر میں دفن ہو چکے ہیں۔ میں اس معنوی جنازے کے سر پر کھڑا قبر کے کتبے کے حکم میں ہوں۔

دوسرا جنازہ: زندگی رکھنے والی اُن تمام انواع واقسام کا عظیم الشان جنازہ جو تمام نوعِ انسانی کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جو مر کر ماضی کی اس قبر میں دفن ہو چکی ہیں جو تمام کرہ ارض کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اور میری حیثیت اُس جنازے کا مشاہدہ کرنے والے عصرِ رواں کے چہرے پر لگنے والے اُس سیاہ نقطے کی سی ہے جو عنقریب مٹنے والا ہے، اور یا پھر اُس کے چہرے پر رونما ہونے والی اس چھوٹی سی چیونٹی کی سی ہے جو جلد ہی مر جانے والی ہے۔

تیسرا جنازہ: وہ بھاری بھرکم جنازہ جو قیامت کے برپا ہونے کے وقت اس تمام کائنات کو لپیٹ لے گا، قیامت کے برپا ہوتے وقت اس کائنات کی موت چونکہ بہر صورت اور بلا شبہ ہونے والی ہے، اِس لیے میری نظر میں وہ ابھی سے واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ حیرانی نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور میں اس ہولناک جنازے کی مدہوشیوں سے بے خود سا ہو کر رہ گیا اور میری وفات جو کہ لامحالہ آنے ہی والی ہے۔ ابھی سے میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اب تمام موجودات اور تمام محبوبات نے مجھ سے منہ پھیر لیا اور مجھے حیران و سرگرداں اکیلا چھوڑ کر چلتی بنیں، اور قرآن کریم کی آیت ﴿فان تولوا...﴾

(اگر وہ منہ پھیر جائیں۔ الخ) کی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری روح اُس مستقبل کی طرف ہانکی جا رہی ہے جس کی سرحدیں ابد تک پھیلی ہوئی ہیں، اور ''ابد'' جو کہ ایک ایسے سمندر کا روپ دھار گیا ہے جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں، میری اس روح کو چاہے نہ چاہے اُس سمندر میں پھینکا جا رہا ہے اس روحانی بیخودی، ذہنی کشمکش اور جان لیوا غم کی حالت میں ایمان اور قرآن نے میرا ہاتھ پکڑا: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ حتی کہ یہ آیت کریمہ میرے لیے ایک پُر امن اور سلامتی والی ایک کشتی کا رُوپ دھار گئی، اور میری روح مکمل اطمینان اور سرور کے ساتھ اس میں داخل ہو گئی اور میں ساحلِ سلامتی پر جا لگا۔ تب مجھے پتا چلا کہ اس آیت کا ایک معنی تو وہ ہے جو اس کے ظاہری الفاظ سے سامنے آ رہا ہے اور دوسرا وہ ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔ میں نے اس کے اشاری معنی یا علامتی مفہوم کو سامنے رکھا تو مجھے اس میں روحانی تسلی، قلبی اطمینان اور دلی سکون ملا۔

جی ہاں! جس طرح اس آیت کا صریحی معنی یا ظاہری مفہوم رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہا ہے:

''یہ اہلِ ضلالت اگر قرآن کو نہ سنیں اور تمہاری شریعت اور سنت سے روگردانی کریں تو آپ غم نہ کریں پریشان نہ ہوں اور یہ کہیں کہ مجھے اللہ کافی ہے، وہ اکیلا ہی میرے لیے کافی ہے اور میں اُسی پر بھروسا کرتا ہوں، کیونکہ اِس بات کی

Marfat.com

ذمہ داری اُس نے لی ہوئی ہے کہ اگر تم لوگ مجھے چھوڑ گئے تو وہ تمہاری جگہ مجھے کوئی اور لوگ عطا کر دے گا جو میری پیروی کریں گے، کیونکہ اس کا عرش اتنا بڑا ہے کہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس لئے نہ تو اُس کے نافرمان اس سے بھاگ سکتے ہیں اور نہ اس سے مدد مانگنے والے اس کے مدد کے بغیر رہ سکتے ہیں“۔

اسی طرح اس کا اشاری معنی یہ کہتا ہے کہ:

”اے انسان اور انسانوں کی قیادت اور راہنمائی کرنے والے!

اگر تمام موجودات تجھے چھوڑ کر فنا کا راستہ لے کر معدوم ہو جائیں۔ اگر تمام ذی رُوح تجھے چھوڑ کر موت کی راہ پر تیزی سے چلے جائیں۔ اگر تمام لوگ تجھے چھوڑ کر قبرستان میں داخل ہو جائیں۔ اور اگر اہلِ غفلت اور اہلِ ضلالت تجھ سے روگردانی کر جائیں، تیری بات سُنی اَن سُنی کر کے تاریکیوں میں جا گریں۔ تو تم بالکل بھی پروا نہ کرو، دل نہ چھوڑ و اور غم نہ کرو، بلکہ کہو کہ: اللہ مجھے ہر لحاظ سے کافی ہے، جب وہ ہے تو ہر چیز ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں سمجھو تو وہ سب لوگ جو یہاں سے کوچ کر گئے ہیں وہ عدم میں نہیں گئے ہیں بلکہ عرشِ عظیم کے پروردگار کی ایک دوسری مملکت میں جا بسے ہیں اور وہ پروردگاران کی جگہ پر عنقریب اپنی مخلوق کے بے شمار لشکر بھیج دے گا۔ اور یہ کہ وہ لوگ جو قبرستان میں جا بسے ہیں وہ فنا نہیں ہوئے ہیں بلکہ ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو رہے ہیں اور وہ ان کی جگہ پر دیگر ایسے ملازمین بھیج دے گا جو اس دنیا کو آباد کرتے رہیں گے اور جو آسامیاں خالی ہوگئی ہیں انہیں پُر کر دیں گے۔ اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ دنیا چھوڑ کر جانے والے چند گمراہوں کی جگہ ایسے لوگ بھیج دے جو اُس کے اطاعت گزار ہوں اور سیدھے راستے پر چلیں۔

صورتِ حال جب یہی ہے تو پھر وہ ہر چیز کے بدلے میں کافی ہے اور یہ تمام کائنات اس کی توجہ کی ایک نگہِ التفات کا بدل بھی نہیں ہو سکتی۔

اور یوں وہ تینوں جنازے جن سے میں اوّل خوفزدہ ہو گیا تھا، اس علامتی معنی اور اشاری مفہوم سے اُنس و جمال کی ایک اور شکل اختیار کر گئے، اور وہ یہ کہ:

یہ حالت سیر و سفر کی ہے، یعنی اسے اس پُر حکمت سیر و سفر اور گردش میں رکھنے کی صورت میں کچھ لوگوں کو ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا جاتا ہے اور کچھ دوسروں کو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں، اسی وجہ سے کائنات متحرک ہے اور آتی جاتی ہے۔

پانچواں نکتہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ..﴾ (آل عمران:31)

یہ آیت کریمہ اس بات کا قطعی فیصلہ سنا رہی ہے کہ سنتِ نبوی کی پیروی بہت ضروری اور انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

جی ہاں! منطق میں جو قیاسات چلتے ہیں اُن میں سے یہ قیاسِ استثنائی کی بہترین، مضبوط ترین قسم ہے، قیاسِ

Marfat.com

استثنائی کی مثال یوں دیتے ہیں: ''جب سورج طلوع ہوگا تب دن ہوگا'' اور اس مثال کے لازمی اور مثبت نتیجے کے طور پر کہا جاتا ہے: ''سورج چونکہ طلوع ہوگیا ہے اس لیے دِن موجود ہے'' اور اس کے منفی نتیجے کی مثال میں کہتے ہیں: ''دن چونکہ نہیں ہے اس لیے پتا چلا کہ سورج طلوع نہیں ہوا ہے'' یہ مثبت اور منفی نتیجے منطق میں ایک قطعی اور ثابت شدہ حقیقت رکھتے ہیں۔

آیتِ کریمہ کو اسی مثال کی روشنی میں سمجھنے کے لیے کہا جائے گا: اگر تمہارے دل میں اللہ کی محبت ہے تو پھر تم حبیب اللہ ﷺ کی اتباع کرو گے، اگر اُن کی پیروی نہیں ہے تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ تمہارے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہے، کیونکہ محبت اگر واقعتاً ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ''اللہ کے محبوب'' کی سنت کی پیروکاری میں سامنے آئے گا۔

جی ہاں! جو شخص اللہ کو مانے گا وہ لامحالہ اس کی اطاعت کرے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اطاعت وفرمانبرداری کے جتنے بھی راستے جو اُس تک پہنچاتے ہیں ان سب میں سے وہ راستہ یقیناً سب سے مختصر، باسہولت، بالکل سیدھا اور قابلِ قبول وہ ہے جو اُس کے محبوب نے واضح کر کے دکھایا ہے اور جس پر وہ خود چلا ہے۔

جی ہاں! وہ کریم ذُوالجلال جس نے اِس کائنات کو اپنی بے شمار نعمتوں سے اس حد تک پُر کیا ہوا ہے، یہ بالکل بدیہی اور ضروری ہے کہ وہ اصحابِ عقل وشعور سے اپنی اِن نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے۔

اور وہ حکیم ذُوالجلال جس نے اس کائنات کو اپنی معجزانہ کاریگری کے ساتھ اس حد تک مزیّن کیا ہے تو پھر بدیہی بات ہے کہ وہ لامحالہ اربابِ شعور میں سے سب سے ممتاز شخص کو ہی اپنا مخاطب، اپنے احکام کا ترجمان، اپنے بندوں کا پیغامبر اور اُن کا امام بنائے گا۔

اور وہ جمیلِ ذُوالکمال جس نے اس کائنات کو اپنے جمال وکمال کی بے حدّ وحساب تجلیات کا مظہر بنایا ہے، وہ بدیہی طور پر اس شخصیت کو جو اُس کی کاریگری کے عجائبات کا جامع ترین نمونہ ہے، اور جو اس کے اسمائے حسنیٰ اور جمال وکمال کو اُس کی چاہت کے مطابق کائنات میں فروغ دیتی اور نمایاں کرتی ہے۔ یقیناً وہ ایسی شخصیت کو عبودیّت کی کامل ترین کیفیت سے سرفراز کرے گا اور اُسے دوسرے لوگوں کے لیے اُسوہ حسنہ بنا دے گا، اور انہیں بھی اس کی پیروی کا پابند کرے گا تاکہ انہیں بندگی کی اس خوبصورت، کیف آور اور پُر لطف کیفیات سے آشنا کر دے۔ اور اس اسوہ حسنہ کی خوبصورتی ان میں بھی نظر آجائے۔

خلاصۂ کلام:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سنّتِ مطہرّہ کی پیروی کی جائے۔

اس بنا پر، خوش نصیب ہے وہ انسان جو پیروی کی اس نعمت سے بہرہ ور ہو جائے

اور بدنصیب ہے وہ شخص جو سنّت کی ناقدری کر کے بدعتوں کی دلدل میں جا گرے ہے۔

Marfat.com

چھٹا نکتہ:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے: ''کلُّ بدعةٍ ضلالةٌ و کل ضلالة فی النار ''یعنی یہ کہ جب آیتِ کریمہ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ...﴾ کی رُو سے شریعت اور سنتِ مطہرّہ کے تمام، قواعد وضوابط مکمل ہو گئے ہیں، تو اب نئے نئے کاموں کی بنا پر ان قواعد وضوابط کو پسند نہ کرنا، یا حاشا وکلا ان کے مقابلے میں ایسی بدعتیں ایجاد کرنا جن سے یہ محسوس ہو کہ یہ قواعد وضوابط ناقص ہیں، یہ روش سراپا گمراہی ہے اور اس کا انجام صرف جہنم ہے۔

سنّتِ مطہرّہ کے کئی مراتب ہیں:

سنت کی ایک قسم تو وہ ہے جو ''واجب'' ہے جس کا ترک کرنا ممکن نہیں، اس کی تفصیلات شریعت میں بڑی وضاحت سے ملتی ہیں۔ سنت کی اس قسم کا تعلق ''مُحکمات'' کے ساتھ ہے اور ''مُحکمات'' کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اُن میں کسی بھی جہت سے کسی بھی طرح کی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی ہے۔

اس کی دوسری قسم نفل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور نفل دو قسم پر مشتمل ہے:

الف: ایک قسم ان نوافل پر مشتمل ہے جنہیں سنت ہی کہا جاتا ہے اور یہ عبادات کے تابع ہیں۔ شریعت کے احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیلات بھی آچکی ہیں۔ اس قسم کی سنتوں میں تبدیلی لانا بدعت ہے۔

ب: دوسری قسم وہ ہے جنہیں ''آدابِ نبوی'' کہا جاتا ہے، اُن کی تفصیلات عام طور پر سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، ان کی مخالفت کو بدعت تو نہیں کہا جاتا ہے لیکن اس میں ایک قسم کی ''آدابِ نبوی'' کی مخالفت ضرور پائی جاتی ہے، اور یہ کہ اس سے انسان اُس نور سے جو سنت نبوی میں پایا جاتا ہے محروم رہ جاتا ہے اور سنتِ نبوی کی یہ قسم رسولِ گرامی ﷺ کے ان اعمال وافعال کی اتباع سے عبارت ہے جو فطری رسوم ورواج اور عادات معاملات کے بارے میں مسلسل ہم تک پہنچتے ہیں اور جن کے بارے میں اُمت کے ہر خاص وعام آدمی کو عموماً پتا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بہت سی ایسی سنتیں اور آداب جن میں باہمی میل جول، کھانے پینے اور سونے جاگنے اور دیگر معاشرتی آداب بتائے گئے ہیں۔ جو انسان ایسی سنتوں کا کھوج لگاتا ہے وہ اپنی ان ''عادات'' کو ''عبادات'' میں تبدیل کر لیتا ہے اور آدابِ نبوی میں سے ایک معمولی سے ادب اور آپ ﷺ کی اداؤں میں سے کسی چھوٹی سی ادا سے بھی اس کے دل میں رسولِ گرامی ﷺ کی یاد تازہ رہے گی اور اس طرح اس کے دل میں نور کا فیضان جاری رہے گا۔

سنتِ مُطہرّہ میں جو چیز سب سے اہم ہے وہ وہی سنتیں ہیں جو اِسلام کی علامات وشعائر کے ساتھ تعلق بھی رکھتی ہیں، اور شعائر عمومی حقوقِ عامہ کی طرح ایک ایسی عبودیت ہیں جس کا تعلق جمعیت کے ساتھ ہے، اور اس میں اہم بات یہ ہے کہ اگر ایک فرد اُن پر عمل پیرا ہو جائے تو تمام معاشرہ اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اگر انہیں نظر انداز کر دیا جائے تو پھر تمام

Marfat.com

جماعت اس کی ذمہ دار ٹھہرتی ہے، اس طرح کے شعائر کا بول بالا علی الاعلان ہونا چاہیے، اور اس میں ریا کاری کا کھٹکا نہیں ہوتا، اور پھر یہ کہ یہ چیزیں اگرچہ نوافل کے درجے میں ہیں لیکن شخصی فرائض سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

ساتواں نکتہ:

یہ بات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سنتِ نبوی درحقیقت ایک عظیم الشان اُدبی ذخیرہ ہے، چنانچہ اس میں پایا جانے والا ہر مسئلہ ایک ادب اور نور پر مشتمل ہے۔ رسول اللہ کا یہ فرمانِ گرامی ہے: ''أدّبنی ربی فأحسن تادیبی'' (میرے رب نے مجھے بہترین ادب سکھایا ہے)۔

جی ہاں! جو آدمی بھی سیرت نبوی پر گہری نظر ڈالے گا اور سنتِ مطہرہ کا ہمہ جہتی مطالعہ کرے گا اُسے اس بات کا یقیناً ادراک ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی ذات میں اخلاق وآداب کے تمام قاعدے ضابطے جمع کر دیے ہیں، اس لئے جو بھی آپ ﷺ کی سنت مطہرہ سے بے اعتنائی برتتا ہے یا اس سے دور ہوتا ہے وہ ادب کے بنیادی سرچشموں سے دور ہو جاتا ہے، خود کو بہت بڑی بھلائی سے محروم کر لیتا ہے اور یوں ربّ کریم کے لطف وکرم سے محروم ہو جاتا ہے اور مہلک قسم کے آداب واطوار کا شکار ہو کر بے ادب محروم باشد از لطفِ رب والے قائدے کلیے کی زد میں آجاتا ہے۔

سوال:

بسا اوقات انسان ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اُسے اس پر خود بھی شرم محسوس ہوتی ہے، اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی ناپسندیدہ حالت پر پردہ ڈالا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ تو علیمٌ خبیر اور علاّمُ الغیوب ہے، اُس سے نہ تو کوئی چیز چھپتی ہے اور نہ ہی چھپائی جاسکتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کے تقاضوں پر کیسے پورا اُترا جاسکتا ہے؟

الجواب:

اوّلاً:۔ جس طرح صانع ذوالجلال کا اپنی کاریگری اور صنعتکاری کے بارے میں انداز یہ ہے کہ وہ اپنی کاریگری اور صنعتکاری کو ایسے رُوپ میں ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اُس کی دیگر مخلوقات کی نظروں میں خوبصورت نظر آئے، اور وہ ناپسندیدہ اور کراہت خیز چیزوں پر پردے ڈال کر رکھتا ہے اور اپنی نعمتوں کو اتنا مزیّن کرتا ہے کہ آنکھیں ان کے دیدار کی مشتاق رہتی ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی مخلوقات اور اپنے بندوں کو بھی اصحابِ شعور کے لیے خوبصورت حالت اور رنگ رُوپ میں دکھانا چاہتا ہے؛

کیونکہ اگر وہ مخلوقات کے سامنے ایسے رنگ روپ میں آئیں گے جو عیب دار، بدنما اور ناپسندیدہ ہو تو یہ ایک قسم کی نافرمانی، عصیاں کاری اور اسمائے گرامی ''الجمیل'' ''المزیّن'' اور ''اللطیف'' کے بالمقابل خلافِ ادب شمار ہوگی۔ کہنا یہ ہے کہ سنتِ نبوی میں جو ادب پایا جاتا ہے اُس پر عمل پیرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اُس صانع الجلیل

Marfat.com

کے اسمائے گرامی کی حدود میں رہ کر اُس خالص ادب کی کسی نہ کسی حالت میں ڈھال لیا جائے۔

ثانیا: جسطرح ایک طبیب کے، طبیب ہونے کے لحاظ سے ایک نامحرم کے سب سے نامحرم عضو کو دیکھنے اور حسبِ ضرورت اسکے دکھائے جانے کے عمل کو خلافِ ادب نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہیکہ طب کا ادب اس کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہی طبیب اگر عام آدمی، واعظ یا عالمِ دین کے روپ میں اِن حصوں کو دیکھنا چاہے گا تو یہ چیز خلافِ ادب اور شرم وحیا کے منافی شمار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور حکمتوں کی عظمتوں کو کسی بھی مثال سے پوری طرح سے سمجھانا ناممکن تو نہیں ہے، البتہ سمجھنے سمجھانے کے لئے ایک مثال کی رُو سے یہ کہا جائے گا کہ: کائنات کے اس جلیل القدر خالق مالک اور کاریگر کے بہت سے اسمائے حسنیٰ ہیں اور اُن میں سے ہر اسم کی ایک علیحدہ تجلّی ہے، مثال کے طور پر:

جیسے اسمِ ''الغفّار'' کا تقاضا یہ ہے کہ گناہوں کا وجود ہو، اور اسم ''الستّار'' کا تقاضا یہ ہے کہ کمیوں کوتاہیوں کا وجود ہو، اجیسے کہ اسمِ گرامی ''الجمیل'' بدصورت چیز کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور ''اللطیف''، ''الکریم''، ''الحکیم''، ''الرحیم'' اور ان جیسے دیگر اسمائے جلالیہ وکمالیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تمام موجودات جہاں تک ممکن ہو حسین ترین شکلوں اور بہترین وضع قطع میں ہوں، اِن جمالی اور کمالی اسمائے گرامی کا تقاضا یہ ہے کہ یعنی وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ تمام موجودات بہترین وضع قطع لے کر اور خوبصورت آداب سے مزیّن ہو کر فرشتوں، جنوں، انسانوں اور دوسری روحانی مخلوقات کے سامنے اپنی خوبصورتی کا اظہار کریں۔

اس طرح پتا چلا کہ سنّت مطہرہ میں پائے جانے والے آداب دراصل اُن بلند مرتبہ آداب کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ اِن کے اُصول وضوابط اور نمونوں کی طرف توجّہ دلاتے ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا۔

آٹھواں نکتہ:

آیتِ کریمہ: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ یہ بتاتی ہے کہ رسولِ گرامیؐ اپنی اُمت کے حق میں کتنے مشفق، مہربان اور نرم دل تھے، اور اس کے بعد والی آیت ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ یہ کہہ رہی ہے کہ: اے لوگو! اے مسلمانو! تمہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اس رؤف الرّحیم نبی کی سنتوں سے اور اس کے بتائے ہوئے احکامات سے منہ پھیرنے کا صرف ایک ہی مطلب ہوگا، اور وہ یہ کہ تمہاری عقل ماؤف ہو چکی ہے اور تمہارا وجدان ختم ہو چکا ہے، اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تم صرف یہی نہیں کہ اُن کی سنتوں سے منہ پھیر رہے ہو بلکہ تم اُن کی اس شفقت کا انکار کر رہے ہو جو ہر ایک کو صاف نظر آرہی ہے اور تم اُن کی اُن مہربانیوں پر الزام دھر رہے ہو جن کا مشاہدہ ہر انسان ہر جگہ کر رہا ہے، حالانکہ انہوں نے تو اپنی سنّتِ مطہرہ اور دیگر تعلیمات کے ذریعے تمہارے روحانی زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے تمہاری

Marfat.com

مصلحتوں کی خاطر اپنی بے پایاں رأفت وشفقت کے ساتھ تمہاری صحیح صحیح رہنمائی کی ہے اور اس بارے میں اپنی ہر صلاحیت صرف کردی ہے۔

اور آپ شفقتوں اور نرمیوں کے پیکر محبوب نبی! اگر یہ لوگ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے تمہاری اس عظیم الشان شفقت کا اِدراک نہیں کر پارہے ہیں اور تمہاری اس بے پایاں مہربانی کی قدر نہیں کر رہے ہیں، اور اس بنا پر تمہاری سنی اَن سنی کر کے منہ پھیر رہے ہیں۔ تو آپ اس چیز کی بالکل پرواہ نہ کریں اور افسردہ نہ ہوں؛ کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا ربّ جس کے لشکروں سے زمین وآسمان بھرے ہوئے ہیں، اور جس کی ربوبیّت عرشِ اعظم سمیت ہر چیز پر حاوی ہے، وہ پروردگار تمہارے لیے کافی ہے۔ وہ عنقریب آپ کے اردگرد ایسے لوگ جمع کردے گا جو آپ کے حقیقی اطاعت گزار ہوں گے، جو تمہاری ہر بات دھیان سے سنیں گے اور تمہارے ہر حکم کو بدل وجان راضی ہو کر مانیں گے۔''

جی ہاں! اس عاجز فقیر پُرتقصیر کا یہ دعویٰ ہے کہ شریعتِ محمدیہ اور سنتِ طیبہ میں پایا جانے والا ہر مسئلہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے، اور میں اپنی اس عاجزی و درماندگی اور کم کوتاہی کے باوجود اس دعوے کو ثابت بھی کرسکتا ہوں۔ میں نے اب تک جو ستر اَسّی رسائلِ نور لکھے ہیں وہ اس حکمت اور حقیقت پر مشتمل سنتِ احمدیہ اور شریعتِ محمدیہ کے حکمت اور حقیقت بھرے مسائل کے سچے گواہ ہیں۔ اور اگر اس موضوع پر لکھنے کی قدرت حاصل ہوجائے تو ان حکمتوں کو کما حقہ اُجاگر کرنے کے لیے ستر تو کیا سات ہزار رسائل بھی ناکافی ہوں گے۔

پھر میں نے اس بات کا ذاتی طور پر تجربہ کیا ہے اور خود اس حقیقت کا ذائقہ پایا ہے بلکہ میرا یہ ہزارہا دفعہ کا تجربہ ہے اور میں اس تجربے کی بنا پر یہ اعلان کرتا ہوں کہ شریعت کے مسائل میں سے ہر مسئلہ اور سنتِ نبوی کے دستوروں میں سے ہر دستور تمام روحانی، عقلی اور قلبی، اور خاص کر اِن میں سے معاشرتی امراض کا بہترین علاج ہیں۔ اور میں نے مشاہدے کے ذریعے محسوس کیا ہے کہ فلسفے اور کلام کے مسائل ان حکمت بھرے مسائل کی جگہ نہیں لے سکتے ہیں، اور اس چیز کا احساس میں کسی حد تک ان رسائل میں دوسروں کو بھی دلا چکا ہوں۔

پھر میں یہ بات کہتا ہوں کہ میرے اس دعوے میں اگر کسی کو شک ہے تو وہ رسائل نور کے مضامین کا مطالعہ کر کے دیکھ لے اور اس بات کا اندازہ خود لگالے کہ اس طرح کے نبی کی سنت کی بقدرِ استطاعت اتباع کرنا ابدی زندگی کے لیے کتنا سود مند نفع اور کتنی بڑی سعادت اور دنیاوی زندگی کے لیے کتنی نفع بخش چیز ہے!

نواں نکتہ:

سنتِ پاک کی تمام اقسام کی مکمل عملی پیروی اَخص الخواص لوگوں کے لیے بھی آسان نہیں ہے، البتہ ہر آدمی نیت، ارادے، چاہت، رغبت دل سے قبول کرنے اور سنت کے مطابق ڈھل جانے کے شوق کے ذریعے اس کا پیروکار بن سکتا

Marfat.com

ہے۔ اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ فرض اور واجب قسم کی سنتیں جو ہیں ان کی پیروی بہر طور لازم ہے۔ اور عبودیت میں پائی جانے والی مستحب قسم کی سنتیں چھوڑ دینے یا ان کا زیادہ اہتمام نہ کرنے میں اگر چہ گناہ تو نہیں ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس سے انسان بہت سے ثواب سے محروم ضرور ہو جاتا ہے۔ اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اور جہاں تک تعلق ہے اُن سُنتوں کا جو عادات و معاملات سے متعلق ہیں، تو یہ سنتیں عادات کو بھی عبادات کے مرتبے میں لے آتی ہیں، اگر چہ اُن پر عمل نہ کرنے والے پر کوئی طعن ملامت تو نہیں کی جائے گی، لیکن آداب نبوی میں جو نورانیت پائی جاتی ہے اُس سے وہ کم سے کم فائدہ اٹھا سکے گا۔

رہیں بدعتیں: تو ان کا مطلب ہے کہ اُن احکام میں کسی نئی چیز کا اضافہ کیا جائے جن کا تعلق عبادات کے ساتھ ہے، بدعت اس لحاظ سے مردود اور نا قابلِ قبول ہے کہ وہ آیتِ کریمہ: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ... ﴾ کے منافی ہے، البتہ ان نئی چیزوں کا تعلق اگر اوراد و اذکار اور مذاہب و مشارب کے ساتھ ہو ــ جیسے کہ تصوّف میں مختلف سلسلے ہیں، ــ تو ان چیزوں کے بنیادی قواعد و ضوابط چونکہ کتاب و سنت سے لئے گئے ہیں۔ اس لیے یہ بدعت کے زمرے میں نہیں آتی ہیں، یہ تمام اصول و ضوابط اگر چہ بظاہر مختلف شکلیں اور گونا گوں طریقِ کار رکھتے ہیں لیکن بہر کیف ان کے لیے بنیادی شرط یہی چیز ہوتی ہے کہ یہ نہ تو سنتِ نبوی کے خلاف جائیں گے اور نہ ہی سنت میں کسی تبدیلی کی جسارت کریں گے، لیکن بایں ہمہ کچھ اہل علم نے تصوف کے ان سلاسل کو اور ان کے اشغال و اوراد کو بدعت کے دائرے میں رکھا ہے، البتہ یہ ہے کہ وہ انہیں ''بدعتِ حسنہ'' کہتے ہیں۔ لیکن امام ربانی فرماتے ہیں: ''میں اپنے روحانی سفر کے دوران اکثر یہ دیکھا کرتا تھا کہ وہ الفاظ اور کلمات جو رسول اللہؐ سے منقول ہیں وہ سنتِ مطہرہ کی نورانی شعاعوں کی وجہ سے انتہائی روشن اور تابدار ہیں، جبکہ ان کے بالمقابل وہ بڑے بڑے اوراد و وظائف جو آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے وہ اس روشنی اور آب و تاب سے خالی ہیں۔ اس دوسری قسم میں پایا جانے والا روشن ترین لفظ بھی سنت والے چھوٹے سے چھوٹے لفظ والی آب و تاب نہ پا سکا۔ اس سے میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ سنتِ مطہرہ میں جو شعاع پائی جاتی ہے وہ ایک ایسی اکسیر ہے، اس لیے ایک روشنی کے متلاشی کے لیے سنتِ مطہرہ کی روشنی ہی کافی ہے، سنت سے باہر کسی روشنی کو تلاش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے''۔

حقیقت و شریعت کے میدان کے اس شہسوار کا یہ قول ہمارے لیے یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ: سنتِ طیّبہ دونوں جہانوں کی سعادتوں کی بنیاد اور خیر و کمال کا سر چشمہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَ السُّنَّةِ السَنِیَّةِ

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشَّاھِدِیْنَ﴾

Marfat.com

دسواں نکتہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

اِس آیتِ کریمہ میں ایک معجزانہ ایجاز پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ اِن تین جملوں میں بہت سے معانی پائے جاتے ہیں آیتِ کریمہ کہتی ہے: ''اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم اس کے ساتھ محبت بھی رکھتے ہو۔ تو جب تم اس سے محبت رکھتے ہو تو پھر تم ہر کام اسی انداز سے کرو گے جسے وہ پسند کرتا ہے، اور یہ صرف اس لیے ہے کہ تم اُس ذات کی طرح کے بن جاؤ جس کے ساتھ اُسے محبت ہے۔ اور تم اس کے محبوب جیسے اُسی صورت میں بن سکتے ہو جب تم اُس کے محبوب کی پیروی کرو گے، پس جب تم اس کی پیروی کرو گے تب اللہ تُم سے محبت کرے گا، اور یہ بات تو واضح ہے کہ تم اللہ سے محبت صرف اس لیے کرتے ہو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے''۔

یہ چند جملے گویا کہ آیت کریمہ میں پائے جانے والے بعض معانی کی مختصر سی وضاحت کرتے ہیں، اس طرح یہ کہنا بجا ہے کہ: انسان کا سب سے اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت کا اہل ہو جائے۔ یوں اس آیت کی نص یہ بتاتی ہے کہ اس بلند مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ اللہ کے محبوب کی پیروی اور اس کی سنتوں کی اقتداء ہے، یہاں اگر تین نقطے ثابت کر دیے جائیں تو مذکورہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

پہلا نقطہ:

انسان کی جبلّت میں خالق کائنات کے لیے لامتناہی محبت رکھ دی گئی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت کے ریشے ریشے میں جمال کی محبت، کمال کی چاہت اور احسان یعنی حُسن وخوبی وخوبصورتی کا سودا سمایا ہوا ہے، اور یہ محبت حسن و جمال اور کمال کے درجات کے حساب سے بڑھتی چلی جاتی ہے حتی کہ عشق کے آخری درجات تک پہنچ جاتی ہے۔

مزید: اس چھوٹے سے انسان کے چھوٹے سے دل میں اِس بہت بڑی کائنات کے برابر عشق سما سکتا ہے؛ جی ہاں: ایک بہت بڑی لائبریری میں پائی جانے والی ہزاروں کتابوں کے مضامین و مندرجات کو وہاں سے نقل کر کے دل میں موجود مسُور کے دانے کے برابر قوّتِ حافظہ میں محفوظ کر لینا یہ بتاتا ہے کہ انسانی دل تمام کائنات کو اپنے اندر سمو سکتا ہے، اور یہ کہ اُس میں ایک ایسا چھوٹا سا دانہ پایا جاتا ہے جو کائنات کے برابر ہے۔

جب صورتِ حال یہ ہے کہ انسانی فطرت میں حسن وخوبی، جمال اور کمال کے ساتھ محبت کی بے پناہ استعداد رکھ دی گئی ہے، اور جبکہ خالقِ کائنات:

لامحدود مقدّس جمال کا مالک ہے، اور اُس کا یہ لامحدود جمال ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے جس کے آثار بدیہی طور پر کائنات کے ہر گوشے میں نظر آ رہے ہیں۔

Marfat.com

اور جبکہ وہ لامحدود مقدّس کمال کا مالک ہے، اور اس کا یہ لامحدود کمال ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جس کے نقوش بہر کیف موجودات میں نظر آ رہے ہیں۔

اور جبکہ وہ لامحدود حسن وخوبی کا مالک ہے جس کا وجود ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے جسے تمام زندہ اشیاء میں رکھی گئی دیگر نعمتوں کے ضمن میں ہر جگہ دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں، وہ بھی انسان سے لامحدود محبت مانگتا ہے، اُس انسان سے جو تمام مخلوقات سے زیادہ صاحبِ شعور، ان سب سے زیادہ حاجت مند، سب سے بڑھ کر سوچ بچار کا مالک اور اپنے خالق و مالک کا سب سے زیادہ مشتاق ہے۔

جی ہاں، جس طرح ہر انسان اپنے خالقِ ذوالجلال کے لیے محبت کی غیر محدود استعداد رکھتا ہے، اسی طرح یہ بات بھی ہے کہ صرف خالقِ ذوالجلال ہی ایک ایسی ہستی ہے جو اپنے جمال وکمال اور حسن وخوبصورتی کی بنا پر محبوب بننے کے انتہائی لائق ہے، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ ایک مردِ مومن کے اپنے عزیز واقارب کے خصوصی تعلقات کی رُو سے محبت کی جتنی بھی قسمیں اور درجے ہیں، اور خاص کر اُس کے دل میں جو اپنی زندگی، اپنی بقا، اپنے وجود، اپنی دنیا اور تمام کائنات کے لئے جو محبت ہے وہ دراصل اِسی خدائی محبت والی استعداد وصلاحیت کی چند جھلکیاں ہیں۔ بلکہ انسان میں پائے جانے والے گہرے احساسات کی یہ مختلف شکلیں ہیں وہ اسی استعداد کے چند چھینٹے ہیں جو مختلف شکلوں میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ انسان جس طرح اپنی ذاتی خوشیوں اور خوش نصیبیوں سے لطف اندز ہوتا ہے اسی طرح اپنے پیاروں اور تعلق داروں کی خوشیوں اور خوش نصیبیوں سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور جس طرح وہ اس آدمی سے محبت رکھتا ہے جو اُسے درد وغم سے نجات دلاتا ہے، اسی طرح اس آدمی سے بھی محبت رکھتا ہے جو اس کے چاہنے والوں کو مصائب وآلام سے نجات دلاتا ہے۔

اور یوں اس روحانی کیفیت سے سرشار انسان جب اللہ کے اُن اَن گنت احسانوں میں سے صرف ایک احسان پر غور کرنا شروع کردے جو اُس نے انسان پر کیے ہیں، تو اس کے غور وفکر کا انداز کچھ یوں ہوگا:

میرا خالق جس نے مجھے عدم کے ابدی اندھیروں سے نجات دی ہے۔ اور مجھے تخلیق اور وجود جیسے تحفے سے نوازا ہے، اور مجھے ایک خوبصورت دنیا عطا کی ہے جس کی دل آویز خوبصورتیوں اور رعنائیوں سے میں یہاں زمین پر لطف اندوز ہو رہا ہوں، میرے خالق نے مجھے عدم سے نکالا ہے جو کہ ابدی اندھیروں کا نام ہے اور مجھے اس دنیا میں ایک خوبصورت دنیا عطا کی ہے۔ اس خالق و مالک کی عنایات دم واپس تک میرے ساتھ رہیں گی اور جب میری اجل آجائے گی تو مجھے ہلاکت اور فنا سے بھی بچائے گا جو کہ ابدی طور پر معدوم ہو جانے کا نام ہے اور مجھے اپنے لطف وکرم سے ایسے ظاہری وباطنی حواس و مشاعر عطا کرے گا جو اس پاکیزہ اور خوبصورت دنیا کی گوناگوں لذتوں کو قدم بقدم محسوس کریں گے اور اُن سے لذت یاب

Marfat.com

ہوں گے۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ میرے اَعزّہ واُقرباء کو، اور میرے اُن تمام ابنائے جنس کو جن کے ساتھ میری گہری محبت اور گہرے تعلقات ہیں، اُن سب لوگوں کو وہ ان غیر محدود انعامات و احسانات کا اہل بنا دے گا۔ اور اُن کے ساتھ اُس کی ان نوازشوں اور کرم فرمائیوں کا فائدہ ایک لحاظ سے مجھے بھی پہنچے گا؛ کیونکہ اُن لوگوں کی خوش نصیبی سے میں خوش اور لذت یاب ہوتا ہوں۔ چونکہ ہر انسان کے اندر احسان کے ساتھ محبت اور شیفتگی پائی جاتی ہے، جیسے کہ ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ: ''الانسانُ عبیدُ الاحسان''، یعنی انسان احسان کا غلام ہے، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ انسان اُس ابدی اور لامحدود احسان کے سامنے بے اختیار پکار اُٹھے کہ:

اگر میرے پاس اس کون و مکاں کی وسعتوں کے برابر کا دل ہو تو میرا ایک ہی تقاضا اور ایک ہی آرزو ہوگی، اور وہ یہ کہ یہ دل اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے مقابلے میں عشق و محبت سے لبریز ہو جائے، اور میں اگر چہ واقعتاً اس محبت کے معیار پر پورا نہیں اُترتا ہوں، لیکن بہر کیف اتنا ضرور ہے کہ میرے اندر وہ استعداد، ایمان، نیّت، اشتیاق، احسان شناسی، قدر دانی، قبول کر لینے، مان جانے، عزم و ارادے اور پابند ہو جانے کی وہ صلاحیت موجود ہے جو مجھے اس قابل بنا دے گی اور اسی طرح جس محبت کا اظہار وہ جمال و کمال کے مقابلے میں کرتا ہے، اس محبت کو احسان کے مقابلے میں ابھرنے والی اُس محبت پر قیاس کر لے جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔

لیکن کافر کا انداز اس سے مختلف ہے، کافر دل میں غیر محدود دشمنی لئے پھرتا ہے، اپنے اردگرد پائی جانے والی تمام چیزوں کو حقیر سمجھتا ہے، ان کی توہین کرتا ہے اور اُن کے ساتھ دشمنی اور ناپسندیدگی کا انداز اپناتا ہے۔

دوسرا نقطہ:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کی جائے؛ کیونکہ اللہ کے ساتھ محبت کا مطلب یہ ہے کہ عملی زندگی ایسے بنائی جائے جیسے اُسے پسند ہے، اور اُس کی پسندیدگی کی بہترین شکل نبی ﷺ کی ذاتِ مبارک میں جلوہ گر ہے، اور اَعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: ہے اللہ سے محبت اور اس کے احکام و اوامر کی اطاعت کرنا اور اس کی رضامندی کے دائرے میں زندگی بسر کرنا۔ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع ضروری ہے؛ کیونکہ اس معاملے میں کامل ترین اور بہترین نمونہ محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔

دوسری صورت: ہے خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی، جو کہ نوعِ انسانی کے حق میں اللہ تعالیٰ کے بے پایاں

Marfat.com

احسانات کا اعلیٰ ترین وسیلہ ہے، اس پہلو سے بھی دیکھا جائے تو آپ کی ذات گرامی اس قابل ہے کہ اللہ کے ساتھ اور اللہ کی خاطر محبت رکھنے کی وجہ سے اُن سے غیر محدود محبت کی جائے۔

یہ چیز انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ خود کو حتی الامکان اپنے محبوب کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے، اس لیے وہ لوگ جو "اللہ کے محبوب" کی محبت کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ حتی الامکان سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کریں۔

تیسرا نقطہ:

اللہ تعالیٰ کی جس طرح رحمت غیر متناہی ہے اسی طرح اُس کی محبت بھی غیر متناہی ہے، اور جس طرح وہ اِس کون و مکاں کی تمام خوبصورتیوں، رعنائیوں، آرائشوں اور زیبائشوں کے ذریعے اپنی ذات کو غیر محدود طور پر محبوب بناتا ہے، یعنی جس طرح اُس کی مخلوقات اس کے ساتھ محبت رکھتی ہیں اُسی طرح وہ بھی اپنی مخلوقات کے ساتھ محبت رکھتا ہے، اور خاص کر اُن میں سے عقل اور شعور رکھنے والے لوگوں کے ساتھ جو کہ اُس کی محبت کے مقابلے میں اپنی طرف سے محبت اور تعظیم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسی لئے تو اللہ کی خوشی و خوشنودی کے باب میں انسان کا سب سے بلند مقصد اور اُس کی سب سے بڑی تگ و دَو یہی ہے کہ وہ اپنے اس پروردگار کی محبت کا پُتلا بن کر رہے جس نے لطافتوں، خوبصورتیوں، لذتوں اور نعمتوں بھری جنت کو اپنی رحمت کی ایک تجلّی سے پیدا کیا ہے۔

اور یہ چیز چونکہ یقینی ہے کہ کوئی آدمی بھی اس کی محبت کا اہل صرف اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ سنتِ محمدی ﷺ کا پیروکار ہوگا جیسے کہ اُس نے اپنی کلام میں اس چیز کی دوٹوک الفاظ کے ساتھ وضاحت کر دی ہے، اس لیے پتا چلا کہ سنتِ محمدی ﷺ کی اتباع نوعِ انسانی کا سب سے بڑا مقصد اور سب سے اہم وظیفہ ہے۔

گیارہواں نکتہ:

اس میں تین مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ:

رسولِ گرامی ﷺ کی سنت کے تین سرچشمے ہیں: آپ کے اقوال، افعال اور احوال ہیں اور ان تین اقسام کی آگے پھر تین قسمیں ہیں: فرائض، نوافل اور آپ ﷺ کی عادات و اطوار اور جہاں تک تعلق ہے فرائض اور واجبات کا، تو اُن کی پیروی تو بہر طور لازمی ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے اور انہیں چھوڑنے یا ان کے ساتھ بے اعتنائی برتنے پر عذاب و عقاب کا سامنا ہوگا۔

اور وہ سنتیں جو نوافل کی قسم میں سے ہیں، اہلِ ایمان استحبابی اَمر کی رُو سے اُن کے بھی مکلف ہیں، البتہ یہ ہے کہ ان

Marfat.com

کے چھوڑ دینے میں عذاب وعقاب نہیں ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ ان پر عمل کرنے اوران کا اہتمام کرنے میں بہت بڑا اجر ہے۔اور نوافل میں کسی قسم کی تبدیلی لانا بدعت، گمراہی اور بہت بڑی غلطی ہے۔

رہیں آپ کی عاداتِ مبارکہ اور بلند مرتبہ حرکات وسکنات، تو اگر حکمت اور مصلحت کو سامنے رکھا جائے تو بہتر اور خوبصورت بات یہی نظر آتی ہے کہ آپ کی اِن عاداتِ مبارکہ کو آویزہ گوش اور حرزِ جاں بنایا جائے اوران کی مکمل طور پر پیروی کی جائے؛ وجہ اس کی ایک تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی روزمرہ عادات اور حرکات وسکنات میں لاتعداد زندگی بخش منافع ہیں،اور مزید یہ کہ اِن عادات وحرکات اوراخلاق وآداب کی جب پیروی کی جائے گی تو یہ عبادات کا حکم پالیں گے۔

بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی چونکہ دوستوں دشمنوں کے بالاتفاق تمام اخلاقِ حسنہ کے بلندترین مراتب کا مظہر ہے۔جو آپ ﷺ بنی نوعِ انساں کی چیدہ، برگزیدہ اورامتیازی حیثیت رکھنے والی مشہورترین شخصیت ہیں۔

اور آپ ﷺ کے ہزاروں معجزات اور شخصی کمالات کی گواہی کی رُو سے آپ نے عالمِ اسلام میں جن چیزوں کی بنیاد رکھی ان کی رُو سے، قرآن حکیم کے حقائق کی تصدیق کی رُو سے جس کے آپ مبلغ اور ترجمان بنے۔اس بات پر ان تمام چیزوں کی دلالت کی رُو سے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ایک کامل اور مکمل رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

اور آپ ﷺ کی اتباع کر کے چونکہ لاکھوں اہلِ کمال کمالات کے آخری درجات پر پہنچے ہیں اوراس طرح سے دونوں جہانوں کی سعادتیں پا گئے ہیں۔اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ آپ ﷺ کی سنت پاک اور آپ ﷺ کا ہر کردار پیروی کرنے کے لیے بہترین نمونہ، کامل ترین مرشد اور محکم ترین دستور، عظیم الشان قانون اور روشن ترین ضابطہء حیات ہے ایک مسلمان اِسے بنیاد بنا کر اس پر اپنی منظم زندگی کی عمارت استوار کرسکتا ہے۔

بڑا خوش نصیب ہے وہ انسان جسے سنتِ طیبہ کی یہ اتباع وافر نصیب ہو جائے!

اور جو سنت کی اتباع سے محروم ہوا وہ بہت بڑے خسارے میں رہا اگر یہ کام سُستی کی وجہ سے کر رہا ہے۔

بہت بڑے گناہ کا مرتکب ٹھہرا اگر بے پروائی سے کر رہا ہے۔

اور بہت بڑی گمراہی کا شکار رہا اگر سنت پر اس طرح سے تنقید کر رہا ہے جس سے تکذیب کی بو آتی ہو۔

دُوسرا مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾

''اور صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن'' مطلب یہ کہ: رسول اللہ ﷺ قرآن پاک کے بتائے ہوئے اخلاق حسنہ کا بہترین عملی نمونہ ہیں،

Marfat.com

آپ ﷺ کی ذات گرامی میں قرآنی اخلاق ومحاسن بہترین انداز میں جلوہ گر ہوئے ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آپ ﷺ فطری طور پر پیدا ہی قرآنی اخلاق وآداب میں ڈھل کر ہوئے ہیں‘‘۔اب جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تمام افعال، اقوال اور احوال اور تمام حرکات وسکنات اس قابل ہیں کہ پوری انسانیت اُن کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرے، ایسے میں وہ لوگ جو آپ کی اُمت میں سے ہیں، آپ کو مانتے ہیں لیکن آپ ﷺ کے اخلاق وآداب اور عادات واطوار سے بالکل غافل ہیں، بے پرواہ ہیں اور بسا اوقات ان سُنتوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ اس بات کو دیوانے بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ کتنے بدبخت ہیں! کتنے بدنصیب ہیں!!!

تیسرا مسئلہ:

رسول اللہ ﷺ چونکہ بہترین وضع قطع، معتدل ڈیل ڈول اور کامل ترین صورت پر پیدا کئے گئے ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی تمام حرکات وسکنات اعتدال اور استقامت کی تصویر ہیں، اور آپ کی سیرت مبارکہ پوری وضاحت سے بتاتی ہے کہ آپ کی پوری زندگی میانہ روی، اعتدال اور استقامت کے ساتھ گزری، آپ ﷺ نے اپنی کسی بھی ادا میں افراط وتفریط یعنی کمی بیشی اور انتہا پسندی کا مظاہرہ کبھی نہ کیا۔

جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس خوبصورت کردار میں دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قول کو عملی جامہ پہنایا ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ (هود:112)

یعنی استقامت آپ ﷺ کی تمام افعال واقوال واحوال اور حرکات وسکنات میں ایک بنیاد یا اصل الاصول کی حیثیت رکھتی تھی اور یہ چیز آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں اتنی نمایاں تھی کہ چمکتی دوپہر میں سورج کی طرح سب کو نظر آتی تھی۔

آپ ﷺ کی قوتِ عقلیہ نے ہمیشہ ’’حکمت‘‘ کی سمت میں حرکت کی، حکمت جو کہ حدِّ اوسط اور استقامت کا دارومدار ہے۔اور کندذہنی اور سفسطہ سے پاک رہی جو کہ اس قوت افراط وتفریط سے آشنا کردیتے ہیں اور افراط وتفریط سے یہ قوت فاسد ہوجاتی ہے۔

اور آپ ﷺ کی قوتِ غضبیہ ہمیشہ مقدس شجاعت کی صورت میں حرکت میں آئی جو کہ قوتِ غضبیہ کے لیے حدِّ اوسط اور استقامت کا دارومدار ہے، تخوّف اور تہوّر سے پاک رہی جو کہ اس قوت کو افراط وتفریط سے آشنا کردیتے ہیں اور افراط وتفریط سے یہ قوت فاسد ہوجاتی ہے، پھر آپ ﷺ کی شہوانی قوت نے عفت وپاکدامنی کو عصمت کے آخری درجات میں اپنی دلیل بنایا، اور آپ کی یہ قوت ہمیشہ عفّت کے نام پر حرکت میں آئی جو کہ اس قوت کی استقامت کا دارومدار ہے۔اور آپ کی قوتِ خمود وفجور یعنی بالکل بجھ جانے اور بے قابو ہوجانے سے پاک رہی جو کہ قوتِ شہوانیہ کے لیے افراط وتفریط اور اس کے فاسد ہوجانے کا حکم رکھتے ہیں۔

Marfat.com

کہنے کا مقصد یہ ہے رسول گرامی ﷺ نے اپنی تمام پاکیزہ سنتوں میں، اپنے تمام فطری حالات میں اور تمام شرعی احکام میں ''حدِّ استقامت'' کو اپنائے رکھا، اور اپنی ہر روش اور ہر کردار میں ظلم وظلمات یعنی افراط وتفریط اور اسراف وتبذیر سے کنارہ کش رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو اور کھانے پینے اور ہر قول وعمل میں اِسراف وتبذیر سے کُلّی طور پر بچنے اور میانہ روی اختیار کرنے کو اپنے لیے دلیل راہ بنالیا تھا۔

ان حقائق کی تفصیلات میں ہزاروں جلدیں لکھی جاچکی ہیں مگر ہم نے اس سمندر سے صرف انہی چند قطروں پر اکتفا کیا ہے؛ کیونکہ ''العارف تکفیه الاشاره ''۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى جَامِعِ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَظْهِرِ سِرِّ ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ'' اَلَّذِيْ قَالَ: ''مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهُ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ''

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

☆ ☆ ☆

Marfat.com

بارھواں لمعہ

اس میں رأفت اُبے کے دو جزوی سوالوں کی مناسبت سے
قرآن کریم کے دو نکتے بیان کیے گئے ہیں۔

باسمه تعالیٰ﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

السلام علیکم وعلی اخوانکم ورحمة الله وبرکاته.

عزیز القدر راست گو بھائی رأفت اُبے!

اس کڑے اور دِگرگوں وقت میں آپ کے دو سوال مجھے بڑی مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ اور اس دفعہ آپ نے جو دو سوال کیے ہیں اگرچہ جزوی سے ہیں، لیکن ایک تو دونوں دو قرآنی نکتوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور دوسرے یہ کہ آپ کا سوال کرۂ ارض کے بارے میں ہے، جو کہ ان اعتراضات کی زد میں ہے جو علم الجغرافیہ اور علم الفلک کی طرف سے زمین کے اور آسمان کے سات طبقات پر وارد ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ سوال میری نظر میں کافی اہمیت اختیار کر گئے ہیں، بنا بریں، ہم قرآن کریم کی دو آیتوں کی علمی اور کُلّی وضاحت کرتے ہوئے اجمالی طور پر دو نکتوں پر روشنی ڈالیں گے، قطع نظر اس کے کہ دونوں سوال جزوی ہیں۔ اور آپ اِس بیان سے اپنے دو جزوی سوالوں کا حصہ خود نکال لیں۔

پہلا نکتہ: اس میں دو نقطے ہیں۔

پہلا نقطہ:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ﴾ ، اور آیتِ کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ﴾ ان آیات کے راز سے، رزق براہ راست قدیرِ ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے اور اس کے خزینۂ رحمت سے نکلتا ہے۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ بھوک کی وجہ سے کوئی موت کے منہ میں نہ جائے، یعنی جب ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہوتی ہے تو کسی کو بھوک سے نہیں مرنا چاہیے تھا، حالانکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر بھوک سے اور فُقدانِ رزق سے مر جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا حل اور اس راز کی پردہ کشائی کچھ اِس طرح ہے:

بلاشبہ رزق کے بارے میں ربانی ذمہ داری ایک حقیقت ہے، اور رزق کے فقدان سے مرنے والا کوئی نہیں ملے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رزق جسے وہ حکیم الجلیل ذی حیات کے بدن کی طرف بھیجتا ہے، اُس کا کچھ حصہ احتیاطاً چربی اور چکنائی کی صورت میں ذخیرہ کر کے رکھتا ہے، حتیٰ کہ وہ رزق جسے وہ بدن کے ہر خلیے کی طرف بھیجتا ہے اُس کا بھی کچھ

Marfat.com

حصہ احتیاطاً اس خلیے کے ایک زاویے میں ذخیرہ کر کے رکھتا ہے، تا کہ اُسے اس وقت صرف کیا جا سکے جب مستقبل میں کبھی اُسے باہر سے رزق نہ پہنچ پائے۔

بنابریں، مرنے والے اس احتیاطی ذخیرہ شدہ رزق کے ختم ہونے سے پہلے ہی مرجاتے ہیں، مطلب یہ کہ موت ایسی بیماری کی وجہ سے آتی ہے جو کسی سوءِ عادت یا سوءِ اختیار کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے۔

جی ہاں! کسی بھی ذی حیات کے جسم میں چربی کی صورت میں ذخیرہ شدہ فطری رزق کامل چالیس دن چلتا ہے۔ بلکہ کسی بیماری یا روحانی استغراق کی صورت میں اسّی دن تک بھی جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ آج سے تیرہ سال پہلے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لندن کی ایک جیل میں کسی مسئلے میں اُلجھا ہوا ایک آدمی بغیر کچھ کھائے اپنی شدید قوتِ ارادی اور قوتِ مدافعت کے بَل پر ستّر دن پوری صحت و عافیت کے ساتھ گزار گیا۔

تو جب فطری رزق چالیس دن سے لے کر ستّر بلکہ اسّی دن تک چل جاتا ہے، اور اسمِ گرامی ''الــــرزّاق'' کی تجلّی روئے زمین پر وسیع صورت میں جلوہ گر نظر آ رہی ہے، اور رزق بغیر کسی گمان اور حساب کتاب کے پستانوں سے بہہ رہا ہے اور درختوں سے برآمد ہو رہا ہے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسم گرامی فطری رزق کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ذی حیات کی مدد کو پہنچ جاتا ہے اور کسی بھی حالت میں بھوک کی وجہ سے آنے والی موت کے لیے اس وقت تک کوئی راستہ نہیں چھوڑتا جب تک کہ انسان کی بداختیاری کسی بے جا مداخلت کا ارتکاب نہیں کرتی۔

لہٰذا، جو لوگ بھوک کی وجہ سے چالیس دن سے پہلے مرجاتے ہیں وہ رزق کے فقدان کی وجہ سے قطعاً نہیں بلکہ اُس بیماری کی وجہ سے مرتے ہیں جو اس عادت کو چھوڑنے کی وجہ سے لاحق ہوئی جو عادت سوءِ اختیار سے پروان چڑھی؛ کیونکہ ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ: ''ترکِ عادات مہلک چیزوں میں سے ایک ہے''۔

بنابریں، یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ موت بھوک کی وجہ سے نہیں آتی ہے۔

جی ہاں! یہ چیز عام مشاہدے میں ہے کہ: رزق اقتدار و اختیار کے ساتھ اُلٹ مناسبت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر: ایک بچے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی اس طرح سے رزق ملتا ہے کہ اسے منہ ہلانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب وہ رحمِ مادر میں کسی بھی قسم کے اقتدار و اختیار سے کلیتاً محروم ہوتا ہے، اور جب پیدا ہوتا ہے تو بھی اقتدار و اختیار سے اگرچہ محروم ہوتا ہے، تاہم اس میں تھوڑی بہت استعداد اور ایک حد تک احساس پیدا ہو چکا ہوتا ہے، اس لیے اب اُسے اُس کا رزق پستانوں کی نالیوں کے ذریعے مکمل ترین غذا، عجیب ترین فطری طریقے، لطیف ترین صورت اور انتہائی آسانی کے ساتھ ہضم ہو جانے کی صورت میں ملتا ہے وہ صرف اتنا کرتا ہے کہ اپنا منہ پستان کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ پھر جوں جوں بچے کی نشوونما ہوتی جاتی ہے اور اس کا اقتدار و اختیار بڑھتا جاتا ہے، یہ خوبصورت اور آسان ترین رزق

Marfat.com

اُس سے اوجھل ہوتا جاتا ہے اور یہ پستانوں کا چشمہ دھیرے دھیرے سوکھ جاتا ہے۔ اور پھر اس کا رزق اُسے دوسری جگہوں سے مہیا ہونا شروع ہو جاتا ہے، لیکن اس کا اقتدار و اختیار رزق کی طلب و تلاش کے لیے کافی نہیں ہوتا اس لیے وہ رَزاقِ کریم اُس کے والدین کی شفقت و رحمت کو اس کے اقتدار و اختیار کے لیے معاون بنا دیتا ہے۔ پھر جب اس کا اقتدار و اختیار اور اس کی قوّت اور ارادہ کی تکمیل ہو جاتی ہے تو اس کا رزق نہ تو اِس کی طرف بھاگا چلا آتا ہے اور نہ اُسے چلا کر اُس کے گھر لایا جاتا ہے، بلکہ رزق اپنی جگہ پر جم کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: آؤ! تلاش کر کے مجھے حاصل کر لو۔

پس اس سے پتا چلا کہ رزق قوت و ارادے کے ساتھ اُلٹ مناسبت رکھتا ہے، بلکہ وہ جاندار جو قوت و ارادے سے خالی اور بالکل بے اقتدار و بے اختیار ہیں وہ دوسروں سے بہتر زندگی گزارتے اور خوبصورت نشو و نما پاتے ہیں۔

دُوسرا نقطہ:

امکان کی کئی انواع و اقسام ہیں، جیسے کہ امکانِ عقلی، امکانِ عُرفی اور امکانِ عادی وغیرہ۔

اب وقوع پذیر ہونے والا کوئی حادثہ اگر امکانِ عقلی کے دائرے میں داخل نہ ہو تو اُسے رَد کر دیا جائے گا اور اسی طرح اگر وہ امکانِ عُرفی کے دائرے میں بھی داخل نہ ہو تو وہ معجزہ ہوگا، لیکن آسانی کے ساتھ کرامت نہیں بنے گا۔ اور اگر کسی عُرف اور قاعدے کی رُو سے اس کی کوئی نظیر نہ ہو تو اُسے صرف ایسی قطعی دلیل و برہان کے ساتھ قبول کیا جائے گا جو کہ شہود کے درجے تک پہنچ چکی ہو۔

چنانچہ اِس راز کی بنا پر سید احمد بدوی کے جو خارقِ عادت حالات ہم تک پہنچے ہیں، جو کہ چالیس دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے، اُن کے یہ خارقِ عادت حالات امکان عُرفی کے دائرے میں داخل ہوں گے اور اُن کی کرامت شمار ہوں گے، بلکہ یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ یہ حالت ان کی عادت ہوگی، لیکن خارق یعنی معمول سے ہٹی ہوئی عادت۔

جی ہاں اُن کی طرف سے روایت شدہ یہ بات تواتر کے درجے تک جا پہنچی ہے کہ سید احمد بدوی پر روحانی استغراق کی ایک عجیب سی کیفیت طاری رہتی تھی، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ وہ چالیس دنوں میں صرف ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔ یہ واقعہ ظہور میں آیا ضرور ہے البتہ ہر وقت ایسا نہیں ہوتا تھا، بلکہ بعض اوقات ازراہ کرامت ایسا ہو جاتا تھا۔ اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ ان کی استغراقی حالت کھانے کی محتاج نہیں تھی، اس لیے یہ چیز ان کی ایک عادت ہو گئی تھی۔

سید احمد بدوی کی قبیل کے دیگر اولیائے کرام سے بھی باوثوق ذرائع سے ایسے خارق عادت واقعات مروی ہیں۔

پس اگر ذخیرہ شدہ رزق چالیس دن سے بھی زیادہ چل سکتا ہے ـ جیسے کہ ہم نے پہلے نقطے میں ثابت کیا ہے ـ اور اس تمام مدت میں کوئی بھی چیز بالکل نہ کھانا عادتاً ممکن ہے، اور کچھ غیر معمولی شخصیات کی طرف سے باوثوق ذرائع سے ایسے حالات منقول بھی ہیں، تو پھر انکار کی کوئی وجہ قطعاً نہیں ہو سکتی ہے۔!

Marfat.com

دوسرا نکتہ:

دوسرے سوال کی مناسبت سے یہاں دو اہم مسئلوں کی وضاحت کی جاتی ہے: جغرافیہ دان اور ماہرینِ فلکیات جب جغرافیہ اور علم الفلک کے کوتاہ قوانین، اِن کے تنگ دساتیر اور چھوٹے چھوٹے پیمانوں کے ساتھ قرآن کے آسمان تک بلند نہ ہو سکے اور اس کی جلیل القدر آیات کے ستاروں میں پائے جانے والی معانی کے سات طبقات کا سراغ نہ لگا سکے، تو آیت کریمہ پر اعتراض بلکہ دیوانوں کی طرح اس کا انکار کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔

پہلا اہم مسئلہ:

خصوصی طور پر اس بات سے بحث کرتا ہے کہ زمین کے بھی آسمان کی طرح سات طبقات ہیں۔

عصرِ حاضر کے فلاسفہ کی نظر میں اس مسئلے کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور اُن کے زمین و آسمان کے بارے میں بحث کرنے والے فنون اسے قبول نہیں کرتے ہیں، بنا بریں وہ اس کی آڑ میں قرآن کے حقائق پر اعتراض کرتے ہیں۔ اِس لیے ہم یہاں خاص طور پر اس مسئلے کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ اشارات قلم بند کریں گے۔

پہلا اشارہ

اوّلاً۔ یہ کہ اِس آیت کا معنی اور چیز ہے، افراد اور جن جزئیات پر یہ معنی صادق آتا ہے وہ اور چیز ہے۔ پس اگر اس کلی معنی کے متعدد افراد میں سے کوئی فرد نہ پایا جائے تو اس معنی کا انکار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ کبھی آسمان کے سات طبقات اور زمین کے سات طبقات کے کلی معانی کے بہت سے افراد میں سے تصدیق کرنے والے سات افراد ظاہری طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

ثانیاً۔ آیت کے صریحی الفاظ میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ زمین کے سات طبقے ہیں؛ کیونکہ آیت کریمہ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔۔۔﴾ کے ظاہری الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بھی سات آسمانوں کی طرح پیدا کیا اور اُسے اپنی مخلوقات کے لیے مسکن بنا دیا، اُس نے یہ نہیں کہا ہے کہ میں نے زمین کو سات طبقات میں بنایا ہے۔ رہی ''مثلیّت'' یعنی زمین کا آسمانوں کی مثل ہونا، تو اس میں زمین کو مخلوق ہونے اور مخلوقات کا مسکن ہونے میں آسمان کے ساتھ تنبیہ دی گئی ہے۔

دوسرا اشارہ

زمین آسمان کے مقابلے میں کتنی بھی چھوٹی کیوں نہ ہو، لیکن یہ چونکہ لامحدود مصنوعاتِ اِلٰہیہ کے لیے ایک نمائش گاہ جائے مظہر، محشر اور مرکز کا حکم رکھتی ہے، اس لیے، سات عظیم الشان لامحدود آسمانوں کی برابری کرتی ہے۔

Marfat.com

گویا کہ یہ آسمانوں کے لیے معنوی دل اور مرکز کی حیثیت رکھتی ہے جیسے کہ انسان کا دل اس کے جسم کی برابری کرتا ہے۔اس بنا پر آیات کریمہ سے اشارتاً یہ بات سمجھ میں آئی کہ زمین کے سات طبقے ہیں۔

کیونکہ قدیم زمانے سے ایک چھوٹے پیمانے کے مطابق زمین کو سات اقلیموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پھر اس کے سات براعظم مانے گئے ہیں، جو کہ یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، ایشیا اور امریکا کے نام سے مشہور ہیں۔ان میں سے ایشیا اور امریکا کے دو دو حصے ہیں، چنانچہ اس پہلو کی رُو سے یہ سات ٹکڑوں پر مشتمل ہے۔

اور پھر جس طرح اس کے اس سطح پر سات معروف ٹکڑے ہیں اسی طرح دوسری سطح یعنی جدید دنیا امریکا کی سطح پر بھی سات ٹکڑے ہیں: یعنی سمندروں کو ساتھ ملا کر مشرق، مغرب، جنوب، شمال۔

پھر یہ اپنے مرکز سے لے کر ظاہری قشر تک متصل اور متنوع سات قطعات پر مشتمل ہے، اور یہ ایک سائنسی حقیقت ہے۔

پھر یہ سات مشہور کلّی عناصر پر مشتمل ہے جنہیں سات طبقات کہا جاتا ہے، اور جو ستر بسیط جزوی عناصر پر مشتمل ہیں، وہ عناصر جن پر تمام ذی حیات کی زندگی کا دارومدار ہے۔

پھر وہ سات طبقات اور سات عوالم ہیں جو کہ عناصرِ اَربعہ_ پانی، ہوا، آگ مٹی _ اور موالید ثلاثہ یعنی معادن، نباتات اور حیوانات سے تشکیل پاتے ہیں۔پھر زمین کے سات طبقات کے سات عوالم ہیں، جن کا وجود اہلِ کشف واصحابِ شہود کی شہادت کے مطابق ایک ثابت شُدہ حقیقت ہے اور یہ عوالم جنوں، بھوتوں اور دیگر مختلف ذی حیات اور ذی شعور مخلوقات کے مساکن ہیں۔

اور پھر اس کے سات طبقات پر مشتمل ہونے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ہمارے اس کرۂ ارض کے ساتھ مشابہت اور ان میں بھی ذی حیات مخلوقات کا بسیرا ہے (حاشیہ:۱) مطلب یہ کہ زمین کو سات طبقات والی کہنے میں سات زمینی کروں کے وجود کی طرف اشارہ ہے۔

اور یوں آیات قرآنیہ سے زمین کا سات طبقات پر مشتمل ہونا سمجھ میں آ گیا۔

اور زمین کے سات طبقات کا وجود سات اقسام اور سات پہلوؤں سے متحقق ہو گیا۔

البتہ آخری آٹھواں معنی کسی اور جہت سے بڑا اہم ہے، اس لیے وہ ان سات معانی میں داخل نہیں۔

تیسرا اشارہ:

حکیم مطلق اسراف نہیں کرتا اور نہ ہی بیکار چیزوں کو پیدا کرتا ہے، اور جب مخلوقات کا وجود ذی شعور کے لیے ہے،

(حاشیہ:۱) سات کے ہندسے کو سات بار لانے میں بھی ایک خوبصورت توافق پیدا ہو گیا ہے۔مؤلف۔

Marfat.com

یہ ذی شعور کے طفیل اپنا مطلوبہ کمال اور عمر پاتی ہیں اور انہیں کے وجہ سے بے کاری سے نجات پاتی ہیں۔ اور جب یہ چیز مشاہدے میں ہے کہ وہ حکیمِ مطلق اور وہ قدیرُ الجلیل عنصرِ ہوا، عالمِ آب اور طبقۂ خاک کو لامحدُ ود ذی حیات سے معمور کر رہا ہے۔ اور جب پانی اور ہوا ان جانداروں کی جلانیوں کی راہ میں حائل نہیں ہوتے ہیں جیسے کہ مٹی اور پتھر جیسے کثیف مواد کہرباء کی رفتار اور ''ایکسرے'' جیسے مواد کی رفتار کے آگے بھی رکاوٹ نہیں بنتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حکیمِ ذُو الکمال اور صانعِ لازوال ہماری اس کرۂ ارضی کے ساتوں کلی طبقات کو جن میں سے ہر طبقہ زمین کے مرکز سے لے کر اس کے ظاہری تہ تک جو کہ ہمارا مرکز و مسکن ہے، اس کے میدانوں کو، اس کے تمام جہانوں کو اور اُس کی وسیع غاروں کو قطعاً خالی اور فارغ نہیں چھوڑتا ہے۔ اور اس نے ان تمام جہانوں کو معمور رکھا ہوا ہے اور ان کو آباد رکھنے کے لیے ایسی ذی شعور مخلوقات کو پیدا کیا ہے جو کہ اُن جہانوں کے ساتھ مناسبت اور موافقت رکھتی ہیں۔ اور ان مخلوقات کو ان میں بسا دیا ہے۔ اور جب یہ چیز ضروری ہے کہ وہ ذی شعور مخلوقات فرشتوں اور روحانیات کی جنس میں سے ہوں تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے لحاظ سے سب سے کثیف اور سخت طبقات ایسے ہی ہوں جیسے مچھلی کے لیے سمندر اور پرندے کے لیے ہوا ہے۔ بلکہ زمین کے مرکز میں جانے والی ہولناک آگ اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ اُن ذی شعور مخلوقات کی بہ نسبت ایسے ہی ہو جیسے کہ سورج کی حرارت ہماری بہ نسبت ہے۔ اور وہ ذی شعور روحانی چونکہ نور سے بنے ہیں، اس لیے نار اُن کے لیے نور بن جاتی ہے۔

چوتھا اشارہ:

اٹھارھویں مکتوب میں اُن تفصیلات کی وضاحت کے ضمن میں ایک تمثیل کا ذکر کیا گیا ہے، جو زمین کے طبقات کے عجائبات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جن کے بارے میں اہلِ کشف نے بیان کیا ہے کہ وہ عقل کے دائرے سے باہر ہیں اس تمثیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

یہ کرۂ ارض عالم شہادت میں تو ایک گٹھلی ہے لیکن عالم مثال اور عالم برزخ میں یہ ایک عظیم درخت کی طرح ہے جو کہ عظمت میں آسمانوں کی ہمعنانی کرتا ہے۔ اور یہ کہ اہلِ کشف کا کرۂ ارض میں ایک ہزار سال کی مسافت پر پائے جانے والے جنوں بھوتوں کے خصوصی طبقے کے بارے میں جو مشاہدہ ہے، وہ کرۂ ارضی کی اُس گٹھلی کے بارے میں نہیں ہے جو عالمِ شہادت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، بلکہ یہ زمین کے ان طبقات و فروعات کا مظہر ہیں، جو عالمِ مثال میں پائی جاتی ہیں۔

تو جب زمین کے ایک ایسے طبقے کے جس کی ظاہر کوئی اہمیت نہیں، اگر اس کے دوسرے جہانوں میں بھی اتنے عظیم الشان مظاہر ہیں، تو پھر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ آسمانوں کے سات طبقات کے مقابلے میں اس کے بھی سات طبقات ہیں پس قرآنی آیات معجزانہ اختصار کے ساتھ اِس زمین کو آسمانوں کے سات طبقات کے مقابل کر کے، اِن نقاط کی طرف

Marfat.com

اشارہ کرتی اور ان کی یاددہانی کراتی ہیں۔

دوسرا اہم مسئلہ:

بے شک ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ...الخ﴾، اور ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ جیسی متعدد آیات کریمہ اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ آسمان سات ہیں۔ ہم یہاں اُس مسئلے کا فقط ایک خلاصہ بیان کرتے ہیں جیسے ہم نے اختصار کی ضرورت کے پیش نظر انتہائی اجمال کے ساتھ اپنی پہلی جنگ عظیم کے پہلے سال محاذِ جنگ میں لکھی جانے والی تفسیر بنام "اِشارات الاعجاز فی مظان الایجاز" میں لکھا تھا، اور وہ یہ ہے کہ: قدیم حکمت کے تصور میں آسمانوں کی تعداد نو ہے، اور اس تصوّر کو شریعت کی زبان میں عرش اور کرسی کہلائی جانے والی دو چیزوں کو سات آسمانوں کے ساتھ ملا کر بڑی عجیب صورت میں قبول کر لیا گیا، قدیم حکمت کے حکماء وفلاسفہ کی یہ جگمگاتی دلفریب تعبیریں کئی صدیوں تک نوع بشر پر حاوی رہیں، حتی کہ بہت سے مفسرین ایسی آیات کے ظاہری معانی کو ان کے مذہب کے مطابق ڈھالنے پر مجبور ہو گئے جس سے قرآن حکیم کے اعجاز کے آگے ایک قسم کا پردہ سا تن گیا۔

رہا جدید فلسفہ جسے جدید حکمت کہا جاتا ہے، تو اس نے آسمانوں کے معاملے میں قدیم فلسفے کے افراط کے مقابلے میں تفریط سے کام لیا کہ آسمان میں خَرق والتیام یعنی پھٹنے اور جڑنے کی گنجائش نہیں ہے اور یوں اس میں کوئی گزرگاہ بھی نہیں بن سکتی ہے، اور اِن جدید فلاسفہ نے تو آسمانوں کا گویا انکار ہی کر دیا ہے، بنابریں، متقدمین نے افراط سے کام لیا اور متاخرین نے تفریط سے، اور یوں ہر دو فریق حقیقت کو مکمل طور پر واضِح کرنے سے عاجز آ گئے۔

لیکن قرآن حکیم کی قُدسی حکمت نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے، چنانچہ قرآنی حکمت کہتی ہے: صانعِ الجلیل نے آسمانوں کو سات طبقات کی صورت میں پیدا کیا ہے، اور یہ کہ سیّار سیّارے آسمان میں مچھلیوں کی طرح تیرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے: "اِنَّ السَّمَآءَ مَوْجٌ مَكْفُوْفٌ" مطلب یہ ہے کہ آسمان ایک سمندر ہے جس کی موجیں ایک جگہ تھمی ہوئی ہیں۔ اس قرآنی حقیقت کی وضاحت ہم سات قواعد اور معنی کے سات پہلوؤں کے ذریعے انتہائی اختصار کے ساتھ کریں گے:

پہلا قاعدہ

فلسفہ وسائنس کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ فضائے بیکراں بالکل خالی نہیں بلکہ ایک مادّے سے بھری ہوئی ہے جسے ایتھر کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا قاعدہ

سائنسی اور عقلی بلکہ مشاہداتی طور پر بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اجرامِ علویہ کے جاذبہ ودافعہ جیسے قوانین کا رابطہ اور روشنی، حرارت اور بجلی جیسے مواد میں پائی جانے والی قوّتوں کو نقل کرنے اور پھیلانے والی قوّتِ ناشرہ۔ فضا میں پایا جانے والا ایک مادہ ہے جس سے یہ فضا بھری ہوئی ہے۔

تیسرا قاعدہ

یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ ایتھر۔ ایتھر کی حالت میں رہتے ہوئے۔ دیگر مادوں کی طرح مختلف شکلوں اور متغایر صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ جی ہاں! جس طرح بخارات، پانی اور برف جیسی ہوائی، مائع اور جامد اشیاء خود اُسی مادے سے ہی تکوین پاتی ہیں، اسی طرح ایتھر کے مادے سے سات قسم کے طبقات کے تکوین پا جانے کے آگے کوئی عقلی رکاوٹ نہیں ہے، اور اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔

چوتھا قاعدہ

اجرامِ علویہ میں اگر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ علوی جہانوں کے ان طبقات کے درمیان فرق واختلاف پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر: وہ طبقہ جو کہ اس عظیم الشان دائرے میں پایا جاتا ہے جو کہ آسمانی نہر کے نام سے مشہور ہے اور جسے کہکشاں کہا جاتا ہے اور جو کہ بادل کی شکل میں نظر آتا ہے، یہ طبقہ ''ثابت ستاروں'' کے طبقے کے ساتھ قطعاً مشابہت نہیں رکھتا ہے۔ گویا کہ طبقۂ ثوابت کے ستارے گرمیوں کے پھلوں کی طرح پک کر مکمل ہو گئے ہیں۔ اور وہ لامحدود ستارے جو کہ بادلوں کی شکل میں اس کہکشاں میں نظر آ رہے ہیں؛ ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ نئے نئے طلوع ہوئے ہیں اور پکنا شروع ہو گئے ہیں۔ اور ''ثوابت'' کا طبقہ حدسِ صادق یا صحیح اندازے کے مطابق نظام شمسی کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔ اور یوں حدس اور حِس کے ذریعے اس بات کا بخوبی ادراک ہو جاتا ہے کہ یہ سات نظام اور سات طبقات ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہیں۔

پانچواں قاعدہ

حدس، حِس استقراء اور تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی بھی ایسے مادے میں جب تنظیم وتشکیل کا عمل جاری ہوتا ہے جس سے دیگر مختلف مصنوعات تیار ہوتی ہوں، تو وہ قطعی طور پر مختلف قسم کی اشکال وطبقات کا روپ دھار جاتا ہے۔ مثال کے طور پر: جب الماس کی کان میں شکل پذیری کا عمل شروع ہوتا ہے تو اس مادے سے راکھ کوئلے اور الماس کی انواع واقسام جنم لیتی ہیں۔ اور مثال کے طور پر جب آگ میں شکل پذیری کا عمل شروع ہوتا ہے تو وہ شعلے دھوئیں اور انگارے کے

Marfat.com

طبقات میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور مثال کے طور پر جب ہائیڈروجن اور آکسیجن کا ملاپ ہوتا ہے تو اس ملاپ سے پانی، برف اور بخارات کے طبقات تشکیل پاتے ہیں۔

اس سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کسی بھی مادے میں جب شکل پذیری کا عمل جاری ہوتا ہے تو وہ کئی طبقات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

یہ بات جب صحیح ہے تو پھر یہ سمجھیں کہ قدرتِ فاطرہ نے جب ایتھر کے مادے میں شکل سازی کا کام شروع کیا تو اس سے آسمانوں کے مختلف طبقات پر سات اقسام پیدا کیں۔ آیت کریمہ ﴿فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔۔۔﴾ میں یہی راز پایا جاتا ہے۔

چھٹا قاعدہ

یہ مذکورہ تمام نشانیاں بدیہی طورت پر آسمانوں کے وجود اور ان کے متعدد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ تو جب آسمان قطعی طور پر متعدد ہیں، اور مخبرِ صادق نے قرآنِ معجز بیان کی زبان سے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ سات ہیں، تو پھر یقیناً سات ہی ہیں۔

ساتواں قاعدہ

عربی زبان کے اُسلوب میں سات، ستر اور سات سو جیسی تعبیریں کثرت پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے اس اسلوب کے پیش نظر یہ بات ممکن ہے کہ یہ کلی سات طبقات بہت سے طبقات پر مشتمل ہوں۔!

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

اُس قدیرِ ذُوالجلال نے سات آسمانوں کو ایتھر کے مادے سے پیدا کیا ہے، اور انہیں انتہائی عجیب و غریب اور دقیق ترین نظام کے ساتھ منظم و مرتّب کیا ہے اور ان میں ستاروں کو بو دیا ہے۔ اور قرآن معجز بیان چونکہ وہ اَزلی خطبہ ہے جو جن و انس کے تمام طبقات کے ساتھ کلام کرتا ہے، اس لیے نوعِ بشر کا ہر طبقہ قرآن کی ہر آیت سے اپنا حصہ حاصل کرتا ہے، اور یوں قرآنی آیات کے مختلف اور متعدد ضمنی و اشاری معانی ہوتے جاتے ہیں جو کہ ہر طبقے کے فہم و اِدراک پر پورے اترتے ہیں، جی ہاں، قرآن کریم وسیع خطابات اور جامع معانی و اشارات میں ادنیٰ عوام سے لے کر اخصُّ الخواص تک کے لوگوں کے ذہنوں کا خیال رکھنا اور انہیں ساتھ لے کر چلنا، اس بات کی دلیل ہے کہ ہر آیت میں ایک پہلو ایسا پایا جاتا ہے جس کا رُخ ہر طبقے کی طرف ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے نوعِ بشری کے سات طبقات نے سات آسمانوں کے کلی معنی کے ضمن میں پائے جانے والے معانی کو سات مختلف طبقات سمجھا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تنگ نظر اور کوتاہ فکر انسانی طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ آیتِ کریمہ:

Marfat.com

﴿فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ سے مراد بادِ نسیم کے طبقات ہیں۔

اور ایک دوسرا انسانی طبقہ کے لوگ جو کہ علم الفلک کے پیچھے باؤلے ہو چکے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے مراد وہ ستارے اور ان کے مدار ہیں جو لوگوں میں سات سیّاروں کے نام سے مشہور ہیں۔ اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے مراد کچھ دوسرے سات آسمانی کُرے ہیں جو کہ ہماری زمین کے مشابہ ہیں اور ذی حیات کے لیے قرارگاہ بن گئے ہیں۔

اور ایک دوسرا انسانی گروہ یہ سمجھتا ہے کہ ان سے مراد نظام شمسی کا سات طبقات میں منقسم ہو جانا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ سات نظامِ شمسی ہمارے اس نظامِ شمسی سمیت ہیں۔

اور ایک دوسرا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ ان سے مراد ایتھر کی شکل پذیری کا سات طبقوں میں تقسیم ہو جانا ہے۔

اور یک دیگر وسیع الفکر گروہ ستاروں سے مزیّن نظر آنے والے ان تمام آسمانوں کو صرف ایک آسمان سمجھتا ہے، اور وہ ہے آسمانِ دنیا۔ اور اس کے علاوہ چھ طبقے اور بھی سمجھتا ہے۔

اور نوعِ بشر کا ساتواں اور سب سے اعلیٰ طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ ساتھ آسمان صرف عالمِ شہادت میں محصور نہیں ہیں بلکہ یہ سات آسمان وہ ہیں جو کہ علوی، غیبی، دنیاوی اور مثالی عوالم کو چھت کی طرح ڈھانپے اور گھیرے ہوئے ہیں۔ اور یوں اس آیت کے ضمن میں اور بھی بہت سے جزوی معانی پائے جاتے ہیں جو کہ اس آیت کی کلیت میں پائے جانے والے اُن سات طبقات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جو لوگوں کے مذکورہ سات طبقات کے ذہنوں کے لحاظ سے ہیں، اور اُن میں سے ہر طبقہ اپنی سمجھ سوچ کے حساب سے حصہ پاتا ہے اور ہر ایک اس آسمانی دسترخوان سے اپنا رزق حاصل کرتا ہے۔

جب اس آیت کے اس طرح کے اتنے افراد ہیں جن پر یہ آیت صادق آتی ہے، تو پھر اس دور میں احمق فلاسفہ اور بیوقوف ماہر فلکیات کا آسمانوں کے انکار کے بہانے سے آیتِ کریمہ پر یلغار کرنا ایسے ہی ہوگا جیسے کہ مُورکھ بدبخت قسم کے بچے کوئی ستارہ گرانے کے لیے آسمان کے بلند ستاروں کو پتھر مارتے ہیں؛ کیونکہ: اس آیت کے بہتیرے معانی میں سے اگر ایک معنی صحیح اور سچ ہوگا، تو پھر اس کا کلّی معنی صحیح اور حق ہوگا، حتیٰ کہ ان معانی کا ایک فرد جس کا واقعہ میں اگرچہ کوئی وجود نہ ہو لیکن تمام لوگوں کی زبانوں پر جاری وساری ہو، تو عام لوگوں کی سوچ فکر کا لحاظ کرتے ہوئے اُس کا اُس کلّی معنی میں داخل ہونا صحیح ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کے بہت سے افراد حقیقی طور پر صادق ہیں۔

اب ذرا ایک نظر اس باطل اور بے راہ جغرافیے اور اس سفیہ و مخمور فلکیات پر ڈالیں تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ ان دونوں سائنسوں نے کیسے ٹھوکر کھائی ہے! ان لوگوں نے کلّی، حقیقی اور صحیح صادق معنی سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں، اس لیے انہیں آیت کی تصدیق کرنے والے وہ بہت سے افراد نظر نہ آسکے جن پر وہ معنی صادق آتا ہے، اور یوں انہوں نے آیت کے معنی کو ایک عجیب وغریب خیالی معنی سمجھ لیا؛ اور یوں انہوں نے آیتِ کریمہ پر سنگ باری کر دی، لیکن وہ پتھر لوٹ کر

Marfat.com

انہیں کے سروں پر آئے اور یوں وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پھوڑ بیٹھے اور اپنے ایمان کا ستیاناس کر بیٹھے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

یہ جنوں اور شیطانوں کا حکم رکھنے والے ملحد مادی افکار سات قراءتوں، سات پہلوؤں، سات معجزوں، سات حقیقتوں اور سات ارکان میں نازل ہونے والے قرآن کے آسمان کے سات طبقات تک جانے کی چونکہ طاقت نہیں رکھتے ہیں، اِس لیے انہیں پتا ہی نہیں چلتا ہے کہ آیات کے ستاروں میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے؛ بنا بریں وہ غلط اور جھوٹی خبریں دیتے ہیں۔ لیکن ان پر اِن آیات کے نجوم سے مذکورہ علمی تحقیقات کی طرح کے شہابیے گرتے ہیں اور انہیں بھسم کر ڈالتے ہیں۔

جی ہاں! ان قرآنی آسمانوں پر جنوں جیسے افکار کے ساتھ مشابہت رکھنے والے فلاسفہ کے فلسفے کے ذریعے نہیں چڑھا جاسکتا ہے، بلکہ آیات کے ان ستاروں تک حقیقی حکمت کی معراج اور ایمان واسلام کے پروں سے اُڑ کر پہنچا جاسکتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى شَمْسِ سَمَآءِ الرِّسَالَةِ وَ قَمَرِ فَلَكِ النُّبُوَّةِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ نُجُوْمُ الْهُدٰى لِمَنِ اهْتَدٰى۔

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ......﴾

اَللّٰهُمَّ يَارَبَّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ، زَيِّنْ قُلُوْبَ كَاتِبِ هٰذِهِ الرِّسَالَةِ وَرُفَقَائِهٖ بِنُجُوْمِ حَقَائِقِ الْقُرْآنِ وَالْاِيْمَانِ ۔آمین۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

تیرہواں لمعہ

استعاذہ کی حکمت

اکتیسویں مکتوب سے ماخوذ، اس میں تعوذ یعنی اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ کی حکمت اور راز کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

﴿بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ﴾

﴿وَقُل رَبِّ أَعُوذُبِکَ مِن هَمَزَاتِ الشَّیَاطِینِ وَاَعُوذُبِکَ رَبِّ أَن یَحضُرُونِ﴾

شیطان سے پناہ مانگنے میں جو راز پایا جاتا ہے اسے تیرہ عدد اشاروں میں لکھا جائے گا۔ یاد رہے کہ ان میں سے بعض کی چونکہ متفرق طور پر وضاحت ہو چکی ہے اور کچھ رسائل میں ان کا اثبات کر دیا گیا ہے، جیسے کہ چھبیسویں مقالے میں ہے، اس لیے اس مقام پر ان کے بارے میں اجمالی بحث ہی کی جائے گی۔

پہلا اشارہ

سوال: شیاطین کا اس کائنات کی تخلیق و ایجاد کی جہت سے کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت کے ذریعے اہلِ حق کا دوست اور مددگار ہے، اور یہ کہ حق و حقیقت کے دلکش محاسن و لطائف اہلِ حق کے مؤید ہیں اور ان کے شوق کو مہمیز دیتے ہیں، اور یہ کہ گمراہی پر مجبور کرنے والے قبائح خود اہلِ ضلالت کو اپنے بارے میں نفرت دلاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس میں کیا حکمت ہے کہ حزبِ شیطان بہت دفعہ غالب آ جاتی ہے؟ اور اس میں کیا راز ہے کہ اہلِ حق شیطانوں کے شر سے بچنے کے لیے ہر وقت اللہ کی پناہ ڈھونڈھتے رہتے ہیں؟۔

الجواب

اس کی حکمت اور اس کا راز یہ ہے کہ: مطلق اکثریت کے لحاظ سے ضلالت و شر منفی، عدمی، تخریبی اور فسادی ہے جبکہ ہدایت اور خیر مطلق اکثریت کے لحاظ سے مثبت، وجودی اور تعمیر و ایجاد ہیں۔

اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ ایک ایسی عمارت جسے بیس آدمیوں نے بیس دن میں تعمیر کیا ہو، صرف ایک شخص ایک دن میں منہدم کر سکتا ہے۔ جی ہاں، انسان کی زندگی جس کا وجود اس کے تمام اصلی اعضاء کے وجود اور زندگی کی دوسری

Marfat.com

شرائط کے ساتھ باقی رہتا ہے، زندگی اگرچہ خالقِ ذُوالجلال کی قدرت کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن کئی ظالم انسان اس کا کوئی عضو کاٹ کر اُسے موت کا مظہر بنا دیتا ہے، جو کہ زندگی کی بہ نسبت عدم کی حیثیت رکھتی ہے۔یہیں سے یہ قول ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر کہ:

''تخریب بہت آسان ہے''

پس یہ اہلِ ضلالت جو حقیقت میں اپنی کمزوری قوّت سے کبھی طاقت ور اہلِ حق غالب آجاتے ہیں، اُس میں یہی راز کارفرما ہے۔

لیکن اہلِ حق کے پاس ایک محفوظ قلعہ ہے وہ جب اُس میں پناہ لے لیتے ہیں تو یہ خوفزدہ کرنے والے دشمن اُن کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتے اور انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اگر کبھی وقتی طور پر انہیں کوئی نقصان دے بھی دیں تو ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ کے راز سے اَبدی ثواب اور منفعت اس نقصان کی تلافی کر دیتی ہے۔

اور یہ مضبوط قلعہ، سنگین حصار اور حصنِ حصین شریعت محمدی اور سنتِ نبوی ہے۔ علی صاحبہا الصلاۃ و السلام۔

دوسرا اِشارہ

سوال:

شیاطین جو کہ شرِ محض ہیں، اِن کی تخلیق میں، انہیں اہلِ ادیان پر مسلّط کرنے میں، بہتیرے لوگوں کے ان کی وجہ سے کفر میں چلے جانے اور جہنم میں جا گرنے میں ایک انتہائی قسم کی قباحت اور دہشت زدگی اور گھبراہٹ سی نظر آتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اُس جمیلِ مطلق کی رحمت اس ہولناک مصیبت سے درگزر کیسے کرتی ہے اور اُس رحیم مطلق اور رحمانِ حقیقی کا حسن و جمال اس بے حد و حساب قباحت کی اجازت کیونکر دیتا ہے؟ یہ سوال اکثر لوگ کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دلوں میں کھٹکتا ہے۔

الجواب:

شیطان کے وجود میں جزوی نقصانات کے ساتھ ساتھ بہت سے کلّی مقاصد اور انسانی کمالات پائے جاتے ہیں۔

جی ہاں! جس طرح بیج سے لے کر ضخیم درخت تک بہت سے مراتب پائے جاتے ہیں، اِسی طرح انسان کی ماہیت میں پنہاں فطری استعداد میں اس سے زیادہ مراتب موجود ہیں، بلکہ اس استعداد کے درجات ایک ذرّے سے لے کر آفتاب تک جا پہنچتے ہیں۔لیکن ان استعدادوں کے انکشاف کے لیے قطعی طور پر حرکت اور باہمی معاملے کی ضرورت ہے، اور اس معاملے میں ترقی کے سپرنگ کے لیے حرکت ''مجاہدے'' کے ذریعے حاصل ہوگی، اور یہ ''مجاہدہ'' شیاطین اور نقصان

Marfat.com

وہ اشیاء کے وجود سے حاصل ہوگا؛ کیونکہ اگر یہ ''مجاہدہ'' نہیں ہوگا تو انسان کا مقام فرشتوں کی طرح ایک ہی جگہ پر تھم کر رہ جائے گا اور تب نوعِ انسان میں لوگوں کی وہ ہزاروں اصناف نہ پائی جاتیں جو کہ انواع واقسام کا حکم رکھتی ہیں۔اور جزوی شر سے بچنے کے لیے ایک ہزار خیر کو چھوڑ دینا چونکہ حکمت اور عدالت کے منافی ہے،اس لیے اکثر لوگ اگرچہ شیطان کے سبب گمراہی کی راہ پر چل نکلتے ہیں لیکن اہمیت اور قیمت بہر کیف اکثریت کے ساتھ کیفیت کی طرف دیکھتی ہے،کمیّت کی طرف بہت کم یا بالکل ہی نہیں دیکھتی۔

مثال کے طور پر:

ایک شخص کے پاس ایک ہزار دس بیج ہیں،اس نے وہ بیج زمین میں بو دیے وہاں وہ کیمیائی عمل سے گزرتے ہیں،اب اُن میں سے ایک ہزار خراب ہو جاتے ہیں اور دس نشو ونما پاکر درخت بن جاتے ہیں تو اِن دس بیجوں سے برآمد ہونے والا نفع اُن خراب ہو جانے والے ایک ہزار بیجوں کے نقصان کو معدوم ہونے کے درجے تک کم کر دے گا،اسی طرح نوعِ انسان کو نفس اور شیطان کے ساتھ مقابلے کے لیے مجاہدہ کرنے سے ایسے دس کامل اشخاص سے ملنے والا نفع وشرف جو کہ کامل نوعِ انسانی کو ستاروں کی طرح عزت واحترام بخشتے اور اُسے روشن کرتے ہوں۔یہ نفع اس نقصان کو زائل کر کے اُسے عدم تک پہنچا دے گا جو کہ اُن پست گمراہ لوگوں کی طرف سے پہنچے گا جو کفر میں گر جانے کی وجہ سے نوعِ انسان کے لیے حشرات الارض کی حیثیت رکھتے ہیں۔اور اُس نقصان کو آنکھوں سے اوجھل رکھے گا۔اِسی وجہ سے الٰہی عدالت وحکمت نے شیاطین کے وجود کی اجازت دی اور ان کے مسلّط ہو جانے کی گنجائش رکھی۔

اس لیے اے اہلِ ایمان! ان شدید دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری زرہ وہ تقویٰ ہے جو قرآن کریم کے کارخانے میں تیار ہوا ہے،اور تمہاری محفوظ خندقین رسول کریم ﷺ کی سنت ہے۔رہا تمہارا اسلحہ،تو وہ استعاذہ،استغفار اور حفظ الٰہی کی پناہ میں آجانا ہے۔

تیسرا اشارہ

قرآنِ حکیم میں یہ جو اہلِ ضلالت کے خلاف بڑی بڑی شکایات،ان کے خلاف بہت سے دلائل اور انہیں شدید قسم کی دھمکیاں جمع کر دی گئی ہیں،یہ چیز ظاہری عقل کی رُو سے اُس کی معتدل اور مناسب بلاغت،اور اس کے اسلوب میں پائی جانے والی استقامت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی ہے،حتی کہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ ایک عاجز ولاچار آدمی کے مقابلے میں لاؤ لشکر جمع کر دیتا ہے اور اُسے اس کی معمولی سی حرکت پر ایسے دھمکی دیتا ہے گویا کہ اس نے ہزاروں گناہ کیے ہیں،اور اسے اپنے حد سے تجاوز کرنے والے مدّ مقابل کے مقام پر لا کھڑا کرتا ہے اور اس کا شکوہ کرتا ہے،حالانکہ وہ ایک مفلس انسان ہوتا ہے نہ کہ کوئی بادشاہ یا حکمران،سوال یہ ہے کہ ایسا انداز اختیار کرنے میں کیا راز اور کون سی حکمت پنہاں ہے؟

Marfat.com

الجواب:

اس میں پائے جانے والا راز اور حکمت یہ ہے کہ:

شیاطین اور اُن کے پیروکار چونکہ گمراہی کے راستے میں چلتے ہیں، اس لیے وہ ایک چھوٹی سی حرکت کے ساتھ بہت سی تخریبی کاروائیاں کر سکتے ہیں، اور تھوڑے سے فعل کے ساتھ بہت سی مخلوقات کو بہت زیادہ نقصانات پہنچاتے ہیں۔ جیسے کہ ایک بہت بڑے مال بردار شاہی سفینے میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی ایک چھوٹی سی حرکت کے ساتھ، بلکہ چھوٹی سی ڈیوٹی چھوڑنے کی وجہ سے سفینے کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام ملازموں کی محنت مشقت کے ثمرات اور ان کے تمام اعمال کے نتائج پر پانی پھیر دینے کا سبب بن جاتا ہے، اور پھر جہاز کا کپتان مالک سے _ جہاز کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کی ترجمانی کرتا ہوا_ اس نافرمان آدمی کی بڑی بری شکایتیں کرتا ہے، اور اُسے خوفناک دھمکیاں دیتا ہے۔ اور اس ضمن میں وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اُس کی حرکت تو بالکل معمولی سی ہے، بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس حرکت کے نتائج کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں! اب وہ اس آدمی کو عبرتناک سزا دیتا ہے، جہاز کے مالک کی طرف سے نہیں بلکہ اس کی رعایا کے حقوق کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اسی طرح وہ سلطانُ الازل والابد جو اُن اہلِ ضلالت کے بارے میں بڑے شکوے اور ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جو کہ حزبُ الشیطان ہیں اور کرۂ ارض کے سفینے میں اہل ہدایت کے ہمراہ موجود ہیں، اور انہیں اُن کے بہت سی مخلوقات کے حقوق پر تجاوز کر کے تخریب کاری کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے، اور بہ ظاہر معمولی سی غلطی اور عصیاں کاری کی بنا پر موجودات کے وظائف کے اعلیٰ ترین نتائج کے ابطال کا سبب بننے کی وجہ سے انہیں جو ہولناک قسم کی دھمکیاں دیتا ہے۔ یہ چیز عین بلاغت کی رُو سے خالص حکمت ہے، اور بلاغت کی اصل تعریف اور اساس یعنی مقتضائے حال کے عین مطابق اور انتہائی موافق اور مناسب ہے۔ اور مبالغہ یعنی اسرافِ کلام سے بالکل پاک ہے۔

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ جو محفوظ قلعے میں پناہ گزین نہیں ہوگا وہ ایسے شدید دشمنوں کے مقابلے میں ناکام ہو جائے گا جو کہ تھوڑی سی حرکت کے ساتھ بہت سی تخریب کاریوں کا سبب بنتے ہیں۔

یاد رکھو اے اہلِ ایمان! وہ آسمانی فولادی قلعہ قرآن ہے، اس میں داخل ہو کر نجات پا جاؤ۔

چوتھا اشارہ

اہلِ تحقیق واصحابِ کشف اس بات پر متفق ہیں کہ عدم شرِ محض ہے اور وجود خیرِ محض۔

جی ہاں، بے شک خیر، محاسن اور کمالات مطلق اکثریت کے ساتھ وجود پر اعتماد کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان کی اساس ثبوتی اور وجودی ہے، اگرچہ ظاہری صورت میں سلبی اور عدمی ہے۔ اور گمراہی، شرّ، مصائب ومعاصی اور دیگر الاون بلاؤں جیسی تمام قباحتوں کی بنیاد اور ان کا اصل الاصول عدم اور نفی ہے، اگرچہ ظاہری صورت میں

Marfat.com

مُثبت اور وجودی نظر آتی ہیں۔

اور یہ بات بھی مشاہدے سے ثابت ہے کہ عمارت جیسی کسی چیز کا وجود اس کے تمام اجزاء کے وجود کے ساتھ برقرار رہتا ہے، جبکہ اُس کا انہدام، عدم اور ویرانی اُس کے ایک رُکن کے معدوم ہونے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

پھر وجود بہر حال ایک موجود علت کا تقاضا کرتا ہے اور محقق اور ثابت شدہ سبب کا سہارا لیتا ہے۔ جبکہ عدم کا عدمی اشیاء کا سہارا لینا بالکل صحیح ہے، اور ایک عدمی چیز کسی معدوم چیز کی علت بن جاتی ہے، اب ان دونوں قاعدوں کی بنا پر یہ سمجھو کہ: جن وانس کے شیاطین اگرچہ کائنات میں تخریب کاری کے بہت سے واقعات برپا کر دیتے ہیں، اور انواع واقسام کے کفر و ضلال وشرّ وتباہ کاریوں کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے پاس خلق وایجاد کے باب میں دخل اندازی کی ایک ذرہ برابر بھی طاقت نہیں ہے، اُن کے پاس مُلکِ الٰہی میں اشتراک کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور یہ کاروائیاں جو وہ کرتے ہیں کسی قوت واقتدار کے بل پر نہیں کرتے ہیں، بلکہ ان کے بہت سے اعمال میں حقیقی قدرت اور فعل نام کو نہیں ہوتا، بلکہ اُن کا یہ عمل ترکِ عمل اور بے کاری ہے۔ اور وہ لوگ شرّ وفساد کے یہ کام خیر کے کام نہ کرانے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شرور کا وجود خیر کے عدمِ فعل کی وجہ سے ہے، کیونکہ شرور ومہالک تدمیر وتخریب کی انواع سے ہیں، اس لیے یہ لازم نہیں کہ ان کی علت کوئی قدرتِ موجدہ یا فاعلی ایجاد ہو، بلکہ ایک عدمی امر یا فقط کسی شرط کے فاسد ہو جانے سے بڑی بڑی تخریبی کاروائیاں ظہور میں آتی ہیں۔

مجوسیوں پر چونکہ یہ راز کُھل نہ سکا، اس لیے ان کا یہ عقیدہ بن گیا کہ کائنات میں دو خالق پائے جاتے ہیں: ایک خالقِ خیر_ اور اس کا نام یزدان ہے، اور دوسرا خالقِ شر_ اور اس کا نام ''اَہرمن'' ہے حالانکہ یہ موہوم الہِ شَر جسے یہ ''اَہرمن'' کہتے ہیں، وہ شیطان ہے جسے سب جانتے ہیں اور جو کہ ایک معمولی سے کسب واختیار کے ساتھ شرور کا سبب تو ضرور بنتا ہے لیکن ان شرور کو ایجاد نہیں کرتا۔

پس اے اہلِ ایمان! شیطان کی اِن ہولناک تخریب کاریوں کے مقابلے میں تمہارا سب سے اہم اور کار آمد تعمیری اسلحہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ پڑھ کر استغفار کرنا اور اللہ کی پناہ میں آنا ہے، اور تمہارا قلعہ سنّتِ نبوی ہے۔

پانچواں اشارہ

ہدایت واستقامت کے اِس حد تک اسباب مہیا ہونے کے باوجود اہلِ ایمان کا حزبُ الشیطان کی ایسی ضعیف اور قبیح دسیسہ کاریوں کے سامنے مغلوب ہو جانا ہے جن پر کوئی جزاء سزا نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نوع بشر کی بہت زیادہ رہنمائی کی ہے، اُنہیں بیدار کیا ہے، ڈرایا ہے اور اُنہیں خوشخبری دی ہے، اور آسمانی کتابوں میں اُن کے لیے جنت جیسی عظیم الشان جزا کا اور جہنم جیسی ہولناک سزا کا بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

مجھے یہ بات بڑی پریشان کرتی تھی، میں حیران ہوتا تھا کہ ایمان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہونے والی اِن شدید ترین وعیدوں کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی جاتی ہے! اور ایک ایمان سے بہرہ ور انسان ایمان سے محروم کیوں نہیں ہو جاتا ہے؟ اور پھر لوگ شیطان کی مکاریوں اور دسیسہ کاریوں سے دھوکہ کھا کر اللہ کی نافرمانی کیوں کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی: ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ اس راز سے پردہ اٹھا رہا ہے کہ: اُس کا مکر و فریب بالکل کمزور ہے! اس حد تک کہ میرے ایک ہمنشین نے مجھ سے حقیقت کے بارے میں لگ بھگ سو درس سُنے اور اُس نے اپنے سُنے ہوئے کی دل سے تصدیق بھی کر دی تھی، وہ میرے ساتھ گہرا ربط وضبط اور میرے بارے میں حُسنِ ظن بھی رکھتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایک خبیث اور مردہ دل آدمی کے جھانسے میں آ گیا، صرف اتنی بات پر کہ اُس آدمی نے اس کی طرف تھوڑا سا التفات کیا تھا اور اس کی فضول سی ریاکارانہ تعریف کر دی تھی، لیکن وہ اس تعریف سے اس قدر پُھول گیا کہ اُس کی مدح سرائی اور مجھ پر زبانِ طعن دراز کرنے لگا۔ تو میں نے دل میں کہا: سبحان اللہ! کیا کوئی انسان اس حد تک بھی گر سکتا ہے؟ وہ کتنا بے حقیقت انسان تھا؟ اور یوں میں اُس غریب کی غیبت کا ارتکاب کر کے گناہ کر بیٹھا۔

پھر مذکورہ اشاروں میں یہ حقیقت منکشف ہو گئی اور اُس نے بہت سے تاریک نُقطوں کو روشن کر دیا۔ پھر مجھے ـ بحمد اللہ ـ اِس روشنی کے طفیل اِس بات کا علم ہوا کہ قرآنِ حکیم کی عظیم الشان ترغیبات وتشویقات موقع محل کے عین بعین مطابق ہیں۔ اور یہ کہ اہلِ ایمان جو شیطان کی دسیسہ کاریوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، وہ عدمِ ایمان یا ضعفِ ایمان کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ کہ کبائر کا ارتکاب کرنے والا کفر میں نہیں گرتا ہے۔ اور یہ کہ معتزلہ اور کچھ خوارج کے مذہب نے اِس باب میں ٹھوکر کھائی ہے کہ کبائر کا مرتکب کافر ہے یا کفر و ایمان کے درمیان والی منزل میں ہے۔ اور یہ کہ میرا وہ مسکین ہمنشین جس نے حقیقت کے سو درس ایک ناچیز آدمی کے معمولی سے التفات پر قربان کر دیے، وہ کسی زیادہ گہرائی میں بُری طرح سے نہیں گرا ہے جیسے کہ میں نے تصور کیا تھا۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس ورطۂ حیرت سے نجات پا گیا۔

اُس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ـ جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ـ کسی عدمی، جزوی اور معمولی سے امر کے ذریعے انسان کو خطرناک ہلاکتوں کے گھاٹ اُتار دیتا ہے۔ اسی طرح انسان میں پایا جانے والا نفس شیطان کی باتوں پر ہمیشہ کان لگاتا ہے، اور قوّتِ غضبیہ اور قوتِ شہوانیہ، دونوں ہی شیطان کہ دسیسہ کاریوں کو قبول کرنے اور انہیں آگے نقل کرنے والے دو آلے ہیں۔ اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی طرف اپنے دو اِسموں الغفور اور الرحیم کی سب سے عظیم تجلّی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے، اور قرآنِ حکیم میں اس بات کو کھول کر بیان کرتا ہے کہ انبیاء پر اُس کا سب سے بڑا احسان ''مغفرت'' ہے، اور انہیں ''استغفار'' کی طرف بلاتا ہے۔ اور اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ اُس کی کائنات کا احاطہ کرنے والی وسیع رحمت ہی جائے پناہ اور محفوظ قلعہ ہے۔ اور یہ چیز اس نے بتائی ہے اِن پاکیزہ کلمات یعنی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

Marfat.com

الرَّجِیْمِ﴾ کو ہر سورت کے آغاز میں تکرار کے ساتھ لا کر اور ہر بابرکت کام کے آغاز میں اس کا ذکر کرنے کا حکم دے کر، اور ﴿فاستعذ﴾ کے امر کے ذریعے ﴿أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ﴾ کو جائے پناہ بنا کر۔

چھٹا اشارہ

شیطان کی سب سے خطرناک سازش اور دسیسہ کاری یہ ہے کہ وہ بعض سادہ لوح حسّاس لوگوں پر کفر کے تخیّل کو کفر کی تصدیق کے ساتھ خلط ملط کر دیتا ہے، اور ضلالت کے تصوّر کو خود ضلالت کی تصدیق کی صورت میں آشکار کرتا ہے۔ اور اُس کے بُرے خیال کو مقدّس اور منزّہ اشیاء کے بارے میں بڑے قبیح افکار و خیالات دکھاتا ہے، اور اِمکانِ ذاتی کو اِمکانِ عقلی کی صورت میں دکھاتا ہے، اور اسے ایمان کے اندر پائے جانے والے یقین کے منافی شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تب وہ حسّاس آدمی اس وہم میں پڑ جاتا ہے کہ وہ کفر و ضلالت میں گر گیا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اُس کا ایمانی یقین زائل ہو گیا ہے، اور یوں وہ بیچارہ نا اُمیدی کا شکار ہو جاتا ہے، اور نا اُمیدی کی وجہ سے شیطان کے ہاتھوں جگ ہنسائی کا سامان بن جاتا ہے۔ تب شیطان اس کی نا اُمیدی کو، اس کی کمزور رگ کو اور اس شک و التباس کو جی بھر کر استعمال کرتا ہے، چنانچہ وہ مسکین یا تو سودائی ہو جاتا ہے، اور یا ہر تعمیر کے بارے میں تخریب کار اور آبادی کے بارے میں ویرانے کا دعویٰ کر دیتا ہے۔ اور یوں وہ گمراہی کے راستے پر چل نکلتا ہے۔

ہم نے اپنے بعض رسائل میں اس شیطانی دسیسہ کاری کی ماہیت کے بارے میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک بالکل بے بُنیاد چیز ہے۔ یہاں اس کے بارے میں ایک اجمالی سی بات کرتے ہیں۔

جس طرح آئینے میں پائی جانے والی سانپ کی تصویر ڈستی نہیں، اُس میں پائے جانے والا آگ کا عکس جلاتا نہیں اور مردے کا عکس آلودہ نہیں کرتا، اسی طرح فکر و خیال کے آئینے میں پائے جانے والے شرک و کفریات کے عکس، گمراہی کے سائے اور خبیث اور شناعت بھرے اقوال کے خیالات نہ اعتقاد کو خراب کرتے ہیں، نہ ایمان میں تغیّر ڈالتے ہیں اور نہ احترام کے آداب میں رخنہ ڈالتے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طے شدہ قاعدہ ہے کہ: **''گالی کا خیال کرنا گالی نہیں ہوتا، کفر کا خیال کفر نہیں ہوتا اور گمراہی کا تصوّر گمراہی نہیں ہوتا ہے''۔**

رہا ایمان میں شک کا مسئلہ، تو اِمکان ذاتی سے جنم لینے ولاے احتمالات نہ تو اس یقین کے منافی ہیں اور نہ ہی اُسے خراب کرتے ہیں؛ کیونکہ علم اصولِ دین کا ایک مقررہ قاعدہ ہے کہ: ''وَانَّ الاِمْکَانَ الذَّاتِی لَا یُنَافِی الْیَقِیْنَ العِلْمِی''۔ ''اِمکانِ ذاتی علمی یقین کے منافی نہیں''

مثال کے طور پر:

ہمیں اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ ''بارلا'' کی یہ جھیل پانی کی صورت میں اپنی جگہ پر موجود ہے، اس کے باوجود

Marfat.com

اِس کے بارے میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ وہ اِسی لمحے میں سوکھ گئی ہو۔اور اس کا ذاتی طور پر سوکھ جانا ممکنات میں سے ہے لیکن یہ اِمکانِ ذاتی چونکہ کسی علامت سے پیدا نہیں ہوا ہے اِس لیے یہ ''امکانِ ذہنی'' نہیں ہوگا کہ شک کا رُوپ دھار سکے؛ کیونکہ علم اصولِ دین کا ایک مقررہ قاعدہ ہے کہ: ''لا عبرة للاحتمال غیر الناشیء عن دلیل''۔مطلب یہ کہ ایک ذاتی احتمال جو کہ کسی علامت یا دلیل سے نہیں ابھرا ہے، وہ امکانِ ذہنی'' نہیں ہوتا کہ کوئی شک شبہ پیدا کر سکے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہوتی ہے۔

پس اس شیطانی مکروفریب کا مارا ہوا مسکین انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اِن جیسے ذاتی امکانات کی وجہ سے ایمانی حقائق کے بارے میں اپنا یقین گنوا بیٹھے گا، مثال کے طور پر: اُس کے دل میں رسالت مآب ﷺ کی بشریت والے پہلو کے بارے میں بہت سے ذاتی امکانات وارد ہوتے ہیں، اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب خواطر و خیالات اس کے ایمان و یقین کی پختگی میں خلل انداز نہیں ہو سکتے ہیں۔لیکن وہ چونکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ نقصان دہ ہیں، اس لیے نقصان اُٹھاتا ہے۔

اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان کے دل کو اوپر سے چُھو کر اُسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ یاد کرا دیتا ہے، تب انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُس کے دل میں فساد آ گیا ہے جو اس طرح کی باتوں کی جولاں گاہ بن گیا ہے چنانچہ وہ کانپ اٹھتا ہے، حالانکہ اس کا کانپ اٹھنا، خوفزدہ ہو جانا اور اُس کا اِس حالت کو پسند نہ کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اقوال اُس کے دل سے نہیں بلکہ شیطان کے دل کو چھو جانے کی وجہ سے صادر ہو رہے ہیں، یا یہ شیطان کی طرف سے یاد دلائے جاتے ہیں اور خیال میں ڈالے جاتے ہیں۔

اسی طرح انسان کے لطائف کے مابین ایک یا دو لطیفے ہیں_جن کی میں تشخیص نہیں کر سکا_یہ دونوں لطیفے اختیار و ارادہ کی طرف بالکل کان نہیں دھرتے ہیں، بلکہ یہ تکلیف یا مسئوولیت کی ماتحتی میں بھی نہیں آتے ہیں، چنانچہ یہ دونوں کبھی کبھار زبردستی اپنی رائے نافذ کر دیتے ہیں اور حق کی آواز ان سنی کر کے غلط معاملات میں جا گرتے ہیں، تب شیطان اس فریب خوردہ انسان کے دل میں یہ چیز ڈالتا ہے کہ: تیری استعداد چونکہ حق اور ایمان کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے اِس لیے تو بے اختیار اس طرح سے باطل اُمور میں جا گرتا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ تیری تقدیر نے تیرے بارے میں بدبختی کا فیصلہ کر دیا ہے۔اور یوں یہ بے چارہ مسکین آدمی ناامیدی کے گھاٹ جا اترتا ہے اور خطرناک راستے پر چل نکلتا ہے۔

پس شیطان کی پہلی دسیسہ کاری کے مقابلے میں ایک صاحبِ ایمان آدمی کی پناہ گاہ ایمانی حقائق اور قرآنی محکمات ہیں جن کی حدود و قیود کا تعین محققین اصفیاء کے دساتیر کے مطابق ہو چکا ہے۔

اور دوسری دسیسہ کاری کے مقابلے میں ایک صاحبِ ایمان آدمی کی پناہ گاہ تعوّذ ہے، اور مزید یہ کہ اس کی مکاری و دسیسہ کاری کو بالکل اہمیت نہ دی جائے؛ کیونکہ یہ چیز ہی ایسی ہے کہ اسے اہمیت دی جائے تو یہ نگاہوں کا مرکز بن جاتی

Marfat.com

ہے۔اور یوں یہ بڑی ہوتی جاتی اور پھولتی جاتی ہیں۔

اور مومن کے ان معنوی زخموں کا تریاق اور شافی علاج سنت نبوی ہے۔علی صاحبها التحية و السلام۔

ساتواں اشارہ

سوال: ائمۂ معتزلہ نے چونکہ شرّ کی ایجاد کو شرّ گردانا ہے، اس لیے وہ کفر وضلالت کی تخلیق کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کرتے ہیں۔گویا کہ وہ اپنی اس روش سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اور اس طرح گمراہی کے راستے پر چل نکلتے ہیں، اس زعم میں مبتلا ہو کر کہ ''بشر اپنے افعال کا خود خالق ہے''۔اِسی طرح وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جو صاحبِ ایمان آدمی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کا ایمان زائل ہو جاتا ہے، کیونکہ ایمان باللہ اور جہنم کی تصدیق دونوں اس طرح کے کبیرہ گناہ کے ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے، اس طرح کہ جو انسان دنیا کے عارضی قید خانے سے ڈرتا ہوا خود کو ہر ایسے کام سے بچاتا اور دور رکھتا ہے جس سے قانون کی مخالفت ہوتی ہو، ایسا آدمی جب کبائر کا اس انداز سے ارتکاب کرے گا جس سے پتا چلتا ہو کہ اس آدمی کو نہ جہنم کے ابدی عذاب کی پرواہ ہے نہ خالق کے غضب کی۔تو یہ چیز اُس کے عدمِ ایمان کی قطعی دلیل ہوگی۔

الجواب:

سوال کی پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ شر کی تخلیق شرّ نہیں بلکہ شر کا کسب و اکتساب شرّ ہے، جیسے کہ اس چیز کی وضاحت ''رسالۂ تقدیر'' میں کر دی گئی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ خلق و ایجاد کی نظر تمام نتائج پر ہوتی ہے۔اور شر کا وجود کبھی بہت سے بہتر نتائج کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس لیے اُس شرّ کی ایجاد خیر ہوتی ہے اور نتیجے کے اعتبار سے وہ خیر کے حکم میں آ جاتی ہے۔

مثال کے طور پر: آگ سو طرح کے اچھے نتائج کی حامل ہے، لیکن بعض لوگوں نے اپنے سُوئے اختیار کی وجہ سے اس آگ کو شرّ بنا دیا ہے۔اب انہیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ: آگ کی ایجاد شرّ ہے۔

اسی طرح شیاطین کی تخلیق کے بہت سے پُر حکمت نتائج ہیں، مثال کے طور پر انسانی ترقیاں جیسے کہ انسانی ترقیات ہیں۔اب اگر کوئی اپنے بُرے اختیار اور غلط اکتساب سے شیاطین کے ہتھے چڑھ جائے تو اُسے یہ بات کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ: ''شیطان کی تخلیق شرّ ہے''۔بلکہ اُس نے اُسے شرّ اپنے کسب سے بنایا ہے۔

جی ہاں! کسب و اکتساب چونکہ جزوی طور پر کسی بھی کام کو براہِ راست خود کرنے کا نام ہے، اِس لیے وہ کسی خاص اور معین شر کے نتیجے کا مظہر بن جاتا ہے اب اِس جہت سے کسبِ شرّ، شرّ بن جاتا ہے۔لیکن ایجاد چونکہ عمومی نتائج کو دیکھتی ہے اس لیے شرّ کی ایجاد شر نہیں بلکہ خیر ہے۔

اب معتزلہ چونکہ اس راز کو سمجھ نہیں سکے، اس لیے انہوں نے یہ کہہ دیا کہ: شر کو پیدا کرنا شرّ ہے اور بدصورت چیز کو ایجاد کرنا بدصورتی ہے۔بنابریں انہوں نے اللہ کی تقدیس کرنے کے لیے برائی کی ایجاد کو اُس کی طرف منسوب نہیں کیا

Marfat.com

جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہوگئے اور ایمان کے ایک اہم رُکن "ایمان بالقدر خیرہ و شرہ" کی تاویل کا ارتکاب کر بیٹھے۔

رہی دوسری شق، یعنی اُن کا یہ سوال کہ مرتکبِ کبیرہ مومن کیسے رہ سکتا ہے؟ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ:

اوّلاً: سابقہ اشارات میں اُن کی اِس فاش غلطی کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہے، اِس لیے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

ثانیاً: انسان کا نفس نقد اور حاضر لذت کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک گرام کو ادھار اور غائب کے ایک کلو پر ترجیح دیتا ہے، اسی طرح حاضر کے ایک طمانچے سے مستقبل کے ایک سال کے عذاب سے زیادہ خوف کھاتا ہے، اسی طرح جب انسان کے جذبات اس پر غالب آجائیں تو پھر وہ عقل کے فیصلوں پر کان نہیں لگاتے ہیں، بلکہ اُس وقت انسان مکمل طور پر اپنے ہوائے نفس اور وہم وگمان کے کنٹرول میں ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک کمترین اور بے قیمت حاضر چیز کو مستقبل میں حاصل ہونے والے عظیم ثواب پر ترجیح دیتا ہے، اور حاضر کے معمولی سے دباؤ اور ظلم وستم سے مستقبل میں پیش آنے والے عذاب کی بہ نسبت کہیں زیادہ احتراز کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہم، حرص وہوا اور جذبات آگے کی طرف نہیں دیکھتے ہیں، بلکہ آگے کو مانتے ہی نہیں ہیں۔ اور پھر جب نفس اُن کی معاونت کرتا ہے تو پھر عقل وقلب جو کہ محلِ ایمان ہیں، خاموش ہو جاتے ہیں، بلکہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔

اس سے پتا چلا کہ کبائر ایمان کے فقدان کی وجہ سے سرزد نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ان کا اصل سر جذبات، ہوس اور وہم کے ہاتھوں عقل وقلب کا مغلوب ہو جانا ہے۔ اسی طرح سیئات وشہوات کا راستہ چونکہ تخریب وتباہی کی وجہ سے نہایت آسان ہے، جیسے کہ سابقہ اشارات سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ اس لیے جنی اور انسانی شیطان انسان کو فوراً کھینچ کر اِس راستے پر لگا دیتا ہے۔

اور یہ بات بڑی مُوجبِ حیرت ہے کہ کچھ ضعیف ونادار قسم کے لوگ شیطان کے نقشِ پا کی پیروی کرتے ہیں اس فانی دنیا کی مچھر کے پر جتنی زوال پذیر لذت کو اُس عالمِ باقی کی اُن لذات پر ترجیح دیتے ہیں جو کہ اُس کی اِس تمام فانی دنیا کے برابر ہیں۔ اور یوں وہ شیطان کے نقشِ پا پر چل نکلتے ہیں، جبکہ اُس عالم بقا کا مچھر کے پر جتنا ابدی نُور نصِ حدیث کی رُو سے اس دنیا کی اُن تمام لذتوں اور نعمتوں پر فوقیت رکھتا ہے جنہیں انسان اپنی تمام عمر میں حاصل کرتا ہے۔

یہی وہ راز ہیں جن کے پیشِ نظر قرآن اہلِ ایمان کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے برائی سے دور رکھتا ہے اور تکرار واصرار کے ساتھ ترغیب وترہیب کا اعادہ کر کے انہیں بھلائی کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے ان شدید اور مکرّر ارشادات نے ایک دور میں میرے ذہن میں یہ سوچ پیدا کر دی تھی کہ: اتنی زیادہ مقدار میں وارد ہونے والی دائمی تذکیرات وتنبیہات اس بات کی دلیل ہیں کہ مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش تھی! وہ

Marfat.com

حقیقت سے ہمکنار نہیں تھے! اور پھر یہ بار بار کی تنبیہات ایک ایسی حالت کی نشاندہی کرتی ہیں، جو کہ شرفِ انسانیت کے ساتھ میل نہیں کھاتی ہے!!!! اس کی وجہ یہ ہے ماٗ مور کے لیے اطاعت کرنے کے لیے آمر کی طرف سے ایک امر ہی کافی ہوتا ہے، جب اُسی ایک امر کو دس بار دہرا دیا جائے تو ماٗ مور بہت زیادہ تنگ دل ہوتا ہے اور کہتا ہے: آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں، حالانکہ میں خیانت کار نہیں ہوں جب قرآنِ حکیم خالص ترین اہلِ ایمان کو اِصرار و تکرار کے ساتھ حکم دیتا ہے۔

یہ سوچ جن دنوں میرے ذہن کو تنگ کر رہی تھی، اُن دنوں میرے ساتھ میرے دو تین مخلص دوست رہ رہے تھے۔ میں انہیں بار بار بیدار کرنا اور یاددہانی کراتا تھا تا کہ کسی انسانی شیطان کی دسیسہ کاریوں سے قریب نہ کھا جائیں، لیکن وہ نہ تو تنگ دل ہوتے تھے اور نہ یہ کہتے تھے کہ: آپ ہم پر الزام لگا رہے ہیں۔ لیکن میں اپنے دل میں کہتا تھا: عین ان لوگوں کو اپنی اِن ہمہ وقت کی تنبیہات کی وجہ سے ناراض کر رہا ہوں! اور اُن کی دوستی، وفاداری اور ثابت قدمی کو مُتّہم کر رہا ہوں! لیکن پھر اچانک مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا جس کا اثبات میں نے پوری وضاحت کے ساتھ سابقہ اشارات میں کر دیا ہے۔ چنانچہ اُس وقت مجھے اس حقیقت کے طفیل معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کے یہ اصرار و تکرار موقع محل کے عین مطابق ہیں، حکیمانہ پہلو پر مشتمل ہیں اور مقتضائے حال کے مطابق ہیں۔ اور ان میں کوئی مبالغہ، اسراف اور تہمت زنی کا پہلو نہیں پایا جاتا ہے۔ اور یہ عین حکمت اور خالص بلاغت ہیں۔ اور مجھ پر اس راز کا بھی انکشاف ہوا کہ میرے خالص دوست میری بار بار کی تنبیہات سے تنگ کیوں نہیں پڑے!

اور اس حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

شیاطین چونکہ کھینچ ہانک کر تخریب و تباہی کی طرف لے جاتے ہیں، اِس لیے قلیل عمل کے ذریعے بہت سے شر و رد نقصانات برپا کر دیتے ہیں۔ اس لیے حق و ہدایت کی راہ کے مسافروں کو بہت زیادہ احتیاط، بچاؤ، مکرّر تنبیہات اور بہت زیادہ معاونت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی احتیاج کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے لیے اپنے ایک ہزار ایک ناموں کے ساتھ باصرار و تکرار اپنا تعاون بھیجتا ہے۔ اور رحمت کے ہزاروں ہاتھوں کے ساتھ اُن کی مدد کرتا ہے۔ اس لیے اپنے اس اصرار و تکرار والے انداز کے ساتھ وہ ان کی عزت آبرو پر حرف نہیں آنے دیتا ہے بلکہ اسے بچاتا ہے۔ اور اس سے انسان کی قدر و قیمت میں کمی نہیں کرتا ہے بلکہ شیطان کے شرّ کو بڑا کر کے دکھاتا ہے۔

اس لیے اے اہلِ حق و اہلِ ہدایت!

جن و انسان کے شیطان کی جن دسیسہ کاریوں کا ذکر ہوا ہے، ان سے نجات کا وسیلہ یہ ہے کہ: ہم اہلِ حق یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کو اپنا مرکز و محور بنالیں، اور یہ کہ ہم قرآنِ معجز بیان کی مُحکم آیات کے قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ اور یہ کہ ہم سنت نبوی کو اپنا راہبر و راہنما بنالیں۔ اور یوں ہم سلامتی پالیں گے۔

Marfat.com

آٹھواں اشارہ

سوال: آپ نے سابقہ اشارات میں یہ ثابت کیا ہے کہ راہِ ضلالت چونکہ آسان، تخریب اور تجاوز ہے اس لیے اکثر لوگ اس میں چل پڑتے ہیں۔ جبکہ آپ نے تمام رسائل میں قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ کفر و ضلالت کا راستہ اتنا مشکل اور دشوار گزار ہے کہ کسی کو اُس میں داخل ہی نہیں ہونا چاہیے تھا، اور یہ چلنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اور یہ کہ ایمان و ہدایت کا راستہ اتنا آسان اور واضح ہے کہ اس میں ہر ایک کا چلنا ضروری تھا؟

الجواب:

کفر و ضلالت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ قِسم عملی اور فرعی ہونے کے ساتھ ساتھ احکامِ ایمان کی نفی اور انکار سے عبارت ہے، پس گمراہی کا یہ پہلو آسان ہے، عدمِ قبولِ حق ہے، ترک و عدم ہے اور عدم قبول ہے۔ رسائلِ نور میں جس راستے پر چلنا آسان کہا گیا ہے وہ یہی ہے۔

دوسری قسم: یہ عملی اور فرعی نہیں بلکہ اعتقادی اور فکری حکم ہے۔ یہ صرف ایمان کی نفی ہی نہیں، بلکہ یہ ایمان کے اُلٹ چلنے اور اِس اُلٹی سمت میں راستہ کھولنے کا نام ہے۔ اور یہ باطل کو قبول کرنا اور ناحق کا اثبات کرنا ہے۔ اور یہ قِسم ایمان کی نفی اور نقیض ہی نہیں ہے بلکہ ایمان کی ضد ہے۔ یہ عدم قبول کا نام نہیں کہ آسان ہو، بلکہ یہ قبولِ عدم یعنی عدم کو قبول کرنے کا نام ہے۔ اور اِس کی تکمیل عدم کے اِثبات پر موقوف ہے اور عدم کا اثبات قطعاً آسان نہیں ہے؛ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ: ''العدم لا یُثبت''۔

پس کفر و ضلالت کی یہی وہ قسم ہے جس کے بارے میں تمام رسائل میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ درجۂ امتناع کی حد تک مشکل اور دشوار ہے، یعنی اس حد تک کہ جو ذرہ برابر شعور کا مالک ہے اس کے لیے اس راستے میں نہ چلنا لازم ہو جاتا ہے۔

پھر رسائل میں اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اس راستے میں اتنے ہولناک آلام و مصائب اور گلوگیر تاریکیاں ہیں کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی عقل ہوگی وہ اس میں قدم نہیں رکھے گا۔ جیسے کہ رسائل میں قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ:

اس مشکل، دشوار گزار، پُر پیچ، تاریک اور المناک راستے میں اتنے زیادہ لوگ کیوں چلتے ہیں؟۔

الجواب:

Marfat.com

وہ اس میں گر چکے ہیں، چنانچہ اب وہ اُس سے نکل نہیں سکتے، پھر یہ بھی ہے کہ انسان میں پائی جانے والی نباتی اور حیوانی قوتیں عاقبت کو نہ تو دیکھتی ہیں اور نہ اُس کے بارے فکر کرتی ہیں۔ اور یہ انسانی لطائف پر غالب آجاتی ہیں، اس لیے اُس راستے سے باہر نہیں آنا چاہتیں، اور موجودہ وقتی اور فانی لذت سے آسودہ اور مطمئن رہتی ہیں۔

سوال

اگر یہ کہا جائے کہ: ضلالت میں اتنا دُکھ اور ہیبت ناک خوف پایا جاتا ہے کہ کسی کافر کو تو زندہ ہی نہیں رہنا چاہیے چہ جائیکہ وہ زندگی سے لذت یاب ہو سکے؛ کیونکہ ایک ایسا انسان جو انسان ہونے کے ناطے بہت سی اشیاء کا مشتاق ہو اور زندگی کا عاشق ہو لیکن اپنے کفر کی وجہ سے یہ سمجھتا ہو کہ اُس کی موت عدم اور ابدی فراق ہے۔ اور یہ منظر وہ ہمیشہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہو کہ موجودات اور اُس کے تمام دوست احباب و محبوبات زوال کی صورت میں ابدی عدم اور ابدی فراق کے گھاٹ اترتے جا رہے ہیں۔ ایسا آدمی زندگی کیسے گزار سکتا ہے اور زندگی سے لذت یاب کیسے ہو سکتا ہے؟

الجواب:

وہ ایک عجیب و غریب شیطانی مغالطے کی وجہ سے خود فریبی کی حالت میں زندگی گزارتا ہے، اور بزعمِ خویش ایک ظاہری قسم کی لذت سے بہرہ یاب رہتا ہے۔ اس مغالطے کی ماہیت کی طرف ہم ایک مشہور مثل کے ذریعے اشارہ کرتے ہیں:

کہتے ہیں کہ: شتر مرغ سے کسی نے کہا: تو اُڑتا کیوں نہیں، حالانکہ تیرے پر ہیں؟ تو اُس نے اپنے پر سمیٹ کر کہا: میں پرندہ نہیں ہوں، میں تو اُونٹ ہوں۔ اور نہ اُڑا اور شکاری کے جال میں آ گیا۔ پھر اُس نے اپنا سر ریت میں چھپا لیا تاکہ شکاری اسے نہ دیکھ سکے جبکہ اس نے اپنا ضخیم جسم شکاری کے لیے باہر رہنے دیا، چنانچہ شکاری نے اُسے نشانہ بنا لیا۔

پھر اُنہوں نے اسے کہا اگر تو کہتا ہے کہ میں اُونٹ ہوں تو پھر بوجھ اُٹھا۔ تب اُس نے اپنے پَر کھول کر پھیلا دیے اور کہا: میں پرندہ ہوں اور یوں باربرداری کی مشقت سے بھی بچ گیا اور نتیجتاً وہ بے یار و مددگار ہو کر شکاریوں کا ہدف بن کر رہ گیا۔

کافر کی صورتحال بھی بعینہٖ اسی طرح کی ہے، اور وہ اس طرح کہ وہ قرآن کے سماوی اعلانات و تنبیہات کے مقابلے میں کفرِ مطلق سے تو پیچھے ہٹ گیا لیکن کفرِ مشکوک کی دلدل میں جا گرا۔ اُسے جب یہ کہا جائے کہ: تجھے جب اس بات کا یقین ہے کہ موت اور زوال ابدی طور پر معدوم ہو جانے کا نام ہے تو پھر یہ بتا کہ جس آدمی کو ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے پھانسی کا پھندا لٹکتا ہوا نظر آ رہا ہو وہ عیش و آرام کے ساتھ زندگی سے لذت یاب کیسے ہو سکتا ہے؟ تو وہ قرآن کی عمومی رحمت اور اس کے ہمہ گیر نور سے پائے ہوئے اپنے حصے کی بنا پر کہتا ہے: نہیں، موت معدوم ہو جانے کا نام تو نہیں، بلکہ

Marfat.com

موت کے بعد بقا کا احتمال موجود ہے۔ یا پھر شتر مرغ کی طرح اپنا سر غفلت کی ریت میں چھپا لیتا ہے تاکہ اجل اُس کی طرف دھیان نہ دے، قبر اُسے دیکھ نہ پائے اور اشیاء کی زوال پذیری اسے اپنے تیر کا نشانہ نہ بنا سکے!۔

حاصل یہ ہے کہ وہ جب اِس کفرِ مشکوک کی وساطت سے موت و زوال کا مطلب معدوم ہو جانا سمجھتا ہے تو قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتابیں اُسے بقا و دوام کے احتمال کی قطعی خبریں دیتی ہیں، تب یہ کافر اِس احتمال کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور شتر مُرغ کی طرح اپنے آپ پر اس خوفناک دکھ کا بوجھ نہیں آنے دیتا ہے۔ اب اِس صورتِ حال میں جب اُسے کہا جائے کہ اگر بالآخر اُس عالمِ باقی کی طرف ہی چلے جانا ہے تو پھر اُس عالم میں حسنِ عیش کے لیے دینی احکام و تکلیفات کی مشقت جھیلنا بہت ضروری ہے، تب وہ آدمی کفر کے شک کی جہت سے کہتا ہے: ہو سکتا ہے وہ عالم موجود ہی نہ ہو! اس لیے میں معدوم کی خاطر عمل کیوں کروں؟ مطلب یہ کہ: وہ جب قرآنی حکم سے جنم لینے والے بقا کے احتمال کی جہت سے ابدی طور پر معدوم ہو جانے کے آلام سے نجات پاتا ہے تو پھر دینی تکالیف کی مشقت اُس کا سامنا کرتی ہے، تب وہ ان تکالیف کے مقابلے میں کفر کے احتمال کا دامن پکڑ لیتا ہے اور کفرِ مشکوک سے جنم لینے والے عدم کے احتمال کی رُو سے اِس مشقت سے دامن بچا لیتا ہے۔

تو گویا کہ وہ _ اِس نقطے کی رُو سے _ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس دنیا میں ایک مومن کے مقابلے میں کہیں زیادہ لذت گیر ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ _ بزعمِ خویش _ اس کفری احتمال کی بنا پر دینی تکالیف کی مشقت سے جان چھڑا لیتا ہے، اور عین اُسی وقت ایمانی احتمال کی بنا پر اپنی کمر کو ابدی آلام کے بوجھ سے آزاد کرا لیتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شیطانی مغالطہ بالکل سطحی اور بے فائدہ وقتی سا ہے۔

اِس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ قرآن حکیم کے دامن میں کفّار کے لیے بھی ایک قسم کی رحمت پائی جاتی ہے، اور وہ اِس دنیاوی زندگی کو اُن کے لیے _ کسی حد تک _ جہنم نہیں بننے دیتا ہے، اور وہ اس طرح کہ وہ ان کافروں کو ایک طرح کا شک عطا کر دیتا ہے، چنانچہ وہ شک کے سہارے زندگی گزارتے ہیں، وگرنہ وہ معنوی جہنم کے ایسے عذاب سے دوچار ہوتے جو اِسی دنیا میں اُخروی جہنم کی یاد دلا دیتا اور وہ خودکشی پر مجبور ہو جاتے۔

پس اے اہلِ ایمان!

ایمان و اعتماد سے بھرے ہوئے اُس قرآن کی حمایت میں داخل ہو جاؤ جو تمہیں ابدی طور پر معدوم ہو جانے سے اور دنیاوی اور اُخروی جہنم سے بچا رہا ہے۔ اور اسلام و احسان سے مزیّن ہو کر سنت نبوی کے دائرے میں داخل ہو جاؤ اور دنیا کی بدبختی اور آخرت کے عذاب سے خلاصی پا جاؤ۔

Marfat.com

نواں اشارہ

سوال:

کہا جاتا ہے کہ: اہلِ ہدایت جو کہ ''حزبُ اللہ'' ہیں، اور ان کے سرِخیلِ انبیاء ہیں، اور ان انبیاء کے سرخیل فخرِ کائنات ﷺ ہیں، یہ لوگ کئی بار اہلِ ضلالت سے مغلوب کیوں رہے، جو کہ حزبُ الشیطان ہیں؟ حالانکہ اہلِ ایمان رحمتِ الٰہی اور امدادِ سبحانی سے بہرہ ور رہے۔

مزید یہ کہ مدینہ کے منافقین جو کہ خاتم الا نبیاء کی نبوّت کے قریب اور آپ ﷺ کی سورج کی طرح تابناک رسالت کے ہمسائے میں، آپ ﷺ کے اکسیرِ اعظم کی طرح مؤثر اعجازُ القرآن کے پہلو میں اور، کائنات کی عمومی قوّتِ جاذبہ سے زیادہ کشش رکھنے والے قرآنی حقائق کے ہمسائے میں تھے، یہ لوگ گمراہی پر اڑے کیوں رہے اور ہدایت میں داخل کیوں نہ ہوئے؟ اور اس میں حکمت کیا تھی؟

الجواب:

دو پہلوؤں پر مشتمل اس بھیانک اور خوفناک سوال کو حل کرنے کے لیے ایک گہری بنیاد کی وضاحت کرنا ضروری ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ:

اس کائنات کے خالقِ ذوالجلال کے دو طرح کے اسمائے گرامی ہیں: جمالی اور جلالی۔ اور یہ جمالی اور جلالی اسمائے گرامی دونوں ہی مختلف تجلیات کے ذریعے اپنے احکام کے اظہار کا تقاضا کرتے ہیں اِسی وجہ سے خالقِ ذوالجلال نے کائنات میں اضداد کو ایک دوسرے میں خلط ملط کر دیا ہے، انہیں ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ دیا ہے، انہیں تدافع اور تجاوُز یعنی دھکم پیل اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی وضع قطع عطا کر دی ہے اور انہیں ایک نفع بخش اور پر حکمت مقابلہ و مبارزت کی صورت میں ڈھال دیا ہے۔ اور یوں اُس نے ایک ضد کو دوسری ضد کی حدود سے متجاوز کر دیا اور یوں ان کے درمیان اختلافات اور تغیّرات رونما کر دیے۔ اور اس طرح اُس نے اِس کائنات کو قانونِ تغیّر وتحوّل اور دستورِ ترقّی وتکمُّل کے تابع بنا دیا۔ اسی چیز کے پیشِ نظر اُس نے نوعِ انسان میں_ جو کہ شجرِ تخلیق کا ایک جامع پھل ہے_ ''قانونِ مبارزت'' رکھ دیا اور ایک ایسی جدوجہد کا دروازہ کھول دیا جو تمام انسانی ترقّیات کا دارومدار ٹھہرے۔ اور حزبُ الشیطان کو کچھ آلات و وسائل بھی عطا کر دیے تا کہ وہ اُن کے ذریعے حزب اللہ کے ساتھ برسرِ مقابلہ رہیں۔ یہی وہ گہرا راز ہے جس کی وجہ سے انبیاء اہلِ ضلالت کے مقابلے میں بسا اوقات مغلوب رہے۔ اور اہلِ ضلالت انتہائی کمزور اور عاجز ہونے کے باوجود اہلِ حق کا مقابلہ کرتے رہے جو کہ معنوی طور پر طاقتور ہیں۔

اس عجیب وغریب مقابلے کا راز اور حکمت یہ ہے کہ: کفر وضلالت میں تھوڑا سا عدم اور ترک پایا جاتا ہے جو کہ حرکت کا

Marfat.com

تقاضا نہیں کرتا، اور پھر اس میں تخریب پائے جانے کی وجہ سے وہ اتنا آسان ہے کہ اسے تھوڑی سی حرکت ہی کافی ہے، اور پھر اس ایک تجاوز پایا جاتا ہے جو کہ تھوڑے سے عمل کے ساتھ بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچا دیتا ہے اور ان تخریب کاروں کو ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں سے وہ لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں اور فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ پھر اسی طرح انسان میں پائی جانے والی نباتی اور حیوانی قوتیں جو کہ عاقبت نا اندیش ہیں اور اشتہا، لذّت اندوزی اور بے لگامی کی وجہ سے وقتی ذائقے پر فدا ہو جاتی ہیں، یہ قوتیں انسان کے عقل و قلب جیسے لطائف کو اُن کے عاقبت اندیش انسانی وظائف سے باز رکھتی ہیں۔

رہے اہل ہدایت_ اور ان کے سرخیل اہلِ نبوت ہیں، اور ان کے سرخیل حبیب رب العالمین ہیں رسولِ اکرم ﷺ ہیں_ تو ان کے قُدسی مسلک بڑی اہم بنیادوں پر کھڑے ہیں، جیسے یہ کہ اُن کا مسلک وجودی ہے، ثبوتی ہے اور تعمیری ہے، اور اُس میں_ حدود میں رہتے ہوئے حرکت اور استقامت ہے اِس میں عاقبت کے بارے میں غور و فکر پایا جاتا ہے، عبودیت ہے، نفسِ امارہ کی بے لگامی کے آگے روک تھام ہے اور اس کی فرعونیت کو توڑنے کا سامان ہے۔ اسی بنا پر مدینہ منورہ میں رہنے والے اس دور کے منافقوں نے اس کی طرف اس چمکتے ہوئے سورج کے سامنے چمگادڑ کی طرح آنکھیں بند کر لی تھیں، چنانچہ انہوں نے اِس جاذبیتِ عظمیٰ کے مقابلے میں شیطانی قوّتِ دافعہ کی اتباع کی اور یوں گمراہی میں پڑے رہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ:

رسولِ کریم ﷺ جب حبیب رب العالمین ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ بھی ہے حق ہے اور جو چیز آپ کی زبان پر ہے حقیقت ہے۔ آپ ﷺ کی فوج کے کچھ سپاہی ملائکہ ہیں، وہ ایک مُدّ پانی سے ایک فوج کو سیراب کر دیتے تھے، وہ گندم کے چار مُد اور بکری کے گوشت سے ایک ہزار لوگوں کی ضیافت کرتے ہیں اور انہیں سیر کرتے ہیں۔ وہ مٹی کی ایک مٹھی لے کر اُسے کافروں کے لشکر کی آنکھوں کی طرف پھینکتے ہیں تو اُس ایک مُٹھی سے ہر کافر کی آنکھ میں مٹی کی مٹھی پڑنے سے کفار کا لشکر شکست کھا جاتا ہے۔ اِس طرح کا ربّانی قائد، اس طرح کے ایک ہزار معجزات کا مالک غزوۂ احد کے آخر میں اور غزوۂ حنین کے آغاز میں کس طرح مغلوب ہو جاتا ہے؟۔

الجواب:

رسول اکرم ﷺ تمام نوعِ بشر کی طرف ایک نمونہ، امام اور رہنما کی حیثیت سے مبعوث کیے گئے ہیں تا کہ یہ نوعِ انسانی اُن سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے دساتیر سیکھے اور حکیم ذُو الکمال کی مشیت کے قوانین کی اطاعت کرنے کے اہل ہو جائیں اور تا کہ وہ اپنی حرکات کو اُس کی حکمت کے دساتیر کے مطابق ڈھال سکیں۔ پس اگر رسالتمآب ﷺ اپنی شخصی

Marfat.com

اور اجتماعی زندگی میں ہمیشہ معجزات وخارقِ عادات پر بھروسا رکھتے تو پھر مطلق امام اور سب سے بڑے مرشد نہ ہوتے۔

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے وہ کبھی کبھار بوقتِ ضرورت فقط اپنے دعوے کی تصدیق کے لیے اور منکرین کے انکار و عناد کی کمر توڑنے کے لیے معجزات کا اظہار کرتے تھے۔ وگرنہ دیگر تمام اُوقات میں وہ سب سے بڑھ کر اللہ کے اوامر کی اطاعت کرتے تھے، جیسے کہ وہ عاداتِ خداوندی کے اُن قوانین کی کسی بھی دوسرے انسان سے زیادہ خیال رکھتے اور اُن کی اطاعت کرتے تھے جن قوانین کی بنیاد میں حکمتِ ربّانیہ اور مشیّتِ سبحانیہ کارفرما ہے۔ چنانچہ وہ دشمنوں سے مقابلے کے وقت زرہ پہنتے تھے، ساتھیوں کو مورچہ بندی کا حکم دیتے تھے، زخمی ہو جاتے تھے اور مشقت اٹھاتے تھے، صرف اس لیے کہ کائنات میں جاری وساری الٰہی حکمت اور فطری شریعت کے قوانینِ کبریٰ کی پاسداری اور اطاعت شعاری کرسکیں۔

دسواں اشارہ

شیطان کی ایک بہت بڑی دسیسہ کاری یہ ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کی ذہن سازی اس طرح سے کردیتا ہے کہ وہ اُس کے وجود کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ ہم اس شیطانی دسیسہ کاری کے ضمن میں کچھ گفتگو کریں گے؛ کیونکہ وہ لوگ جن کے ذہن اس دور میں خاص کر مادی فلسفے کی وجہ سے مکدّر ہو چکے ہیں وہ اِس بدیہی مسئلے میں تردّد کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں:

اوّلاً: جس طرح یہ بات مشاہدے کی رُو سے قطعی طور پر ثابت شدہ ہے کہ لوگوں کے درمیان انسانی جسم میں کچھ خبیث روحیں پائی جاتی ہیں جو کہ شیطان کی ذمہ داری نبھاتی ہیں، اسی طرح یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت شدہ ہے کہ جنوں کی صورت میں کچھ ایسی خبیث روحین پائی جاتی ہیں جن کا جسم نہیں ہے، چنانچہ اگر ان روحوں کو مادی جسم دے دیے جائیں تو وہ بعینہ ان شریر لوگوں کا روپ دھار جائیں۔ اور اگر اِنسان کی صورت میں پائے جانے والے یہ انسانی شیطان اپنے جسم اُتار سکیں تو اُن جنوں کی جنس والے شیطان بن جائیں گے۔

ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی اس شدید مناسبت کے پیشِ نظر ایک باطل مذہب کا یہ نظریہ ہے کہ: ''انسانی صورت میں پائی جانے والی یہ شریر اور خبیث روحیں مرنے کے بعد شیطانوں کا روپ دھار جاتی ہیں''۔

اس بات کا تو سب کو علم ہے کہ کوئی اعلیٰ چیز جب خراب ہوتی ہے تو اس کی خرابی ادنیٰ چیز سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، مثال کے طور پر: دودھ اور دہی جب خراب ہو جائیں گے تو بھی کھانے کے قابل رہ جاتے ہیں، لیکن جب گھی خراب ہوگا تو کھایا نہیں جاسکتا بلکہ کبھی زہر جیسا بھی بن سکتا ہے۔ اسی طرح انسان جو کہ اکرم المخلوقات ہے بلکہ تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے جب خراب ہوگا تو بدترین حیوان بن جائے گا۔ تب وہ برائیوں سے لطف اندوز ہوگا، ضلالت کے کیچڑ سے لت پت ہُوا فاسد اخلاق پر فخر کرے گا اور ظلم کی تاریکیوں میں رہ کر جرائم ونقصانات سے لذت گیر ہوگا، بالکل حشرات الارض اور کیڑوں

Marfat.com

مکوڑوں کی طرح جو کہ متعفن مواد کی بدبو سے لذت لیتے ہیں، اور سانپوں کی طرح جو کہ ڈسنے اور ڈنگ مارنے سے لذت گیر ہوتے ہیں۔ گویا کہ یہ لوگ شیطان کی ماہیت میں داخل ہو کر سراپا شیطان بن جاتے ہیں۔

حاصل یہ کہ: جنّی شیطان کے وجود پر قطعی دلیل انسانی شیطان کا وجود ہے۔

ثانیاً:

روحانی مخلوقات اور ملائکہ کا وجود انتیسویں مقالے میں ایک سو قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے، اور وہ تمام کے تمام دلائل شیاطین کے وجود کا بھی اثبات کرتے ہیں اپنی گفتگو کے اس پہلو کو ہم اُس مقالے کے حوالے کرتے ہیں۔

ثالثاً:

جس طرح ملائکہ کا وجود_ جو کہ کائنات میں بھلے کاموں میں پائے جانے والے قوانین کے نگران اور ترجمان ہیں_ ادیان کے بالاتفاق ثابت ہے، اِسی طرح خبیث شیطانی اَرواح_ جو کہ برے کاموں کی ترجمان اور انہیں براہِ راست سرانجام دینے والی ہیں اور ان امور میں پائے جانے والے قوانین کا دارومدار ہیں_ اِن کا وجود بھی حکمت و حقیقت کی نظر میں قطعی طور پر ثابت ہے۔ بلکہ بُرے کاموں میں کسی ذی شعور مخلوق کی صورت میں حجاب کا وجود بہت لازمی چیز ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر آدمی کے پاس وہ نظرِ رسا نہیں ہے جس سے وہ ہر چیز میں حسنِ حقیقی کا نظارہ کر سکے، جیسے کہ ہم نے "بائیسویں مقالے" کے آغاز میں اس چیز کی وضاحت کی ہے۔ اس لیے خالقِ جلیل نے ظاہری واسطے کو حجاب بنا دیا ہے تا کہ انسان ظاہری شر و نقصان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے، اُس کی رحمت پر تہمت نہ لگائے، اس کی حکمت پر تنقید نہ کرے اور ناحق شکوے نہ کرتا پھرے۔ تا کہ یہ اعتراض، تنقید اور شکوہ ان حجابوں تک محدود رہے اور اُن سے آگے بڑھ کر خالقِ کریم اور حکیم مطلق تک نہ پہنچ پائے۔

جس طرح اُس نے اجل کے لیے بیماریوں کو حجاب بنا دیا ہے تا کہ عزرائیل مرنے والے لوگوں کے غصے ناراضگی سے بچے رہیں، اسی طرح عزرائیل کو روحوں کو قبض کرنے کے لیے حجاب بنا دیا ہے تا کہ اُن شکووں شکایتوں کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو سکے جو اُن حالات سے جنم لیتے ہیں جن کے بارے میں یہ وہم ہوتا ہے کہ ان میں رحمت کا پہلو نہیں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح حکمتِ ربانیہ کا یہ قطعی تقاضا ہوا کہ شیطان کا وجود ہو تا کہ شرور و سیآت سے جنم لینے والے اعتراض و انتقاد کا رُخ خالقِ جلیل کی طرف نہ ہونے پائے۔

رابعاً:

جسطرح انسان چھوٹا سا ایک عالم ہے۔ عالم بھی ایک برا انسان ہے۔ پس یہ چھوٹا انسان اُس بڑے انسان کی فہرست اور اُس کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ انسان میں پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے نمونوں کے منبع و مظہر کا بڑے انسان

Marfat.com

میں پایا جانا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر:

انسان میں پائی جانے والی قوّتِ حافظہ عالم میں پائی جانے والی لوح محفوظ کے وجود کی قطعی دلیل ہے۔ اسی طرح فساد انگیز قوّتِ واہمہ اور اس کے کی ترجمانی کرنے والی شیطانی زبان، اور وسوسے کا وہ آلہ جسے شیطانی حملہ کہا جاتا ہے اور جو قلب انسان کے ایک زاویے میں رکھا ہوا ہے، اور جس کا مشاہدہ ہر انسان اپنے من میں احساس وشعور اور صحیح انداز ے کی صورت میں کرتا ہے، یہ آلہ ایک چھوٹے سے شیطان کا روپ دھار چکا ہے اور ہمیشہ انسان کے ارادہ واختیار کے برعکس و برخلاف حرکت کرتا ہے۔ یہ چیز عالم میں پائے جانے والے بڑے شیاطین کے وجود کی قطعی دلیل ہے۔ اور یہ شیطانی وسوسہ اندازیاں اور قوّتِ واہمہ چونکہ کان اور زبان ہیں، اس لیے ایک شریر قسم کے خارجی شخص کے وجود کا شعور رکھتے ہیں جو زبان کو بُلواتا اور کان میں پھونکتا ہے۔

گیارہواں اشارہ

قرآن کریم اس حقیقت کی معجزانہ تعبیر کرتا ہے کہ کائنات اہلِ ضلالت کی شرّ انگیزی سے غضب ناک ہوتی ہے، کلّی عناصر اُن سے غضب کا اظہار کرتے ہیں اور تمام موجودات خود سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اور یہ حقیقت وہ اس طریقے سے بیان کرتا ہے کہ زمین وآسمان قومِ نوح پر آسمان سے نازل ہونے طوفان کی صورت میں ٹوٹ پڑے تھے، ہوا کا عُنصر قوم عاد وثمود پر اُن کے انکار کی وجہ سے غضب ناک ہو گیا تھا، قوم فرعون پر سمندر اور پانی کا عنصر ہیجان میں آ گیا تھا، قارون پر مٹی کا عنصر غیظ وغضب میں آ گیا تھا، اور ﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ کی رُو سے آخرت میں کفار کے حق میں جہنم غضبناک ہو جائے گی۔ اور یوں قرآن کریم اہلِ ضلالت وعصیان کے خلاف تمام موجودات کے غیظ وغضب میں مبتلا ہو جانے کے بارے میں وضاحت سے بتاتا ہے اور اس معجزانہ انداز اور بھیانک اسلوب سے انہیں زجر وتوبیخ کرتا ہے۔

سوال: بے قیمت لوگوں کے بے قیمت اعمال وافعال اور شخصی گناہ کائنات کو اس طرح غیظ وغضب میں مبتلا کرنے کا سبب کیوں بن جاتے ہیں۔؟

الجواب: کیونکہ کفر وضلالت بدترین اور بھیانک قسم کے تجاوز کا نام ہے، اور ایک ایسا جرم ہے جس کا تعلق تمام موجودات کے ساتھ ہے، جیسے کہ بعض رسائل میں اور سابقہ اشارات میں بیان ہوا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق کائنات کے تمام نتائج میں سے سب سے عظیم نتیجہ یہ ہے کہ انسان الٰہی ربوبیت کے بالمقابل عبودیّت، اطاعت اور ایمان کا مظاہرہ کرے۔ جبکہ اہل کفر وضلالت کفر میں پائے جانے والے انکار کی وجہ سے اُس نتیجۂ عُظمیٰ کو رد کرتے ہیں جو کہ موجودات کی علّتِ غائی اور اُن کی بقا کا سبب ہے۔ پس ان کی یہ روش یقیناً عمومی مخلوقات کے حقوق پر ایک قسم کی زیادتی ہوگی۔

اسی طرح اُن کا اَسمائے الٰہیہ کی اُن تجلیات کا انکار کرنا جو مصنوعات کے آئینے ہونے کی جہت سے ان مصنوعات کی

Marfat.com

قدروقیمت میں اضافہ کرتی ہیں،اوران تمام مصنوعات کے آئینوں میں اُن اسماء کی تجلیات جھلملا رہی ہیں،اُن کا یہ انکار اُن اسمائے قدسیہ کی توہین وتحقیر ہوگی،اوران کی قیمت گرادینے کی وجہ سے ان کی انتہائی تحقیر وتذلیل ہوگی۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ جتنی بھی موجودات ومخلوقات ہیں،ان میں سے ہرایک کو ایک بڑی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے،اوران میں سے ہرایک ربّانی مأمور وموظف اور ملازم ہونے کے باوجود کفروانکار اُس چیز کی قدروقیمت کو گرادیتا ہے،اوراسے ایک فانی جامد اور بے معنی مخلوقات کی تحقیر واہانت کے مترادف ہوگی۔

تواِس سے پتا چلا کہ گمراہی کی تمام انواع واقسام کائنات کی تخلیق میں پائی جانے والی ربّانی حکمت اور بقائے عالم میں پنہاں سبحانی مقاصد کے لیے نقصان دہ ہیں،البتہ اُن کے نقصانات میں اُن کے درجات کے حساب سے کمی بیشی ضرور ہے۔اسی وجہ سے کائنات اہلِ عصیاں وضلالت پر غیظ وغضب کا اظہار کرتی ہے،موجودات ان پر برہم ہوتی ہیں،اور مخلوقات اُن کی روش سے سکڑتی اور تنگ پڑتی ہیں۔

پس اے چھوٹے سے جسم وجثے والے اور بہت بڑے جُرم وظلم اور عیب وگناہ کے مالک عاجز ودرماندہ انسان!

اگر تو کائنات کے غیظ وغضب،مخلوقات کے ہیجان ونفرت اور موجودات کی برہمی وناراضگی سے خلاصی پانا چاہتا ہے تو پھر یادرکھ کہ اس سے خلاصی پانے کا وسیلہ قرآن حکیم کے قدسی دائرے میں داخل ہونا اور سنت نبوی کی پیروی ہے،اس لیے داخل ہوجا اور پیروی کر۔

بارھواں اِشارہ

چارسوال اور جواب

پہلا سوال:

چھوٹی سی محدود زندگی میں چند گنتی کے گناہوں کی پاداش میں غیر محدود عذاب اور لاانتہا جہنم۔اس میں عدل کا پہلو کہاں ہے۔؟

الجواب:

سابقہ اشارات میں اور خاص کر اس سے پہلے والے گیارھویں اشارے میں اس بات کا قطعی علم ہو چکا ہے کہ کفروضلالت کا جرم ایک ایسا جرم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں،اور بے شمار حقوق پر تجاوُز اور زیادتی ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا سوال:

شریعت میں یہ کہا گیا ہے کہ:جہنم عمل کی سزا ہے،لیکن جنت فضلِ الٰہی ہے۔اس میں کیا راز اور حکمت ہے؟۔

الجواب:

Marfat.com

سابقہ اشارات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ: انسان ایک بے ایجاد جزو اختیاری کے ساتھ اور ایک جزوی کسب کے ساتھ کسی عدمی امر کو شکل وصورت دینے سے یا کسی فرضی امر کو ثابت کرنے سے بہت سی تخریب کاریوں اور ہولناک برائیوں کا سبب بنتا ہے۔ اس کا نفس اور اس کی حرص و ہوا ہمیشہ شرّ و نقصان کی طرف میلان رکھتے ہیں، اِسی وجہ سے وہ انسان اُس چھوٹے سے کسب کے نتیجے سے حاصل ہونے والی سیئآت کی ذمہ داری اٹھاتا ہے؛ کیونکہ اُس کے نفس نے اُسے طلب کیا ہے اور وہی اس کا سبب بنا ہے۔ اور شرّ چونکہ ایک عدمی چیز ہے، اس لیے بندہ اس کا فاعل بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے تو اُسے صرف پیدا کیا ہے، اس لیے وہ اِس غیر محدود جرم کی ذمہ داری کی بنا پر غیر محدود عذاب کا حق دار بنا۔

رہیں حسنات وخیرات، تو وہ چونکہ وجودی ہیں، اِس لیے انسان کا جزوی کسب واختیار اُس کی عِلّتِ موجدہ نہیں ہوگا، اور اس بنا پر وہ اس کا فاعلِ حقیقی بھی نہیں ہوگا۔ اور اس کا نفسِ امارہ حسنات کی طرف مائل ہے بلکہ رحمت الٰہیہ اس کا تقاضا کرتی ہے اور قدرتِ ربانیہ اُسے ایجاد کرتی ہے، انسان تو صرف ایمان، طلب ورغبت اور نیت کی وجہ سے اُن کا مالک بنتا ہے، لیکن اُن کا مالک بننے کے بعد خود یہ حسنات ہی وجود اور ایمان جیسی اُن سابقہ غیر محدود نعمت ہائے الٰہیہ کا شکرانہ بن جاتی ہیں۔ رہی جنت جو اُسے وعدۂ الٰہی کے مطابق عطا کی جائے گی، تو وہ محض فضل اِلٰہی سے ملے گی۔ اور یہ چیز بظاہر تو مکافاتِ عمل ہے لیکن حقیقت میں فضل ہے۔

تو اس سے پتا چلا کہ سیئات کا سبب نفس انسانی ہے، اس لیے بدلے کا مستحق بھی وہی ہے، لیکن حسنات میں سبب اور علت چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور انسان فقط ایمان کی بدولت ان کا مالک بنتا ہے، اس لیے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ: میں ثواب ومکافات چاہتا ہوں، بلکہ صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ: میں اس کے فضل وکرم کا امیدوار ہوں۔

تیسرا سوال:

سابقہ بیانات سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ سیئآت متعدد ہو جاتی ہیں اور پھیل جاتی ہیں، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ ایک بدی کو ایک ہزار برائی کے برابر لکھا جاتا، لیکن نیکی چونکہ متعدد نہیں ہوتی، انسان کی ایجاد سے اور نفس کی طلب ورغبت سے وجود میں نہیں آتی اس لیے یہ ضروری تھا کہ اُسے یا تو لکھا ہی نہ جاتا، یا پھر ایک کو ایک ہی لکھا جاتا! جبکہ ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ ایک نیکی کو دس اور کبھی ایک ہزار کی تعداد میں لکھا جاتا ہے!

الجواب:

اللہ تعالیٰ اس پہلو سے اپنے کمالِ رحمت اور جمالِ رحیمیّت کو ظاہر کرتا ہے۔

چوتھا سوال:

اہلِ ضلالت جو کہ توفیق سے ہمکنار ہو جاتے ہیں، اور وہ قوّت جس کا وہ اظہار کرتے ہیں، اور اہلِ حق پر غالب

Marfat.com

آ جاتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کی بنیاد میں کوئی قوّت اور حقیقت ضرور پائی جاتی ہے۔ اب باتیں دو ہی ہیں: یا تو اہلِ ہدایت میں کمزوری و بزدلی ہے، اور یا پھر اہلِ ضلالت میں حقیقت پائی جاتی ہے۔!

الجواب:

ایسا ہرگز نہیں ہے، نہ تو اُن کی بنیاد میں کوئی حقیقت ہے، اور نہ اہلِ حقیقت میں کوئی کمزوری و بُزدلی ہے۔ بس اتنا ہے کہ بعض کوتاہ نظر اور سادہ لوح عوام جن کے پاس محاکے کا اور جانچنے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہوتا ہے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ تردّد میں گرفتار اور وسوسے کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے عقیدے میں خلل آ جاتا ہے؛ کیونکہ وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں: اہلِ حق میں اگر کامل طور پر حق وحقیقت موجود ہوتے تو ضروری تھا کہ اُن کی مغلوبیت اور ذلّت اس حد تک نہ پہنچتی؛ کیونکہ حقیقت قوی ہوتی ہے اور قوّت حق میں ہوتی ہے۔ اور بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ: ''الحَقُّ یَعلُو ولا یُعلیٰ علیہ'' اس لیے اہلِ حق پر غالب آنے والے اہل ضلال کے پاس اگر حقیقی قوّت اور نقطۂ استناد نہ ہوتا تو پھر یہ ضروری تھا کہ انہیں اس حد تک غلبہ اور توفیق بھی نہ ملتی۔!

الجواب:

سابقہ اشارات کی مجموعی ہیئت اس سوال کا جواب ہے؛ کیونکہ سابقہ اشارات میں یہ بات قطعی طور پر ثابت کی جا چکی ہے کہ: اہل ضلال کا غلبہ اُن کی قوت اور اقتدار کی وجہ سے نہیں ہے، اور نہ ہی اس وجہ سے ہے کہ انہیں کوئی نقطۂ استناد یا مرکزِ اعتماد مل گیا ہے۔ اور ان اشاارت میں یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت کر دی گئی ہے کہ: اہلِ حق کی مغلوبیت کا سرچشمہ فقدانِ قوّت یا عدم حقیقیت نہیں ہے۔ یہاں ہم اُن کے بعض اُن ہتھکنڈوں اور ہتھیاروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جنہیں وہ استعمال کرتے ہیں۔

اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ میں نے بذاتِ خود اس بات کا کئی بار مشاہدہ کیا ہے کہ اہلِ فساد کے دس فیصد لوگ اہلِ صلاح کے نوے فیصد لوگوں پر غالب آ جاتے ہیں مجھے اس بات پر حیرت ہوئی۔ میں نے اس بات میں غور کیا تو مجھے قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ: اس قوّت کا سرچشمہ قوّت اور قدرت نہیں، بلکہ قوّت فساد، تخریب کاری کمینگی اہلِ حق کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے، اُن کے درمیان فساد ڈالنے، ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے، ان میں غیظ وغضب کے جذبات پھونک کر، نفسانی احساسات اور شخصی اغراض و مقاصد کو حرکت دے کر انسانی ماہیت میں پائی جانے والی نقصان دہ معدنیات کی کانوں جیسی خبیث استعدادوں اور صلاحیتوں کو کام میں لا کر، نفس کی فرعونیت کو شان وشوکت کے نام پر ریاکاری کی خاطر برانگیختہ کر کے اور ہر شخص کے اُن فسادیوں کی وجدان مخالف تخریب کاریوں سے خوف زدہ ہو جانے کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اس قسم کے شیطانی ہتھکنڈوں اور دسیسہ کاریوں سے وقتی طور پر اہلِ حق پر غالب

Marfat.com

آ جاتے ہیں لیکن ان کا یہ وقتی غلبہ اُن کے جہنم کے، اور اہلِ حق کے جنت کے مستحق ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے اور ''الحَقُّ يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى عَلَيْه'' کے دستور کے مطابق، یہ غلبہ اُن کے لیے سُودمند نہ ہونے کی وجہ سے بالکل بے قیمت ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ طاقت سے محروم کمزور اور غیر مقتدر لوگ گمراہی میں صاحبِ اقتدار نظر آتے ہیں۔ اور بے قیمت لوگ گمراہی میں شہرت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ اِسی بنا پر کچھ اَنا پرست، خود فریب، شہرت پسند اور ریاکار لوگ اہلِ حق کی مخالف صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں، اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کا اظہار کرسکیں_ اگرچہ چھوٹی سی چیز کے ساتھ ہو_، لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور معاشرے میں سنسنی پھیلا کر ان کی توجہ حاصل کرسکیں اور ان کی نگاہوں کا مرکز بن جائیں، اور ان کے کھاتے میں ایسے تخریبی کرتوت ڈال دیے جائیں جن کا ارتکاب انہوں نے اپنی قوت واقتدار کے بل پر نہیں بلکہ ترک وتعطیل کے بل پر کیا ہوتا ہے، اور یوں ان کا ڈھنڈورا پیٹا جائے اور وہ لوگوں کی گفتگو کا موضوع بن جائیں۔ جیسے کہ ان جیسے ایک شہرت کے بھوکے سر پھرے نے مسجد کو آلودہ کر دیا تاکہ لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے۔ اور لوگوں نے اس کا چرچا تو واقعتاً کیا، لیکن لعن طعن کے ساتھ۔ لیکن اُس کی شہرت پسندی کی اس رگ نے لعن طعن کے اس چرچے کو اُس کی آنکھوں میں مزیّن کر دیا اور اسے یہ لعن طعن بھی بہت اچھی لگی۔ یہیں سے یہ مثل مشہور ہوگئی کہ: بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا!

پس اے عالمِ بقا کے لیے پیدا کیے گئے اور عالم فانی پر فریفتہ مسکین انسان!

ذرا آیت کریمہ ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ میں پائے جانے والے راز میں غور کر اور اسے دھیان سے سُن، اور دیکھ کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ یہ آیت اپنے صریح مفہوم کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ: زمین وآسمان جن کا انسان کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اہل ضلالت کی موت سے اُن کے جنازوں پر روتے نہیں ہیں، مطلب یہ کہ وہ ان کی موت پر خوش ہوتے ہیں۔

اور یہ اپنے اشاری مفہوم کے ذریعے یہ بتا رہی ہے کہ: زمین وآسمان اہلِ ہدایت کی موت سے اُن کے جنازوں پر روتے ہیں اور اُن کے فراق کو برداشت نہیں کرتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کائنات کا اہل ایمان کے ساتھ تعلق ہے، اور یہ ان کے اس تعلق پر بہت خوش ہے، کیونکہ اہل ایمان کائنات سے پیار کرتے ہیں، اس کا احترام کرتے ہیں اور اس کی قدر وقیمت جانتے ہیں۔ اہل ضلالت کی طرح اس کی تحقیر نہیں کرتے اور اس کے ساتھ دشمنی کا رویہ نہیں رکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایمان کی بدولت خالقِ کائنات کی پہچان رکھتے ہیں۔

پس اے انسان! یہ سوچ کہ تجھے ایک دن بہر حال مرنا ہے۔ اور پھر اگر تو نفس اور شیطان کا پیروکار رہا تو تیرے ہمسائے بلکہ تیرے قریبی رشتے دار تیری برائی سے خلاصی پا جانے کی وجہ سے خوش ہوں گے۔ اور اگر تو قران اور حبیبِ

Marfat.com

رحمان کا پیروکار ہوگا اور شیطان سے اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ کہہ کر پناہ مانگتا ہوگا، تو پھر یہ زمین اور یہ سماوات و موجودات تیرے درجے کے حساب سے تیرے فراق سے متاثر ہوکر معنوی طور پر روئیں گے، ایسے کہ یہ ہر ایک کے درجے کے حساب سے روتے ہیں۔ اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ ایک بلند شان ماتم اور پُرحشمت الوداع کے ساتھ قبر کی راہ سے ہوکر جانے والے عالمِ بقا میں تیرا تیرے درجے کے حساب سے استقبال کریں گے۔

تیرہواں اشارہ

اس میں تین نکتہ ہیں۔

پہلا نکتہ:

شیطان کی ایک بہت بڑی دسیسہ کاری اور ہتھکنڈہ یہ ہے کہ وہ ایک تنگدل، ناقص العقل اور کوتاہ فکر انسان کو ایمان کے حقائق کے بارے میں فریب دیتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: کہا جاتا ہے کہ: صرف ایک ہی ہستی ہے جو کہ تمام ذرّات و سیّارات اور نجوم و موجودات کی اُن کے تمام حالات سمیت اپنی ربوبیت کے تحت تدبیر اور انتظام و انصرام کرتی ہے۔ اب اس غیر محدود عظیم الشان اور عجیب و غیرب مسئلے کا اعتقاد دل میں کیونکر بیٹھے؟ فکر و نظر اسے قبول کیسے کریں؟ چنانچہ وہ اس طرح کے وسوسے کے ساتھ انسان کی عاجزی و درماندگی کے پہلو کو سامنے رکھ کر اس کے انکار والی حس کو بیدار کر دیتا ہے۔

الجواب:

شیطان کی اس دسیسہ کاری کا منہ توڑ دندان شکن راز لفظِ ''اللّٰہ اکبر'' میں پوشیدہ ہے۔ اور ''اللّٰہ اکبر'' ہی اس کا حقیقی جواب ہے۔

جی ہاں، اسلامی شعائر میں ''اللّٰہ اکبر' کے لفظ کو بہت زیادہ کثرت کے ساتھ اسی دسیسہ کاری کے ازالے کے لیے دہرایا جاتا ہے، کیونکہ انسان کی عاجز قوت، اس کی ضعیف قدرت اور اِس کی کمزور فکر اِن جیسے عظیم الشان غیر محدود حقائق کو صرف ''اللّٰہ اکبر'' کے نُور کے طفیل ہی دیکھتی اور ان کی تصدیق کرتی ہے، اور اِن حقائق کو ''اللّٰہ اکبر' کی قوّت کے بل پر اٹھاتی ہے۔ اور یہ حقائق 'اللّٰہ اکبر' کے دائرے ہی میں وسعت پکڑتے ہیں۔

چناچہ وہ اپنے وسوسے میں گھرے ہوئے دل کو مخاطب کر کے کہتا ہے: اس کائنات کی یہ منظّم تدبیر و ادارت جو ہر آنکھ کو نظر آ رہی ہے، اِس کی تفسیر دو طریقے سے ہوسکتی ہے:

پہلا طریقہ:

یہ ممکن ہے، لیکن انتہائی عظیم الشان اور خارقِ عادت ہے، کیونکہ اس طرح کے معجز نما آثار اور عجیب و غریب مصنوعات کسی انتہائی عجیب و غریب انداز سے ہی ظہور میں آسکتی ہیں۔ اور یہ طریقہ یہی ہے کہ یہ تمام موجودات صرف

Marfat.com

ایک اَحدُ الصمد کی ربوبیت، اس کے ارادے اور اُس کی اُس قدرت سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو اُس کے وجود پر موجودات بلکہ ذرّات کی تعداد کے برابر گواہ مہیا کر رہی ہے۔

دوسرا طریقہ:

یہ شرک و کفر کا طریقہ ہے جس میں کسی بھی طرف سے امکان غیر ممکن ہے، اور امتناع کی حد تک مشکل ہے اور کسی بھی طرح سے معقول نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں، بلکہ اس کے ہر ذرے میں مطلق الوہیت، علم محیط اور غیر محدود قدرت پائی جائے، تاکہ وہ اس نادر اور اچھوتی قسم کی صنعت کے اِن نظر آنے والے نقوش کو انتہائی درجے کی ہمہ جہت سے کامل و مکمل، آخری درجے کے نظم وضبط، امتیازی خصوصیات اور حسّاس میزان سے مزیّن صورت میں ایجاد و آشکار کر سکے۔ جیسے کہ ''بائیسویں مقالے'' اور ''بیسویں مکتوب'' جیسے کئی رسائل میں اس بات کا اثبات کر دیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ:

اگر عظمت و کبریاء کی حامل اس ربوبیت کا وجود نہ ہوتا جو کہ کامل طور پر اس لائق، واقعتاً مکمل طور پر ضروری اور برمحل ہے، تو پھر ہر طرف سے ایک ممتنع اور غیر معقول راستے پر چلنا ضروری ہو جاتا۔ اور _ حتّی کہ خود _ شیطان بھی اس لائق اور برمحل عظمت و کبریاء سے فرار حاصل کر کے کسی کو اس محال و ممتنع راستے میں داخل ہونے کی دعوت نہ دے سکتا۔

دُوسرا نکتہ:

شیطان کی ایک بڑی اہم دسیسہ کاری یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی غلطی اور کمی کوتاہی کا اعتراف نہیں کرنے دیتا ہے، تاآنکہ اُس پر استعاذہ واستغفار یعنی پناہ خواہی اور مغفرت طلبی کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور یوں وہ اس میں نفسِ انسانی کے غرور و خود فریبی کو اتنی ہوا دے دیتا ہے کہ انسان ایک وکیل کی طرح اپنے نفس کا کچھ اس طرح سے دفاع کرنا شروع کر دیتا ہے کہ اُسے ہر کمی کوتاہی سے پاک باور کراتا ہے۔

جی ہاں! وہ نفس جو شیطان کو غور سے سنتا ہے وہ اپنی کمی کوتاہی کو دیکھنا ہی نہیں چاہتا ہے، اور اگر کبھی دیکھ بھی لے تو اُس کی سو سو تاویلیں کرتا ہے۔ اور انسان چونکہ صرف خود کو پسندیدگی کی آنکھ سے دیکھتا ہے، اس لیے ''وَعَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ'' میں پائے جانے والے راز کی رُو سے اُسے اپنا عیب نظر نہیں آتا ہے، اور چونکہ اُسے اپنا عیب نظر نہیں آتا، اِس لیے اس کا اعتراف نہیں کرتا۔ بنابریں نہ استغفار واستعاذہ سے دور رہتا ہے اور شیطان کے ہاتھوں رُسوائی و جگ ہنسائی کا کھلونا بن جاتا ہے۔ جب یوسفؑ جیسا عظیم الشان نبی یہ کہتا ہے کہ: ﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ☆ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ﴾ تو پھر نفس پر اعتماد کیسے کیے جا سکتا ہے؟ پس جو اپنے نفس کو متہم کرے گا اُسے اُس کے عیب

Marfat.com

نظر آجائیں گے اور جو اپنے عیبوں کا اعتراف کر لے گا وہ توبہ و استغفار کرے گا، اور جو توبہ و استغفار کرے گا وہ اس کی پناہ میں آنا چاہے گا، اور جو اس کی پناہ میں آجائے گا وہ شیطان کے شر سے نجات پا جائے گا۔ اور یاد رہے کہ انسان کا اپنی کمی کوتاہی سے چشم پوشی کرنا اس کمی کوتاہی سے بھی بڑا جرم ہے، اور اس کا اپنی کمی کوتاہی کا اعتراف نہ کرنا بہت بڑی کوتاہی ہے۔ اور انسان جب اپنی کمی کوتاہی کو دیکھ لیتا ہے تو وہ کمی کوتاہی کی کوتاہی کے دائرے سے نکل آتی ہے، اور جب اس کا اعتراف کرتا ہے تو اِس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔

تیسرا نکتہ:

شیطان کی ایک بہت بڑی دسیسہ کاری جو کہ معاشرتی زندگی میں فساد برپا کر دیتا ہے، یہ ہے کہ: شیطان مومن کی تمام نیکیوں کو اُس کی صرف ایک برائی کے نیچے چھپا دیتا ہے، چنانچہ بے انصاف قسم کے لوگ جو شیطان کے ایسے ہتھکنڈوں پر کان دھرتے ہیں وہ اُس مردِ مومن کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب حشر میں اپنے میزانِ اکبر کے ذریعے مکلفین کے اعمال کا وزن کرے گا تو اس میں فیصلہ حسنات وسیئات کی کمی اور زیادتی کی حیثیت سے کرے گا، اور بسا اوقات وہ انسان کی ایک نیکی کے ساتھ اُس کی بہت سی برائیوں پر پردہ ڈال دیتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ برائیوں کے اسباب بہت زیادہ ہیں اور ان کا ارتکاب کرنا آسان ہے۔ اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اس دنیا کے معاملات میں اس عدالتِ الٰہیہ کے اسی پہلو کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اب اگر کسی آدمی کی نیکیاں کمیّت اور کیفیت کے اعتبار سے زیادہ ہو جائیں تو وہ آدمی حُبّ واحترام کا مستحق ہو جاتا ہے، بلکہ اُس کی بہت سی برائیوں کی طرف ایک قیمتی نیکی کی وجہ سے عفو و درگزر کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

انسان شیطان کی تلقین اور اس کی فطرت میں پائی جانے والی ظلم وزیادتی کی رَگ کی وجہ سے دوسرے انسان کی ایک برائی کی وجہ سے اُس کی سو نیکیوں کو بھلا دیتا ہے اور یوں اپنے مومن بھائی کے ساتھ دشمنی پر اُتر آتا ہے اور گناہوں میں گر جاتا ہے۔ چنانچہ جس طرح ایک مچھر کا پر جب آنکھ پر رکھ دیا جائے تو وہ پہاڑ کو اوجھل کر دیتا ہے، اسی طرح انسان مطالب کی رگ پھڑکنے کی وجہ سے مچھر کے پر کے برابر برائی کی وجہ سے پہاڑوں جیسی نیکیوں کو چھپا دیتا اور انہیں بھلا دیتا ہے، اور یوں اپنے مومن بھائی کے ساتھ دشمنی باندھ لیتا ہے اور انسانی معاشرے کی زندگی میں فساد کا آلہ بن جاتا ہے۔

شیطان اِسی کے ساتھ مشابہت رکھنے والی ایک اور دسیسہ کاری سے فکر کی سلامتی کو کوتاہ کر دیتا ہے اور ایمانی حقائق کے میدان میں درست نظری اور محاکے کی صلاحیت کا ستیاناس کر دیتا ہے اور استقامت میں خلل ڈال دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شیطان ایمانی حقیقت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سینکڑوں مثبت دلائل کو اُس حقیقت کی نفی کرنے والی صرف ایک آدھ دلیل کے ساتھ توڑ دیتا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ: "ایک مثبت کو بہت سے نفی کرنے والوں پر ترجیح دے

Marfat.com

جائے گی، اور یہ کہ کسی دعوے کے بارے میں ایک مثبت گواہ کا فیصلہ ایک سو نفی کرنے والوں پر بھاری ہوگا۔

اب اِس حقیقت کو اس تمثیل کی روشنی میں دیکھیں: ایک بہت بڑا محل ہے'' اُس کے سینکڑوں بند دروازے ہیں، اب اُس میں کسی بھی دروازے کو کھول کر داخل ہونا اور اندر جا کر تمام دروازے کھول دینا ممکن ہے۔ لیکن اگر تمام دروازے کھلے ہوں گے اور ایک یا دو دروازے بند ہوں، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ: اس محل میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ پس ایمانی حقائق وہ محل ہے۔ اور اِن حقائق کو ثابت کرنے والی ہر دلیل اُن دروازوں میں سے کسی نہ کسی دروازے کو کھولنے والی چابی ہے۔ اب ان سینکڑوں دروازوں میں سے اگر ایک آدھ دروازہ بند رہ جانے کی وجہ سے ان حقائق کا نہ تو انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان سے رُوگردانی ہوسکتی ہے۔ لیکن شیطان غفلت کی وساطت سے اور یا جاہلیت کے سبب سے بعض اسباب پر بنیاد رکھتا ہوا لوگوں کو ایک دروازے کے بارے میں کہتا ہے کہ: دیکھو یہ دروزاہ بند ہے اس لیے اس میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اور یوں وہ تمام مُثبت دلائل کو اعتبار و اعتماد کی نظر سے گرا دیتا ہے، اور یوں وہ انسان کو فریب دیتا ہوا کہتا ہے: اِس محل میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ بلکہ یہ چیز جسے تو محل سمجھ رہا ہے یہ محل ہے ہی نہیں۔ اور اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

پس اے شیطان کی دسیسہ کاریوں میں مبتلا انسان!

اگر تو دینی، شخصی اور اجتماعی زندگی کی سلامتی، صحتِ فکر، استقامتِ نظر اور سلامتیِ قلب چاہتا ہے، تو پھر اپنے اعمال و خواطر کو محکماتِ قرآن کے میزان اور سنت نبوی کے ترازو میں تول اور قرآن وسنت کو اپنا ہادی و راہنما بنالے اور ہمیشہ اللہ کی پناہ میں اور اس کی سپردگی میں رہ اور کہتا رہ: ''اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم''۔۔۔

پس یہ تیرہ اشارے تیرہ چابیاں ہیں۔ اب ان تیرہ چابیوں کے ساتھ تُو سورۃ ''النَّاس'' کے مضبوط اور محفوظ قلعے کے دروازے کو کھول لے، ''والناس'' جو کہ قرآنِ معجز بیان کی آخری سورت اور ''اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم'' کے جملے کی کان اور اس کا تفصیلی بیان ہے۔ اس قلعے میں داخل ہو جا اور سلامتی سے ہمکنار ہو جا۔

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾

﴿رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴾

☆ ☆ ☆

Marfat.com

چودھواں لمعہ

اس میں دو مقام ہیں

پہلا مقام

دو سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے۔

باسمه سبحانه ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ...﴾

السلام علیکم ورحمة الله وبر کاته

میرے عزیز صادق بھائی رأفت صاحب۔

آپ نے مچھلی اور بیل کے بارے میں جو سوال کیا ہے اُس کا جواب بعض رسائل میں موجود ہے اور اِس نوعیت کے سوالوں کے بارے میں ایک جواب ''چوبیسویں مقالے کی تیسری ٹہنی'' میں بھی موجود ہے، چنانچہ وہاں بارہ عدد قاعدے بیان کیے گئے ہیں جو بارہ اُصول کہلاتے ہیں، اور یہ قاعدے احادیثِ نبویہ کی انواع واقسام کی تاویلات کے لیے کسوٹیاں اور ان پر وارد ہونے والے اوہام کا ازالہ کرنے کے لیے اہم بنیادوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور اب سرِ دست چونکہ کچھ ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں جو کہ مجھے چند قلبی واردات کے سوا علمی مسائل میں اُلجھنے سے منع کرتے ہیں، اس لیے میرے لیے سوالوں کے عین بعین مطابق جوابات دینا ممکن نہیں رہا، البتہ اگر قلبی واردات پائی جائیں تو ان میں مصروفیت ضرورت بن جاتی ہے۔ اور کبھی کچھ سوالات قلبی واردات کے مطابق پڑ جاتے ہیں، اس لیے ان کے جوابات دے دیے جاتے ہیں۔ بنابریں میں آپ کے ہر سوال کے مطابق جواب نہیں دے پاتا ہوں، اس لیے ناراض نہیں ہونا ہے۔ البتہ اس مرتبہ میں آپ کے سوال کا مختصر سا جواب دے رہا ہوں۔

آپ اپنے سوال میں یہ کہہ رہے ہیں کہ: علماءِ دین کہتے ہیں: زمین بیل اور مچھلی پر کھڑی ہے، حالانکہ علم جغرافیہ کی رُو سے زمین ایک سیارے کی طرح ہوا میں تیر رہی ہے۔ لہٰذا نہ بیل ہے نہ مچھلی!

الجواب:

ایک صحیح روایت موجود ہے جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کی طرف منسوب ہے، اور وہ کچھ اِس طرح سے ہے کہ: لوگوں نے رسول گرامی ﷺ سے پوچھا کہ: زمین کس چیز پر ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: علی الثور والحوت یعنی بیل اور مچھلی پر۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کبھی کہا: بیل پر اور کبھی کہا: مچھلی پر۔ بعض محدثین نے اس حدیث کے

Marfat.com

اور قدیم سے منقول اسرائیلی روایات سے ماخوذ قصوں کہانیوں کے مابین مطابقت پیدا کی ہے، اور خاص کر بنی اسرائیل سے اسلام میں داخل ہونے والے کچھ علماء نے بیل اور مچھلی کے بارے سابقہ کتابوں میں پائے جانے والے، بیل اور مچھلی کے قصوں اور اس حدیث کے درمیان مطابقت پیدا کی تو حدیث کو بڑے عجیب معانی پہنا دیے۔

اب ہم یہاں آپ کو سوالوں کے جواب میں انتہائی اختصار کے ساتھ تین بنیادوں اور تین پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں:

پہلی بنیاد:

بنی اسرائیل کے کچھ علماء جب مسلمان ہوئے تو اُن کی سابقہ معلومات بھی ان کے ساتھ ہی آگئیں، حالانکہ اُن سابقہ معلومات میں کچھ غلط باتیں بھی تھیں۔ اب اُن غلط باتوں کا تعلق خود ان کے ساتھ ہوگا نہ کہ اسلام کے ساتھ۔

دوسری بنیاد:

تشبیہات وتمثیلات جب خواص سے نکل کر عوام میں آجائیں، یعنی علم کے ہاتھ سے نکل کر جہل کے ہاتھ میں آجائیں تو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حقائق کا رُوپ دھار جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر: میرے بچپن کے دنوں میں چاند کو گرہن لگا تو میں نے اپنی ماں سے پوچھا، چاند کو گرہن کیوں لگا ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا: اسے سانپوں نے نگل لیا ہے۔ تو میں نے کہا: وہ تو بدستور نظر آرہا ہے؟ تو انہوں نے جواباً کہا: اُوپر والے طبقے میں سانپ شیشوں کی طرح کے ہوجاتے ہیں۔ اس لیے ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوتا صاف نظر آتا ہے۔ چنانچہ میں بچپن کا یہ واقعہ اکثر یاد کیا کرتا تھا اور یہ کہتا ہوا سوچا کرتا تھا کہ: ایک بے حقیقت خرافت میری والدہ جیسی سنجیدہ لوگوں کی زبانوں پر اس حد تک کیسے چڑھ جاتی ہے؟ پھر جب میں نے علم فلکیات کا مطالعہ کیا تو پتا چلا کہ میری والدہ جیسے جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں اُنہوں نے کسی تشبیہ کو حقیقت واقعہ کا روپ دے دیا ہے؛ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دائرہ عظیمہ (حاشیہ:۱) جیسے ''منطقۃُ البروج'' (حاشیہ:۲) کہا جاتا ہے جو کہ سورج کے مدارج کا دارومدار ہے، اور دائرۂ قمر جو کہ مائل ہے، یہ دونوں دائرے ایک دوسرے کو کراس کرتے ہوئے کمان کی شکل اختیار کیے ہوئے ہیں چنانچہ ماہرینِ فلکیات نے ان دونوں قوسوں کو دو اژدھے کہہ دیا ہے، اور یہ نام دو عظیم الجثہ اژدھوں کو ایک انتہائی لطیف تشبیہ کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اور جن دو نقطوں پر یہ دونوں دائرے ایک دوسرے کو کراس کرتے ہیں: اُن میں سے ایک کو تو وہ ''راس'' یعنی سر کہتے ہیں اور

(حاشیہ:۱) دائرہ عظیمہ: اگر کسی کُرے کی سطح پر، اس کے اِردگرد ایسا دائرہ کھینچا جائے کہ اس دائرے کا قطر اُس کرے کے قطر کے برابر ہو تو اس کو دائرہ عظیمہ کہتے ہیں۔ فہم الفلکیات، از سید شبیر احمد کاکاخیل، ص 32۔

(حاشیہ:۲) دائرہ البروج: زمین سورج کے گرد ایک سال میں چکر پورا کرتی ہے۔ جس مدار میں زمین یہ چکر کاٹتی ہے۔ اور اس راستے میں جس پردہ سماوی کرے میں سال کے دوران کسی نہ کسی مقام پر ہوتی ہے اسے دائرۃُ البروج کہا جاتا ہے۔ (فہم الفلکیات: 35)۔ مترجم

Marfat.com

دوسرے کو ''ذَنَب''، یعنی دُم۔ پس جب ''قمر'' ''رأس'' کی طرف اور شمس ''ذَنَب'' کی طرف آتا ہے، تو ماہرین فلکیات کی اصطلاح میں دونوں کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے: یعنی اُن دونوں کے درمیان کرۂ ارض مکمل طور پر حائل ہو جاتا ہے، اور تب چاند کو گرہن لگ جاتا ہے۔ اور یوں سابقہ تشبیہ کے پیش نظر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ: چاند دو اژدھوں کے منہ میں چلا گیا ہے۔

پس یہ بلند پایہ علمی تشبیہ جب عوام کے ہاتھ لگی تو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ایک ایسے گرانڈیل اژدھے کا رُوپ دھار گئی جو کہ چاند کو لقمہ بنا کر کھا جاتا ہے۔

اسی طرح دو عظیمُ الشان فرشتے ہیں جن میں سے ایک کا نام ''ثور'' یعنی بیل ہے، اور دوسرے کا نام ''حُوت''، یعنی مچھلی ہے، اور اس نام میں ایک بڑی لطیف قدسی تشبیہ اور مفید اشارہ پایا جاتا ہے۔ پھر جب نبوت کی اس مقدس علوی زبان سے نکلی ہوئی تشبیہ کا معنی عوام کی زبان تک پہنچا تو حقیقت کا رُوپ دھار گیا۔ اور یوں اِن دو فرشتوں نے حد سے زیادہ بڑے بیل اور ہولناک مچھلی کی صورت اختیار کر لی۔

تیسری بُنیاد:

جس طرح قرآن کریم کی کچھ متشابہات ہیں جو تشبیہات و تمثیلات کے ذریعے عوام الناس کو گہرے مسائل سمجھا دیتی ہیں، اِسی طرح حدیث شریف کی بھی کچھ متشابہات ہیں جو مانوس قسم کی تشبیہات کے ذریعے گہرے حقائق کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر: ایک دفعہ نبی ﷺ کی مجلس میں کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک پتھر کے گرنے کی آواز ہے جو کہ پچھلے ستر سال سے لڑھکتا جا رہا تھا، اور اب جہنم کی تہ میں جا گرا ہے۔ پھر چند منٹ کے بعد ایک آدمی نے آکر بتایا کہ: فلاں مشہور منافق جو کہ ستر سال کا تھا مر گیا ہے۔ چنانچہ اِس بلیغ تمثیل نے نبی ﷺ کی تمثیل میں پائی جانے والی حقیقت کو واضح کر دیا۔

اور اب آپ کے سوال کے جواب کے تین پہلو ذکر کیے جاتے ہیں۔

پہلا پہلو:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عرش و سماوات پر اپنی ربوبیت کی سلطنت کی نگرانی و نگہبانی کے لیے چار فرشتے متعین کیے ہیں جو کہ عرش و سماوات کو اُٹھانے والے ہیں، اُن میں سے ایک کا نام نسر ہے اور دوسرے کا ثور، اِسی طرح اُس نے کرۂ ارض کے لیے بھی جو کہ سماوات کی چھوٹی بہن اور سیارات کی رفیقِ سفر ہے، دو فرشتے متعین کر دیے ہیں جو کہ اس کی نگرانی و نگہبانی کرتے ہیں اور اِسے اُٹھائے ہوئے ہیں، اُن میں سے ایک کا نام ثور ہے اور دوسرے کا حُوت؛ اور ان دونوں کو یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ، زمین کی دو قسمیں ہیں: پانی اور مٹی۔ اب جو چیز پانی کو آباد رکھتی ہے وہ ہے مچھلی، اور جو مٹی کو آباد رکھتی ہے

Marfat.com

وہ بیل ہے کہ جس کے کندھے پر زراعت کا کاروبار کھڑا ہے، زراعت کہ جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اب وہ دو فرشتے جن کی ڈیوٹی کرۂ زمین پر لگی ہوئی ہے، وہ چونکہ زمین کے قائد اور نگران ہیں اس لیے یہ بات قطعی طور پر لازم ہے کہ وہ کسی جہت سے مچھلی کے گروہ اور بیل کی نوع کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو۔ بلکہ بسا اوقات یہ دونوں عالم مثال اور عالم ملکوت میں بیل اور مچھلی کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ والعلم عنداللہ۔

پس اس مناسبت (حاشیہ:۱) اور اس نگرانی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اور کرۂ ارض کو گھیرے میں لیے ہوئے ان دو نوع کی مخلوق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے نبوت کی زبانِ معجز بیاں نے فرمایا ہے: اَلْاَرْضُ عَلَى الثَّوْرِ وَالْحُوْتِ ''زمین بیل اور مچھلی پر ہے'' اور یوں ایک چھوٹے سے خوبصورت جملے میں ایک ایسی گہری اور وسیع وعریض حقیقت کی پردہ کشائی کر دی جس کی وضاحت کے لیے مسائل کا ایک مکمل صحیفہ درکار تھا۔

دوسرا پہلو:

اگر یہ کہا جائے کہ: یہ حکومت اور سلطنت کس چیز پر کھڑی ہے؟ تو جواب میں کہا جائے گا: تلوار اور قلم پر، مطلب یہ کہ اس کا تکیہ فوج کی تلوار وشجاعت پر اور ملازمین کے قلم وعدالت کی درایت پر ہے۔ اسی طرح زمین چونکہ ذی حیات مخلوقات کا مسکن ہے، اور انسان اِن ذی حیات کا قائد ہے، اور ساحل پر رہنے والے لوگوں کی ایک بڑی قسم کی گزر بسر کا دارومدار مچھلی پر ہے، اور غیر ساحلی لوگوں کی گزر بسر کا وسیلہ زراعت اور بیل کا کندھا ہے، اور ان لوگوں کی تجارت کا دارومدار مچھلی پر ہوتا ہے، اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ: کرۂ ارض بیل اور مچھلی پر کھڑا ہے، جیسے کہ سلطنت کا قیام سیف وقلم پر ہے، کیونکہ اگر ثور کام نہیں کرے گا اور مچھلی ایک ہی مرتبہ ملین انڈے نہیں دے گی تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور زندگی اجیرن ہو جائے گی اور تب خالق الحکیم اس زمین کو تہ وبالا کر دے گا۔

اِس لیے رسولِ اکرم ﷺ نے یہ فرما کر کہ: ''زمین ثور وحوت پر ہے''، انتہائی پُر حکمت، بلند پایہ اور غایت درجے کا معجز نما جواب دیا ہے، اور صرف دو کلموں میں اس وسیع وعریض حقیقت کی وضاحت کر دی ہے کہ نوعِ انسان کی زندگی کا جنسِ حیوان کی زندگی کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے۔

تیسرا پہلو:

(حاشیہ:۱) جی ہاں، زمین چونکہ محیط ہوائی کے سمندر میں ایک ربانی سفینہ اور مزرعۂ آخرت ہے، یعنی حدیث کی رُو سے ایک کھیتی ہے، جس میں آخرت کی کیاری بوئی جاتی ہے، اس لیے اس شعور سے خالی جامد سفینے کو اس سمندر میں اللہ کے امر سے ایک ملاح کی طرح انتہائی انتظام اور حکمت کے ساتھ رواں دواں رکھنے والے فرشتے کا نام ''حُوت'' مناسب ہے۔ اور اس کھیتی کی نگرانی ونگہبانی کرنے والے فرشتے کے لیے ''ثور'' کا نام مناسب ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

قدیم علمِ الفلک کی رُو سے سورج چلتا ہے، اور ماہرین فلکیات نے سورج کے ان درجات میں سے ہر تیس درجے کو ایک ''بُرج'' کا نام دیا ہے۔ان برجوں میں پائے جانے والے ستاروں کے درمیان اگر فرضی خطوط کھینچ دیے جائیں تو کچھ اِس طرح کی وضع قطع سامنے آتی ہے کہ کچھ ستارے شیر کی شکل اختیار کر جاتے ہیں، کچھ میزان کی، کچھ ثور کی اور کچھ حوت کی۔اِس لیے اِس مناسبت کی بنا پر ان بُرجوں کو یہ نام دے دیے گئے۔

لیکن جدید فلکیات کے نقطۂ نظر سے سورج گردش نہیں کرتا اس لیے یہ برج خالی اور بے کار پڑے ہیں۔اور سورج کی بجائے کرۂ ارض گردش کرتا ہے۔حقیقت اگر یہی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ آسمان کے ان خالی، معطل اور بے کار برجوں کی بجائے زمین کے سنوی مدار میں چھوٹے سے پیمانے پر ان دائروں اور برجوں کی تشکیل کر دی جائے۔اِس صورت میں آسمانی بُرجوں کا نمونہ یا مثالی صورت زمین کے اس سنوی مدار میں ملے گا۔

اور تب زمین ہر مہینے کسی نہ کسی آسمانی برج کے سائے میں اور اُس کے نمونہ میں ہوگی۔گویا کہ زمین کا سنوی مدار ایک ایسا آئینہ ہے جس میں آسمانی بُرج صورت پذیر ہوتے ہیں۔

اِسی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے کبھی کہا ''بیل'' پر اور کبھی کہا ''حُوت'' پر جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔

جی ہاں! آپ نے ایک دفعہ تو کہا ہے ''بیل'' پر کیونکہ جس زمانے میں یہ سوال کیا گیا تھا اُس زمانے میں کرۂ ارض ''برج بیل'' کی مثالی صورت میں تھا۔پھر مہینے بعد آپ ﷺ سے سوال ہوا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''مچھلی پر'' کیونکہ اُس وقت کرۂ ارض بُرج ''مچھلی'' کے سائے میں تھا۔پس آپ ﷺ نے وہ جواب دیا جو کہ نبوّت کی زبانِ معجز بیان کے ساتھ مناسبت رکھتا، اس میں ایک ایسی گہری حقیقت کی طرف اشارہ تھا جس کا علم بہت سے زمانوں کے بعد ہونے والا تھا۔چنانچہ آپ ﷺ نے ''بیل اور مچھلی پر'' کہا اُس عالی شان حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے جو کہ مستقبل میں معلوم ہونے والی تھی۔کرۂ ارض کی اپنی ذمہ داری نبھانے کے ضمن میں گردش و سیاحت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے۔اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ آسمانی برج سورج کے اعتبار سے بالکل خالی ہیں ان میں کوئی مہمان نہیں ہے، اور یہ کہ درحقیقت اور کارکن بُرج وہ ہیں جو زمین کے سنوی مدار میں ہیں، اور یہ کہ ان برجوں میں سیاحت کرنے والا اصل ملازم کرۂ ارض ہے۔واللہ اعلم۔

رہیں وہ کچھ عجیب و غریب خلافِ عقل داستانیں جو بیل اور مچھلی کے بارے میں بعض اسلامی کتابوں میں آئی ہیں، تو وہ یا تو اسرائیلی روایات ہیں، یا وہ تمثیلات ہیں: اور یا پھر بعض محدثین کی تاویلات ہیں جنہیں سطحی علم و فکر والے لوگوں نے احادیث سمجھ لیا اور ان کی نسبت رسول اکرم ﷺ کی طرف کر دی گئی۔والسلام۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْ نَآاِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَأْنَا۔۔۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

Marfat.com

☆☆☆

دوسرا سوال: ''آلِ عبا'' کے بارے میں۔

میرے بھائی!

آلِ عبا کے بارے میں آپ کا سوال کہ جس کا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا ہے، اُس سوال میں پائی جانے والی بہت سی حکمتوں میں سے صرف ایک حکمت کا ذکر کیا جائے گا، اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ رسول کریم ﷺ '' نے اپنی اُس عبا (چوغے) کے ساتھ علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو جوڑ ھانپا تھا جسے آپ ﷺ پہنا کرتے تھے، اور اُسی کیفیت میں آیتِ کریمہ ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ کے ذریعے ان کے لیے جو دعا مانگی تھی، اس میں بہت سے راز اور بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ہم سر دست اُن اسرار و رموز کے بارے میں بحث نہیں کریں گے بلکہ صرف اُس ایک حکمت کے بارے میں بحث کریں گے جس کا تعلق وظیفۂ رسالت کے ساتھ ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ نے غیب کے ساتھ اُنس رکھنے والی اور مستقبل کا مشاہدہ کرنے والی آنکھ کے ذریعے یہ چیز دیکھ لی تھی کہ: تیس چالیس سال کے بعد صحابہ و تابعین کی صفوں میں گھمبیر قسم کے فتنے برپا ہوں گے اور خون ریزی ہوگی، اور آپ نے اس چیز کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اُن حالات میں اہم ممتاز شخصیات یہی تین لوگ ہوں گے جو اُن کی عبا کے نیچے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے ہمراہ اُن چار اشخاص کو اپنی اُس عبا کے نیچے چھپا لیا جس نے انہیں ''آلِ عباءِ خمسہ'' کا عنوان دے دیا۔ اس سے مقصود اُمت کی نظر میں علی رضی اللہ عنہ کی تطہیر و تبریت تھی۔

حسین رضی اللہ عنہ کے لیے تعزیت و تسلّی تھی۔ حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مبارک باد تھی اُن کے عزّ و شرف کا اعلان تھا، اور اُن کی طرف سے پہنچنے والے اُس عظیم الشان فائدے کا اعلان تھا جو وہ اُمت کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروا کے اور اُن کے درمیان دَر آنے والے فتنے کا ازالہ کر کے اُمت کو پہنچانے والے تھے۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کی طہارت، شرافت اور لیاقت کا اہلِ بیت کے بلند پایہ عنوان سے اعلان تھا۔

جی ہاں، بے شک علی رضی اللہ عنہ اگرچہ خلیفۂ حق تھے مگر اُن کے دور میں ہونے والی خون ریزی بھی کوئی معمولی چیز نہیں تھی، اِس لیے رسالت کی ذمہ داری کی رُو سے اُمت کی نظر میں انہیں بریٔ الذمہ ٹھہرانا ضروری تھا، اِس لیے رسول اکرم ﷺ اس طریقے سے اُنہیں بے قصور ٹھہراتے ہیں اور اس ضمن میں خوارج کو اور بنی اُمیہ کے پیروکاروں کو خاموش رہنے کا کہتے ہیں جو کہ اُن کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں، اُن کے حق میں بے انصافی سے کام لیتے ہیں اور اُنہیں غلط اور گمراہ سمجھتے ہیں۔

جی ہاں! بے شک خوارج اور اُمویوں کے پیروکاروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفریط سے کام لے کر جو اُن کے

Marfat.com

مرتبے سے گرایا ہے اور اُن پر گمراہی کا الزام لگایا ہے، اور شیعہ لوگوں نے افراط اور غلو پسندی اور بدعت نوازی سے کام لے کر شیخین پر سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ایک المناک اور جگر خراش حادثہ پیش آیا ہے، اِن سب چیزوں نے اہلِ اسلام کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ اس دُعا اور عبا کے ذریعے علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو اس مسئولیت اور تہمت سے بچاتے ہیں اور اپنی اُمت کو ان دونوں کے بارے میں سوءِ ظن سے بچاتے ہیں، اور رسالت کی ذمہ داری کی حیثیت سے حسن رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دیتے ہیں جنہوں نے صلح کروا کے اُمت پر احسان کیا۔ اور اِس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور اُن کی مبارک نسل عنقریب بلند پایہ عزّ وشرف سے ہمکنار ہوگی اور عالمِ اسلام میں اہلِ بیت کا لقب حاصل کرے گی، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی نسل کی رُو سے مریم کی والدہ کی طرح معزّز ہوں، جس نے کہا تھا: ﴿إِنِّي أُعِيذُهَابِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْأَبْرَارِ، وَعَلٰى أَصْحَابِهِ الْمُجَاهِدِيْنَ الْمُكَرَّمِيْنَ الْأَخْيَارِ۔ آمِيْنَ۔

☆☆☆

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اسرار ورموز

اس مضمون میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہزاروں اسرار ورموز میں سے چھ اسرار کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

نوٹ:

دور کہیں سے، اللہ تعالیٰ کی بسم اللہ میں چھپی رحمت کے افق سے میری بے نور عقل میں ایک تابناک نور جلوہ گر ہوا، میں نے چاہا کہ اسے بطور اپنی خصوصی ڈائری کے ریکارڈ میں رکھ لوں۔ اور بالفعل اس تابناک نور کو اس کے تیس کے لگ بھگ اسرار کے گرد مضبوط حصار کر کے، قابو میں رکھنے کے لیے کمربستہ بھی ہو گیا تا کہ بعد میں ان کی تدوین وترتیب آسانی سے ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ میں اپنی اس کوشش میں کلی طور پر کامیاب نہ ہو سکا، چنانچہ یہ بیس تیس اسرار صرف چھ کی تعداد میں باقی رہ گئے۔

اس مقام پر خطاب براہ راست میری اپنی ذات کے ساتھ ہے، اس لیے جب میں کہوں گا:

اے انسان! تو اس سے مراد میری ذات ہوگی۔ تو یہ درس اگرچہ میری ذات کے ساتھ خاص ہے، تاہم اسے میں اپنے باریک بین بھائیوں کی درست اور صحیح نظروں کی نذر کرتا ہوں تا کہ یہ ''چودھویں لمعے کے دوسرے مقام'' کی صورت میں جلوہ گر ہو۔ اور ممکن ہے کہ اس سے ان لوگوں کو کچھ فائدہ ہو سکے جو میرے ساتھ روحانی رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور جن کی روحیں میری روح سے زیادہ زیرک اور بیدار ہیں۔

یہ درس عقل سے زیادہ دل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور منطقی دلیل کی بجائے روحانی ذوق سے مزین ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿قَالَتْ: يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ (النمل: 30,29)

اس مقام پر ہم کچھ رازوں کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ پہلا راز:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بارے میں غور وفکر کرتے ہوئے میں نے اس سے پھوٹنے والا نور دیکھا، اس کی صورت کچھ یوں ہے: کائنات کی پیشانی، سطحِ زمین کی حسین لکیروں اور انسانی چہرے کے خط وخال پر ربوبیت کی تین درخشندہ وتابناک علامتیں جلوہ گر ہیں، یہ روشن رخشندہ علامات اور تابندہ آیات ایک دوسرے میں اس طرح متداخل اور باہمدیگر پیوستہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسری کے لیے نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان میں سے

Marfat.com

پہلی علامت:

الوہیت کی ہے، سب سے بڑی مہر یا علامت۔ جو کہ تمام کون و مکاں کے اجزاء و عناصر کے مابین جاری تعاون، امداد باہمی، ہم آہنگی، ہم کناری اور ہم کلامی و ہم جوابی کی صورت میں جلوہ ریز ہے، اس طرح کہ ''بسم اللہ'' کا رخ اُلوہیت کی اُسی علامت کی طرف ہے اور وہ اسی پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری علامت:

رحمانیت کی ہے، وہ رحمانیت جو کہ ایک عظیم الشان مہر یا علامت ہے، اور جو نباتات و حیوانات کی تربیت اور پرورش میں رواں دواں رحمت، لطف و کرم، دوسرے کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھنے، ہم رنگی اور ہم آہنگی اور ان میں پائے جانے والے نظم و ضبط سے جھلک رہی ہے؛ اور یہ اس طرح ہے کہ ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کا رخ اس کی طرف ہے۔ اور وہ اس رحمانیت پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر

تیسری علامت:

رحیمیت کی ہے، ایک بلند مرتبہ علامت جو کہ اللہ کی رأفت کی لطافتوں، اس کی شفقت کی گہرائیوں اور انسان کی ہمہ گیر فطرت کی پیشانی کی لکیروں پر منعکس ہونے والی کرنوں سے جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اس طرح کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' میں پایا جانے والا اسم ''الرحیم'' ان کی طرف متوجہ ہے اور ان پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی ان کا سر چشمہ اسم ''رحیم'' ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اُحدیت کی علامات میں سے تین علامتوں کا مقدس عنوان ہے، حتیٰ کہ یہ کتابِ وجود میں ایک نورانی سطر لکھتا ہے، صفحۂ عالم پر ایک چمکدار لکیر کھینچتا ہے اور خالق و مخلوق کے درمیان ایک مضبوط رسی کا کردار ادا کرتا ہے۔ یعنی ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' عرش الٰہی سے اترتی ہے تو اس کا دوسرا سرا انسان کے ساتھ بندھ جاتا ہے، انسان جو کہ اس کائنات کا حاصل اور اس کا چھوٹا سا نسخہ ہے اور یوں یہ تسمیہ فرش کو عرش اعظم کے ساتھ باندھ دیتا ہے اور ایک ایسا سیدھا ہموار راستہ بن جاتا ہے جس پر چل کر انسان اونچائی کی طرف جاتا ہوا اپنے کمالات کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔

☆ دوسرا راز:

قرآن ہمیشہ ''وحدانیت'' کے ضمن میں ''اُحدیت'' کی تجلی کو آشکار کرتا ہے، اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ عقلوں کو اس بے حد و حساب مخلوقات میں نظر آنے والی اس ظاہری ''وحدانیت'' یا ''یکتائی'' میں غرق ہونے اور پراگندہ ہونے سے بچالے۔

Marfat.com

اس کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں:

سورج اپنی روشنی کے ساتھ لامحدود اشیاء کا احاطہ کرتا ہے، سورج کی ذات کو اس کی مجموعی روشنی سمیت ملاحظہ کرنے کے لئے ایک وسیع تصور اور ہمہ گیر فکر و نظر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اسی لیے سورج اپنی ذات کا اظہار ہر شفاف چیز میں اپنی روشنی کے انعکاس کے ذریعے کرتا ہے، مطلب یہ کہ ہر چمکدار چیز اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق روشنی اور حرارت کی صورت میں سورج کا جلوہ دکھاتی ہے، اور یہ اس لیے کہ سورج کی ذات بھولنے نہ پائے۔ اور جس طرح ہر چمکدار چیز اپنی قابلیت کے مطابق سورج کا ۔ اس کی روشنی اور حرارت جیسی خصوصیات سمیت ۔ جلوہ دکھاتی ہے، اسی طرح سورج کی ہر صفت ۔ جیسے حرارت، روشنی اور روشنی میں پائے جانے والے سات رنگ ۔ اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے۔

مثال سے بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (وللہ المثل الأعلی)، اس لیے مثال سے سمجھتے ہیں: جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اپنے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے ہر شے اور خاص کر ذی حیات اشیاء میں اور پھر خاص کر انسانی فطرت و ماہیت کے آئینے میں تجلی ہے، اسی طرح اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم جس کا تعلق موجودات کے ساتھ ہے، وہ اسم ''وحدت'' اور ''واحدیت'' کی رو سے تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

پس اللہ تعالیٰ انسان کے پیش نظر ''واحدیت'' کے ضمن میں ''احدیت'' کی علامت رکھتا ہے تا کہ عقلیں واحدیت کی وسعت میں غرق ہو کر نابود نہ ہو جائیں، اور تا کہ دل مقدس ذاتِ الٰہی سے غافل ہو کر اسے فراموش نہ کر دیں۔

اس پہلو سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اس امتیازی علامت یا نقش کے تین اہم ترین مسائل کی رہنمائی دیتی ہے اور ان کی وضاحت کرتی ہے۔

☆ تیسرا راز:

یہ ایک بدیہی بلکہ مشہود حقیقت ہے کہ وہ چیز صرف رحمتِ الٰہیہ ہی ہے جس نے اس بیکراں کائنات کو سرسبزی و شادابی سے نوازا ہے۔

اور یہ فقط اس کی رحمت ہی ہے جس نے تاریکیوں بھری ان موجودات کو روشنیوں سے جگمگایا ہوا ہے۔

اور یہ اس کی رحمت ہی ہے جس نے لامحدود حاجات و ضروریات رکھنے والی گوناگوں مخلوقات کو اپنی گود میں پروان چڑھایا ہے۔

اور وہ چیز رحمت ہی ہے جس نے کائنات کو ہر جہت اور ہر نشیب و فراز سے ہانک کر ہاتھ باندھے غلام کی طرح مسخر کر کے اِس انسان کے سامنے لا کھڑا کیا ہے، بلکہ اس کی طبیعت اس طرح بنا دی ہے کہ وہ اس کی امداد اور تعاون کے لیے

Marfat.com

کوشاں رہتی ہے، بالکل ایسے جیسے ایک درخت کے تمام اجزاء یعنی شاخوں وغیرہ کی تمام تر توجہ اس کے پھلوں پر مرکوز رہتی ہے۔

اور وہ چیز بھی اس کی رحمت ہی ہے جس نے اس وسیع وعریض فضا کو معمور کیا ہے اور اس خلائے عالم کو مزین کیا ہے۔

اور وہ چیز رحمت ہی ہے جس نے اس فانی انسان کو بقائے دوام کے لیے نامزد کیا ہے، اسے ربّ العالمین کے خطاب کو سننے کا اہل بنایا ہے اور اسے اپنے فضل اور اپنی دوستی سے نوازا ہے۔

پس اے انسان!

تمہیں جب یہ پتہ چل گیا ہے کہ رحمت ایک محبوب چیز ہے، اور اس میں مدد کرنے کی اس حد تک قوت اور کشش پائی جاتی ہے تو: ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم'' کہتے ہوئے اس حقیقت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور خود کو بے لگام وحشت کی ہولناکیوں سے بچالو، بے حد وحساب ضروریات کے آلام سے محفوظ کرلو اور عرش مجید کی مالک ذات کی قربت کی تلاش میں لگ جاؤ اور اس رحمت کی روشنیوں، شفقتوں اور رأفتوں کی برکتوں سے اس کی امانتوں کے امین، اس کے سچے دلی دوست اور اس قابل بن جاؤ کہ وہ تم سے مخاطب رہے۔

جی ہاں! یہ جو تمام کائنات کسی خاص حکمت کے تحت انسان کے اردگرد جمع ہوگئی ہے اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزیں انسان کی روزافزوں حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس کی معاون اور مددگار بن گئی ہیں، یہ چیز دو میں سے ایک حالت سے خالی نہیں:

ا۔ یا تو یہ کہ کائنات میں پائی جانے والی ہر مخلوق کی انسان کے ساتھ جان پہچان ہے، وہ اسے جانتی ہے اس لیے اس کی تابع فرمان ہے اور اس کی خدمت میں سرگرم عمل ہے۔ یعنی یہ عجز وبیچارگی کا پتلا انسان ایک مطلق العنان فرمانروا کی سی طاقت اور قدرت رکھتا ہے! (اور یہ بات صرف یہ نہیں کہ عقل کی منطق سے دور رہے، بلکہ بے شمار محالات اور ناممکنات کی زد میں ہے۔)

ب۔ یا پھر یہ کہ یہ تعاون اور خدمت گزاری اس قادر مطلق کے ہمہ گیر علم سے تکمیل پا رہی ہے جو کائنات کے پردے کے پیچھے آنکھوں سے نہاں ہے۔ یعنی کائنات کی تمام انواع واقسام اس لیے انسان کی خدمت میں نہیں لگی ہوئی ہیں کہ وہ اسے جانتی پہنچانتی ہیں، بلکہ یہ تو اس ذات کی پہچان کرواتی اور اس کے راستے پر لگاتی ہیں جو اس انسان کو جانتی پہنچانتی ہے، اس پر مہربان ہے اور اس کے حالات سے واقف ہے۔ اور وہ ہے اس کا خالق جو کہ رحم وکرم کا پیکر ہے۔

سو اے انسان!

ہوش میں آؤ! کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ربِ رحیم جس نے تمام مخلوقات کو تمہاری ضرورتیں پوری کرنے اور تمہاری مدد

Marfat.com

کرنے پر لگا رکھا ہے وہ تمہارے حالات سے لاعلم ہو؟

تو جب تمہارا پروردگار تمہارے بارے میں پورا علم رکھتا ہے، تمہارے حالات سے باخبر ہے، اور تمہیں جتاتا بھی ہے کہ وہ تمہارے حالات سے باخبر ہے؛ تو پھر تمہاری صرف ایک ہی ذمہ داری رہ جاتی ہے: اور وہ یہ کہ تم اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے تگ ودو کرو اور اس کی پہچان کر جاؤ تو پھر اس کے احکام واوامر کی تعظیم وتوقیر کر کے اس بات کے اظہار کے لیے سرگرم عمل ہو جاؤ کہ تم اسے پہچانتے ہو۔

یہ بات یقینی طور پر سمجھ جاؤ کہ رحمت الٰہی کی حقیقت _ جو کہ حکمت، عنایت، علم اور قدرت کا مجموعہ ہے _ ہی وہ چیز ہے جس نے اس تمام کائنات کو تمہارے لیے مسخر اور اسے تمہارے تابع فرمان بنا رکھا ہے، وگرنہ تم تو اپنی ذات میں ایک چھوٹی سے، کمزور، عاجز، فقیر اور فانی مخلوق ہو!

چنانچہ اس حد تک عظیم اور اس قدر وسیع رحمت ۔۔۔ بلاشک تم سے خالص اور مکمل قسم کی سپاس گزاری اور خالص قسم کی تعظیم وتوقیر چاہتی ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی طور پر جان لو کہ یہ مکمل قسم کی سپاس گزاری اور خالص قسم کی تعظیم وتوقیر کی صحیح ترجمانی صرف ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہی کر سکتی ہے اس لیے اسے ورد زبان رکھو اور اسے اس وسیع رحمت تک پہنچنے کا وسیلہ اور رحمانُ الرحیم کے دربار میں اپنا سفارشی بنا لو۔

یہ بات مسلم ہے کہ عالم ہستی میں رحمت کا وجود وظہور دوپہر کے چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ روشن ہے؛ ایسے جیسے کپڑے پر ایک خوبصورت کڑھائی یا گلکاری کی گئی ہو، اس کا تار و پود اور دوسرے دھاگے اس طرح ترتیب اور تنظیم دیئے گئے ہوں کہ کپڑے کی چاروں اطراف سے درمیانی مرکز کی طرف ہی آتے ہوں۔ اسی طرح اس نور کی شعاع کے دھاگے ہیں جو کہ ایک ہزار ایک اسمائے حسنیٰ کی تجلی سے پھوٹتا ہے اور اس وسیع وعریض کائنات کے ہر گوشے میں پھیلا ہوا ہے، یہ نور اس کائنات کی پیشانی پر عالمگیر رحمت کے دائرے میں انتہائی خوبصورت، دلکش اور روح پرور کڑھائی یا نقش نگاری کرتا ہے، اور اس طرح ذہنوں اور عقلوں میں رحیمیّت کی سورج سے زیادہ روشن تصویر، شفقت ورحمت کا دل آویز نقش اور لطف وعنایت کا حیرت انگیز امتیازی نشان قائم کر دیتا ہے۔ اور جس طرح اس منقش کپڑے کے تمام نقش ونگار اور دھاگے وغیرہ سورج کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا اٹھتے ہیں اسی طرح کون ومکاں کے تمام اجزاء وعناصر اسمائے حسنیٰ کی تجلیوں کی شعاعوں سے جگمگا رہے ہیں۔

جی ہاں وہ ذات جو سورج، چاند، عناصر، معادن، نباتات اور حیوانات کو منظم کرتی ہے اور ان تمام چیزوں کو ہزاروں اسمائے گرامی کی تابندہ شعاعوں سے اس طرح ترتیب دیتی ہے کہ گویا کہ وہ ایک دلکش اور جاذب نظر نقش کا تانا بانا اور اس کے نورانی دھاگے ہیں، اور ان سب کو زندگی کی خدمت میں لگا دیتی ہے۔

Marfat.com

اور وہ ذات جو ماؤں _ حیوانی ہوں یا نباتاتی _ کے دل میں اپنے چھوٹے بچوں کے لیے شیریں اور لذیذ مہر و محبت کے جذبات رکھ کر، تمام مخلوق پر مہر و محبت اور شفقت و رحمت کا اظہار کر رہی ہے۔

اور وہ ذات جو تمام جاندار اشیاء کو انسان کی زندگی کے لیے مسخر کر کے، اور اس طرح اپنے نزدیک انسان کی قدر و منزلت اور اہمیت واضح کر کے اپنی رحمت کی تابندہ تجلیات اور اپنی ربوبیت کے خوبصورت ترین نقوش کا اظہار کر رہی ہے۔

وہ ذات رحمان ہے، صاحب حسن و جمال ہے جس نے اپنی مطلق بے نیازی اور بے پروائی کے مقابلے میں اپنی اس وسیع رحمت کو ایک ایسا سفارشی بنا دیا ہے جس کی سفارش سے وہ مانوس بھی ہے اور اسے قبول بھی کرتا ہے۔

اس لیے اے انسان!

اگر تو واقعتاً انسان ہے تو پھر کہہ: ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم''، تا کہ اس سفارشی کو حاصل کر کے کامیاب ہو سکے۔

یہ بات بالکل بدیہی بلکہ مشاہدے میں ہے کہ رحمت ہی چار لاکھ سے زائد انواع و اقسام کے گوناگوں حیوانات و نباتات کو پروان چڑھاتی ہے۔ اور بغیر کسی التباس، اختلاط اور نسیان کے ان سب کے جملہ امور کی تدبیر کرتی ہے۔ اور وہ یہ سب کچھ اتنے مناسب وقت پر، اتنے کامل انتظام، حکمت اور عنایت کے ساتھ کرتی ہے کہ اس روش سے اس نے سطح زمین پر اپنی احدیت یعنی یکتائی کی مہر ثبت کر دی ہے۔

جی ہاں! اس رحمت کا وجود کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی موجودات کے وجود کی طرح قطعی طور پر ثابت شدہ چیز ہے، اور اس کے دلائل بھی اتنے ہی ہیں جتنی تعداد ان موجودات کی ہے، جس طرح ہم سطح زمین پر احدیت کی نشانیاں اور رحمت کی مہربانیاں پاتے ہیں، اسی طرح انسان کی روحانی ماہیت کی پیشانی پر بھی رحمت کی مہر ثبت ہے۔ اور یہ مہر سطح زمین اور کائنات پر لگی ہوئی مہر سے کم واضح یا کم آشکار نہیں ہے۔ بلکہ اس رحمت کی علامت میں اتنی ہمہ گیری اور جامعیت ہے کہ جیسے وہ اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے انوار کا مرکز اور دار و مدار ہو۔

پس اے انسان!

وہ ذات جس نے تجھے یہ معنوی شکل و ہیئت عطا کی ہے اور اس پر رحمت کی علامت اور احدیت کی چھاپ لگا دی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ تجھے بے کار چھوڑ دے، تیری کوئی پرواہ نہ کرے، اور تیرے اعمال و حرکات و سکنات پر نظر نہ ڈالے؟ یا یہ ممکن ہے کہ تمام کائنات کی حرکت و سکون کا محور انسان ہو لیکن اس کے پیچھے کوئی مقصد یا کوئی ہدف نہ ہو بلکہ یہ ایک عبث اور فضول کام ہو؟ یا کیا یہ ممکن ہے کہ تخلیق کے اس عظیم الشان درخت کو محض بے کار اور اس کے پھل کو فاسد بنا دے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی سورج کی طرح واضح، نمایاں اور شک و شبہ سے بالا رحمت کو اور نور کی طرح روشن حکمت کو انکار و جحود کی

Marfat.com

بھینٹ چڑھادے؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

اس لیے اے انسان!

اس بات کو اچھی طرح جان بوجھ کر پلے باندھ لو کہ اس رحمت کے عرش تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے۔ اور اُس زینے کا نام ہے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''۔

اگر اس زینے کی اہمیت، عظمت اور قدر ومنزلت سے آگاہی چاہتے ہو تو قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں کے سر آغاز پر نظر ڈالو، کسی بھی قیمتی کتاب اور کسی بھی اہم کام کی ابتدا دیکھو کیسے ہوتی ہے تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے دیگر آئمۂ مجتہدین نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ قطعی حجت ہے، ان کا کہنا ہے کہ: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اگرچہ ایک آیت ہے لیکن ایک ہی آیت قرآن میں ایک سو چودہ مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

☆ چوتھا راز:

مخلوقات کی لامحدود کثرت میں ''واحدیت'' کی جو تجلی پائی جاتی ہے، ہر ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کہنے والا اس کا احاطہ نہیں کرسکتا ہے؛ کیونکہ اس کثرت میں ذہن منتشر اور فکر پراگندہ اور سرگرداں ہوجاتا ہے، کیونکہ اس کثرت بدوش مخلوقات کے درمیان سے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہہ کر خطاب کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات واحد کا مشاہدہ کرنے کے لیے تمام زمین کے برابر وسیع دل کی ضرورت ہے، ایسا دل جو تمام کائنات کو پورا آجائے۔

یہ ہے وہ گہرا راز جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہر نوع کی طرح ہر جزء میں بھی پوری وضاحت کے ساتھ ''احدیت'' کی مہر لگاتا ہے، تاکہ آنکھوں کو ہر طرف اس کی یگانہ و یکتا ذات ہی نظر آئے، اور تاکہ ہر شخص _ کسی بھی مرتبے کا کیوں نہ ہو، _ اپنے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ والے خطاب کے ذریعے کسی بھی تکلف، صعوبت اور مشقت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف متوجہ رہے۔

اس عظیم الشان گہرے راز کو آشکار کرنے کی غرض سے قرآن کریم جب آفاق کی فضاؤں اور کائنات کے وسیع ترین دائروں میں پھیلی اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو اچانک ہی اپنی زمام توجہ موڑ کر مخلوقات کے چھوٹے سے چھوٹے دائروں اور اس کے چھوٹے چھوٹے اجزاء وعناصر کی طرف موڑ لیتا ہے، صرف اس چیز کی وضاحت کرنے کے لیے کہ احدیت کی چھاپ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی چیز پر لگی ہوئی ہے۔

اس کی مثال:

یہ ہے کہ قرآن پاک جب زمین وآسمان کی تخلیق کے بارے میں آیات بیان کرتا ہے تو اس کے معاً بعد انسان کی

Marfat.com

تخلیق، اس کی آواز جیسی نعمت کی باریکیوں اور اس کے خدوخال میں پائی جانے والی تحیر خیز حکمتوں اور نزاکتوں کا تذکرہ کرتا ہے، غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ فکر دور آفاق کی وسعتوں میں منتشر نہ ہوجائے۔ اور دل غیر متناہی کثرت میں ڈوب نہ جائے، اور یہ کہ روح بغیر کسی واسطے کے اپنے حقیقی معبود تک رسائی حاصل کرلے۔

مندرجہ ذیل آیات کریمہ اس حقیقت کے چہرے سے معجزانہ انداز کے ساتھ پردہ کشائی کرتی ہے:

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ﴾

اسی طرح وحدانیت کی آیات اور ان کی مہروں کا معاملہ ہے، یہ مہریں تمام مخلوقات میں غیر متناہی حساب سے بکھری ہوئی ہیں، وسیع سے وسیع اور زیادہ سے زیادہ تعداد رکھنے والی اور ہمہ گیریت کی حامل چیز سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی جزوی چیز تک اور باہمدیگر پیوستہ حلقوں، دائروں اور متنوع مراتب اور مختلف اقسام میں یکساں۔ لیکن وحدانیت کی یہ مہریں اور علامتیں _ کتنی بھی ظاہر اور واضح کیوں نہ ہوں _ دیگر مخلوقات کی کثرت کے درمیان ان کا یہ ظہور ﴿إياك نعبد﴾ میں پائے جانے والے خطاب کی حقیقت کا حق ادا نہیں کرسکتا ہے؛ اس لیے ''وحدانیت'' کی مہر کے پہلو بہ پہلو 'احدیت'' کی چھاپ کا ہونا بہت ضروری ہے تاکہ دل کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس تک پہنچنے کا راستہ کثرت اور تعدد کی یاد میں الجھے بغیر کھل جائے۔

پھر احدیت کی اس مہر کی طرف آنکھوں کو متوجہ کرنے اور دلوں کو اس کی طرف کھینچنے کے لیے اَحدیت کی اس علامت پر ایک انوکھا، اچھوتا اور انتہائی جاذب نظر نقش، غایت درجہ درخشاں نور، آخری درجے کی لذت بھری شیرینی، انتہا کو چھونے والی محبت سے بھرا حسن و جمال اور انتہائی درجے کی قوی اور پائیدار حقیقت رکھ دی گئی ہے۔ یہ ہے رحمت کی علامت اور رحیمیت کی مہر۔

جی ہاں! اس رحمت کی قوت ہی ہے جو اصحاب عقل و شعور کی آنکھیں اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے اور انہیں ''اَحدیت کی تابندہ مہر تک پہنچادیتی ہے جہاں وہ مقدس ذات احد کا مشاہدہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ انسان ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں پائے جانے والے حقیقی خطاب سے بہرہ یاب ہوجاتا ہے۔

اور یوں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اس پہلو سے کہ یہ کتاب مبین کی فاتحہ کی فہرست اور اس کا مجمل سا خلاصہ ہے، اس مذکورہ عظیم الشان راز کی عنوان اور اس کی ترجمان بن گئی ہے۔ اب جو آدمی اس عنوان تک رسائی حاصل کرلے گا وہ رحمت کی فضائے بیکراں میں سیر وسیاحت کرسکے گا۔ اور جو اس ترجمان کے ساتھ ہمکلام ہوسکے گا وہ رحمت کے اسرار ورموز کا واقف کار ہوجائے گا، انہیں سیکھ کر ان کا راز دان بن جاوے گا اور رحیمیت کے انوار اور اس کی رأفت وشفقت کا مشاہدہ کرلے گا۔

Marfat.com

☆ پانچواں راز:

ایک حدیث شریف میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: "إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ"

کچھ صوفیائے کرام نے اس حدیث کی ایسی عجیب تشریح کی ہے جو عقائد ایمانیہ کے ساتھ میل نہیں کھاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اہل عشق تو یہاں تک چلے گئے ہیں کہ انسانی چہرے کے معنوی خدوخال کو رحمان کی صورت کی طرح تصور کرنے لگے ہیں! اہل عشق میں سے اکثر لوگ چونکہ استغراق، جذب اور بے خودی کی حالت سے دوچار رہتے ہیں اور بدیں سبب ان پر اکثر معاملات ملتبس ہو جاتے ہیں، اس لیے ان پر وارد ہونے والی خلاف حقیقت واردات میں انہیں معذور سمجھا جائے گا۔ لیکن اہلِ صحو یعنی بیدار اور خود آگاہ لوگ ایمان کے بنیادی عقائد کے منافی اس طرح کی واردات و کیفیات کلی طور پر رد کر دیتے ہیں اور قطعاً قبول نہیں کرتے۔ اگر کوئی ان میں سے ایسی چیزوں کو قبول کرلے گا تو وہ بہت بڑی غلطی کرے گا۔

جی ہاں وہ جو کون مکاں کے امور و معاملات چلا رہا ہے اور اس کے معاملات کو ایسی سہولت اور آسانی کے ساتھ کنٹرول کر رہا ہے جیسے کہ ایک محل یا ایک چھوٹے سے گھر کا معاملہ ہو۔ اور وہ جو ستاروں اور دوسرے اجرام سماوی کو انتہائی حکمت اور اتنی سہولت کے ساتھ حرکت میں رکھتا ہے جیسے وہ چھوٹے چھوٹے ذرات ہوں۔ اور وہ کہ ذرے جس کے ماتحت ہیں اور اس کے حکم کی سر جھکا کر بجا آوری کرتے ہیں۔

جی ہاں! جو یہ سب کام کرتا ہے وہ اللہ القدوس ہے۔ وہ جس طرح شرک سے مقدس اور منزہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نظیر، ضد اور ند نہیں، اسی طرح اس کا قطعاً کوئی مثیل، مثال، شبیہ یا صورت نہیں ہے۔ اور یہ چیز اس آیت کریمہ کی نص سے ثابت ہوتی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

تاہم یہ ضرور ہے کہ اس کے جو پر حکمت معاملات، جلیل القدر صفات اور خوبصورت نام ہیں ان کا نظارہ اس آیت کریمہ کے مضمون کی رو سے اس کے حکیمانہ معاملات، اس کی جلیل القدر صفات اور اُس کے اسمائے حسنیٰ کا نظارہ مثل اور تمثیل کی دوربین سے ہی کیا جائے گا۔

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے مبنی بر حکمت کاموں کو دیکھنے اور ان میں غور و فکر کرنے کے لیے مثال اور تمثیل وغیرہ سے کام لیا جائے گا۔

یہ حدیث بہت سے جلیل القدر مقاصد پر مشتمل ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کی پیدائش ایسی صورت پر ہوئی ہے جو اللہ کے نام نامی اسم گرامی ''الرَّحمان'' کی تجلی کا بھرپور اظہار کرتی ہے۔

سابقہ اسرار و رموز کے ضمن میں ہم نے یہ بات وضاحت سے بتائی ہے کہ اسم ''الرحمان'' جس طرح ہزاروں

Marfat.com

اسمائے گرامی کی شعاعوں کے مظاہر کے جھرمٹ میں کائنات کی پیشانی پر جلوہ گر ہے، اور جس طرح اسم ''الرحمان'' سطحِ زمین پر مطلق ربوبیت کی بے شمار تجلیوں کے جلوہ میں پیش کیا جاتا اور دیکھا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس اسم (الرحمان) کی تجلی کا اظہار انسان کی جامع صورت میں کرتا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ روئے زمین اور سطحِ کائنات پر اس تجلی کا اظہار وسیع پیمانے پر ہوتا ہے اور انسانی شکل وصورت میں چھوٹے سے محدود پیمانے پر۔

حدیث شریف میں اسی طرح یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان اور دوسرے جانداروں میں ''الرحمٰن الرحیم'' پر دلالت کرنے والے مظاہر ان آئینوں کی طرح ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تجلیات کو منعکس کرتے ہیں، اس پہلو سے دیکھا جائے تو انسان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی پہچان کی جو رہنمائی ملتی ہے بالکل واضح قطعی اور آشکار ہے اپنی قطعیت اور واضح پن میں اس صاف چمکدار آئینے کی دلالت اور رہنمائی کے مشابہ ہے۔ جو سورج کی شکل کا ہو اور سورج کو اپنے اندر منعکس کر رہا ہو۔ اب جس طرح اس آئینے کی چمک دمک اور اس کے خود اپنی دلیل آپ ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہنا ممکن ہے کہ: یہ سورج ہے، اسی طرح یہ کہنا صحیح ہے_ اور حدیث میں کہا بھی گیا ہے_ کہ: انسان میں رحمان کی صورت جلوہ گر ہے۔ اور یہ کہنا اس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے صحیح ہے کہ انسان اسم گرامی ''الرحمان'' پر واضح دلالت کرتا ہے اور اِس کی اُس کے ساتھ مکمل مناسبت اور پختہ تعلق ہے۔

وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے معتدل لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ: ''لَا مَوْجُوْدَ إِلَّا هُوَ''، تو اس کے پیچھے بھی یہی وضوحِ دلالت اور کمالِ مناسبت والا راز کارفرما ہے۔

اَللّٰهُمَّ يَا رَحْمَانُ يَا رَحِيْمُ بِحَقِّ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اِرْحَمْنَا كَمَا يَلِيْقُ بِرَحِيْمِيَّتِكَ، وَفَهِّمْنَا أَسْرَارَ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" كَمَا يَلِيْقُ بِرَحْمَانِيَّتِكَ۔ آمین

☆ چھٹا راز:

لاانتہا عجز اور بے حدوحساب فقر کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں گھرے اور غلطاں وپیچاں انسان! اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ ''رحمت'' کیونکر سب سے بڑا وسیلہ اور سب سے زیادہ امیدوں کا سہارا اور سفارشی ہے، تو یاد رکھو کہ:

رحمت اُس صاحب جلالت سلطان اعظم تک رسائی کرانے اور اس کی بارگاہ تک پہنچانے والا سب سے قوی وسیلہ ہے جس کے آگے ستاروں سے لے کر ذروں تک تمام مخلوقات مکمل اطاعت اور نظام کے تحت سراپا تسلیم ہے۔ وہ سلطانِ معظم جو ذوالجلال والاکرام ہے، ربّ العالمین ہے اور تمام مخلوقات سے مستغنی ہے، تمام موجودات سے بڑا اور بالا ہے، اسے مخلوق کی قطعاً کوئی محتاجگی نہیں ہے بلکہ ہر چیز اس کی عظمت کے سامنے فروتن، اس کی قدرت کے سامنے سراپا تسلیم، اس کے دبدبے کے سامنے پست وذلیل اور اس کی ہیبت کے سامنے سرنگوں ہے۔۔۔ اس لیے اے انسان! یہ رحمت ہی ہے جو

Marfat.com

تمہیں بلند کر کے تمہاری اس غنئ مطلق ذات کے دربارِ خاص تک رسائی کرواسکتی ہے، بلکہ تجھے اونچائی پر لے جاتے ہوئے اس جلالت مآب مقامِ خطاب تک پہنچاسکتی ہے جہاں تو اس کے محبوب اور مکرم کے مرتبے پر فائز ہوسکتا ہے۔

لیکن جس طرح تم سورج تک اس کے تم سے دور ہونے کی وجہ سے رسائی حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ کسی بھی حال میں اس کے نزدیک بھی نہیں جاسکتے ہو، تاہم اس کی روشنی تمہیں آئینے کے واسطے سے اس کی تجلی اور صورت مہیا کردیتی ہے۔اسی طرح (وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی) ہم علی الرغم اس کے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مطلق دور ہیں، اس کی رحمت کی روشنی اسے ہمارے قریب کردیتی ہے۔

اس لیے اے انسان!

جس نے اس رحمت کو پالیا سمجھو کہ اس نے ایک ایسا خزانہ پالیا جو نور سے بھرا ہوا ہے۔رہا وہ راستہ جو اس روشنی سے بھرے خزانے تک پہنچاتا ہے، تو وہ یہ ہے کہ: اس چیز کو اچھی طرح جان لو کہ اس رحمت کی روشن ترین مثال، بہترین ترجمان، فصیح اور بلیغ ترین نمائندہ زبان، معزز اور مکرم دعوت دہندہ وہ ہے جس کا نام قرآن کریم میں ﴿رحمۃ للعالمین﴾ رکھا گیا ہے۔وہ ہیں ہمارے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔مطلب یہ ہے کہ اس ابدی خزانے تک پہنچنے کا سب سے اچھا راستہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سنت کی پیروی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس محبوب پیغمبر تک پہنچنے کا ذریعہ کیا ہے؟

تو جان رکھو کہ ان تک پہنچنے کا ذریعہ ان پر درود وسلام ہے۔

جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحمت، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا مطلب ہے، رحمت کے اس زندہ جاوید سراپے کے لیے رحمت کی دعا کی جائے، اور رحمت کی یہ دعا ہی اس رحمۃ للعالمین تک پہنچنے کا ذریعہ یا وسیلہ ہے۔

اس لیے اے انسان!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا وسیلہ بنالے، پھر ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے تاکہ وہ تجھے اس رحمانُ الرحیم کی رحمت تک پہنچادیں؛ کیونکہ تمام امت اپنی دعاؤں کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے درود وسلام کے ساتھ اس رحمت کی قدر و قیمت اور اس الٰہی تحفے کی اہمیت کی انتہاؤں، وسعتوں اور عظمتوں کو اجاگر کرتی ہے۔

خلاصۂ کلام:

رحمت الٰہی کے خزانے کے حاجب ودربان اور اس کے معزز دعوت دہندہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اور

Marfat.com

اس خزانے کی افضل ترین چابی ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' ہے۔اور اسے انتہائی آسان طریقے سے کھولنے کا ذریعہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ اَسْرَارِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صَلِّ عَلٰى مَنْ أَرْسَلْتَهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ كَمَا يَلِيْقُ بِرَحْمَتِكَ وَبِحُرْمَتِهِ۔ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْن

وَارْحَمْنَا رَحْمَةً تُغْنِيْنَا بِهِ عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ مِنْ خَلْقِكَ۔

آمین

﴿سُبْحَانَكَ لَاعِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

Marfat.com

پندرہواں لمعہ

یہ لمعہ مقالات، مکتوبات اور چودھویں لمعے تک لمعات کی فہرستوں پر مشتمل ہے۔ یہ فہرست اپنی کتب کے ساتھ طبع ہو چکی ہے، اس لیے یہاں درج نہیں کی گئی۔

Marfat.com

سولھواں لمعہ

باسمہ تعالیٰ

﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ...﴾

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ:

عزیزُ القدر دوست بھائیو! خواجہ صبری، حافظ علی، مسعود، دونوں مصطفیٰ، خسرو، رأفت، بکر بک، رُشدی، حافظ احمد، شیخ مصطفیٰ وغیرہ!

مجھے قلبی طور پر اس بات کا احساس ہوا ہے کہ میں اختصار کے ساتھ اُن چار چھوٹے چھوٹے اہم مسائل کی وضاحت کروں جو کہ آپ کے سوال کا دارومدار بن چکے ہیں، چنانچہ میں ان کی وضاحت فقط تمہاری معلومات کے لیے بالکل مختصر طریقے سے کروں گا۔

پہلا سوال:

ہمارے بھائیوں میں سے چاپراززادہ عبداللہ آفندی جیسے کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ اہلِ کشف نے پہلے رمضان میں کہا تھا کہ اب کے رمضان میں اہلِ سنت کے غم دُور ہوں گے، وہ کشادگی پائیں گے اور اُنہیں خوشخبریاں ملیں گی، لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ: اہلِ کشف وولایت ایسی خلافِ واقعہ باتیں کیوں کرتے ہیں؟

قلبی واردات کے قبیل سے میں نے جو بے ساختہ مختصر سا جواب دیا وہ یہ ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ: ''اِنَّ الْبَلاَءَ یَنْزِلُ وَ تُقَابِلُهُ الصَّدَقَةُ فَتَرُدُّهُ '' بے شک بلائیں کبھی نازل ہوتی ہیں اور صدقہ اُن کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کو دور کر دیتا ہے۔ اس حدیث کا گہرا راز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مقدرات چونکہ بعض شروط کے ساتھ بندھی ہوئی واقع ہوتی ہیں، اس لیے اُن شروط کے متاخر ہونے سے متاخر ہو جاتی ہیں پس وہ مقدرات جن کی اطلاع اہلِ کشف کو ہوئی مطلق نہیں بلکہ بعض شروط کے ساتھ مقید تھیں۔ اس لیے ان شروط کے عدمِ وقوع کی وجہ سے وہ واقعہ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ البتہ یہ حادثہ لوحُ المحوِ والاثبات میں اجلِ معلق کی طرح لکھا گیا تھا، لوحُ المحوِ والاثبات جو کہ لوحِ ازلی کے لیے ایک دستاویز کا حکم رکھتی ہے، اور کشف لوحِ ازلی پر بہت کم مطلع ہو پاتا ہے، اور وہاں جو کچھ ہے بسا اوقات اُسے اُس کی جھلک نہیں ملتی ہے۔

پس یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر پچھلے رمضان میں اور اس عید الاضحیٰ پر اور دیگر اوقات میں وہ چیز وقوع پذیر نہیں ہو سکی

Marfat.com

جس کے بارے میں کشفیات واستخراج واستنباط کی بنا پر خبریں دی گئی تھیں؛ کیونکہ وہ شروط موجود نہیں تھیں جن کے ساتھ یہ خبریں وابستہ تھیں، اس لیے ان کے بارے میں خبر دینے والوں کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا؛ کیونکہ یہ واقعات کچھ شرطوں کے ساتھ مقدر تھے، اور شرطیں چونکہ پائی نہیں گئیں اس لیے یہ واقعات بھی ظہور میں نہیں آئے۔

جی ہاں: وہ خالص دُعا جو اہل السنّت والجماعت رمضان شریف میں دفع بدعات کے لیے کرتے ہیں، وہ اس کے لیے ایک اہم شرط اور سبب تھی، لیکن بدعات رمضان شریف میں مساجد میں داخل ہو گئیں اور دعا کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئیں، اور یوں _ افسوس ہے کہ اس وجہ سے _ کشادگی نہ آسکی اور مصیبت دُور نہ ہو سکی۔ کیونکہ حدیث کی رُو سے جس طرح صدقہ بلا کو ٹالتا ہے، اسی طرح اکثر لوگوں کی خالص دُعا عام کشادگی کو کھینچ لاتی ہے، لیکن چونکہ قوتِ جاذبہ نہیں پائی گئی، اس لیے کشادگیاں آنہ سکیں اور بلائیں ٹل نہ سکیں۔

دوسرا اہم سوال:

ان دو مہینوں میں سیاسی حالات نے جو وضع اختیار کر لی تھی، اس کے پیشِ نظر یہ ضروری تھا کہ کسی قوی احتمال کے ذریعے کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جاتی جو میرے لیے اور میرے قریبی ساتھیوں کے لیے آسودگی و دلجمعی کا باعث بنتی، لیکن میں نے ایسے حالات کی قطعاً پرواہ نہیں کی، بلکہ اس کے برعکس میں ان اہلِ دنیا کی اصلاح کے بارے میں سوچتا رہا جو مجھ پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ چنانچہ میری اس روش پر کچھ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ اُنہوں نے کہا: سیاست کے اس انداز میں آپ کی کیا رائے ہے جس کی رُو میں یہ جدّت پسند بہتے چلے جا رہے ہیں، ان میں سے کچھ منافق ہیں؟ آپ اس میں کوئی مداخلت نہیں کرتے ہیں۔

اس کا میں نے جو مختصر سا جواب دیا وہ یہ ہے۔

وہ خطرناک گرداب کہ جس میں اہلِ اسلام اس دور میں گھر چکے ہیں، وہ ہے فلسفہ وسائنس سے جنم لینے والی گمراہی کی وجہ سے حاصل ہونے والا دلوں کا فساد اور ایمان میں دَر آنے والا تزلزل ہے اور اس صورت حال سے نکلنے کا ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ ہے نور سے خود بہرہ وَر ہونا اور دوسروں کو اس کا نظارہ کرانا تاکہ دلوں کی اصلاح ہو جائے اور ایمان بچ جائے لیکن اگر سیاست کے ڈنڈے سے کام لیا جائے اور غلبہ وتسلّط سے کامیابی حاصل کی جائے تو یہ کفار کفر کے درجے سے نیچے اُتر کر منافقین کے درجے میں آ جائیں گے، اور منافق کافر سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ڈنڈا اس دور میں دلوں کے لیے مناسب نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں کفر دل میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے، اور پھر نفاق میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ میرے جیسا لاچار آدمی اس دور میں نور اور ڈنڈے کو ایک ساتھ استعمال نہیں کر سکتا، اسی بنا پر میں اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ نور کو اپنانے کے لیے مجبور ہوں۔ اور اسی بنا پر سیاست کے ڈنڈے سے

Marfat.com

منہ پھیرنا اور اُس کی طرف مطلق التفات نہ کرنا ضروری ٹھہرا، خواہ وہ کسی بھی شکل میں کیوں نہ ہو۔ رہا مادی جہاد کا تقاضا، تو یہ فی الحال ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ جی ہاں!

لیکن لاتوں کے بُھوت چونکہ باتوں سے نہیں مانتے ہیں، اس لیے جو ڈنڈے کی زبان سمجھتے ہیں ان کے لیے ڈنڈا ضروری ہے، تاکہ کافر یا مرتد کی دست بُرد کا راستہ بند کیا جاسکے۔ لیکن دِقّت یہ ہے کہ ہمارے صرف دو ہاتھ ہیں، اگر ہمارے سو ہاتھ ہوتے، تو بھی صرف نور کے لیے ہی مشکل سے پورے آتے، ڈنڈا پکڑنے والے ہاتھ ہمارے پاس نہیں ہیں۔

تیسرا اہم سوال

بے شک اسلامی حمیت جو کہ قدیم زمانے سے اِس وطن میں حکومت کا حقیقی نقطۂ استناد اور اس کی معنوی قوّت کا سر چشمہ رہی ہے، وہ حمیّت اسلامی شعائر کے احیاء اور غیر اسلامی جدید رجھانات کے آگے دفاعی بند باندھنے کے لیے ایک طرح کے وسیلے کا کام دے سکتی ہے، اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ اِن دنوں برطانیہ اور اٹلی جیسے ملکوں نے حکومت کے خلاف جو دھاوا بول دیا ہے وہ اس حمیّت کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے۔

لیکن آپ نے جنگ کی شدت کے ساتھ مخالفت کی ہے اور اللہ سے دعا کی ہے کہ یہ مسئلہ امن وامان کے ساتھ حل ہو جائے اور آپ نے آئینی حکومت کی تائید کی ہے کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ان جدید رجحانات و بدعات کی حمایت کر رہے ہیں؟

الجواب:

ہم فرح وسرور اور فتوحات کے طلب گار ضرور ہیں، لیکن کافروں کی تلواروں کے ذریعے نہیں، برباد ہیں وہ اور اُن کی تلواریں، اُن کی تلواروں سے حاصل ہونے والے کسی فائدے کی ہمیں ضرورت بھی نہیں؛ کیونکہ یہ بدنصیب سرکش ہی تو ہیں جنھوں نے اہلِ ایمان پر منافقوں کو مسلط کر رکھا ہے اور زندیقوں کو بغاوت پر آمادہ کیا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ جنگ کی شورش ہماری قرآنی خدمت کے فدا کار دوست احباب چونکہ پینتالیس سال سے کم عمر کے ہیں، اس لیے وہ جنگ کی وجہ سے قرآنی خدمت کے اس مقدس وظیفے کو چھوڑ کر فوج میں بھرتی ہونے کے لیے مجبور ہوں گے۔ پس ان حالات میں اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو میں اپنے اِن بیش قیمتی بھائیوں میں سے ایک ایک کو بچانے کے لیے بطیبِ خاطر نقد مال خرچ کر دیتا اور انہیں فوج میں بھرتی نہ ہونے دیتا۔ بے شک ہمارے سینکڑوں قیمتی بھائیوں کا فوج میں بھرتی ہونا اور مادی جہاد میں مصروف ہو جانا قرآن کی نورانی خدمت کے لیے ایک ایسا خسارہ ہے جو کہ میں سمجھتا ہوں ایک لاکھ لیرے کے برابر ہے جس سے اپنے ان سینکڑوں بھائیوں کو پکڑ کر فوج میں جانے سے روکا جاسکتا ہے۔ حتیٰ کہ ''ذکائی'' کا اس ایک یا دو سالوں کے لیے فوج میں بھرتی ہونے کے لیے چلے جانے سے اِس بات کا احتمال ہے کہ اُس نے

Marfat.com

اپنے معنوی فائدے سے ایک ہزار لیرے ضائع کر لیے ہیں۔

بہر کیف ہر چیز پر قادر ذات جس طرح بادلوں سے بھری ہوئی فضا کو ایک سیکنڈ میں صاف شفاف کر دیتی ہے اور سطحِ آسمان پر چمکدار سورج کو نمایاں کر دیتی ہے، وہ ذات یقیناً اِن بے بارش تاریک بادلوں کو تتر بتر کر کے شریعت کے سورج کی طرح چمکدار حقائق کو نمایاں کر کے ہمیں بغیر کسی پریشانی کے اِن حقائق سے بہرہ وَر کر سکتی ہے۔

ہم اس کی رحمت سے اس بات کی اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کسی مہنگی قیمت کا مکلف نہ کرے اور ہمارے سربراہوں کے سروں کو عقل اور ان کے دلوں کو ایمان عطا کرے۔ بس یہی کافی ہے۔ اور ایسی صورت میں معاملات خود بخود استوار ہو جائیں گے۔

چوتھا اہم سوال:

کہتے ہیں کہ: آپ کے ہاتھوں میں اگر ڈنڈے کی بجائے نُور ہے، تو پھر نور کا تو نہ مقابلہ ہوتا ہے، نہ اس سے دُور بھاگا جاتا ہے اور نہ اُس کے آشکار ہو جانے سے کوئی نقصان ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کو محتاط رہنے کا کیوں کہتے ہیں اور ان نورانی رسائل کو تمام لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے سے منع کیوں کرتے ہیں؟

اِس سوال کے جواب کا مختصر سا مفہوم یہ ہے:

بہت سے رؤسا ئدہوش ہیں، نُور کو پڑھتے ہی نہیں، اور اگر پڑھ بھی لیں تو سمجھ نہیں پاتے بلکہ اس کی کوئی غلط تاویل کر لیتے ہیں، اور پھر اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اِس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اس نور کو اُن سے اس وقت تک چھپا کر رکھا جائے جب تک کہ وہ ہوش میں آ جائیں، تاکہ پھر اس کی عیب گیری نہ کر سکیں۔

اسی طرح بہت سے لوگ جو کہ وجدان سے عاری ہیں وہ بھی نور کا یا تو انکار کرتے ہیں، یا پھر کسی غرض، طمع یا خوف کی وجہ سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اس لیے میں اپنے بھائیوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان حقائق کو نااہلوں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیں اور خود کو ایسے معاملات میں مصروف نہ کریں جو اُن کے خلاف اہلِ دنیا کے اوہام و شبہات متحرک کر دیں۔ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) ایک لطیف واقعہ جو کسی سنجیدہ مسئلے کا وسیلہ بن سکتا ہے: پرسوں میرے پاس میرے ایک دوست کا سسر آیا اور اُس نے مجھے خوشی خوشی بتایا کہ: اسپارٹا میں لوگوں نے آپ کی ایک کتاب طبع کی ہے اور لوگ اسے ذوق وشوق سے پڑھ بھی رہے ہیں۔ تو میں نے کہا: یہ وہ طباعت نہیں ہے جس پر پابندی لگی ہوئی ہے بلکہ یہ کسی نسخے کی کاپی کروائی گئی ہے، اس لیے حکومت کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔ میں نے اُسے یہ بھی کہا: خبردار! اس کے بارے میں اپنے اُن دو منافق دوستوں کو مت بتانا؛ کیونکہ وہ تو ایسی چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن کو بہانہ بنا کر دست درازی کر سکیں۔

تو میرے بھائیو! یہ آدمی اگرچہ میرے دوست کا سسر ہے اور اس نسبت سے میرا بھی دوست ہی شمار ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ چونکہ پیشے کے لحاظ حجام ہے اس لیے علاقے کے منافق مدیر اور پتھر دل معلم کا بھی دوست ہے۔ یہ خبر اُسے ہمارے کسی بھائی نے لاعلمی میں دے دی تھی۔ اور اُس نے یہ کام بہت اچھا کیا کہ سب سے پہلے مجھے ہی آ کر بتایا۔ چنانچہ میں نے اُسے خبردار کر دیا اور یوں فساد کا دروازہ بند ہو گیا۔۔۔ مؤلف۔

Marfat.com

خاتمہ

آج مجھے رافت بک کی طرف سے خط ملا ہے، میں ایک عرصہ تک اس اُمید میں رہا تھا کہ وہ سوال کرنا چھوڑ دے گا، لیکن وہ سوال کرتا رہا اِدھر میں رسائل کے نسخ ونقل کی مشقت میں مصروف تھا۔

بہر کیف اُس نے جو نبی ﷺ کی ریش مبارک کے بارے میں سوال کیا ہے، اُس کی مناسبت سے میں کہتا ہوں کہ: حدیث کی رُو سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ بال جو آپ ﷺ کی ریش مبارک سے گرے ہیں محدود اور تھوڑی سی تعداد میں ہیں۔ اور یہ بال چونکہ ہزاروں جگہوں پر پائے جاتے ہیں اس لیے میں اس ضمن میں اکثر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، کیونکہ ان کی تعداد تیس سے چالیس یا پچاس سے ساٹھ کے درمیان ہے، یعنی بہت تھوڑی ہے کہ اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ صرف ریش مبارک کے بال ہی نہیں ہیں، بلکہ اس میں آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال بھی شامل ہیں؛ کیونکہ صحابہ کرام جو کہ آپ ﷺ کی کوئی بھی چیز ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، آپ ﷺ نے جب بھی حجامت بنوائی تو انہوں نے اِن بابرکت تابناک بالوں کو بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھا جو کہ ہمیشہ سے باقی ہیں۔ اور یہ بال ہزاروں کے حساب سے ہیں اور اس تعداد پر پورے اُترتے ہیں جو کہ مختلف جگہوں میں پائی جاتی ہے۔

پھر میرے ذہن میں اُس وقت یہ بات بھی آئی کہ کیا یہ بات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ یہ بال جو ہر مسجد میں پائے جاتے ہیں واقعتاً نبی ﷺ کے ہی ہیں'' کہ اُن کی زیارت کے لیے جانا معقول ہو؟

تو میرے ذہن میں اچانک یہ بات آئی کہ ان بالوں کی زیارت آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کا ایک وسیلہ اور سبب ہے، اور آپ ﷺ کی محبت اور توقیر وتعظیم کا دارومدار ہے۔ اس لیے آپ وسیلہ بننے والی اُس چیز کی ذات کی طرف نہ دیکھیں بلکہ اُسے اس حیثیت سے دیکھیں کہ یہ چیز وسیلہ بن رہی ہے۔ اس لیے اگر یہ بال حقیقت میں آپ ﷺ کی ریش مبارک کے نہ بھی ہوں تو بھی چونکہ بظاہر انہیں اِسی طرح یقین کر لیا گیا ہے، اور یہ آپ ﷺ کی تکریم وتوقیر ومحبت اور آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کے لیے وسیلے کا کام دے رہے ہیں، اس لیے ان کی تعیین وتشخیص کے لیے قطعی سند کا ہونا لازمی نہیں بلکہ اس کے برعکس کسی قطعی دلیل کا نہ ہونا کافی ہے؛ کیونکہ عوام الناس کا اس پر مطمئن ہو جانا اور اُمت کا اسے قبول کر لینا بذاتِ خود ایک طرح کی حجّت کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر یہ ہے کہ اگر بعض تقویٰ شعار لوگ از راہِ تقویٰ، از راہِ احتیاط یا از راہِ عزیمت ایسی چیزوں پر اعتراض کریں، تو اُن کا یہ خصوصی اعتراض ہوگا۔ اور اگر وہ اس پر بدعت کا اطلاق کریں تو ایک قسم کی بدعتِ حسنہ شمار ہوگی؛ کیونکہ یہ آپ ﷺ پر درود وسلام کا وسیلہ ہے۔

رأفت بک اپنے خط میں یہ بھی کہتا ہے:

Marfat.com

یہ مسئلہ بھائیوں دوستوں کے درمیان مناقشے کا سبب بنا ہوا ہے۔ تو میں اپنے تمام بھائیوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ایسے کسی بھی مسئلے کو بحث ومناقشے کا دارومدار نہ بنائیں جس سے انشقاق وافتراق جنم لے سکے۔ اور یہ کہ خود کو ایسے بحث مباحثے کا عادی بنائیں جو تبادلۂ افکار کی طرز کا ہو اور فساد ونزاع کا سبب نہ بنے۔

☆ ☆ ☆

باسمه سبحانه

﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته۔

میرے عزیز، صادق ''سنبر گنت'' والے بھائیو! ابراہیم، شکری، حافظ بکر، حافظ حسین اور حافظ رجب!

حافظ توفیق کے ہاتھ جو تین مسائل تم لوگوں نے بھیجے ہیں، اُن پر ملحد لوگ قدیم دور سے اعتراض کرتے چلے آرہے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آیت کریمہ: ﴿حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ کے ظاہری معنی سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ اس نے سورج کو ایک ایسے چشمے میں ڈوبتے دیکھا جس کا پانی کیچڑ والا اور گرم تھا۔

دوسرا مسئلہ: سدِ ذوالقرنین کہاں ہے؟

تیسرا مسئلہ: عیسیٰ علیہ السلام کے اُترنے اور اُن کے دجال کو قتل کرنے کے بارے میں۔

ان تینوں سوالوں کے جوابات بے شک لمبے ہیں، لیکن ہم ان کی طرف انتہائی اختصار کے ساتھ صرف اشارہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

بے شک قرآنی آیات عربی زبان وادب کے اسالیب پر مبنی ہیں اور ان کا انداز کچھ اس طرح کا ہے کہ عام لوگوں کی سمجھ میں آجاتی ہیں، اور بسا اوقات بہت سے معانی ومسائل تشبیہ وتمثیل کے ذریعے بیان کردیتی ہیں۔

چنانچہ فرمان گرامی: ﴿تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ: ذوالقرنین نے یہ دیکھا کہ سورج بحر محیط کے اُس مغربی ساحل میں غروب ہورہا ہے جو کہ ایک دلدلی اور گرم چشمے کی طرح نظر آرہا تھا۔ یا اُس نے یہ دیکھا کہ وہ کسی پہاڑ کے آتش فشاں چشمے میں ڈوب رہا تھا جو شعلوں سے اور دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ ذوالقرنین نے ظاہری نظر سے اس طرح سے دیکھا کہ سورج کو بظاہر بحر محیط کے ایک ایسے حصے میں غروب ہوتے دیکھا جو کہ اُسے دُور سے چشمے کے ایک بہت بڑے حوض کی صورت میں نظر آیا۔ چنانچہ اس نے دیکھا کہ سورج بظاہر اُن کثیف بخارات کے پیچھے غروب ہورہا ہے جو بحرِ محیط کے مغربی کنارے میں موسم گرما میں سورج کی تمازت کی شدت سے اُٹھ رہے تھے۔ یا اُس نے ظاہری نظر

Marfat.com

کے ساتھ سورج کو۔ جو کہ آسمان کا سرچشمہ ہے۔ بحرِ محیط کے مغربی ساحلوں میں کسی آتش فشاں پہاڑ کے دھانے سے نئے نئے پھوٹنے والے چشمے میں ڈوبتے دیکھا جو کہ فوارے کی طرح اُبل رہا تھا اور جس میں پتھر مٹی اور پگھلی ہوئی معدنیات کی آمیزش تھی۔

جی ہاں، بے شک قرآن حکیم کی معجزانہ تعبیروں میں پائی جانے والی بلاغت اس ایک جملے کے ذریعے ہمیں بہت سے مسائل عطا کر رہی ہے:

چنانچہ سب سے پہلے تو یہ اس چیز کی وضاحت کرتی ہے کہ ذوالقرنین کی یہ سیاحت مغرب کی جانب تھی۔ اور یہ اُس وقت ہوئی جب کہ موسم شدید گرم تھا۔ اُس کا رُخ کیچڑ یا دلدل کی طرف تھا۔ اُس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ اور یہ کہ ایک آتش فشاں سے لاوا اُبل رہا تھا۔ اور اس کے ذریعے آیت کریمہ بہت سے عبرت خیز مسائل کی طرف اشارہ کرتی ہے، اُن میں سے ایک ذوالقرنین کا براعظم افریقہ پر مکمل طور پر غلبہ واستیلاء کا حاصل کر لینا ہے۔

اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ سورج کی وہ حرکت جو مشہود ہے، ظاہری ہے اور زمین کی مخفی اور غیر محسوس حرکت کی دلیل ہے۔ اور یہ اُس کے بارے میں خبر دے رہی ہے۔ اور اس سے مراد غروب کی حقیقت نہیں ہے۔

پھر لفظِ ''عین'' تو ایک تشبیہ ہے؛ کیونکہ ایک بہت بڑا سمندر دور سے ایک چھوٹے سے حوض جیسا نظر آتا ہے اور دلدلوں اور حرارت سے نکلنے والے بخارات اور دھوؤں کے پیچھے سے نظر آنے والے سمندر کو کیچڑ میں اُبلتے ہوئے چشمے کے ساتھ تشبیہ دینا یقیناً بڑی جاندار تشبیہ ہے۔ پھر لفظِ ''عین'' کا استعمال جو کہ عربی زبان میں سرچشمہ، آفتاب اور آنکھ کے معانی میں آتا ہے، بلاغت کے اسرار و رموز کی رُو سے انتہائی مناسب واقع ہوا ہے۔

اب جس طرح سورج دُور سے ذوالقرنین کی نظروں میں اس طرح سے نظر آیا، اسی طرح عرش اعظم سے نازل ہونے والے آسمانی خطاب اور تمام اجرام سماویہ پر غالب حاکم و غالب قرآن کا یہ کہنا کہ:

وہ مسخر آفتاب جو کہ اس رحمانی مہمان خانے میں ایک چراغ کی ذمہ داری ادا کرتا ہے، مغربی بحرِ محیط جیسے ایک ایک ربانی ''چشمے'' میں رُوپوش ہو جاتا ہے، یہ کہنا قرآن کی عظمت و سربلندی کے عین مناسب ہے، اور اپنے معجزانہ اسلوب کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ سمندر ایک ایک گرم اور دھواں دار چشمہ ہے۔ اور وہ آسمانی آنکھوں سے ایسا ہی نظر آتا ہے۔

الحاصل:

محیط بحرِ غربی کو ''عین حمئة'' ذوالقرنین کی نسبت سے کہا گیا ہے، صرف اس لیے کہ اسے وہ بحرِ کبیر دُوری کی وجہ سے ایک چشمے کی طرح کا نظر آیا تھا۔ لیکن جہاں تک قرآن کی نظر کا تعلق ہے، تو وہ ہر چیز کے قریب ہونے کی جہت سے ویسے نہیں دیکھتا جیسے کہ ذُوالقرنین نے دیکھا تھا، کیونکہ دوری کی وجہ سے اُس کی بصارت کی حس دھوکا کھا گئی تھی۔ بلکہ قرآن کریم

Marfat.com

چونکہ آسمان کی طرف دیکھتا ہوا نازل ہوتا ہے، اس لیے کرۂ ارض کبھی میدان، کبھی ایک محل، کبھی گہوارے اور کبھی ایک صفحے کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس لیے اُس کا دھوئیں دار اور بخارات والے بہت بڑے مغربی بحرِ محیط اطلسی کو ایک چشمہ کہنا اُس کی عظمت اور بلندی کی دلیل ہے۔

آپ کا دوسرا سوال:

سدِ ذُوالقرنین کہاں واقع ہے؟ یأجوج مأجوج کون ہیں؟

الجواب:

اس مسئلے کے بارے میں میں نے کافی عرصہ پہلے ایک مضمون لکھا تھا، جس کی وجہ سے اُس دور کے الحاد پرست لاجواب ہو گئے تھے۔ لیکن اس وقت وہ مضمون میرے پاس موجود نہیں ہے۔ اور میں نے اپنی قوتِ حافظہ کو چونکہ مصروفیات سے فارغ کر دیا ہوا ہے اس لیے اب وہ اس ضمن میں میرا تعاون بھی نہیں کر رہی ہے پھر یہ بھی ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں چونکہ چوبیسویں مقالے کی تیسری شاخ میں تھوڑی بہت بحث ہو چکی ہے، اس لیے اس مقام پر اس مسئلے کے بارے میں صرف دو یا تین نکتوں کی طرف مختصر سا اشارہ کریں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ:

یہ ذوالقرنین سکندر رومی نہیں ہے بلکہ اہلِ تحقیق کے بیان کے مطابق اور لفظ ''ذُوالقرنین'' کے عنوان میں پائے جانے والے اشارے کی رُو سے یہ کوئی یمن کا بادشاہ تھا۔ اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ یمن کے بادشاہوں کے نام ''ذُو'' سے شروع ہوتے تھے، جیسے ''ذُوالیزن'' وغیرہ۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے دور میں تھا اور اس نے خضر علیہ السلام سے بھی درس لیا تھا۔ لیکن جہاں تک اسکندر رومی کا تعلق ہے تو وہ تقریباً تین سو سال قبل مسیح آیا تھا اور اس نے ارسطو سے پڑھا تھا۔

انسانی تاریخ منظم صورت میں صرف تین ہزار سال تک اُوپر کو جاتی ہے، اور اس تاریخ قاصر و کوتاہ تاریخ کی نظر ابراہیم علیہ السلام سے پہلے والے دور کے بارے میں کوئی درست فیصلہ نہیں کر پاتی ہے، یا تو وہ اوہام و خرافات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، یا انکار کا راستہ اختیار کرتی ہے، اور یا پھر جو کچھ بتاتی ہے انتہائی اختصار کے ساتھ بتاتی ہے۔

کتبِ تفاسیر میں اس یمنی ذُوالقرنین کا اسکندر کے نام سے مشہور ہو جانے کی وجہ اُس اسکندر ذوالقرنین کا ایک نام ہے، اور یہ اسکندرِ کبیر اور اسکندر قدیم ہے۔ اور یا پھر یہ ہے کہ قرآنی آیات میں پائے جانے والے جزوی واقعات کلّی واقعات کا بنیادی حصہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جیسے سکندر کبیر یعنی ذوالقرنین نے نبوت کی رہنمائیوں کی روشنی میں مشہور دیوار چین کی بنیاد رکھی تھی تاکہ وہ ظالم اور مظلوم قوموں کے درمیان ایک آڑ بن جائے اور غدار لوگوں کی غارت گریوں کی راہ میں رکاوٹ کا کام دے، اِسی طرح اسکندر رومی جیسے بہت سے فاتحین اور مضبوط سلاطین نے مادی جہت میں ذوالقرنین کے نقشِ قدم کی پیروی کی اور بعض انبیاء اور اقطاب نے _ جو کہ انسان کے معنوی عالم میں معنوی سلاطین کی حیثیت رکھتے

Marfat.com

ہیں_ معنوی اور ارشادی جہت میں اُس کی پیروی کی اور پہاڑوں کے درمیان ایسے بند (حاشیہ:۱) باندھ دیے جو کہ مظلوم کو ظالموں کی دستبرد سے بچانے کے اہم وسائل ہیں۔ پھر اُنہوں نے پہاڑوں کی چوٹیوں پر قلعے تعمیر کیے۔ ان چیزوں کی تعمیر یا تو اُنہوں نے ذاتی طور پر اپنی مادی قوّت کے بل بوتے پر کی، اور یا پھر اُن کی رہنمائی اور تدبیر و توجیہ شامل تھی۔ پھر اُنہوں نے شہروں کے اِرد گرد فصیلیں بنائیں اور اُن کے وسط میں قلعے تعمیر کیے، اور نوبت یہ آئی کہ آخری وسیلہ جو اُنہوں نے بنایا اور استعمال کیا وہ مشین گنیں اور چلتے پھرتے قلعوں جیسے ڈریڈ ناٹ بحری بیڑے ہیں۔

ذوالقرنین نے جو بند باندھا وہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کے قریب دو پہاڑوں کے درمیان پھیلتا چلا گیا ہے یہ کرۂ زمین پر دنیا کا سب سے مشہور بند ہے جو کہ دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور یہ کئی دنوں کی مسافت کے برابر لمبی ہے۔ اِس کی تعمیر کا مقصد چین اور ہندوستان میں رہنے والے مظلوم لوگوں کو وحشی اور غارت گر اقوام کی دستبرد سے محفوظ رکھنا تھا۔ ان وحشی اقوام کو قرآن کی زبان میں یأجوج ماجوج کہا گیا ہے، اور ایک دوسری تعبیر میں تاریخ کی زبان میں یہ قومیں ''سیتھورین اور منگول'' کے ناموں سے مشہور ہیں۔ یہی وہ اقوام ہیں جنہوں نے عالمِ بشریت کو متعدد بار دھتکارا اور تباہ و برباد کیا ہے۔ یہ ہمالیہ کے اسی پہاڑی سلسلے کے پیچھے سے نکلے تھے اور اقوام عالم کو مشرق سے مغرب تک تاراج کر گئے تھے، اور یہ دیوار کئی زمانوں تک ان وحشی اقوام کی غارت گریوں سے بچاؤ کا کام دیتی رہی۔

ذُوالقرنین کے اس بند کی طرح کے کچھ اور بند بھی ہیں جو کہ قدیم ایران کے بادشاہوں کو ششوں سے قفقاس کے پہاڑی سلسلوں پر دربند کے علاقے میں غارت گر تاتاری اقوام کے حملوں کو روکنے کے لیے باندھے گئے تھے۔

قرآن کریم تمام نوعِ انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے بظاہر ایک جزوی سا واقعہ ذکر کرتا ہے اور اس واقعے کے ذریعے اس کے ساتھ مشابہت رکھنے والے تمام واقعات کو ذکر کر دیتا ہے۔

پس اِسی نقطۂ نظر کی وجہ سے سدِّ ذوالقرنین اور یأجوج ماجوج کے بارے میں روایات میں اور مفسرین کے اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

پھر قرآنِ حکیم کلامی مناسبات کی جہت سے ایک واقعے سے کسی دُوسرے دَور کے واقعے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اب جو شخص اس مناسبت کے بارے میں غور نہیں کرتا ہے وہ دونوں واقعات کے دو وقتوں کو ایک دوسرے کے قریب قریب سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا سدّ ذُوالقرنین برباد ہو جانے کے بعد قیامت کے قائم ہو جانے کی خبر دینا قربِ زمان کی رُو سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق کلامی مناسبات کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سدّ جس طرح عنقریب برباد ہو جائے گی اسی طرح یہ دنیا بھی عنقریب برباد ہو جائے گی۔ اور جس طرح یہ پہاڑ جو کہ فطری اور الٰہی مضبوط سُد ود ہیں، اسی طرح یہ سدّ

(حاشیہ:۱) روئے زمین پر بہت سی ایسی دیواروں اور ایسے بندھ بتائے گئے ہیں جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بالکل پہاڑوں جیسی شکلیں اختیار کر گئے۔ اب دیکھنے پر پتا بھی نہیں چلتا ہے کہ یہ کبھی دیواریں یا بندھ تھے۔ مؤلف۔

Marfat.com

بھی جو کہ پہاڑ کی طرح مضبوط ہے، اسے گرا کر ہموار صرف اُس وقت کیا جائے گا جب یہ دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور یہ کہ تقلباتِ زمانہ اگرچہ اِس میں توڑ پھوڑ کا عمل جاری رکھیں، بایں ہمہ اس کا بہت سا حصہ بچا رہے گا۔ بس اِس کا مطلب یہی ہے۔

جی ہاں!

دیوارِ چین جو کہ سدِّ ذوالقرنین کی کلّیت کا ایک جزء ہے، ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود میدان میں باقی ہے اور قدیم تاریخ کی ایک پُر مغز طویل سُطر کی طرح برابر پڑھی جارہی ہے۔ صحیفۂ ارض پر انسانی ہاتھوں سے لکھی ہوئی ایک مجسّم فولادی سطر۔

آپ کا تیسرا سوال:

اور وہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے۔ اس کا مختصر لیکن کافی وشافی جواب آپ کو پہلے اور پندرھویں مکتوب میں ملے گا۔

☆☆☆

Marfat.com

باسمه تعالیٰ

﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته

میرے عزیز بھائی، جانباز اور وفادار دوست، خواجہ صبری اور حافظ علی رحمہما اللہ!

آپ نے سورۂ لقمان کی آخری آیات میں مذکور پانچ غیبی چیزوں کے بارے میں جو سوال کیا ہے وہ بڑے اہم جواب کا مقتضی ہے لیکن افسوس کہ میری رُوحانی حالت اور مادی حالات اس کے شافی جواب کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ البتہ ہم انتہائی اختصار کے ساتھ آپ لوگوں کے سوال کے ساتھ تعلق رکھنے والے ایک دو نقطوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

آپ کے سوال کا مضمون یہ ہے کہ مغیباتِ خمسہ میں سے رحمِ مادر میں جنین کی کیفیت اور نزولِ باران کے وقت کے بارے میں مُلحدین کی طرف سے تنقید کی صورت میں اعتراض کیا گیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: بارش کے نازل ہونے کے وقت کا انکشاف رصدگاہوں سے ہو جاتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے بارے میں غیر اللہ کو بھی علم ہے۔ اور رحمِ مادر میں جنین کے مذکر یا مؤنث ہونے کا علم ایکسرے سے ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مغیّباتِ خمسہ کی اطلاع پانا ممکن ہے۔

الجواب:

بارش کے نازل ہونے کا وقت چونکہ کسی بھی قاعدے ضابطے کے تحت نہیں ہے، اس لیے وہ خصوصی مشیئتِ الٰہیہ اور خصوصی ارادۂ الٰہیہ کے ساتھ مربوط ہے۔ بنابریں وہ براہِ راست رحمت کے خزانے سے نازل ہوتی ہے۔ اور اس میں پائی جانے والی حکمت کے کچھ اسرار یہ ہیں کہ:

کائنات میں پائی جانے والی سب سے اہم حقیقت اور سب سے قیمتی ماہیت وجود، زندگی، نور اور رحمت ہیں۔ اسی بنا پر ان چیزوں کا رُخ بغیر کسی واسطے اور پردے کے قدرت اور مشیئت الٰہیہ کے ساتھ ہے جبکہ دیگر تمام مصنوعاتِ الٰہیہ میں ظاہری اسباب قدرت کے تصرّف کے آگے حجاب بن جاتے ہیں اور مسلسل ومطّرد قواعد وقوانین _ کسی حد تک _ ارادہ و مشیئتِ الٰہیہ پر پردہ ڈال دیتے ہیں، لیکن یہ حجاب اور پردے وجود، زندگی، روشنی اور رحمت کے آگے نہیں رکھے گئے ہیں؛ کیونکہ حجابات کی حکمت کا راز ان اُمور میں نہیں چلتا ہے۔

اور جب وجود میں سب سے اہم حقیقت زندگی اور رحمت ہیں، اور بارش زندگی کا سرچشمہ اور مدارِ رحمت بلکہ عین رحمت ہے، تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ وسائط اس کے آگے حجاب نہ بنیں اور یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ قاعدہ اور ہمواری و یکسانیت خصوصی مشیئتِ الٰہیہ پر پردہ نہ تانیں تاکہ ہر ایک ہر وقت اور ہر چیز کے بارے میں شکر و عبودیت اور سوال و دعا کے لیے مجبور رہے۔ پس اگر بارش اس عمومی قاعدے میں داخل ہوتی تو انسان اس قاعدے کلیے پر اعتماد کر لیتا اور شکر و رجا کا دروازہ بند ہو جاتا۔

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ سورج کے طلوع ہونے میں بہت سے منافع ہیں، حالانکہ سورج کے طلوع ہونے کے

Marfat.com

لیے نہ دُعا کی جاتی ہے اور نہ اس پر شکر ادا کیا جاتا ہے۔ اور اس چیز کو غیبی اُمور میں بھی شمار کیا جاتا ہے کیونکہ انسانی علم اس قاعدے کی رُو سے ہنگام صبح سورج کے طلوع ہونے کا علم رکھتا ہے۔ لیکن بارش کی جزئیات اس قاعدے کے تابع نہیں ہیں۔ اِسی لیے انسان ہر وقت رجا و دُعا کے ذریعے باب الٰہی پر پناہ لینے کے لیے مجبور رہتا ہے۔ اور انسان کا علم چونکہ بارش کے نزول کے وقت کا تعین نہیں کرسکتا؛ اس لیے لوگ بارش کا سامنا ایک خاص نعمت کے طور پر کرتے ہیں جس کا صدور صرف رحمت کے خزینے سے ہوتا ہے، چنانچہ وہ اس کے حاصل ہونے پر حقیقی شکر ادا کرتے ہیں۔

پس یہ آیت کریمہ نزول باراں کے وقت کو اس زاویۂ نگاہ سے مغیّباتِ خمسہ میں داخل کرتی ہے۔ رہی یہ بات کہ رصد گاہوں میں کچھ آلات کے ذریعے بارش کے مقدّمات اور پیش خیموں کا احساس ہو جاتا ہے، تو یہ علم غیب نہیں بلکہ اس میں تو صرف اتنا ہے کہ بارش جب عالمِ غیب کے پردے سے نکل کر عالم شہادت کے قریب پہنچ جاتی ہے تو اُس وقت انسان کو اس کے بعض مقدمات اور تمہیدی اُمور پر مطلع ہو جانے کی صورت میں اس کا علم ہو جاتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کہ بسا اوقات مخفی ترین غیبی اُمور کے بارے میں اُن کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے، وقوع پذیر ہوتے وقت اور واقع ہونے کے قریب ہو جانے کے بعد ایک قسم کا احساس ہو جاتا ہے۔ اس چیز کا شمار علم غیب میں نہیں ہوتا، بلکہ یہ علم بالموجود یا علم بالمقرِب الی الوجود ہے۔

حتیٰ کہ بسا اوقات اپنی اعصابی بیش حساسیت کی بنا پر مجھے بارش کے آنے کا احساس چوبیس گھنٹے پہلے ہو جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ بارش کے کچھ مبادی و مقدّمات ہیں، اور یہ مبادی و مقدمات اپنی نمائش رطوبت وغیرہ کی صورت میں کر دیتے ہیں اور پیچھے پیچھے بارش کے آنے کا اعلان کر دیتے ہیں۔

پس یہ حالت بعینہٖ اس عمومی قاعدے کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعے انسانی علم اُن اُمور تک پہنچ جاتا ہے جو پردۂ غیب سے نکل چکے ہیں لیکن ابھی عالمِ شہادت میں داخل نہیں ہوئے۔

لیکن اُس بارش کے نزول کے وقت کا علم جس کے قدم ابھی عالم شہادت پر نہیں لگے، اور وہ ابھی تک مشیئتِ خاصہ کے طفیل رحمتِ خاصہ سے نکلی نہیں، اس کا علم خصوصی طور پر صرف علّامُ الغیوب کے پاس ہے۔

دُوسرا مسئلہ

یعنی رحمِ مادر میں جنین کے مذکر یا مؤنث ہونے کے بارے میں ایکسرے کی مدد سے پہچان کرنا یہ چیز آیت کریمہ: ﴿وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ﴾ کے معنی کے منافی نہیں ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت صرف مذکر یا مؤنث ہونے کے متعلق ہی نہیں بتا رہی ہے، بلکہ اس بچے کی عجیب وغریب خصوصی استعداد اور اس کی زندگی کے مقررہ نصاب اور متعین حساب کتاب کے اُن اصول اور مبادیات سے لے کر جو کہ اس کے مستقبل کے حالات و کیفیات کا دار و مدار ٹھہریں گے، صدیت

Marfat.com

کی اُس عجیب وغریب مہر تک جو کہ اُس کی پیشانی پر لگی ہوئی ہے، یہ سب چیزیں مراد ہیں۔ پس بچے کے بارے میں اس قسم کا علم صرف علاّم الغیوب کو ہے۔ چنانچہ اگر ایکسرے کے ساتھ مشابہت رکھنے والے ہزاروں انسانی افکار اکٹھے ہو جائیں، تب بھی اس بچے کے چہرے میں پائے جانے والے ان حقیقی خط وخال کا انکشاف بھی نہیں کر سکتے ہیں جو اُس کی علاماتِ فارقہ ہونے کی حیثیت سے اُسے عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ چہ جائیکہ ان معنوی علامات کا انکشاف کر سکیں جو ان چہری علامات سے سوگنا زیادہ انوکھی اور تعجب خیز ہیں!

ہم یہ بات پہلے کہہ چکے ہیں کہ وجود، زندگی اور رحمت اس کائنات میں پائی جانے والی سب سے اہم حقیقتیں ہیں اور یہ تمام عالمِ رنگ وبو میں بلند ترین مقام کی حامل ہیں؛ اسی بنا پر یہ ہمہ گیر حیاتیاتی حقیقت اپنے تمام دقائق ولطائف کے ساتھ ارادۂ خاصہ، رحمتِ خاصہ اور مشیتِ خاصہ کی طرف رُخ کیے ہوئے ہے اور اس میں پایا جانے والا ایک راز یہ ہے کہ زندگی اپنے تمام آلات ووسائل اور اپنی تمام جہات کے ساتھ شکر وعبودیت اور تسبیح کا سرچشمہ اور دارومدار ہے، اسی وجہ سے اس کے لیے ایسے نظم ونسق اور قاعدے ضابطے وضع نہیں کیے گیے جو ارادۂ خاصہ کے آگے حجاب بن جائیں اور نہ ہی اس کے لیے ایسے ظاہری وسائط رکھے گئے ہیں جو رحمتِ خاصہ کے آگے حجاب بن سکیں۔

رحمِ مادر میں پرورش پانے والے جنین کے مادی اور معنوی خط وخال میں اللہ تعالیٰ کی دو تجلیات پائی جاتی ہیں:

پہلی تجلّی:

اُس کی وحدت، احدیت اور صمدیت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ یہ بچہ اپنے اساسی اعضاء اور انسانی آلات کے تمام لوگوں کے مطابق اور موافق ہونے پر اپنے خالق وصانع کی وحدت کی گواہی دیتا ہے، اور یہ جنین اس زبان کے ساتھ پکار کر یہ کہتا ہے کہ:

جس نے مجھے یہ خاص چہرہ اور اعضاء عطا کیے ہیں، وہی ان سب لوگوں کا صانع وپروردگار ہے جو تمام اساسی اعضاء میں میرے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اور وہی دیگر تمام ذی حیات کا بھی صانع ہے۔ اب رحم مادر میں بچے کی یہ زبان غیبی زبان نہیں ہے، بلکہ ایک معلوم چیز ہے۔ اور اس کے متعلق علم ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مسلسل قاعدے، معیّن نظام اور جنین کی نوعیت کے تابع ہے۔ پس یہ علم ایک شاخ اور زبان ہے جو عالمِ غیب سے عالمِ شہادت میں آئی ہے۔

دوسری تجلّی:

یہ ہے کہ جنین اپنی خصوصی استعداد کی علامت اور اپنے چہرے کی شخصی علامت کی زبان کے ساتھ منادی کرتا اور اپنے صانع کے اختیار، اس کے ارادے اور اس کی مشیت کی منادی کرتا اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اصلاً کسی قید کے ماتحت نہیں ہے۔ لیکن یہ زبان غیب الغیب سے آتی ہے اور اس کے وجود میں آنے سے قبل علمِ ازلی کے سوا نہ کوئی اسے دیکھ سکتا

Marfat.com

ہے اور نہ اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ اور جب وہ رحمِ مادر میں ہوتا ہے اس وقت ہزاروں آلات کے مشاہدے کے ذریعے سے بھی اس علامت کے بارے میں علم ہونا ممکن نہیں۔

الحاصل

جنین کی استعداد کی علامت اور اُس کے چہرے کی علامت میں وحدانیت کی علامت اور اختیار و ارادہ الٰہیہ کی دلیل پائی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو مغیّباتِ خمسہ کے بارے میں کچھ اور نکات بھی قلم بند کیے جائیں گے۔ لیکن اب اس وقت چونکہ میرا وقت اور میرے حالات اس سے زیادہ لکھنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں، اس لیے سر دست اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

الباقی ھو الباقی

سُبۡحَانَکَ لاَ عِلۡمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ

سعید نورسی

باسمہ تعالیٰ

﴿وَاِنۡ مِنۡ شَیۡءٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ﴾

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میرے سرگرم دوست اور بھائی رافت بیت؟

آپ نے اپنے خط میں لطائفِ عشرہ کے بارے میں پوچھا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ یہ وقت طریقت کی درس و تدریس کا نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے محققین کی لطائف عشرہ کے بارے میں تالیفات بھی ہیں پھر یہ بھی ہے کہ ہماری ذمہ داری اس وقت قرآنی اسرار و رموز کا استخراج ہے نہ کہ پہلے سے موجود مسائل کو نقل کرنا، اس لیے میں آپ کو اس باب میں تفاصیل نہیں دوں گا۔ بس سرِ دست صرف اتنا کہوں گا کہ:

امام ربانی نے لطائف عشرہ کی تعبیر قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ کے نام سے کی ہے، اور اُنہوں نے ذکر کیا ہے کہ انسان کے اندر عناصرِ اربعہ کے انسانی لطائف ہیں، اور اُن لطائف میں سے ہر ایک اُس عنصر کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جس سے اِس کا تعلق ہے، چنانچہ اُنہوں نے سیر و سلوک کے ضمن میں ہر لطیفے کے بارے میں اور اس کے ہر مرتبے کے بارے میں اجمالی طور پر بحث کی ہے۔ اور میری ذاتی رائے یہ ہے کہ انسان کی ہمہ گیر ماہیت میں اور اُس کی زندگی کی استعداد میں بہت سے لطائف ہیں جن میں سے دس مشہور ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ظاہری علماء و حکماء نے بھی ان دس لطائف کو ایک دوسری صورت میں اپنی حکمت کی بنیاد بنایا ہے جسے اُنہوں نے پانچ ظاہری اور پانچ باطنی حواس کا نام دیا ہے جو کہ ان دس لطائف کے لیے دریچوں کا یا نمونوں کا حکم رکھتے ہیں۔

Marfat.com

حتیٰ کہ انسان کے وہ دس لطائف جو کہ عوام وخواص میں مشہور ہیں، وہ اہل طریقت کے لطائف عشرہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔مثال کے طور پر جب وجدان، اُعصاب، حس، عقل، ہوا، قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ کو قلب و رُوح وسّر کے ساتھ ملا دیا جائے تو لطائف عشرہ ایک دوسری صورت میں ظاہر ہوں گے۔ان لطائف کے علاوہ اور بھی بہت سے لطائف موجود ہیں، جیسے قوتِ سائقہ، قوتِ شائقہ اور پیشگی احساس وغیرہ۔اس مسئلے کے بارے میں اگر حقیقت کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے تو بات طویل ہو جائے گی۔اس لیے وقت کی قلت کی وجہ سے میں تفصیلی گفتگو سے پہلوتہی کرنے پر مجبور ہوں۔

رہا آپ کا دوسرا سوال: یعنی معنی اسمی اور معنی حرفی کی وضاحت، تو اس کے متعلق علمِ نحو کی تمام کتابوں کے اوائل میں وضاحت آ چکی ہے۔اور اسی طرح اس کی وضاحت علم حقیقت کے بارے میں لکھے گئے مقالات و مکتوبات نامی رسائل میں تمثیلات کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔اور آپ جیسے ذہین اور مدقق انسان کے لیے زیادہ وضاحت ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔چنانچہ اگر آپ آئینے میں شیشے کے ایک ٹکڑے کی حیثیت سے دیکھیں گے تو شیشے کا ٹکڑا یا مادہ اصل مقصد ہو گا اور اُس میں رأفت کی تصویر کا نظر آنا ایک ثانوی چیز ہو گا۔لیکن اگر اُس میں دیکھنے سے مقصد یہ ہو کہ آپ اس میں اپنا مبارک چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو پھر اس میں آپ کو پیارا پیارا رأفت بک نظر آئے گا، تب آپ پکار اُٹھیں گے، ﴿فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾، اور اس صورت میں شیشے کے ٹکڑے کا نظروں سے ٹکرانا ثانوی اور تبعی حیثیت کا حامل ہو گا۔

اب یہ سمجھیں کہ پہلی صورت میں آئینے کا وہ ٹکڑا یا مادہ اسمی معنی ہے اور رافت حرفی معنی ہے۔

اور دوسری صورت میں شیشے کا ٹکڑا یا مادہ حرفی ہے، یعنی اُس کی طرف اُس کی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی اور معنی کے لیے دیکھا جائے گا، اور وہ معنی ہے اس میں پایا جانے والا عکس۔اور یہ عکس اسمی معنی ہے۔مطلب یہ کہ وہ ایک جہت سے اسم کی تعریف میں داخل ہے۔یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرے۔اور آئینے پر حرف کی تعریف صادق آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ: حرف وہ ہے جو اپنے علاوہ دوسری کسی چیز میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرے۔

پس قرآنی نظر کی رُو سے تمام موجوداتِ عالم حروف ہیں، اس لیے یہ حرفی معنی کی رُو سے اپنے علاوہ کسی اور معنی پر دلالت کرتے ہیں، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے اُسماء وصفات کی جانکاری دیتے ہیں۔

لیکن رُوح سے خالی اور بے جان فلسفہ موجودات کی طرف غالباً اسمی معنی کی نظر سے دیکھتا ہے، اس لیے اس کے قدم نیچر کی دلدل میں جا گھستے ہیں۔

بہر کیف سرِ دست اس سے زیادہ گفتگو کے لیے وقت نہیں ہے، اتنا بھی نہیں کہ فہرست کا آخری اہم حصہ لکھ سکوں جو کہ انتہائی آسان ہے۔

الباقی هو الباقی

أخوکم: سعید نورسی

Marfat.com

ہواں لمعہ

پندرہ یاددہانیوں پر مشتمل ہے جو کہ ایک شگوفے سے تألیف پائی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج سے بارہ سال پہلے (حاشیہ:۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور اس کی خصوصی عنایت میرے شاملِ حال ہوئی تو میں نے توحید کی چند ایسی کرنوں کو قلمبند کر لیا جو معرفتِ الٰہیہ کے میدان میں میری فکری جولانی، قلبی سیاحت اور روحانی انکشافات کے دوران چمکیں۔ انہیں میں نے عربی زبان میں ''زہرہ، شعلہ، حبہ، شمہ، ذرّہ اور قطرہ'' نامی رسائل میں مذاکرات یعنی یاددہانیوں کی صورت میں لکھا لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے اس سے استفادہ کرنا محدود رہا۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ مضامین واردات وملحوظات وتنبیہات کی صورت میں تھے جنہیں میں نے صرف اپنی ذات کے لیے لکھا تھا اور مقصد اس سے وسیع و عریض حقیقت کے ایک پہلو کا اور روشن ودرخشاں نور کی ایک شعاع کا درشن کرانا تھا۔ مزید برآں یہ کہ میرے خاص الخاص اور امتیازی حیثیت کے حامل دوستوں میں سے اکثر عربی زبان نہیں جانتے ہیں۔ اس لیے میں اِن الحاح واصرار کے ساتھ مشوروں کی بنا پر مجبور ہو گیا کہ ان مذکرات ولمعات کو ترکی زبان میں لکھوں، اِن میں سے بعض کی وضاحت کروں اور بعض کا اختصار کے ساتھ مفہوم لکھ دوں۔

اور ان عربی مذکّرات اور رسائل کے اصل مضمون کو جوں کا توں بغیر کسی تبدیلی کے قلمبند کر دیا گیا ہے؛ کیونکہ حقیقت کے اس علم کو جدید سعید نے پہلے پہل ایسی صورت میں دیکھا تھا جو شہود کے ساتھ ملتی جلتی تھی۔ اِسی بنا پر بعض جملے اس مقام پر بھی ذکر کر دیے جائیں گے، اگرچہ ان کا ذکر دیگر مقالات میں ہو چکا ہے۔ اور بعض جملوں کے انتہائی مُجمل ہونے کے باوجود وضاحت نہیں کی جائے گی تاکہ ان کی اصلی لطافت قائم رہے۔

سعید نورسی

(حاشیہ:۱) آج سے مراد 1340ھ 1921ء؛ کیونکہ یہ رسالہ 1352ھ 1933ء کو تألیف کیا گیا۔ مترجم

Marfat.com

پہلی یاددہانی

میں نے اپنے آپ کو یہ کہتے ہوئے مخاطب کیا تھا:

اے غافل سعید! یادرکھ کہ: جو چیز اس عالم کے فنا ہوجانے کے بعد تیرے ساتھ نہیں رہے گی اور دنیا کے ویران ہو جانے کے بعد تجھے چھوڑ جائے گی؛ وہ اس قابل نہیں کہ تو اُس کے ساتھ دل لگائے اور خاص کر وہ فانی چیزیں جو تیرا زمانہ ختم ہوجانے کے بعد تجھ سے منہ پھیر کر تجھے چھوڑ جائیں گی۔

اور خاص کر جو برزخ کے سفر میں تیری ہمسفر نہ ہوں گی۔ اور خاص کر جو قبر کے دروازے تک بھی تیرے ہمسفر نہ ہوں گی۔

اور خاص کر جو سال دو سال میں اپنا گناہ تیری گردن میں ڈال کر تجھ سے ابدی طور پر بچھڑ جائے گی۔

اور خاص کر جو تیری تمام تر آسوں اُمیدوں کے برعکس تجھے اُس وقت چھوڑ جائے گی جب تُو اُسے حاصل کر کے خوش ہو رہا ہوگا!

ایسی چیز کے ساتھ دل لگانا عقل مندی کا کام نہیں ہے۔

پس اگر تجھ میں ذراسی بھی عقل ہے تو ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے جو اَبد کے سفر میں تیری ہم سفر نہ ہو سکیں گی، اور جو دنیاوی تقلبات کے تصادمات، برزخی حالات واطوار اور اُخروی انقلابات کے تحت مضمحل ہو جائیں گی اور فنا کے گھاٹ اُتر جائیں گی۔ ایسی چیزوں کا قطعاً اہتمام کر اور ان کی زوال پذیری کا غم نہ کر۔

اپنی ماہیت کو پیشِ نظر رکھ، کیونکہ تیرے لطائف کے مابین ایک ایسا لطیفہ ہے جو کہ ابد اور ابدی ذات کے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا ہے، اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف دیکھتا تک نہیں اور اس کے علاوہ کسی بھی چیز کے حق میں دستبردار نہیں ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر تو اُسے تمام دنیا بھی دے دے تو بھی اس کی فطری ضرورت پوری نہیں ہو سکے گی۔ یہ لطیفہ تیرے تمام حواس و لطائف کا حکمران ہے۔ پس اپنے اس حکمران کی اطاعت کر جو کہ اپنے فاطرُ الحکیم کا اطاعت گزار ہے۔ اور یوں کامیابی سے ہمکنار ہو جا۔

دُوسری یاددہانی

میں نے ایک حقیقی خواب میں دیکھا کہ میں لوگوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہوں: اے انسان! قرآن پاک کا ایک اہم دستور یہ ہے کہ تُو اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو اپنے سے اتنا بڑا نہ سمجھ کہ اسے معبود ہی بنا ڈالے اور اپنے آپ کو کسی بھی چیز سے اتنا بڑا نہ سمجھ کر اس کے مقابلے میں تکبر کرتا پھرے؛ کیونکہ مخلوقات جس طرح معبود ہونے میں بہت دُور ہونے کی جہت سے ایک دوسرے کے مساوی ہیں، اِسی طرح مخلوق ہونے کی نسبت سے بھی ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔

Marfat.com

تیسری یاددہانی

اے غافل سعید! تو اِس وقتی دنیا کو دائمی اور زندہ جاوید سمجھتا ہے، یادرکھ کہ اس کا تعلق جس کی غلطی کے ساتھ ہے۔ اور تُو جب اپنے گردوپیش کی طرف اور اپنی دنیا کی طرف دیکھتا ہے تو تجھے یہ نظر آتا ہے کہ یہ دنیا ثابت و برقرار اور کچھ نہ کچھ دوام واستمرار میں نظر آتی ہے، اور پھر جب تو اِسی نظر سے اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو تجھے اپنی یہ فانی ذات بھی ثابت و برقرار نظر آتی ہے۔ اسی بنا پر تجھے اگر کچھ ڈر لگتا ہے تو صرف قیامت سے، گویا کہ تو قیامت تک زندہ وجاوید رہے گا، اِس لیے صرف اُسی سے ڈرے گا!۔

ہوش کے ناخن لے کیونکہ تُو اور تیری یہ خصوصی دُنیا ہر آن فنا وزوال کی زد میں ہے۔ اور تیری غلطی اور غلط حِس اُس آدمی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جس کے ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ اُس آئینے کو کسی مکان، شہر یا باغیچے کے سامنے کردے، اب اُس آئینے میں اُس مکان شہر یا باغیچے کی مثالی صورت نظر آئے گی، لیکن جب آئینے پر کوئی ادنیٰ قسم کی بھی حرکت طاری ہو تو وہ مثالی صورت ہرج مرج اور کپکپاہٹ کا شکار ہو جائے گی اور تمام چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو جائیں گی، اور حقیقی مکان، شہر اور باغیچے کا خارجی بقا و دوام کچھ فائدہ نہیں دے گا؛ کیونکہ مکان شہر اور باغیچہ جو تجھے نظر آتا ہے اور جو تیرے ہاتھ والے آئینے میں موجود ہیں، یہ سب چیزیں تیری صرف اتنی ہی ہیں جتنی کہ تیرا آئینہ اپنے ناپ تول اور قد کاٹھ کے مطابق تجھے دے رہا ہے۔

یادرکھ کہ تیری زندگی اور تیری عمر ایک آئینہ ہے، اور تیری دنیا کا مرکز ومحور اور اُس کا آئینہ تیری عمر اور تیری زندگی ہے۔ اور ہر منٹ میں اس مکان، شہر اور باغیچے کی موت ممکن ہے اور اس کی ویرانی و بربادی کا ہر لمحے احتمال ہے۔ اس لیے یہ چیزیں ایسی حالت میں ہیں کہ اِن کا ہر آن تمہارے سر پر منہدم ہونا ممکن ہے۔ اور یوں تیری قیامت ہر لمحے قائم ہو رہی ہے۔
معاملہ جب ایسے ہی ہے تو پھر اپنی زندگی اور اپنی دنیا پر وہ بوجھ نہ ڈال جسے اُٹھانے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔

چوتھی یاددہانی

یادرکھ کہ فاطرُ الحکیم کی اکثر یہ عادت ہے کہ وہ اہمیت کی حامل اور بیش قیمت چیزوں کا بعینہٖ اِعادہ کرتا ہے، مطلب یہ کہ جب موسم تبدیل ہوتے ہیں اور حالات میں تغیر آتا ہے تو ان حالات میں وہ عام اشیاء میں تبدیلی اس طرح لاتا ہے کہ اُن کی جگہ پہ اُن سے مِلتی جلتی چیزیں لے آتا ہے، لیکن قیمتی اور اہم اشیاء کا وہ بعینہٖ اعادہ کر دیتا ہے یعنی اُن کی جگہ پر اُن جیسی نہیں بلکہ وہی چیزیں آتی ہیں۔ پس یہ قاعدہ کلیہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے اکثر اشیاء میں یومیہ، سالانہ اور زمانی حشر کے نمونوں میں ایک ہی طرز میں مسلسل جاری وساری ہے۔

پس اس ثابت و برقرار قاعدے کی بنا پر ہم کہتے ہیں۔ جب شجرۂ تخلیق کا کامل ترین پھل انسان ہی ہے، اور یہ مخلوقات

Marfat.com

کے درمیان بڑے اہم اور موجودات کے درمیان بڑے عالی مقام کا حامل انسان ہی ہے، اور علوم وفنون کی متفقہ شہادت کی رُو سے ایک انسانی فرد دیگر تمام ذی حیات کی ایک نوع کا حکم رکھتا ہے؛ تو حدسِ قطعی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ حشرِ اعظم میں نوعِ انسانی کے ہر فرد کا بعینہٖ اُس کے جسم، نام اور صورت شکل سمیت اِعادہ کیا جائے گا۔

پانچویں یاددہانی

جدید سعید جب تأمل تفکر کی راہ پر گامزن ہوا تو وہ یورپی فلسفیانہ علوم وفنون جو پرانے سعید کے افکار میں کسی حد تک براجمان ہو چکے تھے، وہ سب کے سب قلبی امراض میں تبدیل ہو گئے، اور ان سے قلبی سیاحت کی راہ میں مزید مشکلات و مصائب کا سامنا ہو گیا، پھر جدید سعید نے اپنے ذہن کو اس آراستہ و پیراستہ بے ہودہ فلسفے اور اُحمق و ناداں تہذیب سے صاف کرنا چاہا تو خود کو یورپ کی معنوی شخصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل مکالمے کا اسلوب اختیار کرنے کے لیے مجبور پایا۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اُس کی روح میں پائے جانے والے اُن مُنہ زور نفسیاتی احساسات کو لگام دی جائے جو یورپ کی فضیلت و برتری کے قائل ہیں۔ پس یہ مکالمہ ایک طرف سے کوتاہ ہے اور دوسری طرف سے دراز۔ یاد رہے کہ یورپ دو ہیں: ایک یورپ وہ ہے جو نوعِ انسان کے لیے نفع بخش ہے، اور یہ وہ ہے جو اُن علوم کا پیروکار ہے جو حق وعدالت کی خدمت کرتے ہیں اور انسانی معاشرے کے حق میں مفید صنعتوں کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی یہ روش اس فیضان کی بدولت ہے جو اسے حقیقی دین عیسوی سے حاصل ہوا ہے۔ میرا روئے سخن اس یورپ کی طرف نہیں ہے، بلکہ میرا مخاطب وہ دوسرا فاسد اور متعفن یورپ ہے جو کہ تہذیب کی برائیوں کو اچھائیاں اور بدصورتیوں کو خوبصورتیاں سمجھتا ہے، اور اس طرح نوعِ بشر کو اپنے طبیعی فلسفے کے ذریعے سفاہت وضلالت میں کھینچے لیے جا رہا ہے۔

میں نے اُس دور میں اپنی رُوحانی سیاحت کے دوران _ جدید تہذیب اور نفع بخش علوم کی خوبیوں کو مستثنیٰ کر کے _ یورپ کی اُس معنوی شخصیت کو مخاطب کیا تھا جس کا ہاتھ باطل و مضرّت رساں فلسفے اور احمق ونقصان دہ تہذیب نے تھاما ہوا ہے، چنانچہ میں نے کہا تھا:

اے دوسرے یورپ! یہ بات اچھی طرح جان لے کہ تُو نے اپنے دائیں ہاتھ میں گمراہ کن بیمار فلسفے کو پکڑا ہوا ہے اور بائیں ہاتھ میں ایک بداخلاق نقصان دہ تہذیب کو۔۔۔ اور پھر تو اس بات کا بھی دعوے دار ہے کہ نوعِ بشر کی سعادت ان دو چیزوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ ستیاناس ہو تیرا، اور تیرے یہ دو خبیث تحفے خود تیرا ہی سر پھوڑ دیں۔ اور پھوڑ بھی دیں گے!

اے کفر و انکار کو پھیلانے والی خبیث رُوح! تُو کیا سمجھتی ہے کہ انسان جو کہ رُوح و قلب اور عقل و وجدان کی سطح پر ہولناک مصائب کا شکار اور دردناک عذاب میں مُبتلا ہے، ایسے انسان کی سعادت مندی صرف اس بات پر موقوف ہے کہ وہ تھوڑی بہت دولت وثروت کا مالک ہو کر اس سراپا فریب ظاہری جسمانی زیب و زینت میں خرام ناز کرتا رہے؟ کیا ایسی

Marfat.com

صورت میں اُسے سعادت منداور خوش بخت کہا جائے گا؟ آیا تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ایسا انسان جو کسی جزوی اور معمولی سے کام سے عاجز آجائے، یا کسی وہمی اُمید سے نااُمید ہو جائے، یا اُس کا خیال کسی معمولی اور غیر سنجیدہ کام سے ناکام ہو جائے، اور اُس کے شیریں خیالات کڑوے کسیلے ہو جائیں، تو اُس کے میٹھے حالات و واقعات تو اُس کے لیے سراپا عذاب بن جاتے ہیں اور یہ دُنیا اس پر تنگ ہو کر جیل کا رُوپ دھار جاتی ہے! تو اُس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو تیری نحوست کی وجہ سے گمراہی کی ایسی کاری ضربوں سے دوچار ہوا ہے جن کی ٹیسیں اس کے قلب ورُوح کی گہرائیوں سے اُٹھ رہی ہیں؟ اُس کی تمام اُمیدیں اس گمراہی کی وجہ سے منقطع ہوگئی ہیں اور یہ گمراہی اس کے تمام آلام ومصائب کا سرچشمہ بن گئی ہے؟ اب ایسے بدبخت و بےچارہ کے لیے تُو کون سی سعادت مندی وفیروز بختی کی ضمانت دے سکتی ہے؟ اور کیا وہ انسان جس کا جسم تو جھوٹی زوال پذیر جنت میں ہو لیکن اس کے قلب ورُوح جہنم میں ہوں، ایسے انسان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑا سعادت مند ہے؟۔ اس مسکین انسان کو تُو نے کچھ اسی طرح دھوکہ دیا ہوا ہے اور اسے اس جھوٹی جنت میں جہنم کا عذاب دیے جا رہی ہے۔

پس اے انسان کو برائی پر اُکسانے والے نفس! اس مثال میں غور کر اور اس سے یہ بات سمجھ جا کہ تُو نوعِ انسان کو ہانکتا ہوا کہاں لے جا رہا ہے۔

مثال کے طور پر ہمارے سامنے دو راستے ہیں، ہم اُن میں سے ایک پر گامزن ہو گئے ہیں، اور ہمیں اس راستے میں ہر قدم پر کچھ عاجز اور نادار قسم کے انسان نظر آتے ہیں جن پر ظالم قسم کے لوگ حملہ آور ہو رہے ہیں، ان کے مال ومتاع چھین رہے ہیں، ان کے گھر منہدم کر رہے ہیں، ان کی آبادیوں کو ویرانے بنا رہے ہیں، اور کبھی اُنہیں ایسے گہرے زخم لگا رہے ہیں کہ ان کی اس دردناک حالت پر آسمان بھی رو رہا ہے؛ چنانچہ جدھر نظر اُٹھاؤ یہی المناک صورتِ حال نظر آ رہی ہے۔ تمام راستے میں ہر طرف ایک ماتم برپا ہے، ظالم چیختے چنگھاڑتے اور دندناتے پھر رہے ہیں اور مظلوم آہ و بکا میں مصروف ہیں۔

اب انسان چونکہ _بتقاضائے انسانیت_ دوسروں کے دُکھ سے دُکھی ہوتا ہے، اس لیے اس راستے میں پائے جانے والے غیر محدود دُکھ درد سے دوچار رہتا ہے۔ لیکن وجدان چونکہ اتنے زیادہ دکھ درد برداشت نہیں کر سکتا، اس لیے اس راستے میں چلنے والا دو میں سے ایک چیز پر مجبور ہو جاتا ہے: یا تو انسانیت سے دستبردار ہو جائے اور پرلے درجے کا وحشی پن اختیار کر لے اور ایسے دل کا مالک بن جائے جو خود سلامت ہے تو دوسرے تمام لوگوں کی ہلاکت سے قطعاً بے نیاز رہے۔ اور یا پھر عقل وقلب کے تقاضوں کو خیرباد کہہ دے۔

پس اے سفاہت وضلالت میں ڈوب کر فاسد اور دینِ عیسوی سے دُور ہو جانے والے یورپ! یہ ہے وہ جہنمی حالت جو تُو نے اپنی دجال جیسی یک چشمی شاطری اور عیاری سے روحِ انساں کو تحفے کی صورت میں دی ہے۔ پھر تجھے اس بات کا

Marfat.com

ادراک ہو گیا کہ یہ چیز تو ایک لاعلاج مرض ہے جو انسان کو اعلیٰ علیین سے اَسفل سافلین میں اور بد بخت ترین حیوانات کے درجے میں لا پھینکتا ہے۔ اور پھر اس مرض کا تُو نے جو علاج ڈھونڈا وہ تیرے جاذبِ نظر کھیل تماشے، سامان ہائے زیب و زینت اور خواب آور اشتہا انگیز چیزیں جو کہ گھڑی دو گھڑی کے لیے انسان کی حِس کو بے کار اور اس کے شعور کو معطل کر کے اُسے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہیں۔ ستیاناس ہو تیرا اور تیری اِس دوا کا۔

پس سعادت کا جو راستہ تُو نے نوعِ انساں کے لیے کھولا ہے وہ اس مثال کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

رہا دُوسرا راستہ،

جو قرآنِ حکیم نے عالمِ بشریت کو تحفے میں دیا ہے، تو وہ کچھ اس طرح کا ہے:

اس راستے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر منزل میں، ہر جگہ میں اور ہر شہر میں ہر طرف ایک عدل گستر حکمران کی فوج کے چاق چوبند دستے گشت کر رہے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حکمران کے با اختیار آفیسر حکمران کے حکم سے ان میں سے بعض سپاہیوں کو اُسلحہ، گھوڑے اور دیگر سرکاری ساز و سامان واپس لے کر انہیں سبکدوشی اور ریٹائرمنٹ کا کارڈ دے دیتے ہیں۔ اور یہ سپاہی چونکہ اپنے اسلحے، اپنے گھوڑوں اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ مانوس ہو چکے تھے، اس لیے اُن سے جب یہ چیزیں واپس لی جاتی ہیں تو وہ بظاہر کچھ دیر کے لیے غمگین ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ اس سبکدوشی سے خوش ہوتے ہیں، اور اس بات پر انتہائی فرح و سرور کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ واپس دارُ الخلافہ جانے والے ہیں اور وہاں بادشاہ کا دیدار کیا کریں گے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ریٹائرمنٹ کا پروانہ عطا کرنے والے یہ سرکاری ملازم کبھی کسی ایسے بھولے بھالے سپاہی سے بھی ملتے ہیں جس کے ساتھ اُن کی جان پہچان نہیں ہوتی ہے، اور اسے کہتے ہیں کہ اپنا یہ اسلحہ ہمارے حوالے کر دو! تو وہ آگے سے کہتا ہے: بھئی میں تو حکمران کا سپاہی ہوں، اُس کے حکم پر یہاں اُسی کی خدمت کر رہا ہوں، اور اُسی کی طرف واپس چلا جاؤں گا۔ آپ کون ہیں؟ اگر آپ لوگ اُس کے حکم سے اور اس کی رضامندی سے آئے ہیں تو سر آنکھوں پر، بس سرکاری حکم نامہ دکھا دیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھ سے دُور رہیں؛ کیونکہ پھر میری تمہاری لڑائی ہو سکتی ہے، اگر چہ میں اکیلا اور تم لوگ ہزاروں کی تعداد میں ہو لیکن میری یہ لڑائی اپنی ذات کے لیے نہیں ہو گی، کیونکہ میری جان میری اپنی ملکیت نہیں ہے، بلکہ یہ میرے فرمانروا کی ملکیت ہے، بلکہ میرے پاس جو میری جان اور جو اسلحہ وغیرہ ہے، چونکہ سب میرے مالک کی امانت ہے، اس لیے میں اِس امانت کی حفاظت اور اپنے مالک کے عز و شرف کی حمایت کی خاطر تمہارے سامنے سر نہیں جھکاؤں گا!۔

پس یہ حالت اس دوسرے راستے میں پائے جانے والے اُن ہزاروں احوال میں سے صرف ایک حالت کی مثال ہے جو کہ انسانی سرور و سعادت کا دار و مدار ہیں۔ دیگر تمام احوال کو آپ اس پر قیاس کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

اوراس دوسرے راستے کے تمام سفر میں پورے سرور وشادمانی اور جشن وانبساط کی فضا میں فوجی یونٹوں کا اجتماع اوران کی نقل وحرکت کا عمل جاری ہے، اوراسے ''ولادت'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اوراسی طرح انہیں ملٹری بینڈ کی دھن میں ملازمت سے سبکدوش بھی کیا جاتا ہے،اوراسے ''موت'' کہتے ہیں۔

قرآنِ کریم نے نوعِ انساں کو یہ راستہ تحفے میں دیا ہے۔اب جوانسان اس تحفے کو دل سے قبول کرلے گا وہ سعادت دارین کی منزل تک پہنچانے والے اس دوسرے راستے کا راہی بن جائے گا، اوریوں اُسے ماضی کا غم اور مستقبل کا خوف پریشان نہیں کرسکے گا۔

پس اے فساد کے شکار دوسرے یورپ! تمہاری بے بنیاد فاسد بنیادوں میں سے ایک بنیاد یہ ہے کہ: تو کہتا ہے کہ بڑے سے بڑے فرشتے سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی مچھلی تک تمام ذی حیات مخلوق اپنی ذات کی خود مالک ہے، وہ صرف اپنی ذات کے لیے عمل کرتی ہے اوراپنی ذات کے لیے تگ ودَو کررہی ہے۔اسے زندہ رہنے کا حق ہے۔اوراس کے عزم و ہمت کی غرض وغایت اوراس کے قصد وارادے کا ہدف اپنی زندگی کو حاصل کرنا اوراسے بقاودوام سے ہمکنار کرنا ہے۔

پھر مخلوقات کے درمیان خالقُ الکریم کے فضل وکرم سے جوعمومی تعاون کے قانون کی تجلیات پائی جاتی ہیں، جیسے کہ نباتات کا حیوانات کی مدد کے لیے لپکنا اورحیوانات کا انسانوں کی مدد کے لیے لپکنا ہر گوشے میں پوری اطاعت سے جاری اس قانون کی جگمگاتی رحیمانہ وکریمانہ تجلیات کو جنگ وجدال سمجھ کر اپنی اس حماقت کی بنا پر تو نے یہ فیصلہ صادر کردیا ہے کہ زندگی جنگ وجدل اور کشمکش کا نام ہے!۔

بہت خوب! کھائی جانے والی چیزوں میں پائے جانے والے ذرّات کا کمال اشتیاق کے ساتھ بدن کے خلیات کو غذا مہیا کرنے کے لیے بھاگنا_ جوکہ دستورِتعاون کی ایک تجلی ہے_ اِس تعاون کو جنگ وجدل، تصادم یا کشمکش کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ اِمداد اور تعاون کی یہ کوشش تو ربِّ کریم کے امر سے ہے۔

پھر تیری یہ بنیاد کہ ہر چیز اپنی ذات کی خود مالک ہے، یہ بنیاد سرے سے ہی فاسد ہے۔اوراس بات کی قطعی دلیل کہ کوئی بھی چیز اپنی ذات کی بالکل مالک نہیں، یہ ہے کہ جتنے بھی اسباب ہیں اُن میں سے ارادہ واختیار کے لحاظ سے سب سے زیادہ معزز اور وسیع سبب انسان ہے،اورصورتِ حال یہ ہے کہ اس کے اختیار ودائرۂ اقتدار میں جوبھی کچھ ہے وہ اُس کے اکل وشُرب اور فکر وکلام جیسے ظاہر ترین اختیاری افعال کے سَو اجزاء میں سے صرف ایک جزء کی حیثیت رکھتا ہے! تو کیا ایسے بے اختیار سے انسان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی ذات کا مالک ہے؟ اور جب اختیار کی جہت سے سب سے زیادہ معزز اور وسیع تر اختیار مالک کے ہاتھ اس حد تک بندھے ہوئے ہیں اور وہ کسی بھی چیز کا حقیقی مالک نہیں اوراس میں تصرّف نہیں کرسکتا ہے،تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جوشخص یہ بات کہتا ہے کہ: ''تمام حیوانات وجمادات اپنے

Marfat.com

مالک ہیں''، وہ حیوان سے بھی گیا گزرا ہے اور اپنے آپ کو جمادات سے بھی زیادہ جامد اور بے شعور ثابت کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جس چیز نے تجھے اس غلطی میں مبتلا کیا ہے اور تجھے اس بھنور میں ڈال دیا ہے وہ ہے تیری یک چشمی شاطری۔ یعنی تیری منحوس غیر معمولی ذہانت و فطانت چنانچہ اپنی اس یک چشمی چالاکی، ہشیاری اور شاطری و عیاری کے بل پر اپنے اُس پروردگار کو یکسر بھلا بیٹھا ہے جو کہ ہر چیز کا خالق ہے۔ چنانچہ تُو نے موہوم نیچر پر اعتماد کر لیا اور پروردگار کے نقوش و آثار کی نسبت اسباب کی طرف کر دی۔ اور تُو نے اُس خالق و آفریدگار کے مُلک کو باطل معبودات کے طاغوتوں میں تقسیم کر دیا۔ اب اِس طرح تیری شاطری و عیاری کے نقطۂ نظر سے یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ذی حیات اور ہر انسان غیر محدود دشمنوں کا اکیلا ہی مقابلہ کرے، اور لامتناہی حاجات و ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہے، اور یوں ان لامحدود دشمنوں اور ضرورتوں کی مقاومت وہ ایک ذرّے برابر اقتدار کے ساتھ، ایک باریک دھاگے جیسے اختیار کے ساتھ، ایک زوال پذیر پرتو جیسے شعور کے ساتھ، تیز رفتاری سے بجھ جانے والے شعلے جیسی زندگی کے ساتھ اور منٹ کی طرح فوراً گزر جانے والی عمر کے بل پر کرتا رہے! حالانکہ اس درماندہ مسکین کا سرمایہ اس کے ہزار ہا مطالب و مقاصد میں سے ایک مقصد کے لیے بھی کافی نہیں ہے چنانچہ وہ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو مدد کے لیے اُمیدیں اندھے بہرے اسباب سے ہی لگاتا ہے، اور یوں وہ فرمانِ گرامی ﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ کا مصداق بن جاتا ہے۔ اور تیری اس تاریک شاطری و عیاری نے نوع انسان کے دن کو رات میں تبدیل کر دیا ہے، اور اُس شدید تنگ و تاریک رات کو_ اُس رات کے ساتھ مانوسیت دکھانے کے لیے_ جھوٹے اور وقتی چراغوں سے روشن کر دیا ہے۔ اور یہ چراغ انسان کے سامنے خوشی کے ساتھ مسکراتے نہیں بلکہ وہ روشنیاں انسان کی اس احمقانہ ہنسی پر ہنستی ہیں جب وہ اپنی اُس المناک حالت میں ہوتے ہوئے ہنستا ہے جس حالت پر رونا چاہیے۔

اور ہر ایک ذی حیات تیرے شاگردوں کی نظر میں ظالموں کے حملوں کا شکار مسکین اور مصیبت کا مارا ہے اور یہ دنیا ایک عمومی ماتم کدہ ہے اور اس میں اُٹھنے والی آوازیں وہ آہیں اور کراہیں ہیں جو موت اور آلام و مصائب کی وجہ سے بلند ہو رہی ہیں۔

اور تیرا وہ شاگرد جو تجھ سے مکمل درس لے لیتا ہے، فرعون بن بیٹھتا ہے، لیکن ایک ذلیل فرعون جو کہ پست ترین چیز کی پرستش کرتا ہے اور ہر نفع بخش چیز کو اپنا پروردگار بنا لیتا ہے۔

پھر تیرا شاگرد سرکش و متمرد ہے، لیکن مسکین سرکش جو کہ کسی معمولی سی لذت کی خاطر آخری قسم کی ذلت برداشت کر لیتا ہے، اور اس حد تک کمینے پن کا مظاہرہ کرتا ہے کہ ایک خبیث اور خسیس فائدے کی خاطر شیطان کے بھی پاؤں چوم لیتا ہے۔

اور پھر وہ ''جبّار'' بھی ہے، لیکن ایسا جبّار جو اپنی ذات میں ریاکار اور پرلے درجے کا عاجز ہے، کیونکہ اُس کے دل

Marfat.com

میں کوئی ایسا نقطۂ استناد نہیں ہے جس کا وہ سہارا لے سکے۔ اس کے قصد وارادے کی غرض وغایت صرف نفسانی خواہشات کی تسکین ہے۔

پھر وہ سازشی اور ''مکار'' ہے، غیرت وحمیت اور جانفشانی وفداکاری کے پردے میں اپنی حرص وہوا اور پندارِ نفس کی تسکین اور ذاتی منفعت کا حصول چاہتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی بھی چیز کے ساتھ سنجیدہ محبت نہیں رکھتا اور اپنی ذات کے لیے ہر چیز کی قربانی دے دیتا ہے۔

لیکن جہاں تک تعلق ہے قرآن کے مخلص اور کامل شاگرد کا، تو وہ ایک غلام ہے، لیکن اتنا معزز غلام کہ جو بڑی سے بڑی مخلوق کی پرستش کے لیے اپنے اس معزز مقام سے دستبردار نہیں ہوتا ہے۔ وہ عظیم غلام جو جنت جیسی عظیم الشان اور منفعت خیز چیز کو بھی اپنی عبودیت کی غرض وغایت نہیں بناتا ہے۔

وہ ''حلیم وسلیم'' ہے، لیکن عالی ہمت حلیم جو کہ اپنے فاطرِ ذوالجلال کے سوا اور اُس کے اذن وامر کے بغیر کسی کے لیے بھی پست ہونا گوارا نہیں کرتا ہے۔

وہ ''فقیر'' بھی ہے لیکن ایسا فقیر جو اُس ثواب کے بل بوتے پر مستغنی ہے جو کہ اس کے مالکِ کریم نے اُس کے لیے مستقبل میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

وہ ضعیف بھی ہے لیکن ایسا ضعیف جو کہ قوی ہے، قوی اس لیے ہے کہ اُس نے سہارا اپنے اُس آقا کی قوّت کا لیا ہوا ہے جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔

پس قرآن کریم جو کہ اپنے حقیقی شاگرد کے مقصد کی غرض وغایت ابدی جنت کو بھی قرار نہیں دیتا ہے، اس فانی اور زوال پذیر دنیا کو اُس کے مقصد کی غرض وغایت کیسے بنا دے گا؟ پس ان دونوں شاگردوں کے عزم وہمت کا مرتبہ اچھی طرح سمجھ جاؤ۔

اور پھر آپ قرآن حکیم کے شاگردوں کی بیمار فلسفے کے شاگردوں کے مقابلے میں حمیّت اور فداکاری کا وزن اِس پہلو کو مدّ نظر رکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ فلسفے کا طالب علم خودغرضی کی بنا پر اپنے ہی بھائی سے دور بھاگتا ہے اور اُسے مقدمات میں اُلجھاتا ہے۔

لیکن قرآن کا شاگرد زمین وآسمان میں پائے جانے والے اللہ کے تمام نیک بندوں کو اپنے بھائی بند سمجھتا ہے، چنانچہ وہ اُن کے لیے صمیمِ قلب سے دعا کرتا ہے، اُن کی سعادت مندی سے سعادت مند ہوتا ہے اور اپنی رُوح کی گہرائیوں میں اُن کے ساتھ گہرے تعلقات محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح وہ عرش وخورشید جیسی عظیم ترین چیزوں کو اپنے جیسی مأمور ومسخر اور عبادت گزار مخلوق سمجھتا ہے۔

Marfat.com

ان دونوں کی رُوحوں کی بندی اور پھیلاؤ میں جو فرق پایا جاتا ہے اس کا اندازہ آپ اس چیز سے بھی کر سکتے ہیں کہ:
قرآن اپنے شاگردوں کی رُوحوں کو وہ انبساط و سربلندی عطا کرتا ہے کہ جو اُن کے ہاتھوں میں ننانوے دانوں کی تسبیح کے بدلے میں ننانوے جہانوں کے ذرّات کی ایک ایسی تسبیح تھما دیتا ہے جو کہ ننانوے اسمائے الٰہیہ کی تجلیات کو آشکار کر دیتی ہے، اور ان سے کہتی ہے کہ: اپنے اوراد و اذکار اس تسبیح کے ساتھ سرانجام دو۔ چنانچہ آپ جیلانی رفاعی اور شاذلی رحمہا اللہ جیسے تلامذۂ قرآن کو اُس وقت سنیں جب وہ اپنے اوراد کی قراءت کرتے ہیں اور دیکھیں کہ ان لوگوں نے کس طرح اپنے ہاتھوں میں سلسلہ ہائے ذرّات، عدد ہائے قطرات اور نفس ہائے مخلوقات تھامے ہوئے ہیں؟ چنانچہ وہ اِن چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں۔ اب ذرا غور کرو کہ قرآن معجز بیان کی تربیت کی برکت سے حقیر ترین جراثیم سے مغلوب ہو جانے والا اور چھوٹے سے چھوٹے درد و کرب اور حزن و الم سے چکرا کر بے ہوش ہو جانے والا یہ چھوٹا سا انسان کس طرح بلند ہوتا جا رہا ہے!۔

اور کس طرح اُس کے لطائف اس طرح سے وسعت پکڑتے جا رہے ہیں کہ وہ عالمِ کبیر کی اِس گرانڈیل موجودات کو اس حیثیت سے کوتاہ قد سمجھتا ہے کہ وہ اس کے وِرد و ظیفے کی تسبیح کے دانے ہیں، اور جنّت کو اپنے اذکار و اوراد کی منزل نہیں بناتا ہے، حالانکہ وہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے کسی ادنیٰ سی مخلوق سے بھی بڑا نہیں سمجھتا ہے۔ اور یوں وہ انتہائی عزت و خودداری اور انتہائی تواضع و خاکساری کا حسین سنگم بن جاتا ہے۔ یہیں سے آپ فلسفے کے شاگردوں کی پستی، کمینگی اور خسّت و انحطاط کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اور یوں بیمار یورپی فلسفہ اپنی یک چشمی شاطری و عیاری سے جن حقائق کو بدنما سمجھتا ہے، اُنہیں قرآن کی رہنمائی اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ دونوں سعادتمندیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی غیب کے ساتھ مانوس اور دارین کی طرف دیکھنے والی دو چمکدار آنکھوں کے ذریعے اس طرح نمایاں طور پر دیکھتا ہے اور کہتا ہے:

اے انسان! تیرا یہ نفس اور تیرا یہ مال جس کا تو مالک ہے تیری ملکیت نہیں بلکہ تیرے پاس امانت ہے، اور اِس امانت کا مالک ہر چیز پر قادر ہے، رحیم و کریم ہے اور ہر چیز کے بارے میں علم رکھتا ہے۔ وہ تجھ سے اپنی اُس ملکیت کو خرید لینا چاہتا ہے تاکہ اسے تیرے لیے محفوظ رکھے، اور وہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ وہ تجھے مستقبل میں اُس کی معقول قیمت بھی دے گا۔ تُو تو صرف ایک ملازم اور مأمور فوجی ہے اس لیے تُو نے جو تگ و دو کرنی ہے اس کے نام پر کرے گا اور جو کام کرنا ہے اُسی کی خاطر کرنا ہے۔ تجھے جتنے رزق کی ضرورت پڑے گی وہ تجھے مہیا کرتا رہے گا۔ اور وہ تجھے ہر اُس چیز سے بچائے گا جس سے بچنا تیرے بس میں نہیں ہوگا۔ اور تیری اس زندگی کی غرض و غایت اور ماحصل یہ ہے کہ: تو اُس مالک الملک کے اسماء و صفات اور شؤون و احوال کا مظہر بن جائے اور جب کبھی تو کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو کہہ: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ

Marfat.com

رَاجِعُوْنَ﴾ ۔یعنی یہ کہ میں اپنے مالک کی خدمت میں لگا ہوا ہوں، اس لیے اے مصیبت! اگر تو آ گئی ہے تو اُس کے اِذن اور اس کی رضامندی سے آئی ہے، اس لیے اھلاً و سھلاً و مرحبا؛ کیونکہ ہم کسی بھی وقت اس کے حضور لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور ہم اس کے حضور حاضر ہونے کے لیے سراپا اشتیاق ہیں۔ پس وہ چونکہ ہمیں بہرصورت کسی بھی وقت تکالیفِ حیات سے آزاد کرنے والا ہے، تو پھر وہ آزادی و رستگاری اے مصیبت! تیرے ہی ہاتھوں پوری ہو جائے تو کیا ہے! میں راضی ہوں۔ لیکن اگر میرا مالک اس امانت کی حفاظت کے ضمن میں میری ذمہ داری اور میرے انتظام و اہتمام کی آزمائش کرنا چاہتا ہے اور تجھے اسی بات کا حکم ہوا ہے، لیکن وہ مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہا ہے کہ میں یہ امانت تیرے سپرد کر دوں، اور نہ ہی وہ یہ چیز پسند کرتا ہے، تو پھر میں اپنے مالک کی امانت حتی المقدور کسی خیانت کار کے سپرد نہیں کروں گا۔

پس رشد و ہدایت کے وہ درس جو قرآنی ہدایت دیتی ہے اور وہ درس جو فلسفے کی چالاکی ہشیاری اور شاطری عیاری دیتی ہے، ان دونوں کے درمیان جو ہزاروں کے حساب سے درجات و مراتب ہیں، انہیں اس ایک مثال سے سمجھ جاؤ۔

جی ہاں! ان دونوں جہتوں کی حالت کی حقیقت اُسی ڈگر پر چلتی ہے جس کی ابھی وضاحت ہوئی ہے، صرف اتنا ہے کہ ہدایت و ضلالت کے باب میں لوگوں کے درجات میں تفاوت ہے، اور غفلت کے مراتب میں اختلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر آدمی ہر مرتبے میں اس حقیقت کا مکمل شعور نہیں کر پاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ غفلت حس اور شعور کو باطل اور بے کار کر دیتی ہے۔ اِس دور میں حس اس قدر باطل و بے کار ہو چکی ہے کہ یہ تہذیب و تمدن کے دلدادہ لوگ اس المناک درد کی کڑواہٹ کو محسوس نہیں کر پا رہے ہیں۔ لیکن اس غفلت کا پردہ علمی حساسیّت کے بڑھنے اور ہر روز تیس ہزار جنازوں کا نظارہ کرانے والی موت کے بیدار و خبردار کرنے کی وجہ سے تار تار ہوتا جا رہا ہے۔

پس ہزار افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اجنبی طاغوتوں کے اور ان کی طبعی سائنس کے سبب گمراہی کے راستے میں چل پڑتے ہیں، اور ان لوگوں پر بھی جو اندھی تقلید سے اُن کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔

اے اس وطن کے نوجوانو! فرنگیوں کی تقلید کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم کون سی عقل کی روشنی میں اُن پر بھروسا کر رہے ہو اور اُن کی بیوقوفی اور ان کے باطل افکار کی پیروی کر رہے ہو؟ جبکہ تمہیں پتا ہے کہ یورپ نے تم پر لامحدود ظلم ڈھائے ہیں اور زیادتیاں کی ہیں؟ نہ، ایسا ہرگز نہ کرو؛ کیونکہ اُن کی احمقانہ تقلید کرنے والے صرف یہ نہیں کہ اُن کے پیروکار بنتے ہیں، بلکہ غیر شعوری طور پر ان صفوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور تم ایسا کر کے خود اپنے آپ کو اور اپنے بھائیوں کو پھانسی دے رہے ہو۔ خبردار ہو جاؤ، ہوش کے ناخن لو؛ کیونکہ تم جوں جوں بداخلاقی سے اُن کے نقشِ قدم پر چلو گے اپنے غیرت و حمیت والے دعوے میں جھوٹے ثابت ہوتے جاؤ گے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی اندھی پیروی تمہاری

Marfat.com

غیرت وحمیت کے دعوے کے لیے بودے پن کی دلیل اور قوم وملت کے حق میں ایک بھونڈا انداق ہے۔

هَدَانَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

چھٹی یاددہانی

اے وہ مسکین و درماندہ انسان جو کہ کفار کی کثرت سے خوف زدہ ہے اور اپنا عقیدہ صرف اس بناپر برباد کر رہا ہے کہ وہ لوگ ایمان کے بعض حقائق کا انکار کرنے پر متفق ہو چکے ہیں، یادرکھ کہ: اعتبار قیمت، کمیّت اور تعداد کی کثرت میں نہیں ہے؛ کیونکہ انسان اگر انسان نہ رہے تو شیطان ایک شیطانی حیوان بن جاتا ہے، اور کچھ فرنگی اور فرنگ زدہ لوگ ایسے ہیں کہ جوں جوں حیوانی حرص وہوس اور جذبات ومیلانات میں ترقی کرتے جاتے ہیں زیادہ سخت حیوانی مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ حیوانات کمیت اور تعداد کے لحاظ سے بے حدوحساب ہیں اور انسان ان کے مقابلے میں بہت کم ہیں لیکن پھر بھی آپ دیکھتے ہیں کہ انسان حیوانات کی تمام انواع واقسام پر خلیفہ و حکمران کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

پس یہ نقصان دینے والے بیوقوف کفار اور ان کی ڈگر پر چلنے والے نادان لوگ اللہ تعالیٰ کے حیوانات کی کوئی خبیث ترین قسم ہیں، انہیں فاطرُ الحکیم نے اس دنیا کی آبادکاری کے لیے پیدا کیا ہے، اور انہیں اپنی اُن نعمتوں کے درجات کی پہچان کروانے کا ایک پیمانہ بنایا ہے جو اُس نے اپنے مومن بندوں پر کی ہیں اور پھر انجام کار انہیں اُس جہنم کے سپرد کر دے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس لیے کافروں کے ایمانی حقیقت کے انکار میں اور اہلِ ضلالت کے اس کی نفی کرنے میں کوئی قوّت نہیں ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفی میں پائے جانے والے راز کی رُو سے اُن کے اتفاق میں بالکل بودا اور کمزور ہے، کیونکہ ایک ہزار نفی کرنے والے ایک کا حکم رکھتے ہیں۔ اسے مثال سے یوں سمجھیں:

اگر تمام استنبول والے رمضان المبارک کے چاند کا اس بنا پر انکار کر دیں کہ انہیں چاند نظر نہیں آیا ہے، تو صرف دو گواہوں کے اثبات کی وجہ سے اس جم غفیر کی نفی اور ان کا اتفاق ساقط ہو جائے گا۔ چنانچہ کفر وضلالت کی ماہیت میں چونکہ نفی وانکار اور جہل وعدم ہے، اس لیے کافروں کی کثرت والے اتفاق کی کوئی قیمت نہیں۔ اسی بناپر قطعی طور پر ثابت شدہ حقیقی ایمان مسائل کے بارے میں شہود پر اعتماد کرنے والے اہلِ حق میں سے دو مومن آدمیوں کا فیصلہ اہلِ ضلالت وانکار کے لامحدود لوگوں کے اتفاق پر غالب رہے گا۔ اور اس حقیقت میں پایا جانے والا راز یہ ہے کہ:

نفی کرنے والوں کا دعویٰ اگرچہ بظاہر ایک نظر آتا ہے لیکن درحقیقت متعدد ہیں، اس لیے وہ متحد ہوتے ہی نہیں کہ مضبوط ہو جائیں لیکن اثبات کرنے والوں کے دعوے متحد ہو جاتے ہیں اور سارے ایک دوسرے سے قوّت حاصل کر کے مضبوط ہو جاتے ہیں؛ اور یہ اس لیے ایک آدمی کو اگر آسمان میں رمضان کا چاند نظر نہیں آتا ہے تو وہ کہتا ہے: چاند مجھے نظر

Marfat.com

نہیں آ رہا ہے اور میرے نزدیک دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ دوسرا آدمی بھی یہی کہتا ہے چنانچہ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ: مجھے دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ اب ان سب کی نظریں چونکہ مختلف ہیں، اور دکھائی نہ دینے والے اسباب چونکہ متغایر ہیں، اس لیے ان کے دعوے مختلف ہیں اور تمام دعوے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر قوّت حاصل نہیں کر رہے ہیں۔

لیکن اثبات کرنے والا یہ نہیں کہے گا کہ: چاند میری نظروں میں یا میرے نزدیک موجود ہے، بلکہ وہ یہ کہے گا کہ: چاند نفس الامر میں موجود ہے۔ آسمانوں میں کھلے بندوں نظر آ رہا ہے۔ اور مشاہدہ کرنے والے تمام لوگ بالکل وہی بات کریں گے اور اس کے اِس دعوے کی تصدیق کریں گے، اور وہ یہ کہ: چاند نفس الامر میں واقعتاً موجود ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام دعوے متحد ہیں۔

لیکن چونکہ نفی کرنے والوں کی نظریں مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے دعوے مختلف ہیں، اس لیے وہ اُس چیز کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر رہے ہیں جو کہ نفس الامر میں موجود ہے؛ کیونکہ نفس الامر میں نفی کا اثبات کیا ہی نہیں جا سکتا ہے؛ کیونکہ اس میں حقیقت کا احاطہ کرنا لازم ہے۔ ایک اصولی قاعدہ ہے:

"وَالْعَدَمُ الْمُطْلَقُ لَا يُثْبَتُ اِلَّا بِمُشْكِلَاتٍ عَظِيْمَةٍ"

یعنی عدمِ مطلق کو ثابت کرنا انتہائی مشکل ہے۔

جی ہاں! اگر آپ کسی چیز کے بارے میں یہ کہیں کہ: فلاں چیز دنیا میں پائی جاتی ہے، تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ وہ چیز دکھا دیں۔ لیکن اگر آپ کہیں کہ: فلاں چیز دنیا میں نہیں پائی جاتی ہے، اور اس کے وجود کی نفی کر دیں، تو پھر اس نفی کا اثبات کرنے کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ تمام دنیا کا کونہ کونہ چھان ماریں اور ہر جگہ پر اس کا نہ ہونا دکھا دیں۔

پس اس گہرے راز کی رُو سے اہلِ کفر کا کسی حقیقت کا انکار کر دینا ایسے ہی ہو گا جیسے کسی ایک مسئلے کو حل کرنا، کسی تنگ سوراخ سے گزرنا یا خندق کو پار کرنا، کہ ایسی چیزوں میں ایک اور ایک ہزار مساوی ہوتے ہیں؛ کیونکہ ان مسائل میں باہمی تعاون ممکن نہیں ہوتا۔

لیکن اثبات کرنے والے چونکہ حقیقت حال اور نفس الامر پر نظر رکھتے ہیں، اس لیے ان کے دعووں میں اتحاد ہوتا ہے، اور ان کے دعوے باہمدیگر معاون ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے قوّت حاصل کرتے ہیں، اس لیے یہ چیز کوئی بہت بڑی چٹان اٹھانے کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، کہ جتنے ہاتھ زیادہ ہوں گے اتنی ہی آسانی کے ساتھ اُٹھتی چلی جائے گی، کیونکہ ایسے میں ہر ہاتھ دوسرے ہاتھ سے قوّت حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

ساتویں یاددہانی

اے بد بخت جو کہ مسلمانوں کو پورے زور و شور سے ساز و سامانِ دنیا کا شوق دلانے والے اور انہیں زبردستی غیروں

Marfat.com

کی صنعت وحرفت اور اُن کی ترقی و برتری کی طرف کھینچ کر لے جانے والے حمیت فروش، خبردار! اس بات سے ڈر کہ دین کے ساتھ مضبوطی سے جڑی ہوئی اس قوم کے بعض لوگوں کا رابطہ کہیں منقطع نہ ہو جائے۔ یاد رکھ کہ حماقت اور اندھے پن کی یہ لاٹھیاں جس طریقے سے چل رہی ہیں، اس کی وجہ سے اگر کچھ لوگ دین سے برگشتہ ہو گئے تو اِن ملحدین کی طرف سے اجتماعی زندگی کو پہنچنے والا نقصان زہر قاتل جیسا ہوگا؛ کیونکہ ایک مرتد آدمی کا وجدان بالکلیہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لیے وہ معاشرے کی اجتماعی زندگی کے لیے زہر قاتل کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اسی بنا پر علم اصول میں آیا ہے: ''مرتد زندگی کا حق دار نہیں، البتہ کافر اگر ذمی بن کر رہے یا مصالحت کرے تو اس کو زندہ رہنے کا حق ہے''۔ یہ اُصول شریعت کا ایک اہم دستور ہے۔ اور یہ کہ ذمی کافر کی گواہی حنفی مذہب میں قابلِ قبول ہے، البتہ فاسق خائن ہونے کی وجہ سے مردودُ الشہادت ہے۔

اے بدبخت فاسق! فاسقوں کی کثرت کی وجہ سے دھوکہ نہ کھا اور یہ مت کہہ کہ: اکثر لوگوں کے افکار میرے ساتھ ہم آہنگ ہیں؛ کیونکہ فاسق نے فسق کو نہ تو اُس کی حقیقت سمجھ کر اختیار کیا ہے اور نہ ہی اُس میں اپنے اختیار سے داخل ہوا ہے بلکہ اس میں گر گیا ہے اور اب نکل نہیں پا رہا ہے۔ کوئی فاسق ایسا نہیں ملے گا جو نیک ہونے کی تمنا نہ کرتا ہو، اور کسی نیک آدمی کے حکم کے ماتحت اور اُس کے تابع فرمان نہ رہنا چاہتا ہو، سوائے اُس آدمی کے جس کا وجدان ارتداد کی وجہ سے فاسد ہو گیا ہو۔ العیاذ باللہ۔ اور یہ کہ سانپوں کی طرح دوسروں کو ڈنک مارنے سے لذّت یاب ہوتا ہو۔

اے شوریدہ سر اور فاسدُ القلب انسان!

تو یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے پیار نہیں یا وہ اس کے بارے میں فکر مند نہیں ہوتے ہیں؟ اور اسی وجہ سے فقر و فاقہ میں مبتلا ہو رہے ہیں، اور انہیں بیدار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ دنیا سے اپنے حصے کو بھول نہ جائیں؟۔ ایسا ہرگز نہیں تمہارا گمان بالکل غلط اور تمہارا اندازہ صحیح نہیں۔ بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے بارے میں شدید ترین حرص کا شکار ہیں، اور اس وجہ سے فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں؛ کیونکہ مومن میں پائی جانے والی حرص اُس کے لیے خسارے اور کمینے پن کا سبب بن جاتی ہے۔ اور یہ قول تو ضربُ المثل بن چکا ہے کہ:

''اَلْحَرِیْصُ خَائِبٌ خَاسِرٌ''

جی ہاں! انسان کو دنیا کی طرف بلانے والے اور اسے اِس کی طرف کھینچ کر لانے والے اسباب بہت سے ہیں، اور ان میں سرفہرست اس کا نفس، ہوائے نفس، اس کا فقر و احتیاج، اس کے حواس و احساسات، اس کا شیطان دنیا کی ظاہری حلاوت اور تجھ جیسے بدکردار دوست احباب ہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے اسباب و دواعی جبکہ باقی رہنے والی آخرت اور ابدی اور لمبی زندگی کی طرف بلانے والی چیزیں بہت کم ہیں۔ پس اگر تجھ میں اس درماندہ و مسکین قوم کے لیے ذرہ برابر بھی حمیت ہے، اور جس بلند ہمتی کی طرف تُو بلا رہا ہے وہ جُھوٹ نہیں، تو پھر مدد تو اُن قلیل لوگوں کی کرنا ضروری ہے

Marfat.com

جو باقی رہنے والی زندگی کی طرف بلاتے ہیں۔

تو کیا سمجھتا ہے کہ اس قوم کا فقر و فاقہ اُس زہد و بے رغبتی کی وجہ سے ہے جو اِن میں دین کی وجہ سے پایا جاتا ہے، یا اُس بے کاری کی وجہ سے ہے جو ترکِ دنیا کی راہ سے آئی ہے؟ تیرا یہ گمان از بس غلط ہے۔ کیا تیری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ چین و ہندوستان میں مجوسی اور برہمن، افریقہ میں حبشی اور ان جیسی دیگر اقوام جو یورپ کی بالادستی کے تحت زندگی گزار رہی ہیں، وہ ہم سے کہیں زیادہ فقر و فاقہ کا شکار ہیں؟ کیا تیری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں صرف وہی تھوڑا بہت سامان رہنے دیا جاتا ہے جو اُن کی گزر بسر کے لیے اور جسم کے ساتھ سانسوں کا رشتہ استوار رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے، باقی جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ یا یورپ کے ظالم کفار یا ایشیا کے منافق چھین لیتے ہیں، یا پھر اپنی سازشوں اور فریب کاریوں سے غصب کر لیتے ہیں۔

پس یہ جو تُم اہلِ ایمان کو اس طرح مجبور کر کے بغیر میم کے مدنیّت (دنیّت) کی طرف کھینچ کھینچ کر لا رہے ہو، اگر اس میں تمہاری غرض و غایت امن و سلامتی اور علاقے میں اداراتی نظام میں سہولت و آسانی کو رواج دینا ہے، تو یہ چیز اچھی طرح سمجھ لو کہ تم غلطی پر ہو اور قوم کو غلط راستے پر ڈال رہے ہو؛ کیونکہ متزلزل اعتقاد اور فاسد اخلاق والے ایک سو فاسقوں کو نظم و ضبط کے ساتھ کنٹرول کرنا اور ان میں امن و آشتی کو رواج دینا ایک ہزار اچھے لوگوں کی ادارت کرنے اور انہیں نظم و ضبط میں لانے سے تمہیں مشکل ہے۔

یہی وہ بنیادیں ہیں جن کے پیشِ نظر اہلِ اسلام کو دنیا اور دنیا کی حرص کی طرف کھینچنے اور اس کا شوق دلانے کی ضرورت نہیں رہتی ہے، اور نہ ہی اس طریقے سے اُن کے علاقہ جات میں امن اور ترقی کی بنیادیں رکھی جا سکتی ہیں، بلکہ ان لوگوں کو اگر ضرورت ہے تو اس چیز کی ہے کہ ان کی کوششوں اور محنتوں کو منظم کیا جائے، ان میں امن کی بنیادیں رکھی جائیں اور ان میں باہمی تعاون کے دستور وسائل و ذرائع کو سہولتیں فراہم کی جائیں۔ اور یہ ضرورتیں صرف دین کے مقدس اوامر و احکام، تقویٰ و طہارت اور دینی مضبوطی و استواری سے پوری ہو سکتی ہیں۔

آٹھویں یاددہانی

یاد رکھ اے کسلمند انسان جو کہ سعی و عمل میں پائی جانے والی لذت و سعادت کا ادراک نہیں کر پا رہا ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خدمت کا صلہ خود خدمت کے اندر رکھ دیا ہے، اور عمل کی اجرت خود عمل میں رکھ دی ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے تمام موجودات _ حتیٰ کہ ایک اندازے کے مطابق جمادات بھی _ اپنی اُن خاص ذمہ داریوں کو ادا کرتے وقت اور امرِ ربانیہ کو نہایت ذوق و شوق اور ایک قسم کی لذت کے ساتھ ادا کرتی ہیں۔ ان اُمورِ ربانیہ کو دوسرے لفظوں میں ''اوامرِ تکوینہ'' کہا جاتا ہے۔ اور شہد کی مکھی، مکھی اور مُرغی سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک تمام مخلوقات

Marfat.com

اپنے عمل کو کمال لذت کے ساتھ سرانجام دیتی ہیں۔ تو پتا چلا کہ ان کی خدمات میں لذت رکھ دی گئی ہے، اسی بنا پر یہ اپنے اعمال مکمل طور پر اور نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر سرانجام دیتی ہیں۔ حالانکہ یہ مخلوقات عقل سے بہرہ ور نہیں ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ: لذت کا وجود و ادراک ذی حیات مخلوقات میں تو ممکن ہے، لیکن اس شوق و لذت کا تصور جمادات میں کیسے ہوگا؟

الجواب: بے شک جمادات شرف و مقام کے طلب گار اور کمال و جمال و انتظام کی متلاشی ہیں۔ لیکن اپنی ذات کے بل بوتے پر نہیں، بلکہ اُن اسمائے الٰہیہ کے بل پر جو اُن کے اندر جگمگا رہے ہیں۔ اور وہ ان فطری وظائف کو ادا کرتے ہوئے وہ اُس نُورُ الا نوار ذات کے اسماء کے آئینے اور عکس فگن بن جانے کی بنا پر تابندہ و تابناک بنتی جاتی اور ترقی کے مدارج طے کرتی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر: جس طرح پانی کا ایک قطرہ اور شیشے کا ایک ذرّہ، جو کہ ذاتی طور پر غیر روشن اور بے قیمت ہیں، جب دل سے سورج کی طرف رُخ کر لیتے ہیں، تو یہی بے قیمت قطرہ اور غیر روشن ذرّہ سورج کے لیے ایک قسم کا عرش بن جائیں گے، اور تمہیں ہنستے مسکراتے نظر آئیں گے۔

اسی طرح اس قطرے اور کانچ کے ذرّے کی طرح یہ ذرّات اور موجودات جب اپنے وظیفۂ خدمت کو ادا کرتے ہوئے مطلق جمال و کمال والی ذاتِ ذوالجلال کے اسماء و صفات کو منعکس کرنے والے آئینے بن جاتے ہیں تو ظہور و تابنا کی میں ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ پس جب یہ موجودات اپنے وظائف کی ادائیگی کی صورت میں کوئی بلند اور تابناک مقام حاصل کر لیتی ہیں، تو پھر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ: یہ اپنے وظائف کو انتہائی لذت کے ساتھ ادا کرتی ہیں، اگر لذت ممکن ہو اور وہ چیز قابل ہو۔ یعنی اگر یہ موجودات حیاتِ عامہ سے حصہ رکھتے ہوں۔

وظیفۂ حیات کی ادائیگی میں لذت کے موجود ہونے کی سب سے واضح دلیل تمہارے اعضاء و حواس کی خدمت ہے، انہیں غور سے دیکھو، کیونکہ یہ اعضاء و حواس بقائے شخص اور بقائے نوع کے لیے جو خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں اُن میں سے ہر ایک کی خدمات میں مختلف لذتیں پائی جاتی ہیں۔ اور خود خدمت ہی ان کے لیے لذت گری کا حکم لے لیتی ہے۔ حتیٰ کہ خدمت سے دستبردار ہونا اس عضو کے لیے ایک قسم کا عذاب بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مُرغے اور چوزوں والی مرغی کو سامنے رکھیں، مرغا بھوکا ہونے کے باوجود مرغیوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے، چنانچہ اس کے سامنے جب کوئی کھانے پینے کی چیز آتی ہے تو وہ جھٹ انہیں بلاتا ہے، خود نہیں کھاتا بلکہ انہیں کھلاتا ہے۔ اور اس منظر سے جو چیز مشاہدے میں آتی ہے، یہ ہے کہ وہ یہ وظیفہ پورے اشتیاق و افتخار اور لذت اندوزی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ اس خدمت میں پائی جانے والی لذت خود کھانے سے کہیں زیادہ ہے۔

اِسی طرح اپنے بچوں کا خیال رکھنے والی مرغی ان بچوں کے لیے اپنی جان قربان کر دیتی ہے اور ان کی وجہ سے کتے پر

Marfat.com

حملہ آور ہو جاتی ہے۔ اور خود کو بھوکا رکھ کر اپنے بچوں کا پیٹ بھرتی ہے۔

پس وہ اس خدمت میں کوئی ایسی لذت محسوس کرتی ہے جو کہ درد کی تکلیف سے زیادہ ہے اور موت کی تکلیف پر بھاری ہے۔ اور حیوانی مائیں اپنے چھوٹے بچوں کی حفاظت کرتی ہیں اور اس میں لذت پاتی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری ہے جسے وہ نبھاتی ہیں۔ لیکن جب اُن کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو اُن کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور لذت زائل ہو جاتی ہے، چنانچہ اب وہی ماں اپنے بچوں کو مارتی ہے اور ان کے ہاتھوں سے دانے چھین کر کھا جاتی ہے۔

لیکن نوع انسانی میں ماؤں کی ذمہ داریاں ایک طرح سے ہمیشہ جاری رہتی ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اندر ہمیشہ ایک قسم کا بچپنا پایا جاتا ہے، اور وہ اپنے ضعف و عجز کی وجہ سے ہمہ وقت شفقت کا محتاج رہتا ہے۔

اب تمام حیوانات کے مرغوں جیسے نروں کو دیکھیں جو نگرانی و نگہبانی کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں، اور اُن کی مرغیوں جیسی ماؤں کو دیکھیں اور یہ بات سمجھ جائیں کہ یہ جانور اپنی یہ ذمہ داری اپنے کامل ہونے کے لیے اپنے بل بوتے پر اور اپنے نام سے نہیں دیتے ہیں؛ کیونکہ وہ تو ضرورت پڑنے پر اپنی جان پر کھیل جاتی ہیں، بلکہ وہ اپنی ذمہ داریاں اپنے اُس منعم کریم اور فاطرِ جلیل کے نام سے دیتے ہیں جس نے اُن کو ان ذمہ داریوں پر لگایا ہے اور ان میں اپنی رحمت کے ساتھ لذت رکھ دی ہے۔

اور یہ بات کہ خود خدمت کے اندر ہی اُس کی لذت رکھ دی گئی ہے، یہ ہے کہ نباتات و اشجار اپنے فاطرُ الجلیل کے اوامر کی تعمیل کچھ اس طریقے سے کرتے ہیں کہ جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے اندر شوق اور لذت کی فراوانی پائی جاتی ہے؛ کیونکہ اِن کا اُن سے پھیلنے والی اُن پاکیزہ عطر بیز خوشبوؤں سے اور خریداروں کی نظروں کو خیرہ کر دینے والے زیورات سے مزیّن ہونا، اور اپنی بالیوں اور پھلوں پر فنا ہو جانے کی حد تک اپنی جان قربان کر دینا، یہ سب چیزیں اہلِ فکر و تدبُر کے لیے اس حقیقت کو آشکار کرتی ہیں کہ انہیں اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے میں ایسی لذت ملتی ہے جس کے لیے وہ اپنی جانوں کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار دیتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں۔ پس ذرا انجیر اور ناریل جیسے پھل دار درختوں کو دیکھیں جو کہ اپنے سروں پر دودھ کے بہت سے ڈبے اُٹھائے ہوئے ہیں، یہ اپنی زبانِ حال کے ساتھ خزینۂ رحمت سے دودھ جیسی لطیف غذا کا سوال کرتے ہیں، اور پھر یہ دودھ وہ اپنے پھلوں کو پلا دیتے ہیں، لیکن خود مٹی کھاتے ہیں۔ اور انار کا درخت خزینۂ رحمت سے پاک صاف شربت حاصل کر کے اپنے پھلوں کو پلا دیتا ہے اور خود گندے گدلے پانی پر قناعت کر جاتا ہے۔ اور یہ منظر آپ کو دانوں میں بھی نظر آئے گا، چنانچہ ان میں بالیاں نکالنے اور انہیں پالنے کی ذمہ داری کا اشتیاق بالکل واضح نظر آتا ہے جس طرح کسی آدمی کو کسی تنگ سے مکان میں قید کر دیا جائے تو وہ نکل کر کسی باغ اور کھلی جگہ پر جانے کا اشتیاق ظاہر کرتا ہے، اسی طرح ان دانوں میں پھل پھول کر بالیاں بن

Marfat.com

جانے کی ذمہ داری کا اشتیاق اور مسرور کُن صورت حال نظر آتی ہے۔

پس کائنات میں جاری اس پُر اسرار دستور کی رو سے جسے ''سُنت اللہ'' کہا جاتا ہے، کسلمند، آلسی اور بے کار قسم کے لوگ جو آرام طلبی اور راحت پسندی کی زندگی گزارتے ہیں، سعی وعمل کرنے والوں سے کہیں زیادہ محنت مشقت کا سامنا کرتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے کار لوگ ہمیشہ اپنی عمر کا شکوہ کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اسے جلد از جلد گزارنے کے لیے لہو لعب کا سہارا لیتے ہیں۔ اس کے برعکس سعی وعمل کا خوگر حامد وشاکر ہوتا ہے اور اپنی عمر کو بے کار گزارنا پسند نہیں کرتا۔ یہیں سے یہ قول زندگی کا ایک کُلّی دستور بن گیا کہ:

''اَلْمُسْتَرِيحُ الْكَامِلُ شَاكٍ مِنْ عُمْرِهِ وَالسَّاعِي الْكَامِلُ شَاكِرٌ''

''راحت پسند بے کار آدمی اپنی عمر سے شکوہ کناں رہتا ہے، جبکہ سعی وعمل کا خوگر شکر گزار ہوتا ہے''۔ اور یہیں سے یہ بات ضرب المثل کا درجہ اختیار کر گئی کہ: ''راحت محنت میں اور محنت راحت میں ہے''۔

جی ہاں! اگر جمادات کو نمود سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ: وہ جمادات جن کی استعداد اور قابلیت منکشف نہیں ہو سکی اور وہ اس جہت سے ناقص رہ جاتے ہیں، وہ انتہائی درجے کی جد وجہد کے بل پر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور قوت کی حالت سے نکل کر فعل کی حالت میں آجاتے ہیں۔ اور اس حالت میں مذکورہ ''سنتِ الٰہیہ'' بالکل واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اور یہ حالت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس فطری وظیفے میں پس اگر اس جامد چیز کا حیات عامہ سے کوئی حصہ ہے تو یہ شوق اُس کی طرف عائد ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ اس چیز کی طرف عائد ہوگا جو اس جامد چیز کا ناظر ونگران اور اس کا ترجمان ہے۔ حتیٰ کہ اسی راز کی بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ: ''لطیف ونازک پانی جب جم جانے کا امر پاتا ہے۔ تو اس امر کی تعمیل اتنے شدید شوق سے کرتا ہے کہ لوہے کو چیر دیتا اور پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ گویا کہ لوہے کے ایک بند منہ والے برتن میں پڑے پانی کو جب صفر سے نیچے والے درجہ حرارت کی زبان سے یہ امرِ ربانی وصول ہوتا ہے کہ؛ وسعت پکڑ جا، تو وہ شدّت شوق سے اپنے برتن چیر دیتا ہے اور لوہے کو پارہ پارہ کر دیتا ہے، اور خود جامد بن جاتا ہے، اس پر آپ ہر چیز کو قیاس کر سکتے ہیں۔

تو گویا کہ کائنات میں پائی جانے والی ہر سعی وحرکت، آفتابوں کی گردش اور سیر وسیاحت سے لے کر ذرّوں کی کپکپاہٹ، ان کے تحوّل وتغیر اور ان کے مولوی رومی کے درویش کی طرح گردش کرنے تک۔ تقدیرِ الٰہی کے قانون کے مطابق چلتی ہے، قدرتِ الٰہیہ کے ہاتھ سے صادر ہوتی ہے اور ارادہ وامر وعلم پر مشتمل امرِ تکوینی سے ظہور میں آتی ہے۔

حتیٰ کہ ہر ذرّہ، ہر موجود اور ہر ذی حیات فوج کے ایک سپاہی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، چنانچہ جس طرح فوج میں اس سپاہی کی مختلف ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کی جہت سے فوج کے مختلف دائروں میں اس کی مختلف نسبتیں ہیں،

Marfat.com

اسی طرح ہر ذرّے اور ہر ذی حیات کی بھی یہی صورت حال ہے مثال کے طور پر: تمہاری آنکھ میں پائے جانے والے ایک ذرّے کی مختلف نسبتیں ہیں۔ اور ان نسبتوں کے حساب سے اس کی گوناگوں ذمہ داریاں ہیں، اور ان ذمہ داریوں کے حساب سے آنکھ میں، آنکھ کے خلیات میں، چہرے کے اعصاب میں اور بدن کی شریانوں میں مختلف قسم کے فوائد ہیں۔ دیگر ہر چیز کو آپ اس پر قیاس کر سکتے ہیں۔ اس بنیاد کی روشنی میں ہر چیز ایک اَزلی صاحبِ قُدرت کے وجود پر دو جہتوں سے گواہی دیتی ہے۔

پہلی جہت: وہ اُس قدیرِ مطلق کے وجود پر اپنی طاقت سے ہزاروں گنا زیادہ وظائف کو ادا کر کے اپنے عجزِ مطلق کے زبان سے گواہی دیتی ہے۔

دوسری جہت: یہ ہے کہ ہر چیز اُس علیم قدیر ذات پر اس طرح گواہی دیتی ہے کہ اس کی تمام حرکات اُن عمومی قوانین و دساتیر کے مطابق ہیں جو نظامِ عالم کی تشکیل کرتے ہیں اور موجودات کے درمیان ہمیشہ توازن قائم رکھتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرّے جیسی جامد اور شہد کی مکھی جیسی چھوٹی سی جاندار چیز کو اُس نظام اور میزان کے بارے میں کوئی علم نہیں جو کہ کتابِ مبین کے دو انتہائی دقیق اور اہم ترین مسئلے ہیں۔

ایک جامد ذرّے اور شہد کی مکھی جیسی جاندار چیز کی حیثیت بھی کیا ہے کہ وہ اُس کتابِ مبین کے دقیق باریک اور اہم مسائل کو پڑھ سکیں جو کہ اس ذاتِ ذوالجلال کے ہاتھ میں ہے جو آسمانوں کے طبقات کو ایک رجسٹر کے صفحات کی طرح کھولتی، بند کرتی اور تہہ کر دیتی ہے؟

اب تم اس ذرّے کی گواہی کو صرف اِسی صورت میں ردّ کر سکتے ہو کہ تُم ہوش وخرد سے بیگانہ ہو کر اس وہم میں مبتلا ہو جاؤ کہ ذرّے کے اندر ایک ایسی آنکھ پائی جاتی ہے جو اس کتاب کے دقیق حروف کو پڑھ لیتی ہے!

جی ہاں! بے شک وہ فاطرُ الحکیم اس کتابِ مبین کے دساتیر کو انتہائی اجمال واختصار کے ساتھ اور خوبصورت شکل میں کسی خاص لذت اور خصوصی احتیاج کے اندر رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ جب ہر چیز کسی خاص لذت اور خصوصی احتیاج کے زیرِ اثر کام کرتی ہے، تو غیر شعوری طور پر اس کتاب مبین کے دساتیر پر عمل پیرا ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر: ایک تیز سونڈ والا مچھر پیدا ہونے کے بعد اپنے گھر سے نکلتا ہے اور بغیر کسی توقف کے انسان کے چہرے پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور اپنی اس لمبی لاٹھی کے ساتھ اس پر ضربیں لگا کر وہاں سے آبِ حیات جاری کرتا ہے اور پی جاتا ہے۔ اور اس کرّ وفر میں وہ آخری قسم کی فوجی مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے!

حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس نومولود چھوٹی سی اور ناتجربہ کار مخلوق کو اس صنعت وحرفت کی اور پانی کا چشمہ نکالنے کی تعلیم کس نے دی اور اُس نے یہ فن کس سے سیکھا؟ میں _ مسکین سعید _ اِس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اگر اُس سونڈ والے

Marfat.com

مچھر کی جگہ پر میں ہوتا تو یہ صنعت وحرفت اور کرّ وفر پر مشتمل اور جھپٹنے پلٹنے، پلٹ کر جھپٹنے والی اس لڑائی کا فن اور پانی جاری کرنے کا ہنر طویل درس وتدریس اور بہت سے تجربات کے بعد سیکھ پاتا۔ پس آپ الہام سے بہرہ ور شہد کی مکھی، مکڑی اور جراب جیسا انوکھی طرز کا گھونسلا بنانے والی بلبل جیسی مخلوقات کو اس مچھر پر قیاس کر سکتے ہیں بلکہ نباتات کو بھی ان حیوانات پر قیاس کرنا صحیح ہے۔

جی ہاں! بے شک اُس جوّادِ مطلق جلّ جلالہ نے ہر ذی حیات کے ہاتھ میں لذّت کی سیاہی اور محتاجی کی روشنائی سے لکھا ہوا ایک کارڈ تھما دیا ہے، اور اُس میں تکوینی اوامر کا منہج اور ان خدمات کی فہرست رکھ دی ہے جو خدمات وہ چیز سرانجام دے گی۔ اب دیکھو کہ اُس حکیم وجلیل نے شہد کی مکھی کے وظیفے کے ساتھ تعلق رکھنے والے کتابِ مبین کے دساتیر کو کس انداز سے ایک کارڈ میں لکھ دیا ہے اور اُسے اس مکھی کے سر میں رکھے ہوئے ایک صندوق میں رکھ دیا ہے! اور اس صندوق کی چابی اس محنت مشقت کرنے والی مکھی کے ساتھ تعلق رکھنے والی لذت کو بنا دیا ہے، چنانچہ یہ مکھی اس صندوق کو کھولتی ہے، اور اس میں رکھے ہوئے اپنے منہجِ عمل کو پڑھتی ہے اور بات کو سمجھ کر اس کے مطابق مصروفِ عمل ہو جاتی ہے اور یوں ﴿وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ﴾ میں پائے جانے والے راز کو آشکار کر دیتی ہے۔

آپ نے اگر اِس آٹھویں یادداشت کو سُن لیا اور اچھی طرح سمجھ لیا ہے، تو پھر آپ اپنی زیرکی سے آیت کریمہ ﴿وَسِعَتۡ رَحۡمَتُهٗ كُلَّ شَیۡءٍ﴾ میں پائے جانے والے رازوں میں سے کسی ایک راز کو، ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ﴾ میں پائے جانے والے حقائق میں سے ایک حقیقت کو، ﴿اِنَّمَآ اَمۡرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ﴾ میں پائے جانے والے دستوروں میں سے ایک آدھ دستور کو اور ﴿فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ﴾ میں پائے جانے والے بے شمار باریک نکتوں میں سے کسی نہ کسی نکتے کو سمجھ جائیں گے۔

نویں یاددہانی

یاد رکھو کہ:

نوعِ بشر میں پائی جانے والی نبوت خود نوعِ بشر میں پائے جانے والے کمالات وخیر وبرکات کی بنیاد اور ماحصل ہے۔

اور دینِ حق خوش بختی وسعادت مندی کی ایک اجمالی فہرست ہے۔

اور ایمان ایک حسنِ منزّہ اور جمالِ مجرّد ہے۔

اس عالمِ کون ومکان میں اگر ایک تابناک حسن وجمال، بلند وبالا اور وسیع وعریض خیر وفیضان، ایک ظاہر وآشکار حق اور فوقیت رکھنے والا کمال مشاہدے میں آ رہا ہے، تو اس سے یہ بات بالبداہت سمجھ میں آتی ہے کہ حق وحقیقت کا وجود نبوت میں اور انبیاء کے ہاتھ میں ہے، اور شرّ وضلالت اور خسارہ نبوت کی مخالفت میں ہے۔

Marfat.com

چاہتے ہو تو عبودیت میں پائی جانے والی ہزاروں خوبیوں میں سے بطور مثال صرف ایک خوبی کو سامنے رکھو، اور وہ اس طرح ہے کہ:

نبی ﷺ ''عید'' جمعہ اور با جماعت نماز کے ذریعے اہلِ توحید کے دلوں کو یکجا کرتے ہیں اور ایک کلمے پر اُن کی زبانوں کو اکٹھا کرتے ہیں، اس طرح کہ یہ انسان غیر محدود دلوں اور زبانوں سے نکلنے والی آوازوں، دعاؤں اور اذکار کے ساتھ اُس اَزلی معبود کے خطاب کی عظمت کا سامنا کرتا ہے، چنانچہ آوازیں، دعائیں اور اذکار باہمی تعاون اور اتفاق کی صورت میں ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں اور معبودِ اَزلی کی اُلوہیت کے سامنے ایسی عبودیت کا ایسی وسیع صورت میں مظاہرہ کرتے ہیں کہ گویا خود کرۂ ارض ہی یہ ذکر کر رہا ہے، یہ دعا کر رہا ہے اور اپنے تمام علاقہ جات کو نماز پڑھا رہا ہے اور اپنے تمام اطراف واکناف میں آسمانوں کی بلندیوں سے اُترنے والے عزت وعظمت والے امر ﴿اَقِیمُوا الصَّلَاۃَ﴾ کی تعمیل کر وا رہا ہے۔ اور یوں یہ انسان جو کہ کائنات میں پائی جانے والی کمزور ترین اور ذرّے برابر چھوٹی سی مخلوق ہے، عبودیت کی عظمت کی رُو سے اور اس اتحاد میں پائے جانے والے راز کے طفیل اپنی عبودیت کی عظمت کی جہت سے خالقُ السماوات والارض کا محبوب غلام، زمین کا خلیفہ وسلطان اور تخلیق کائنات کا نتیجہ اور اس کی غرض وغایت بن جاتا ہے۔

جی ہاں! ان کروڑوں لوگوں کی آوازیں جو کہ ایک ہی آن میں نمازوں کے بعد اور خاص کر عیدوں کی نمازوں میں اللہ اکبر کہتے ہیں، جس طرح یہ تمام آوازیں جس طرح عالمِ غیب میں متحد ہو جاتی ہیں اُسی طرح عالمِ شہادت میں بھی متحد ہو کر جمع ہو جائیں، تو ان موحدین کا آنِ واحد میں ''اللہ اکبر'' کہنا کرۂ ارض کے لیے عظیمُ الشان ''تکبیر'' کا رُوپ دھار جائے؛ کیونکہ یہ ایک تکبیر کرۂ ارض کی تکبیر کے مساوی ہو جائے گی، اگر یہ زمین اپنی کُلی صورت کے ساتھ ایک بہت بڑا انسان بن جائے اور اپنی اس بہت بڑی جسامت کے حساب سے ''اللہ اکبر'' کہہ دے۔ گویا کہ کرۂ اَرض عالمِ اسلام کے عیدوں کی نمازوں میں اَوراد واَذکار وتسبیحات کے طفیل اپنے زلزلۂ کُبریٰ کا مظہر بن جاتی ہے اور یوں اپنے تمام علاقہ جات واطراف واکناف سمیت تکبیر کی آوازیں بلند کرتی ہے اور اپنے صمیمِ قلب سے خانہ کعبہ کی نیت کرتی ہے جو کہ اُس کا قبلہ ہے۔ اور مکہ مکرمہ کے مُنہ اور عرفات کی زبان سے تکبیر بلند کرتی ہے۔

اور ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ'' کا یہ ایک کلمہ زمین کے اطراف واکناف میں تمام اہلِ ایمان کے غاروں جیسے مونہوں کی ہوا میں ایک نمونہ بن کر پھیل جاتا ہے اور ان مونہوں سے اس ایک تکبیر کے انعکاس کے ساتھ لامحدود تکبیروں کا صدور ہوتا ہے؛ صرف یہی نہیں بلکہ یہ ذکر اور یہ مقبول تکبیر آسمانوں سے بھی اللہ اکبر کی صدا بلند کرا دیتی ہے اور اس کی صدائے بازگشت کی لہریں عوالمِ برزخ میں منعکس ہو جاتی ہیں۔

پس ہم اُس ذاتِ ذُوالجلال کی زمین کے ذرّوں کے برابر تحمید وتسبیح وتکبیر بیان کرتے ہیں جس نے زمین کو اس طریقے

Marfat.com

سے اپنے لیے ساجد و عابد اور بندوں کے لیے مسجد اور مخلوقات کے لیے گہوارہ بنایا ہے اور اُسے اپنی تسبیح و تکبیر میں مصروف کر دیا ہے۔

اور ہم اُس کی اِس زمین کے موجودات کی تعداد کے برابر حمد و ثنا کرتے ہیں، اس بات پر کہ اُس نے ہمیں اپنے اُس رسولِ اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی اُمت بنایا ہے، جس نے ہمیں اس قسم کی عبودیت کی تعلیم دی ہے۔

دسویں یادداشت

اے غافل اور پریشان سعید! یادرکھ کہ: اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور کا دیدار کرنا اور اُس تک رسائی حاصل کرنا، آیات و شواہد کے آئینوں میں اس کی تجلیات کا مشاہدہ کرنا اور دلائل و براہین کے مساموں اور جھروکوں سے اُن کا نظارہ کرنا اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تو اپنے پر گزرنے والے، اپنے دل پر وارد ہونے والے اور عقل پر نظر آنے والی ہر روشنی کو تنقید کی انگلیوں سے ٹٹولے نہیں، تردّد کے ہاتھ سے اسے ٹھونک بجا کر نہ دیکھے اور جو روشنی چمکی ہے اُسے پکڑ کر قابو میں رکھنے کے لیے ہاتھ نہ پھیلائے۔ بلکہ تیرے لیے ضروری ہے کہ تُو غفلت کے اسباب سے مجرّد ہو کر اس روشنی کی طرف متوجّہ ہو جائے۔۔۔ اور ٹھہر جائے۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اللہ کی معرفت کے شواہد و براہین کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: پانی کی طرح ہے جو نظر آتی ہے اور محسوس ہوتی ہے لیکن انگلیوں سے پکڑی نہیں جا سکتی۔ اس قسم کے بارے میں خیالات سے خالی ہو جا اور اس میں اپنی تمام تر ہستی کے ساتھ غوطہ زن ہو جا؛ کیونکہ اسے تنقید کی انگلیوں سے ٹٹولا نہیں جائے گا، اگر ٹٹولا گیا تو یہ بھاگ جائے گی؛ کیونکہ آبِ حیات اس انگلی پر اپنا ٹھکانا نہیں بنا سکتا!

دوسری قسم: ہوا کی طرح ہے جو محسوس تو ہوتی ہے لیکن دیکھی اور پکڑی نہیں جاتی۔ اس نسیمِ رحمت کی طرف اپنے چہرے اور منہ کی طرف متوجّہ رہ اور اس کا سامنا کرتا رہ۔ اس کی طرف نقد و نظر کا ہاتھ نہ بڑھانا کیونکہ تُو اسے پکڑ نہیں سکے گا۔ اور اسے اپنی روح کے ذریعے سانس لے کر اپنے اندر کھینچ۔ لیکن اگر تُو نے اسے تردّد کے ہاتھ سے ٹٹولنا اور جانچنا شروع کر دیا اور اس پر تنقید کا ہاتھ ڈال دیا تو یہ چلی جائے گی اور بہہ جائے گی اور تیرے ہاتھ کو اپنا مسکن نہیں بنائے گی اور نہ یہ چیز پسند کرے گی۔

تیسری قسم: روشنی کی طرح ہے جو نظر تو آتی ہے لیکن نہ محسوس ہوتی ہے اور نہ پکڑ میں آتی ہے، اس لیے اس کا سامنا اپنی دل کی آنکھ اور روح کی بینائی کے ساتھ کر، اپنی آنکھ کا رُخ اس کی طرف رکھ اور دیکھ، شاید کہ وہ بذاتِ خود آ جائے؛ کیونکہ روشنی ہاتھ سے نہیں پکڑی جاتی۔ انگلیوں سے اس کا شکار نہیں ہو سکتا، بلکہ اس نور کا شکار صرف نورِ بصیرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ بنا بریں! اگر تُو اس کی طرف اپنا حرص و ہوا سے آلودہ مادی ہاتھ بڑھائے گا اور اسے مادی ترازوؤں پر تولے گا تو یہ چھپ جائے گی، اگر چہ بجھ نہ پائے؛ کیونکہ اس طرح کی روشنی کسی مادی چیز کی حبس اور گھٹن میں رہنا پسند نہیں کرتی، قید و بند

Marfat.com

میں داخل نہیں ہوتی، کسی کثیف چیز کو اپنا مالک اور سردار نہیں مانتی۔

گیارہویں یاد دہانی

جان لو کہ قرآنِ معجز بیان کی فائدہ رسانی میں بہت زیادہ شفقت اور رحمت پائی جاتی ہے؛ کیونکہ اس کے زیادہ تر مخاطب جمہور عوام ہیں، اور عوام الناس عام طور پر سادہ لوح اور کوتاہ نظر ہوتے ہیں، اُن کی نظریں گہری چیزوں تک نہیں پہنچ پاتی ہیں۔ اسی بنا پر قرآن کریم ان کی سادہ ذہنی اور سادہ لوحی کی رعایت رکھتے ہوئے زمین و آسمان کے صفحات پر لکھی ہوئی آیات کو بار بار دہراتا ہے اور ان بڑے بڑے حروف کی آسانی کے ساتھ قراءت کرواتا ہے۔

مثال کے طور: پر وہ اُن آیات کا درس دیتا ہے جو بداہتاً پڑھی جاتی ہیں اور مشاہدے میں آتی ہیں، جیسے زمین و آسمان کی پیدائش، آسمان سے بارش کا نازل کرنا اور زمین کو زندہ کرنا وغیرہ۔ اور اِن بڑے بڑے حروف کے اندر چھوٹے چھوٹے حروف کے ساتھ سطروں میں لکھی ہوئی دقیق آیات کی طرف بہت کم توجہ دلاتا ہے تا کہ وہ مشقت میں نہ پڑیں۔

اسی طرح قرآن پاک کے اسلوب میں پختگی، سلاست، روانگی اور ایک فطری حالت پائی جاتی ہے، گویا کہ قرآن حافظ ہے جو کائنات کے صفحات پر قلم قدرت کے ساتھ لکھی ہوئی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور گویا کہ یہ کتابِ کائنات کی قراءت اور اس میں چلنے والے نظاموں کی تلاوت ہے۔ اور پھر یہ اُس نقاشِ ازلی کے شئون و احوال کی قراءت کرتا ہے اور اس کے اعمال و افعال کو لکھتا ہے۔ اگر آپ زبان و بیان کی اس قوت اور پختگی کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں تو سورت عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ اور ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ۔۔۔﴾ جیسی آیات کو بیدار اور متدبّر دل کے ساتھ سنیں۔

بارہویں یاد دہانی

میرے ان یادداشتوں کو سننے والے دوستو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں خلافِ عادت کبھی کبھی اپنے پروردگار کے حضور کی گئی اپنے دل کی آہ و زاریوں، فریادوں اور سرگوشیوں کو بھی سپردِ قلم کر دیتا ہوں جن کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے؛ اس کا سبب صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ موت جب میری زبان کو خاموش کر دے اس وقت میری زبان کی گفتگو کے بدلے میری تحریر کی گفتگو قبول ہو جائے۔

جی ہاں، میری اِس چھوٹی سی عمر میں میری اس فانی زبان کی توبہ و پشیمانی میرے غیر محدود گناہوں کا کفارہ بننے کے لیے نا کافی ہے۔ اور تحریر کی کسی حد تک ثابت اور دائمی زبان اس مقصد کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

میں نے یہ سرگوشیاں اور آہ و زاریاں عربی زبان میں اُس وقت سپرد قلم کیں تھیں جب میں بڑھاپے کی چیخ پکار سے جوانی کی غفلت بھری نیند سے بیدار ہوا تھا، اور جب تیرہ سال قبل ایک مضطرب رُوحانی آندھی کے بعد قدیم سعید کی ہنسی

Marfat.com

جدید سعید کی آہ و بکا میں بدل گئی تھی۔(حاشیہ:ا)

اے ربِ رحیم، اے خالقِ کریم! میرے سوءِ اختیار کی وجہ سے میری عمر اور میری جوانی ضائع ہوگئی ہے۔ اور اب اُن کے ثمرات میں سے کچھ المناک گناہ، کچھ رسوا کن درد و الم اور کچھ گمراہ کن وسوسے باقی رہ گئے ہیں۔ اور میں اس بھاری بوجھ، بیمار دل اور شرمسار چہرے کے ساتھ قبر کے قریب ہوتا جا رہا ہوں اور بالمشاہدہ اپنے گزرے ہوئے آباواجداد، عزیز و اقارب اور دوست احباب کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے بے اختیار ہو کر انتہائی تیزی کے ساتھ، ادھر اُدھر مڑے بغیر سیدھا چلتا ہوا، اس فانی اور یقینی طور پر ہلاک ہو جانے والے، اور مشاہدے کی رو سے غروب ہو جانے اور کوچ کر جانے والے، اور خاص کر میرے جیسے نفسِ امّارہ کے غلام کے ساتھ غداری اور مکاری کرنے والے دارِ فانی کو ابدی طور پر چھوڑ کر جانے کے لیے ابدُ الآباد کے راستے اکیلے پن اور تنہائی والے گھر یعنی قبر کے دروازے کے قریب ہوتا جا رہا ہوں، وہ قبر جو کہ اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر جانے کے بعد ابدالاباد کے راستے میں تیار کیا گیا اور چوپٹ کھلا ہوا پہلا دروازہ ہے۔ اور یہ دنیا بھی جس پر مجھے بھروسا ہے اور جس پر میں فریفتہ ہوں اس کے بارے میں بھی میں قطعی طور پر جان گیا ہوں کہ یہ بھی ہالک ہے۔۔۔ چلی جائے گی، فانی ہے۔۔۔ مرجائے گی۔

اور اس میں پائی جانے والی موجودات بھی بالمشاہدہ پے در پے قافلہ در قافلہ کوچ کرتی ہوئی رواں دواں ہیں اور غیب ہوتی جا رہی ہیں۔ اور خاص کر میرے جیسے نفسِ امارہ کے غلام کے لیے یہ دنیا بڑی غدار اور مکّار ہے۔

یہ ایک لذت دے کر اس کے ساتھ ہزاروں درد و الم نتھی کر دیتی ہے اور انہیں زبردستی پلے باندھ دیتی ہے۔ اور انگور کا ایک دانہ کھلا کر سو طمانچے رسید کرتی ہے۔

پس اے ربِ رحیم اور اے خالقِ کریم!

كُلُّ آتٍ قَرِيبٌ

کی رو سے میں ابھی سے دیکھ رہا ہوں کہ میں نے کچھ ہی دیر کے بعد اپنا کفن اوڑھ لیا ہے، اپنے تابوت پر سوار ہو گیا ہوں، اپنے دوستوں کو الوداع کہہ چکا ہوں، اپنا رُخ اپنی قبر کی طرف کر کے چلتے ہوئے تیری رحمت کے دروازے میں کھڑا اپنے جنازے کی زبانِ حال کے ساتھ اور اپنی روح کی زبانِ قال کے ساتھ بلند آواز سے پکار رہا ہوں: الاَمان الاَمان یا حنّان یا منّان! مجھے میرے شرمندہ کر دینے والی نافرمانیوں سے نجات دے۔

آہ! میرا کفن میری گردن پر ہے اور میں اپنی قبر کے سرہانے کھڑا تیری رحمت کے دروازے کی طرف سر اُٹھا کر پکار رہا ہوں: الأمان الأمان یا حنان یا منان! مجھے میرے بھاری بھرکم گناہوں کے بوجھ سے نجات دے۔

(حاشیہ:ا) اور اب اس حادثے پر چالیس سال گزر گئے ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

آہ! میں اپنے کفن میں لپٹا ہوا ہوں اور اپنی قبر میں پڑا ہوا ہوں۔ مجھے یہاں تک لانے والے مجھے چھوڑ کر واپس چلے گئے ہیں اور میں اب تیری عفو و درگزری اور رحمت کا منتظر ہوں اور میں بالمشاہدہ دیکھ رہا ہوں کہ پناہ گاہ اور جائے نجات صرف اور صرف تیری ذات ہے۔ گناہ آلود چہرے سے، معصیت سے بگڑی ہوئی وحشت خیز شکل سے اور اس جگہ کی تنگی کی وجہ سے میں پوری قوت کے ساتھ پکار پکار کر کہہ رہا ہوں کہ: الأمان الأمان یا رحمان یا حنان یا منّان یا دیان! مجھے برے گناہوں کی دوستی سے بچالے اور میری اس تنگ جگہ کو فراخ کر دے۔

الٰہی! تیری رحمت میری پناہ گاہ ہے۔ اور تیرا رحمۃ للعالمینی والا محبوب تیری رحمت تک پہنچنے کے لیے میرا وسیلہ ہے میں تجھ سے شکوہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ تیری درگاہ میں اپنے نفس اور اپنی غمگینی اور اپنی بدحالی کا شکوہ کر رہا ہوں۔

اے خالقِ کریم، اے ربِّ رحیم! تیرا پیدا کردہ اور بنایا ہوا یہ سعید نامی غلام بہت نافرمان، عاجز، غافل، جاہل، علیل، ذلیل، گناہگار و خطاکار، بوڑھا کھوسٹ، بدبخت اور اپنے آقا کا بھگوڑا غلام ہے جو چالیس سال کے بعد پشیمان ہو کر تیری رحمت کی پناہ ڈھونڈتا ہوا، ذنوب و خطیئات کا اعتراف کرتا ہوا، اوہام و اسقام میں مبتلا گریہ زاری کرتا ہوا تیری درگاہ میں واپس لوٹ آنا چاہتا ہے، تیری رحمت سے التجا کر رہا ہے، اپنے بے شمار گناہوں اور غلطیوں کا اعتراف کر رہا ہے، اوہام و خرافات اور انواع و اقسام کی علتوں میں مبتلا ہے، تیرے سامنے گریہ زاری اور نیازمندی کا اظہار کر رہا ہے، پس اگر تو اس کا واپس آنا قبول کر لے، اور اُس کی بخشش کر دے اور اُس پر رحم کر دے تو تُو یقیناً اِسی شان کا مالک ہے۔ اور تو ارحم الراحمین ہے، اور اگر قبول نہ کرے تو تیرا در چھوڑ کر وہ اور کس کے در پر جائے گا؟ تیرے علاوہ اور کوئی پروردگار ہے ہی نہیں جس کی درگاہ کا قصد کیا جائے اور تیرے علاوہ کوئی حقیقی معبود ہے ہی نہیں جس کے آگے التجا کی جائے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ آخِرُ الْكَلَامِ فِي الدُّنْيَا وَ اَوَّلُ كَلَامٍ فِي الْآخِرَةِ وَ فِي الْقَبْرِ: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ہے۔

تیرہویں یاددہانی

اُن پانچ ایسے مسائل پر مشتمل ہے جو التباس کا دارومدار بن گئے ہیں۔

پہلا مسئلہ:

بے شک وہ لوگ جو مجاہدہ کرتے ہیں اور راہِ حق میں مصروفِ تگ و دو رہتے ہیں، ان کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ صرف اپنی ذمہ داریوں کی فکر کریں، کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر اللہ کی ذمہ داریوں میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں اور اس پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھتے ہیں، اور یوں غلطی کر جاتے ہیں۔

ادبُ الدین والدنیا نامی رسالہ میں ہے کہ: شیطان نے کسی دور میں حضرت عیسیٰؑ پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ: اگر

Marfat.com

اجل اور ہر چیز کا تعلق تقدیرِ الٰہی کے ساتھ ہے، تو پھر اپنے آپ کو اس پہاڑ کی چوٹی سے گرا دے، دیکھتے ہیں کہ آپ کیونکر بچتے ہیں؟ تو عیسیٰؑ نے فرمایا:

"اِنَّ لِلّٰہِ اَنْ یَخْتَبِرَ عَبْدَہٗ وَلَیْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ یَخْتَبِرَ رَبَّہٗ"

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزما سکتا ہے لیکن بندے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رب کی آزمائش کرے"۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان لیتا ہے اور کہتا ہے: اگر تو اس طرح کرے گا تو میں اس طرح کروں گا۔ اب دیکھتے ہیں تو کر سکتا ہے؟ لیکن بندے کو یہ حق نہیں پہنچتا اور نہ ہی اس کی حدود میں یہ بات آتی ہے کہ وہ اپنے رب کی آزمائش کرے، اس کا امتحان لے اور کہے: اگر میں ایسے کروں تو کیا پھر تُو ایسے کرے گا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے سامنے تجربہ کرنے کے لیے اس طرح کا امتحان لینا سُوءِ ادب اور عبودیت کے منافی ہے۔ تو حقیقت جب یہ ہے تو پھر انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا کام کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے کے معاملے میں دخل نہ دے۔

اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ اسلام کا ایک سپوت سلطان جلال الدین خوارزم شاہ جس نے کئی بار چنگیز کو شکست دی، جنگ کے لیے جا رہا تھا تو اس کے وزراء و پیروکاروں نے اسے کہا: آپ کامیاب ہو کر لوٹیں گے اور اللہ آپ کو دشمنوں پر فتح عطا کرے گا۔ تو سلطان نے کہا: میں اللہ کے حکم سے اس کے راستے میں جدوجہد کرنے کا مکلف ہوں اور اس کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس لیے یہ اُس کی مرضی ہے کہ وہ مجھے فتح سے ہمکنار کر دے یا شکست سے دوچار کر دے۔ اور وہ بہت دفعہ معجزانہ طریقوں سے فتحیاب بھی ہوا۔ کیونکہ وہ تسلیم و خود سپردگی میں پائے جانے والے اس راز کو سمجھ گیا تھا۔

جی ہاں، انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے جزوی سے اختیار کے بل بوتے پر سرانجام دینے والے اُن اعمال و افعال کے نتائج کی فکر نہ کرے جن کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مثال کے طور پر:

ہمارے کچھ بھائی ایسے ہیں کہ جن کا ذوق و شوق اُس وقت بڑھتا اور اُن کی سرگرمی کو اس وقت مہمیز ملتی ہے جب لوگ رسائل نور کو سنتے اور ان کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ اور جب نہیں سنتے تو اُن کمزور اور تھڑ دلوں کی معنوی قوت کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اُن کے ذوق و شوق و ولولے کی آگ بجھ جاتی ہے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ جو کہ استادِ مطلق، مقتدائے کل اور مرشدِ اکمل ہیں، اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: ﴿وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ﴾ کو اپنی ذات کے لیے ایک ہادی و رہنما بنایا اور لوگوں کے منہ پھیرنے، اعراض برتنے اور نہ سننے کے باوجود اپنی زیادہ سے زیادہ کوشش، جدوجہد اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اللہ کے پیغام کو پہنچایا۔

اُس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ میں پائے جانے

Marfat.com

والے راز کی رُو سے یہ بات جان گئے تھے کہ لوگوں کو سنانا اور انہیں راہِ راست پر لانا اللہ کا کام ہے۔ چنانچہ آپ اللہ کے کام میں دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ بات اگر ایسے ہی ہے، تو پھر تم بھی اے میرے بھائیو! اپنے اعمال کی بنیاد اپنے ساتھ تعلق نہ رکھنے والے معاملے پر رکھ کر اللہ کے کام میں مداخلت نہ کرو۔ اور اپنے خالق کے سامنے ایسا انداز اختیار نہ کرو جس سے محسوس ہو کر تم اس کی آزمائش کر رہے ہو!۔

دوسرا مسئلہ:

بے شک عبادت کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کرنا اور اس کی رضامندی کا حصول ہے، مطلب یہ کہ عبادت کے لیے دعوت دینے والا اور بلانے والا امرِ الٰہی ہے اور اس کا نتیجہ رضائے الٰہی اور اِس کے فوائد وثمرات اُخروی ہیں۔ لیکن اُس کے وہ دُنیاوی فوائد وثمرات جو بغیر طلب وقصد کے اَز خود حاصل ہو جاتے ہیں، وہ عبودیت کے منافی نہیں ہیں، بشرطیکہ وہ اِس عبادت کی علّتِ غائی نہ ہوں اور نہ ہی بالقصد طلب کیے جائیں۔ ایسے فوائد وثمرات عبودیت کے منافی نہیں ہیں بلکہ کمزور لوگوں کے لیے ترجیح وتشویق اور ترغیب کا سبب بن جاتے ہیں، لیکن دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے والے یہ فوائد وثمرات اُس عبودیت، اور اس وِرد یا ذکر کی علّت یا علت کا جزء بن جائیں تو پھر یہ اُس عبودیت کا کچھ حصہ باطل کر دیں گے، بلکہ اس بہت سی خصوصیات کے حامل وِرد کو بانجھ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اب جو لوگ اس راز سے ناواقف ہیں وہ اس قسم کے بعض فوائد کو مقصود بالذات ذہن میں رکھ کر _ بطورِ مثال _ شاہِ نقشبند کے اورادِ قدسیہ پڑھتے ہیں جو کہ سینکڑوں خواص و فوائد کے حامل ہیں، یا ''الجوشن الکبیر'' پڑھتے ہیں جو کہ ایک ہزار خواص کی حامل ہے، ایسے لوگ ان فوائد کو دیکھ نہیں پاتے، وہ کبھی دیکھ بھی نہیں سکیں گے اور انہیں دیکھنے کا حق بھی نہیں پہنچتا؛ کیونکہ یہ فوائد اُن اَوراد واذکار کی علّت نہیں ہوتے، اور نہ ہی یہ فوائد اُن سے بالذات مقصود ہوتے ہیں؛ کیونکہ یہ فوائد تو فضلِ اِلٰہی کی صورت میں بغیر کسی طلب کے اُس خاص وِرد پر مرتب ہو جاتے ہیں، لیکن اگر اس وِرد کو پڑھنے والا ان فوائد کی نیت سے پڑھے گا تو اُس کا اخلاص ایک طرح سے باطل ہو جائے گا، بلکہ عبودیت کے دائرے سے نکل جائے گا اور بے قیمت ہو جائے گا۔

البتہ ایک چیز باقی رہ گئی، اور وہ یہ کہ کچھ کمزور قسم کے لوگ اِن جیسے خصوصیات کے حامل اوراد کو پڑھنے کے لیے کسی ایسی چیز کے محتاج ہوتے ہیں جو ان کے ذوق وشوق کو مہمیز دے اور اُس کی فضیلت و برتری کا نقش اس کے دل میں بٹھا دے۔ چنانچہ وہ جب ان فوائد کا تصور کرتے ہیں اور انہیں شوق چراتا ہے، اور وہ فقط اللہ کی رضا اور آخرت کے لیے ان اوراد کو پڑھتے ہیں، تو انہیں نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ قبول ہوتے ہیں۔

اس حکمت کا ادراک نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ شک وشبہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ وہ ان فوائد کا انکار کر بیٹھتے ہیں؛ کیونکہ انہیں وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو کہ اقطاب اور سلف صالحین سے مروی ہیں۔

Marfat.com

تیسرا مسئلہ

"طُوبیٰ لِمَنْ عَرَفَ حَدَّہٗ وَلَمْ یَتَجَاوَزْ طَوْرَہٗ "یعنی اُس آدمی کے لیے خوشخبری ہے جو اپنی پہچان کر لیتا ہے اور اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا ہے۔ چنانچہ جس طرح کانچ کے ٹکڑے، پانی کے قطرے، حوض، سمندر اور چاند سے لے کر سیاروں تک ہر چیز پر سورج کی تجلیات نمایاں ہیں، اور ان میں سے ہر چیز اپنی استعداد کے مطابق سورج کا عکس اور اُس کی مثالی صورت کا عکس حاصل کر لیتی ہے اور اپنی حد کو پہچانتی ہے۔ چنانچہ پانی کا ایک قطرہ اِن تجلّیات کو قبول کرنے کی رُو سے کہتا ہے: "مجھ میں سورج کا عکس پایا جاتا ہے"۔ لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ: میں بھی سمندر کی طرح سورج کا آئینہ ہوں"

اِسی طرح اُولیاء کے مقامات میں بھی اسمائے الٰہیہ کی تجلّیات کے تنوّع کے حساب سے بہت سے مراتب پائے جاتے ہیں۔ اور اِن میں سے ہر اسم کی سورج کی طرح دل سے لے کر عرش تک گونا گوں تجلیّات ہیں۔ پس دل عرش ہے، لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ: "میں عرش جیسا ہوں"۔

یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنے عجز وفقر اور نقص وقصور کی پہچان کرنے کی بجائے _ جو کہ عبودیت کی بنیاد ہے_ اور بابِ الٰہی پر جھک جانے کی بجائے کبر و ناز اور فخر وغرور کا راستہ اختیار کرتا ہے، وہ اپنے ایک ذرّے جیسے دل کو عرش کے مساوی بنا دیتا ہے، اور یُوں اپنے ایک قطرے جیسے مقام کو اولیاء کرام کے سمندر جیسے مقامات کا ہمسر بنا دیتا ہے، اور اس طرح بہت سے بے معنی مشاکل، تصنع، تکلّف اور ریا کاری میں گر جاتا ہے، صرف اس غرض سے کہ خود کو ان عظیم الشان مقامات کا اہل بنا سکے اور اس مقام میں خود کی حفاظت بھی کر سکے۔

الحاصل:

حدیث شریف میں وارد ہے کہ: "هَلَكَ النَّاسُ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ وَهَلَكَ الْعَالِمُوْنَ اِلَّا الْعَامِلُوْنَ وَهَلَكَ الْعَامِلُوْنَ اِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ وَ الْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ" مطلب یہ کہ نجات وخلاص کا وسیلہ صرف اخلاص ہے۔ اور اخلاص کو حاصل کرنا بہت اہم کام ہے۔ اور یہ کہ اخلاص کے ساتھ کیا گیا ذرّہ برابر عمل غیر خالص عمل کے کئی پونڈوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ اب انسان کو اس چیز کے بارے میں سوچنا چاہیے جو اس کے اعمال میں اخلاص کا باعث بنتے ہیں، اور وہ ہے محض اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا نتیجہ صرف اُس کی رجا کا حصول ہے۔ پھر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں دخل نہ دے۔

اخلاص ہر ایک چیز میں پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ خالص محبت کا ایک ذرّہ رسمی اور اجرتی محبت کے کئی پونڈوں پر بھاری ہوتا ہے ایسی خالص محبت کا اظہار کسی نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

وَمَا اَنَا بِالْبَاغِیْ عَلَی الْحُبِّ رِشْوَةً

ضَعِیْفٌ هَوًی یُبْغٰی عَلَیْهِ ثَوَابٌ

Marfat.com

یعنی میں محبت پر رشوت، اجرت، اور عوض و مکافات کا طالب نہیں ہوں؛ کیونکہ جس محبت پر اجر و ثواب طلب کیا جائے وہ اَز بس کمزور اور زوال پذیر ہوتی ہے:

یہ خالص محبت انسان اور تمام ماؤں کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ اور تمام ماؤں کی شفقت اس خالص محبت کا مکمل مظہر اور واضح ترین مثال ہے۔

اور اِس بات کی دلیل کہ ماؤں کو اِس شفقت کی رُو سے اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے، اس پر وہ عوض معاوضے کا مطالبہ نہیں کرتیں اور رشوت نہیں لیتی ہیں، یہ ہے کہ وہ ان پر اپنی جانیں قربان کر دیتی ہیں، بلکہ اپنی اخروی سعادت تک کو قربان کر دیتی ہیں۔ اور مرغی کہ جس کا تمام سرمایہ اس کی زندگی ہی ہے، وہ اپنے بچے کو کتے کے منہ سے نکالنے کے لیے اس پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ خسرو نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ (حاشیہ:۱)

چوتھا مسئلہ:

یہ ضروری ہے کہ ظاہری اسباب و رسائل کے ہاتھوں وارد ہونے والی نعمتوں کو ان اسباب و وسائل کے کھاتے میں رکھ کر قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ سبب یا تو مختار ہو گا یا غیر مختار، پس اگر وہ بے اختیار ہو گا۔ جیسے حیوان اور درخت وغیرہ۔ تو پھر وہ نعمت بغیر کسی توسط کے اللہ تعالیٰ کے حساب پر عطا ہو گی۔ پس جب وہ سبب اپنی زبانِ حال سے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کہتا ہے اور تجھے وہ نعمت عطا کرتا ہے، تو پھر تُو بھی اُس نعمت کو ﴿بسم اللہ﴾ کہہ کر اُس سے وہ نعمت اللہ کے حساب پر لے لے، وگرنہ نہیں؛ کیونکہ آیت کریمہ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ کے صریحی معنی کے علاوہ ایک اشاری معنی بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ: وہ نعمتیں مت کھاؤ جو منعمِ حقیقی کی یاد نہ دلائیں اور اس کے نام پر نہ دی جائیں ﴿﴾۔

بات اگر ایسے ہی ہے، تو دینے والا اور لینے والا دونوں کہیں: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ اگر دینے والا ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ نہ کہے، لیکن تجھے اُس نعمت کی ضرورت ہو تو پھر تُو کہہ دے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾، اور اُس چیز کے سر کے اُوپر سے تجھے رحمت اِلٰہیہ کا ہاتھ نظر آئے، اور اُسے شکر و سپاس کے ساتھ قبول کر لے اور اس نعمت کے اندر سے انعام کی طرف نظر رکھ، اور انعام کے اندر سے منعمِ حقیقی تصور میں رکھ۔ پس یہ تصور شکر ہے۔ پھر اگر تُو چاہے تو اس ظاہری واسطے کو پکار سکتا ہے؛ کیونکہ یہ نعمت تیری طرف اس کے ہاتھوں بھیجی گئی ہے۔

ظاہری اسباب کا اعتقاد رکھنے والوں کو دو چیزوں کا ایک ساتھ وارد ہونا یا دونوں کا ایک ساتھ وجود میں آنا دھوکے میں ڈال دیتا ہے، ان چیزوں کو ''اقتران'' کہا جاتا ہے اِس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کی علت سمجھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کسی چیز کا عدم کسی نعمت کے عدم کی علت بن جاتا ہے، اور اس سے یہ وہم ہو جاتا ہے کہ اُس چیز کا وجود اُس نعمت کے وجود کی علت ہے، اور یُوں انسان اُس چیز کو اُس نعمت کی علت سمجھ لیتا ہے اور اس کے حق میں اپنے شکر و

(حاشیہ:۱) خسرو، استاد نورسی کے ایک شاگرد کا نام ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

امتنان کا اظہار کر کے غلطی کر جاتا ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی نعمت کا وجود ان تمام مقدمات و شرائط پر مترتب ہوتا ہے، جبکہ اس نعمت کا عدم ایک ہی شرط کے عدم سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر: ایک آدمی اگر اُس نالے کا ڈھکنا نہیں کھولتا جس سے باغیچے میں پانی پہنچتا ہے، تو وہ اس باغیچے کی خشک سالی اور اس نعمت کے عدم کا سبب اور علت بن جائے گا۔ لیکن اس باغیچے کی نعمتوں کا وجود اس شخص کی خدمت کے علاوہ بھی سینکڑوں شروط پر موقوف ہے، حالانکہ وہ نعمتیں محض اُس قدرتِ الٰہیہ اور ارادۂ ربانیہ سے ظہور میں آتی ہیں جو کہ حقیقی علت ہیں۔ یہیں سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ غلطی کتنی واشگاف ہے، اور یہ بات بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اسباب کا اعتقاد رکھنے والے کتنی فاش غلطی میں مبتلا ہیں۔

جی ہاں، بے شک ''اقتران'' اور چیز ہے اور علت اور چیز۔ چنانچہ آپ کو ایک نعمت ملتی ہے، لیکن اُس کے ساتھ کسی انسان کی احسان کرنے کی نیت مل گئی ہے، تو اُس کی علت رحمتِ الٰہیہ ہو گی وہ نیت نہیں جو اُس کے ساتھ مل گئی ہے۔

جی ہاں، اگر وہ شخص احسان کرنے کی نیت نہ کرتا تو وہ نعمت آپ کو نہ ملتی، اور عدم نیت عدمِ نعمت کی علت بن جاتی لیکن احسان کرنے کا یہ میلان اس نعمت کے وجود کی علت بہر کیف نہیں ہو گا بلکہ دیگر سینکڑوں شروط میں سے ایک شرط ہو گا۔ اسی وجہ سے خسرو اور رأفت جیسے طلابِ نور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نہال ہیں، ان پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا، چنانچہ وہ ''اقتران اور علت'' کی حقیقت تک رسائی نہ کر سکے اسی بنا پر وہ اپنے استاد کے ضرورت سے زیادہ احسان مند، شکر گزار اور مدح سرا رہتے تھے۔ جبکہ صورتِ حال یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو جو اُس نے اُنہیں درس قرآن سے استفادہ کرنے کی صورت میں عطا کی تھی، اُس کے ساتھ جوڑ دیا تھا جو اُس نے ان کے استاد پر اس صورت میں انعام کی تھی کہ وہ اپنے شاگردوں کو درس قرآن کی صورت میں اُس نعمت سے مستفید کر رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر ہمارے اُستاد ہمارے یہاں نہ آتے تو یہ درس حاصل نہ کر سکتے، پس ان کا درس دینا ہمارے درس لینے کی علت ہے۔ اور میں کہتا ہوں: میرے بھائیو! وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کی ہے اُسے اس نے اُس نعمت کے ساتھ منتھی کر دیا ہے۔ پس علت جو اِن دونوں نعمتوں میں پائی جاتی ہے وہ ہے ''رحمتِ الٰہیہ''

خود مجھ پر بھی آپ کی طرح ''اقتران'' اور علت ملتبس ہو گئی تھی اور میں ان کے درمیان فرق نہیں کر پا رہا تھا چنانچہ ایک وقت وہ بھی رہا جب میں آپ جیسے اُن بہت سے طلابِ نور کا احسان محسوس کیا کرتا تھا جن کے قلم ہیرے کی تلواروں کا حکم رکھتے ہیں، اور کہا کرتا تھا: اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میرے جیسا نیم خواندہ نادار آدمی قرآن کی خدمت کیسے کرتا؟ پھر مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اِن قلموں کی وساطت سے ایک مقدس نعمت کا انعام کرنے کے بعد مجھ پر احسان کیا اور مجھے اس خدمت کی توفیق دی۔ پس یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ جُڑ گئیں۔ اب یہ ایک دوسرے کے لیے علت نہیں ہوں گی۔ میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا بلکہ مبارک باد اور دُعا دیتا ہوں۔ اور آپ لوگ بھی میرے احسان مند ہونے کے بجائے میرے لیے توفیق اور برکت کی دعا کریں۔

Marfat.com

اس چوتھے مسئلے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ غفلت کے کتنے درجات ہیں!۔

پانچواں مسئلہ

جیسے یہ بات ظلم ہے کہ پوری جماعت کا مال صرف ایک آدمی کو دے دیا جائے، یا ایک آدمی پوری جماعت کے لیے وقف شدہ چیز کو غصب کر لے، اِسی طرح اگر ایک جماعت کی جدو جہد سے حاصل ہونے والے نتائج کو اور جماعت کی حسنات پر مرتّب ہونے والے شرف وفضیلت کو اس جماعت کے رئیس یا اُستاد کے کھاتے میں ڈال دیا جائے تو ایسا کرنا بھی جماعت پر اور اس کے رئیس یا استاد پر ظلم ہوگا؛ یہ چیز اس کے تکبر کی رگ کو بھڑکائے گی اور اُسے فخر وغرور اور خود بینی میں مبتلا کر دے گی، چنانچہ اس سے وہ اپنے آپ کو سلطان سمجھنا شروع کر دے گا، حالانکہ اُس کی حیثیت ایک نگہبان چوکیدار سے زیادہ نہیں۔ اور اس طرح وہ اپنی جان پر ظلم بھی کرے گا، بلکہ شرکِ خفی کے لیے ایک راستہ کھول بیٹھے گا۔

جی ہاں! وہ مالِ غنیمت جو ایک بٹالین کی جدو جہد سے کسی قلعے کو فتح کرنے سے حاصل ہوا ہے، اس مالِ غنیمت پر صرف سپہ سالار ہی قبضہ نہیں جما سکتا ہے۔

جی ہاں! یہ بات بہت ضروری ہے کہ استاد اور مرشد کو مصدر و منبع نہ سمجھا جائے، بلکہ اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ اُستاد و مرشد تو صرف مظہر منعکس کرنے کا ایک آلہ ہے، بالکل اس آئینے کی طرح آپ کی طرف سورج کی حرارت اور روشنی کو منعکس کرتا ہے لیکن آپ سورج کے سپاس گزار اور احسان مند ہونے کی بجائے اس آئینے کو منبع و مصدر سمجھ لیتے ہیں اور سورج کو بھول جاتے ہیں، اور یہی ناسمجھی اور نادانی ہے۔

جی ہاں! آئینے کی نگہبانی ونگہداری بہت ضروری ہے، کیونکہ وہ مظہر ہے۔ پس مرشد کی رُوح اور اس کا دل ایک آئینہ ہیں اللہ کی طرف سے وارد ہونے والے فیضان کو خود میں جذب کر لینے والے آلے ہیں، اور یوں مرشد اس فیضان کو مرید تک منعکس کرنے والا ایک وسیلہ بن جاتا ہے۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ اُسے فیض رسانی کے وسیلے سے بڑھ کر کوئی مقام نہ دیا جائے؛ کیونکہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی استاد کو منبع و مصدر سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ نہ مصدر ہوتا ہے نہ مظہر۔ بلکہ وہ فیضانات جو اُس کے مرید نے راہِ آخرت میں اپنے صفائے قلب، اخلاص، مرشد کے ساتھ مضبوط تعلق، گہری وابستگی کی بنا پر اپنے مرشد سے حاصل کیے ہیں، ان فیضانات کے بارے میں وہ یہ رائے رکھے کہ یہ اس کے استاد و مرشد کی رُوح کے آئینے سے وارد ہو رہے ہیں۔ اور یہ اِسی طرح ہے جیسے کہ کوئی شخص ہپناٹزم کی وساطت سے آئینے کی سطح کو آنکھ بھر کر دیکھتا رہے، تا آنکہ اس کے خیال میں عالمِ مثال کی جانب ایک دریچہ کھل جائے اور وہ اس آئینے میں عجیب وغریب مناظر کا مشاہدہ کر لے، حالانکہ وہ مناظر اس میں ہیں نہیں، بلکہ صرف اتنا ہوا ہے کہ یہ دریچہ آئینے کے اندرون میں نہیں بلکہ خارج میں کھلا ہے، اور وہ بھی صرف خیال میں، اور

Marfat.com

اس وجہ سے کہ اس نے آئینے کی طرف نظر جما کر دیکھا ہے یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ایک ناقص شیخ کا خالص مرید اپنے شیخ سے بھی زیادہ کامل ہو جاتا ہے اور اپنے شیخ کی رہنمائی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور یوں اپنے شیخ کا بھی شیخ بن جاتا ہے۔

چودھویں یاددہانی

یہ توحید کے بارے میں چار چھوٹی چھوٹی رمزوں پر مشتمل ہے۔

پہلی رمز:

اے اسباب پرست انسان! اگر تجھے کوئی ایسا عجیب وغریب محل نظر آئے جو کہ ایسے عجیب وغریب جواہرات سے تعمیر کیا گیا ہو جن میں سے کچھ جواہرات بوقتِ تعمیر صرف چین میں پائے جاتے ہوں، کچھ اندلس میں، کچھ یمن میں اور کچھ سائبیریا میں۔ اور پھر تجھے یہ بات بھی نظر آجائے کہ وہ محل جب تعمیر ہو رہا تھا اُس وقت یہ سہولت کے ساتھ اُسی دن میں درآمد کر لیے گئے ہوں۔ تو پھر تیرے دل میں اس باب میں کوئی شک شبہ رہ جائے گا کہ اس محل کے بانی ایک معجزنما حکمران ہے جس کی حکمرانی تمام کرۂ ارض پر جاری وساری ہے؟۔

اسی طرح ہر ذی حیات یہاں قصرِ الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے، اور خاص کر انسان ایک انتہائی خوبصورت اور عجیب ترین عمارت ہے۔ اور انسان نامی اس محل میں جو جواہرات جڑے گئے ہیں اُن میں سے کچھ عالم اَرواح سے آئے ہیں، کچھ عالمِ مثال سے، کچھ لوح محفوظ سے، کچھ عالمِ ہوا سے، کچھ عالم نور سے اور کچھ عالمِ عناصر سے۔ پھر یہ ہے کہ اس کی حاجات و ضروریات اَبد تک بڑھتی چلی گئی ہیں اور اس کی اُمید میں آرزوئیں زمین وآسمان کے کناروں تک پھیلی ہوئی ہیں اور اس کے روابط وتعلقات دنیا وآخرت میں بکھرے پڑے ہیں۔ پس یہ انسان بڑا عجیب وغریب محل اور انوکھی قسم کی عمارت ہے۔

پس اے انسان جو کہ خود کو انسان سمجھتا ہے! تمہاری ماہیت جب کچھ اس طرح کی ہے تو پھر جس نے تجھے بنایا ہے وہ صرف وہی ذاتِ ذُوالجلال ہی ہو سکتی ہے جو دنیا وآخرت میں ایسے تصرّف کرتی ہے جیسے ایک مکان کی دو منزلوں میں کیا جاتا ہے۔ اور زمین وآسمان میں ایسے کارفرمائی کرتی ہے جیسے کہ وہ دو صفحے ہوں، اور اَزل وابد میں ایسے جیسے کہ وہ کل اور آج ہوں۔

بنابریں، انسان کا معبود، اس کی پناہ گاہ اور اس کا نجات دہندہ صرف وہی ہے جو زمین وآسمان پر حکمرانی کر رہا ہو اور دنیا وآخرت کی زمام جس کے ہاتھ میں ہو۔

دوسری رمز

کچھ بے وقوف قسم کے لوگ سورج کی پہچان نہیں رکھتے ہیں، اس بنا پر وہ جب سورج کو آئینے کے اندر دیکھ لیتے ہیں تو آئینے کے ساتھ محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں اور شدید حرص کے ساتھ اُسے محفوظ رکھنے کی تگ ودو میں لگ جاتے ہیں تا کہ

Marfat.com

اُس میں نظر آنے والا سورج کہیں غائب نہ ہو جائے۔لیکن اِس بیوقوف کو اگر اس بات کا ادراک ہو جائے کہ سورج آئینے کی موت سے مرے گا نہیں اور اُس کے ٹوٹ جانے سے فنا نہیں ہو گا، تو اپنی تمام محبت کا رُخ اس سورج کی طرف پھیر دے گا جو آسمان میں ہے۔تب وہ یہ بات سمجھ جائے گا کہ آئینے میں نظر آنے والا سورج نہ تو آئینے کے تابع ہے اور نہ ہی اُس کی بقا آئینے کی بقا پر موقوف ہے، بلکہ خود سورج نے آئینے کو سنبھالا دیا ہوا ہے اور اس کی روشنی اور آب و تاب کو قائم رکھا ہوا ہے، اور سورج کی بقا اس آئینے کی بقا کے تابع نہیں ہے، بلکہ یوں کہو کہ: اس آئینے کی زندگی سے بھرپور چمک دمک سورج کی جلوہ گریوں کے تابع ہے۔

پس اے انسان! تیرا دل، تیری ہُوِیّت اور تیری ماہیت ایک آئینہ ہے، اور تیری فطرت میں یہ جو بقا و دوام کی شدید محبت ہے وہ نہ اس آئینے کی وجہ سے ہے، نہ تیری ماہیّت کی بنا پر اور نہ تیرے دل کی وجہ سے، بلکہ باقی ذوالجلال کی اُس جلوہ گری کی وجہ سے ہے جو اس آئینے میں اس کی استعداد کے مطابق پائی جاتی ہے اس لیے اس محبت کے رخ کو کسی اور طرف پھیر دینا صرف بیوقوفی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

بات جب یہی ہے، تو پھر کہہ دے: یا باقی انت الباقی ۔یعنی جب تو موجود اور باقی ہے تو پھر فنا و عدم ہمارے ساتھ جو بھی سلوک چاہے کر لے بے قیمت ہے۔

تیسری رمز:

اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تیری ماہیت میں جو سب سے زیادہ عجیب و غریب چیز رکھ دی ہے، یہ ہے کہ: بسا اوقات یہ دنیا تجھ پر تنگ پڑ جاتی ہے اور تُو اُس قیدی کی طرح اُف اُف کرنا شروع کر دیتا ہے جس کا جیل کی تنگ کوٹھڑی میں دَم گھٹ رہا ہو۔اور تُو کوئی ایسی جگہ ڈھونڈتا ہے جو اس دنیا سے زیادہ وسیع ہو۔اور پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تو ایک ذرّے جیسی چھوٹی چیز میں سما جاتا ہے، ایک خیال میں گنجائش بنا لیتا، اور ایک لمحے کے اندر پورا آسکتا ہے، اور اس ذرے کے اندر تیرا دل اور تیرا فکر جو کہ اس بہت بڑی دنیا میں بھی نہیں سما سکتے ہیں، اُس ذرّے کے اندر گھر کر جاتے ہیں اور تُو اس لمحے اور اس خیال کے اندر اپنے شدید احساسات کے ساتھ جولانیاں کرتا ہے۔

اِسی طرح تیری ماہیت کو کچھ اس طرح کے معنوی آلات و لطائف اور کل پرزے عطا کر دیے گئے ہیں کہ ان میں کوئی ایک اگر ساری دنیا کو بھی نگل لے تو سیر نہ ہو سکے، اور بعض ایسے ہیں جو ایک ذرّے کو بھی پورے نہیں آتے ہیں۔اور وہ اس طرح کہ جیسے آنکھ ایک بال کو بھی نہ اُٹھا سکنا اور سر کا بھاری بوجھ کو اُٹھا لینا وغیرہ۔

پس یہ لطیفہ ایک بال کے برابر بھی بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ہے۔یعنی غفلت و گمراہی سے جنم لینے والی ایک چھوٹی سی کیفیت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا، چنانچہ بسا اوقات یہ بجھ جاتا ہے اور مر جاتا ہے۔

Marfat.com

اس لیے ڈر کے رہ، احتیاط سے پاؤں رکھ اور غرق ہونے سے بچ اور ایک لقمے، ایک کلمے ایک دانے اور ایک جھلک میں ایک اشارے میں اور ایک بوسے میں غرق ہونے سے بچ، وگرنہ تیرے یہ تمام دنیا کو نگل جانے والے لطائف ان چیزوں میں غرق ہو جائیں گے؛ کیونکہ بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی اشیاء اس طرح کی ہیں جو _ایک جہت سے_ بڑی بڑی چیزوں کو نگل جاتی ہیں۔

چنانچہ جس طرح کانچ کے ایک چھوٹے سے ٹکرے میں آسمان سما جاتا ہے اور اپنے تمام ستاروں سمیت اس میں غرق ہو جاتا ہے۔ اور تمہاری قوّتِ حافظہ رائی کے دانے کی طرح بالکل چھوٹی سی ہے، لیکن اس کے اندر تمہارے اعمال کے اور تمہاری عمر کے اکثر اعمال سما جاتے ہیں، اسی طرح بہت سی چھوٹی چھوٹی اور جزوی چیزیں ایک جہت سے بڑی بڑی چیزوں کو نگل جاتی ہیں اور انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔

چوتھی رمز:

اے دنیا کے پرستار انسان! تیری یہ دنیا جسے تو بڑی وسیع وعریض سمجھتا ہے، ایک تنگ وتاریک قبر کا حکم رکھتی ہے، لیکن قبر جیسی اس تنگ منزل کی دیواریں چونکہ کانچ کی ہیں اس لیے ہر ایک کی صورت دوسری میں منعکس ہو رہی ہے۔ چنانچہ یہ منزل وہاں تک وسیع ہو جاتی ہے جہاں تک نظر جاتی ہے اور ایک شہر کی طرح وسیع وعریض نظر آتی ہے؛ حالانکہ یہ قبر کی طرح تنگ ہے؛ ایسا اس لیے ہے اس دنیا کی دائیں طرف والی دیوار یعنی ماضی کا زمانہ، اور بائیں طرف والی دیوار یعنی مستقبل کا زمانہ، یہ دونوں دیواریں اگرچہ نیست معدوم اور غیر موجود ہیں تاہم اس کے باوجود یہ ایک دوسرے میں منعکس ہو کر انتہائی تنگ اور کوتاہ دامن زمانہ حاضر کے دونوں پروں کو پھیلاتی ہیں تو حقیقت خیال کے ساتھ خلط ملط ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے تم اس معدوم دنیا کو موجود سمجھنا شروع کر دیتے ہو۔ چنانچہ جس طرح ایک خط مستقیم جب تیزی کے ساتھ حرکت کرے تو سطح کی طرح دکھائی دینے لگتا ہے، جبکہ اس کے وجود کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک دقیق خط ہے۔ تمہاری اس دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے، کہ یہ حقیقت میں تو انتہائی تنگ ہے، لیکن تمہاری غفلت، تمہارے وہم اور تمہارے خیال کی وجہ سے اس کی دیواریں وسیع ہو گئی ہیں، چنانچہ جب اس تنگ دنیا میں کسی مصیبت کی وجہ سے تمہارے اندر ہلچل مچ جائے تو تم اپنے سر کو اس دیوار کے ساتھ ٹکراتے ہو جسے تم بہت دور سمجھ رہے ہوتے ہو، اور یوں تمہارے سر میں سمایا ہوا خیال تتر بتر ہو جاتا ہے اور تمہاری نیند اُڑ جاتی ہے۔ تب تمہیں یہ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے کہ تمہاری یہ وسیع وعریض دنیا قبر سے زیادہ تنگ اور پُل صراط سے زیادہ دشوار گزار ہے، تمہارا زمانہ اور تمہاری عمر بجلی سے زیادہ تیزی کے ساتھ گزرتی جا رہی ہے اور تمہاری زندگی نہر سے زیادہ تیزی کے ساتھ بہتی چلی جا رہی ہے۔

پس جب دنیاوی زندگی، مادی اور جسمانی زندگی اور حیوانی زندگی کا یہ حال ہے تو پھر حیوانیت کے دائرے سے باہر نکلو

Marfat.com

اور مادیت وجسمانیت کو چھوڑ دو اور رُوح وقلب کی زندگی کے درجے میں داخل ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں نور کا ایک ایسا عالم اور زندگی کا ایک ایسا دائرہ ملے گا جو اُس دنیا سے کہیں وسیع ہوگا جسے تم بڑی وسیع سمجھ بیٹھے ہو۔

پس اس عالم کی چابی کلمۂ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ہے، وہ مقدس کلمہ جو اللہ کی معرفت پر اور توحید کے اسرار پر دلالت کرتا ہے۔رُوح اس کلمے میں مصروف رہے اور دل سے اس کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔

پندرہویں یاددہانی

تین مسائل پر مشتمل ہے۔

پہلا مسئلہ (حاشیہ:۱):

آیتِ کریمہ ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ کے بارے میں جو کہ اسمِ گرامی ''الحفیظ'' کی مکمل ترین تجلیات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

پس اگر آپ قرآن کریم کی اِس حقیقت پر کوئی دلیل چاہتے ہیں، تو پھر کتابِ مبین کے پیمانے پر لکھی ہوئی کائنات کی اس کتاب کے صفحات پر نظر دوڑائیں، آپ کو ہر طرف اسمِ اعظم ''الحفیظ'' کے عظیم ترین جلوے اور اس آیت کریمہ کی حقیقتِ کُبریٰ کے نظائر بکھرے نظر آئیں گے۔

مثال کے طور پر آپ چند مختلف درختوں، پھولوں اور جڑی بوٹیوں کے مُٹھی بھر بیج لیں اور بیجوں کی یہ مُٹھی جو کہ مختلف انواع واقسام اور متغایر اجناس واشکال کے پھولوں، درختوں اور جڑی بوٹیوں کے ایک صندوق کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، اسے جامد، بسیط اور تاریک مٹی کی تاریکیوں میں دفن کردیں اور اسے پانی دیتے رہیں، پانی جو کہ ایک بسیط چیز ہے، جس کے پاس اپنا کوئی ترازو نہیں اور جو اشیاء کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتا اور اُن کے ساتھ علیحدہ علیحدہ سلوک نہیں کرتا اور آپ اُس کا رُخ جس طرف پھیر دیتے ہیں وہ اُسی طرف چل پڑتا ہے۔ پھر موسمِ بہار میں آئیں جو کہ سالانہ حشر کا ایک میدان ہے، اور دیکھیں کہ ملکُ الرعد نے کس طرح اس میں اسرافیل کی طرح صور پھونک دیا ہے اُس وقت کو نگاہ میں رکھیں کہ جب اسرافیل کے ساتھ مشابہت رکھنے والے گرج اور چمک کے فرشتے نے فصلِ گُل میں بارش پر اپنی چنگھاڑ نازل کی بالکل ایسے جیسے کہ اسرافیل نے صُور میں پھونک ماردی ہو، اور اُس وقت کو نگاہ میں رکھیں جب وہ زمین کے نیچے مدفون بیجوں میں رُوح پھونکنے کی خوشخبری دیتی ہے، اور ان چھوٹے چھوٹے بیجوں میں غور کرو جو کہ آخری حد تک ایک دوسرے سے مشابہ اور باہم مخلوط وآمیختہ ہیں، دیکھو اور غور کرو کہ یہ بیج کس طرح سے بغیر کسی غلطی کے اسمِ گرامی ''الحفیظ''

(حاشیہ:۱) اس یاددہانی کا دوسرا اور تیسرا مسئلہ اُستاد نے اس رسالے میں درج نہیں کیا بلکہ انہیں اخلاص، حجاب، فطرت اور اشاراتِ ثلاثہ وغیرہ کے نام سے مستقل مضامین بنادیا ہے۔۔۔مترجم۔

Marfat.com

کے تحت فاطرُ الحکیم کی طرف سے وارد ہونے والے تکوینی اوامر کی تعمیل کرتے ہیں اور ان اوامر کے مطابق اس طرح عمل کرتے ہیں ان کی حرکات وسکنات میں شعور، قصد، ارادے، علم اور کمال کی جھلک نظر آتی ہے؛ کیونکہ تمہیں یہ بات صاف نظر آئے گی کہ یہ باہم متشابہ بیج ایک دوسرے سے بالکل متفرق اور ممتاز ہیں۔ مثال کے طور پر:

یہ بیج انجیر کا درخت بن گئے ہیں اور اُس نے فاطرِ رحیم کی نعمتوں کو پھیلانا اور سروں پر بکھیرنا شروع کر دیا ہے اور اِن نعمتوں کو شاخوں کے ہاتھوں کے ذریعے پھیلاتا جاتا ہے، اور انہی بیجوں کی شکل وصورت رکھنے والے دوسرے بیج لالے، سورج مکھی اور بنفشے کے پھول بن گئے ہیں۔ وہ پھول ہمارے لیے بنتے سنورتے ہیں اور مسکراہٹیں بکھیرتے ہیں اور ہمارے ساتھ پیار کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ بیج لطیف لذت بخش پھل بن گئے ہیں۔ اور خوشوں اور درختوں کا رُوپ دھار گئے ہیں اور اپنے رنگوں خوشبوؤں اور خوشگوار ذائقوں کے ساتھ ہماری اشتہا کو بھڑکاتے ہیں، اور اس طرح ہمیں اپنی طرف بلاتے ہیں اور اپنے خریداروں پر قربان ہو جاتے ہیں، تاکہ نباتاتی زندگی کے مرتبے سے اُوپر اُٹھ کر حیوانی زندگی کے مرتبے پر فائز ہو جائیں۔ اور یوں بیجوں کی یہ ایک مٹھی نشوونما پا کر اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مختلف درختوں اور متنوع پھولوں سے بھرا ہوا ایک ایسا گلستان بن جاتی ہے جس میں کوئی کمی کوتاہی نظر نہیں آتی، اور اپنے اس عمل سے وہ فرمان گرامی: ﴿فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ﴾ کے راز کو آشکار کر دیتی ہے۔

اور یوں ہر بیج اللہ تعالیٰ کے احسان اور ''الحفیظ'' کی تجلی کے طفیل اپنے باپ کی اور اپنے اصل کی اُس وراثت کی حفاظت کرتا ہے جو اُسے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اور بغیر کسی التباس اور کمی کوتاہی کے اُسے ہویدا کر دیتا ہے۔

پس یہ خارق اور غیر محدود عادت حفاظت اس بات کا قطعی اشارہ ہے کہ وہ ''حفیظ'' جو کہ اس حفاظت کا اہتمام کرتا ہے، عنقریب قیامت اور حشر میں ''حفیظیت'' کی عظیم ترین تجلی کا اظہار کرے گا۔

جی ہاں، ان فناپذیر بے قیمت اُمور واطوار میں بغیر کسی غلطی اور کمی کوتاہی ''حفیظیت'' کی اس حد تک جلوہ گری اس بات کی قطعی حجت ہے کہ امانتِ کُبریٰ کے حاملین، خلفائے ارض اور ابدی تاثیر اور بیش قیمت کے مالک ان لوگوں کے افعال وآثار واقوال وحسنات وسیئات کو کمال اہتمام سے محفوظ کیا جا رہا ہے اور عنقریب ان کا محاسبہ ہوگا۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے بغیر پوچھ گچھ کے بے کار چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ انسان کو ابد کے لیے بھیجا گیا ہے اور اسے ابدی سعادت اور دائمی شقاوت کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ اور یہ عنقریب اپنے چھوٹے بڑے اور قلیل کثیر ہر عمل کا حساب اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، پس یا لطف وکرم سے ہمکنار ہوگا اور عذاب وعقاب سے دوچار۔

پس ''حفیظیت'' کے جلوۂ کُبریٰ اور مذکورہ آیتِ کریمہ کی حقیقت کے لاتعداد اور غیر محدود شواہد ہیں۔ اور وہ شاہد جس کی وضاحت ہم نے اس مسئلے میں کی ہے سمندر سے ایک قطرے اور پہاڑ سے ایک ذرّے کی حیثیت رکھتا ہے۔

﴿سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ﴾

Marfat.com

اٹھارہواں لمعہ

یہ لمعہ باذن اللہ عنقریب کسی دوسرے مجموعے میں درج کردیا جائے گا۔

Marfat.com

انیسواں لمعہ

کفایت شعاری

(یہ مضمون کفایت شعاری اور قناعت پر آمادہ کرتا ہے
اور اسراف اور تبذیر کے انجام سے خبردار کرتا ہے)

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾

(یہ آیت کریمہ صیغۂ امر کے ساتھ انتہائی اہم سبق کی تلقین کرتی اور آخری درجے کی حکمت سے بھرپور رہنمائی دیتی ہے، اور صیغۂ نہی کے ذریعے صراحت کے ساتھ اسراف سے روکتی ہے۔ یہ مسئلہ سات نکات پر مشتمل ہے)

پہلا نکتہ:

بے شک خالقُ الرّحیم نے عالمِ بشریت کو جن نعمتوں اور احسانوں سے نوازا ہے ان کے مقابلے میں وہ اس سے شکر اور حمد کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن اِسراف شکر کے منافی اور نعمت کو حقیر جاننے اور اس کی ناقدری کرنے کے مترادف ہے، جس کا انجام تباہ کن خسارہ ہے۔ جبکہ میانہ روی اور کفایت شعاری نعمت کی تکریم و توقیر اور احترام کے مترادف ہے، جو کہ ایک روح پرور منافعہ ہے۔

جی ہاں! کفایت شعاری جس طرح ایک معنوی شکر ہے، اسی طرح وہ نعمت و احسان میں پنہاں رحمتِ الٰہیہ کی توقیر و تعظیم ہے۔ یہ برکت اور افزودگی کا حتمی وسیلہ ہے۔ یہ پرہیز کی طرح جسم کی صحت کا دارومدار ہے۔ یہ معنوی گداگری کی ذلت سے دور ہٹ کر عزت اور سربلندی کا راستہ ہے۔ یہ نعمتوں میں پائی جانے والی لذت کو محسوس کرنے کا ایک قوی وسیلہ ہے۔ اور یہ ان نعمتوں میں چھپی ہوئی لذتوں کو پالینے کا ایک بہت مضبوط ذریعہ ہے جو بظاہر غیر لذیذ اور بے مزا لگتی ہیں۔ اور اسراف چونکہ ان مذکورہ حکمتوں کے بالکل خلاف ہے اس لیے اس کا انجام مہلک اور خطرناک ہے۔

دوسرا نکتہ:

اُس فاطرُ الحکیم نے انسانی جسم کو اس طرح سے پیدا کیا ہے کہ وہ ایک مکمل، منظم اور مضبوط بنیادوں پر کھڑے محل یا شہر کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، اور اس کے منہ میں نصب کیے ہوئے حاسۂ ذوق یا قوتِ ذائقہ کو ایک نگران چوکیدار کی طرح بنادیا ہے، اور پٹھوں اور ریشوں کو ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی تاروں کی مانند بنادیا ہے، جن کی بدولت قوتِ ذائقہ اور انسانی جسم کے مرکز یعنی معدے کے درمیان حساس پیغام رسانی کا سلسلہ تکمیل پاتا ہے، اس طرح کہ قوت ذائقہ منہ میں داخل ہونے والی ہر چیز کے بارے میں خبر دینے کی ذمہ داری سنبھالتی ہے اور ''داخلہ منع ہے'' کہہ کر بدن اور معدے سے ہر اس چیز کو روکتی اور دُور پھینک دیتی ہے جو ان کیلئے نقصان دہ ہے، یا جس کی ان کو ضرورت نہیں، صرف اس کی کڑواہٹ، نقصان یا ضرورت پر ہی کیا موقوف، ہر اس چیز کو دھتکارتی ہوئی اور اس سے نفرت کا اظہار کرتی ہوئی اسے دور دھکیل دیتی ہے جو بدن کے لئے سود مند ثابت نہ ہوسکتی ہو۔

بات جب یہ ہے کہ منہ میں پائی جانے والی قوتِ ذائقہ ایک چوکیدار یا گیٹ کیپر کا کردار ادا کرتی ہے، اور یہ

Marfat.com

کہ معدہ جسم کا سرداراور جسم کے تمام ادارے کا حکمران ہے،تواگر محل کے مالک یا حاکم شہر کو کوئی ایسا تحفہ پیش کیا جائے جس کی قیمت سو روپے ہو،تو ان میں سے چوکیدار کو صرف پانچ روپے دینا جائز ہوگا اس سے زیادہ ہرگز نہیں تا کہ وہ اپنی اوقات میں رہے،اپنی ذمہ داری سے غفلت نہ برتے اور کسی بھی بدقماش آدمی سے روپیہ دو روپے رشوت لے کر اسے محل میں داخل نہ ہونے دے۔

اب اسی راز کو سامنے رکھ کر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ہمارے سامنے دو لقمے ہیں، ان میں سے ایک لقمہ کسی غذائیت سے بھرپور مواد مثلاً پنیر اور انڈے وغیرہ سے ہے،اس کی قیمت اندازے سے ہم ایک روپیہ رکھ لیتے ہیں، اور دوسرا لقمہ اعلیٰ قسم کی مٹھائی سے ہے جس کی قیمت ہم اندازے سے دس روپے لگا لیتے ہیں۔

اب یہ دونوں لقمے منہ میں داخل ہونے سے پہلے برابر ایک جیسے ہیں،ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے،اور یہ دونوں جسم کو غذا پہنچانے اور اس کی نشوونما کرنے میں بھی برابر ہیں، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک روپیہ قیمت کے پنیر والا لقمہ غذائیت اور نشوونما کے باب میں دوسرے لقمے سے زیادہ افضل ہو۔نتیجہ یہ نکلا کہ بات صرف منہ میں پائی جانے والی اور زیادہ سے زیادہ تیس سیکنڈ تک رہنے والی قوت ذائقہ کے ساتھ نرمی، ملاطفت اور دلجوئی کے رویے کی ہے، وگرنہ فرق دونوں میں کوئی نظر نہیں آتا ہے۔یہیں سے ہم اسراف کے نقصانات کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور حد تیس سیکنڈ تک رہنے والی عارضی لذت کے حصول کے لئے ایک روپے کی بجائے دس روپے خرچ کرنے کی حماقت کا وزن کر سکتے ہیں۔

اسی طرح حاکم کو پیش کئے جانے والے تحفوں میں سے اگر نوے فیصد چوکیدار کو دے دیئے جائیں تو یہ چیز لامحالہ اُسے غرور، گھمنڈ اور بدحرصی میں مبتلا کردے گی اور وہ اس دعویٰ کی حماقت کر بیٹھے گا کہ: ''حاکم میں ہی ہوں''۔اس لئے جو بھی چوکیدار کو اس کی اوقات سے بڑھ کر تحفے دے گا اور اسے حد سے زیادہ لذت آشنا کرے گا، وہ اسے محل کے اندر داخل کر کے اس سے اندر کا نظام درہم برہم کرانے اور وہاں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کا سبب بنے گا،جس سے محل کا مالک چیخ چیخ کر یہ کہنے پر مجبور ہوجائے گا کہ: جلدی سے طبیب کا بندوبست کرو تا کہ میری حرارت کی شدت میں کچھ کمی ہوسکے اور اس کا شعلہ بجھ جائے۔

تو کہنا یہ ہے کہ اقتصاد اور قناعت حکمتِ الٰہیہ کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں قوتِ ذائقہ کے ساتھ چوکیدار والا سلوک کرتے ہیں اور اسے اس کی اوقات میں رہنے دیتے ہیں،اور اسے اس کا معاوضہ اس کی ڈیوٹی کے حساب سے دیتے ہیں۔لیکن اسراف چونکہ اس حکمت کے خلاف چلتا ہے،اس لئے اس کا رسیا انسان بہت جلد تکلیف دہ انجام سے دوچار ہوتا ہے؛ کیونکہ اس کے معدے میں بہت سی ایسی مختلف چیزیں جمع ہوجاتی ہیں جو ایک

Marfat.com

طرف تکلیف کا باعث بنتی ہیں اور دوسری طرف کھانے پینے کی حقیقی اشتہا وطلب کو ختم کر دیتی ہیں، ایسے میں انسان جھوٹی اور بناوٹی بھوک کی خوشی کے لئے انواع واقسام کے کھانے کھاتا ہے جو کہ پھر آسانی سے ہضم نہیں ہوتے ہیں۔

تیسرا نکتہ:

ابھی ہم نے دوسرے نکتے میں کہا ہے کہ: ''قوت ذائقہ چوکیدار یا گیٹ کیپر ہے''۔

جی ہاں، وہ غفلت خوردہ لوگ جو روحانی طور پر بلند نہیں ہو سکے اور جو شکر کے میدان کے شہسوار نہیں بن سکے، ان کے لئے معاملہ بالکل ایسے ہی ہے۔ جی ہاں، اس چوکیدار قوت کی لذت اندوزی کے لئے دس گنا پیسے زیادہ خرچ کر کے اسراف سے آلودہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن شکر گزار، اہلِ حقیقت، اہلِ دل اور اہلِ چشم کے ہاں یہی قوتِ ذائقہ رحمتِ الٰہیہ کے باورچی خانوں کے نگران، نگہبان اور تفتیشی افسر کے مترادف ہے، (جیسے کہ "چھٹے مقالے" میں اس بات کی وضاحت تقابل کے ساتھ کر دی گئی ہے)۔ اور یہ بات کہ اس قوت میں کھائی اور پی جانے والی چیزوں کی تعداد کے برابر جو انتہائی دقیق اور حساس پیمانے رکھ دیئے گئے ہیں تا کہ اس کارروائی سے الٰہی نعمتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے اور ان کی انواع واقسام کا تعارف ہو جائے؛ یہ سب اس لئے ہے تا کہ یہ قوت جسم اور معدہ کے لئے اپنی پیغام رسانی کی خدمت کے ذریعے اس معنوی شکر سے پیدا ہونے والے حالات کی رپورٹ کر سکے۔

یعنی یہ کہ قوتِ ذائقہ کا وظیفہ جسم کی صرف مادی نگرانی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا یہ وظیفہ معدے کی خدمت کے وظیفے سے بھی کہیں بلند مقام اور اعلیٰ شان والا ہے؛ کیونکہ یہ قوت قلب و روح وعقل کا بھی خیال رکھتی ہے۔ اور اس کی یہ ڈیوٹی اس مادی جسم یا معدے کی نگرانی سے کہیں بلند اور شان والی ہے۔ یاد رہے کہ یہ اپنے حصے کی خالص شکر کی ذمہ داری بطریقِ احسن نبھا سکتی ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسراف سے دامن کشاں رہے اور نیت یہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذائقہ چکھ کر اللہ تعالیٰ کی انواع اقسام کی نعمتوں کا تعارف اور ان کے بارے میں علم حاصل کرے گی اور ان کے بارے میں شعور اور آگاہی حاصل کرے گی، لیکن اس میں بھی یہ شرط اس کے پیشِ نظر رہے گی کہ ان نعمتوں کے استعمال کی مجھے شرعاً اجازت ہے، اس لئے ان کی وجہ سے مجھے کسی کے سامنے ذلیل ہونے اور گڑگڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ قوتِ ذائقہ کی حامل اس زبان کو ہم مختلف قسم کے کھانوں کے ذائقوں اور ان میں پائی جانے والی لذتوں کے درمیان امتیاز کرنے اور پھر ان مختلف ذائقوں پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایک واقعہ پیش خدمت ہے، اور یہ واقعہ حضرت پیر سید عبد القادر

Marfat.com

جیلانی قدس سرہٗ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت ہے۔ ایک بہت نرم دل اور گداز روح بڑھیا کا ایک بیٹا تھا جو پیر صاحب کے پاس تربیت پا رہا تھا، ایک دن یہ معزز عورت اپنے بیٹے سے ملنے آئی تو دیکھا کہ وہ روحانی ریاضت کے لیے خشک روٹی کا ایک ٹکڑا کھا رہا ہے اور انتہائی کمزور دکھائی دے رہا ہے۔ بچے کی یہ حالت دیکھ کر ماں کی ممتا تڑپ کر رہ گئی! نہ رہا گیا اور شکایت کے لئے پیر صاحب کے پاس چلی گئی، دیکھا تو وہ خود بھنا ہوا مرغ کھا رہے ہیں، اس نے اپنی رقتِ طبع سے مغلوب ہوکر کہا پیر صاحب! میرا بیٹا تو بھوک سے ادھ موا ہو چکا ہے اور آپ مرغ کھا رہے ہیں؟ تو پیر صاحب نے مرغ سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''قُمْ بِإِذْنِ اللهِ'' (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا)، تو دیکھتے ہی دیکھتے مرغ کے اعضاء جڑ گئے، اس میں زندگی کی لہر دوڑی اور وہ کود کر برتن سے باہر آ گیا۔

یہ واقعہ بہت سے ثقہ راویوں نے متواتر نقل کیا ہے اور اسے پیر صاحب کی منجملہ مشہور عالم کرامات میں سے شمار کیا ہے۔ (حاشیہ:۱)، پیر صاحب نے اس عورت سے فرمایا: تمہارا بیٹا جب اس مرتبے کو پہنچ جائے کہ ایسے مرغ سے قم باذن اللہ کہہ سکے اور وہ مرغا اسی طرح اُٹھ پڑے، تب وہ اس بات کا حق دار ہوگا کہ مرغ کھا سکے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی سے صادر ہونے والے اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ جب تمہارے بیٹے کی روح حاکم اور جسم محکوم ہو جائے گا، اور اس کا دل اس کے نفس پر غالب آ جائے گا، اور جب اس کی عقل اس کے معدے پر حاوی ہو جائے گی، اور جب یہ لذت کی طلب و جستجو صرف شکر ادا کرنے کے لئے کرے گا، تو پھر جیسا لذیذ اور مزیدار کھانا چاہے کھا سکے گا۔

چوتھا نکتہ:

کفایت شعار آدمی کبھی گھریلو محتاجگی، بدحالی اور فاقہ کشی کا شکار نہیں ہوتا، جیسے کہ ایک مشہور حدیث کا مفہوم ہے: ''لَا يَعُولُ مَنِ اقْتَصَدَ'' (حاشیہ:۲)۔ جی ہاں، اس بات کے بے شمار قطعی دلائل موجود ہیں کہ اقتصاد اور کفایت شعاری آسمان سے برکت اتارنے کا حتمی سبب اور بہترین زندگی گزارنے کی مضبوط ترین بنیاد ہے۔ میں یہاں اس ضمن میں ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں جو خود میرے ساتھ پیش آیا اور جس کے گواہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پورے اخلاص کے ساتھ میری خدمت گزاری، اور میرے ساتھ تعاون اور دوستی کا دم بھرا ہے:

میں اور میرے دوستوں نے بسا اوقات کفایت شعاری کی بدولت دس دس گنا برکتیں حاصل کی ہیں، حتیٰ کہ نو سال

(حاشیہ:۱) (الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر الهيثمی ص۸۰۔(مترجم)۔

(حاشیہ:۲)''ما عال من اقتصد'' (جس نے میانہ روی اور کفایت شعاری کی روش اختیار کی وہ محتاج نہ ہوا)۔ مسند احمد عن ابن مسعودؓ، کشف الخفاء:۱/۱۵۸،۲/۱۸۹۔(مترجم)۔

Marfat.com

پہلے کی بات ہے کہ جب ''بُوردور'' نامی جگہ میں میرے ساتھ رہنے والے مختلف قبیلوں کے جلاوطن سرداروں نے مجھ پر اصرار کے ساتھ زور دیا کہ میں ان کی زکوٰۃ قبول کرلوں تاکہ میں ضروریات زندگی کی ذلت سے بچ سکوں؛ کیونکہ میرے پاس نقد پیسے بہت کم تھے، تو میں نے ان دولتمند سرداروں سے کہا: باوجود اس کے کہ میرے پاس نقدی بہت کم ہے، لیکن میں چونکہ کفایت شعاری کا مالک اور قناعت کا عادی ہو چکا ہوں اس لیے میں تم لوگوں سے کہیں زیادہ مالدار ہوں۔ اور اس طرح میں نے ان کی اس پیشکش کو رد کردیا جو وہ باصرار وتکرار مجھ سے کررہے تھے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ جو مجھے اپنی زکوٰۃ کی پیشکش کررہے تھے وہ دوسال بعد اپنی عدمِ قناعت اور بے ہنگم اور غیر منظم اخراجات کی وجہ سے مقروض ہوگئے اور میرے لئے الحمدللہ اس قناعت اور اقتصاد کی برکت سے وہ تھوڑی سی رقم ہی سات سال سے بھی زائد عرصے تک کافی رہی، اس لئے مجھے کسی کے سامنے نہ دستِ سوال دراز کرنا پڑا، نہ کسی کی منت سماجت تک نوبت آئی اور نہ ہی میرا وہ دستور متأثر ہوا جو میں نے اپنی زندگی کے لئے بنایا ہوا ہے، یعنی لوگوں سے بے نیازی۔

جی ہاں! جو آدمی کفایت شعاری سے کام نہیں لیتا وہ ذلت کے گھاٹ اتر جائے گا اور روحانی طور پر ناقدری، رسوائی اور گداگری سے دوچار ہو جائے گا۔

بے شک وہ مال جو اس دور میں اسراف کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے، انتہائی قیمتی ہے، اتنا قیمتی کہ بسا اوقات اسے حاصل کرنے کے لئے اپنی عزت اور غیرت تک کی رشوت دینا پڑتی ہے، بلکہ بعض اوقات اپنے دینی مقدسات تک سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے تب جا کر کہیں چند منحوس ٹکے حاصل ہوتے ہیں، یعنی سیکڑوں معنوی ڈالروں کے عوض چند مادی ٹکے ملتے ہیں۔

لیکن اگر انسان صرف انہیں حاجات پر اکتفا کرلے جو بہت زیادہ ضروری ہیں اور اپنی ضروریات کا دائرہ چھوٹا کرلے، تو دیکھے گا کہ اس کا بقدرِ کفایت رزق اسے ایسی جگہ سے ملتا رہے گا جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرسکتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس کی ضمانت ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (حاشیہ:۱)، اور آیت کریمہ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (حاشیہ:۲)

اس چیز کی گارنٹی دے رہی ہے۔ جی ہاں! بے شک رزق کی دو قسمیں ہیں:

(حاشیہ:۱) سورۃ الذاریات، آیت:۵۸ (بے شک اللہ ہی رزّاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست)۔

(حاشیہ:۲) سورۃ هود، آیت:٦ (اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمّے نہ ہو)۔

Marfat.com

پہلی قسم:

رزقِ حقیقی جس پر انسان کی زندگی موقوف ہے، اور یہ رزق اس آیت کریمہ کی رو سے اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور ذمہ داری میں ہے۔ انسان کی سوءِ تدبیر اور غلط پالیسی آڑے نہ آئے تو وہ یہ رزق - حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں - اپنے دین کو بیچے اور اپنی عزت کی قربانی دیئے بغیر حاصل کر ہی سکتا ہے۔

دوسری قسم:

رزقِ مجازی، اس رزق کو جو آدمی صحیح طور پر استعمال نہیں کر سکے گا وہ غیر ضروری حاجات کے پنجے سے کبھی جان نہیں چھڑا سکے گا، وہ غیر ضروری حاجات وضروریات جو دوسروں کی نقالی کی چاٹ کی وجہ سے اس کے نزدیک ضروری ہو چکی ہیں۔ اس رزق کی قیمت خصوصاً اس زمانے میں بہت پر مشقت اور کمر توڑ ہے؛ کیونکہ اس کا تعلق اس رزق سے نہیں ہے جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہوئی ہے؛ کیونکہ اس رزق کا کبھی انسان سے یہ تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اسے حاصل کرنے سے پہلے پیشگی اپنی عزت کی قربانی دے اور ذلت پر راضی ہو جائے، کبھی یہ مال اسے روحانی گداگری کے گڑھے میں گرا دیتا ہے اور کمینے اور ذلیل قسم کے لوگوں کے پاؤں چومنے پر مجبور کر دیتا ہے، بلکہ کبھی نوبت یہاں تک بھی جا پہنچتی ہے کہ انسان اس منحوس اور بے برکتے مال کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ان دینی مقدسات تک کو قربان کر ڈالتا ہے جو اس کی دائمی زندگی کے لئے روشنی کا سرچشمہ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو جیسے بن آئے مال حاصل کر لیتے ہیں، یہ لوگ جب ان تنگدستوں اور فقر وفاقہ کے ہاتھوں مارے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو اس دور میں غربت، تنگدستی اور فقر وفاقہ کے ہاتھوں آلام ومصائب کی چکی میں پس رہے ہیں، تو انسانی ہمدردی اور احساس کی وجہ سے ان کی وہ لذت کافور ہو جاتی ہے جسے وہ غیر قانونی طریقوں سے جیسے تیسے حاصل کیے ہوئے مال سے حاصل کرتے ہیں۔ اور اگر ان کا ضمیر زندہ ہو تو یہ تلخی دوچند ہو جاتی ہے۔

اس دور میں چاہیے یہ کہ مشکوک مال ودولت سے ضرورت کی حد تک فائدہ اٹھانے پر اکتفا کیا جائے؛ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ: ''ضرورت کی قدر اس کی مقدار کے حساب سے ہی ہوتی ہے'' ''ان الضرورة تقدر بقدرها''۔

اس لئے یہ ممکن ہے کہ انتہائی مجبوری کی حالت میں حرام مال سے بقدر ضرورت کچھ لے لیا جائے، زیادہ نہیں، مجبور آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ مردار کا گوشت پیٹ بھر کر کھانے پر تل جائے، بلکہ اسے ایسی حالت میں صرف اُسی قدر کھانے کی اجازت ہے کہ جس سے وہ موت کے منہ میں جانے سے بچ جائے۔ اسی طرح سینکڑوں بھوکے آدمیوں کے سامنے کھانا ندیدے پن سے نہیں کھانا چاہیے۔

یہ حقیقت کہ اقتصاد اور کفایت شعاری عزت وکمال کا سبب ہے، اسے واضح کرنے کے لئے ہم یہاں ایک سچا

Marfat.com

واقعہ بیان کرتے ہیں۔

مشہور سخی اور جود و کرم کے مالک حاتم طائی نے ایک دفعہ بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا اور اپنے حاضر ہونے والے مہمانوں کو نوازنے کے لئے تحفے تحائف بھی رکھے، پھر تھوڑی دیر کے بعد چلنے پھرنے کے لئے صحرا کی طرف نکل گیا، وہاں اس نے ایک بوڑھے فقیر کو دیکھا جس نے اپنے کمزور اور ناتواں جسم پر لکڑیوں اور گھاس پھونس وغیرہ کی ایک بہت بڑی گٹھ اٹھائی ہوئی تھی، اس کا جسم زخموں سے چور تھا اور اُن سے خون رِس رہا تھا۔ حاتم طائی نے اسے مخاطب کر کے کہا:

بزرگوار! حاتم طائی آج ایک بہت بڑی اور پروقار ضیافت کا اہتمام کر رہا ہے جس میں آنے والے مہمانوں کو تحفے تحائف بھی ملیں گے، یہ گٹھڑی یہیں پھینکو اور جلدی سے وہاں حاضری دو، وہاں سے جو کچھ آپ کو ملے گا وہ اس گٹھڑی سے حاصل ہونے والی آمدنی سے یقیناً بہت زیادہ ہوگا!

تو اس کفایت شعار بوڑھے نے جواب دیا: میں حاتم طائی کے احسان سے گرانبار ہونے کی بجائے اپنی عزت نفس اور خون پسینے کی کمائی سے حاصل ہونے والی روزی کو ترجیح دوں گا۔

حاتم طائی سے ایک دفعہ سوال کیا گیا کہ: کیا تمہارا واسطہ اپنی زندگی میں کسی ایسے آدمی سے بھی پڑا ہے جو تم سے زیادہ معزز، پروقار اور قابلِ احترام ہو؟

حاتم طائی نے کہا: جی ہاں، وہ کفایت شعار بوڑھا آدمی جس کے ساتھ میری ملاقات اس دن جنگل میں ہوئی تھی، میں نے اسے واقعتاً اپنے سے زیادہ معزز، پروقار اور قابل احترام پایا۔

پانچواں نکتہ:

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کی کاملیّت کا ایک حسین ترین پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی نعمت کی لذت جس طرح سب سے مالدار آدمی کو چکھاتا ہے، اسی طرح سب سے زیاہ فقیر آدمی کو بھی اس سے آشنا رکھتا ہے، یعنی ایک فقیر آدمی لذت کا احساس وشعور اسی طرح رکھتا ہے جس طرح ایک سلطان۔

جی ہاں! وہ لذت جو ایک فقیر اور تنگدست آدمی سوکھی روٹی کے ٹکڑے میں بھوک اور کفایت شعاری کے سبب پاتا ہے، اس لذت سے کہیں فوقیت رکھتی ہے جو ایک سلطان یا مالدار آدمی کو کسی بڑھیا قیمت کی مٹھائی سے ملتی ہے جسے وہ اسراف سے جنم لینے والی اکتاہٹ اور عدمِ اشتہا اور بے دلی کے ساتھ کھاتا ہے۔

یہ بات واقعتاً بڑی تعجب خیز ہے کہ بعض اسراف وتبذیر سے آلودہ لوگ اقتصاد پسند اور کفایت شعار لوگوں کو کنجوس اور کمینہ کہتے ہیں! حاشا وکلاّ، اقتصاد یا کفایت شعاری تو عین عزت واحترام اور سخاوت ہے، جبکہ کنجوسی، کمینگی اور خِسّت

Marfat.com

درحقیقت اس ظاہری اور دکھاوے کی سخاوت میں پائی جاتی ہے جسے اسراف وتبذیر کے خوگر اپنائے ہوئے ہیں۔

''اسپارٹا'' میں جو کمرہ مجھے دیا گیا تھا، اس میں جس سال یہ رسالہ لکھا گیا اس سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو اس حقیقت کی تائید کرتا ہے، ہوا یوں کہ:

میرا ایک طالب علم اس ضد پر اڑ گیا کہ میں اپنا زندگی کا دستور (حاشیہ:۱) توڑ کر اس کا تحفہ قبول کرلوں، جو کہ ڈھائی اوقیہ (حاشیہ:۲) وزن کے برابر شہد کی صورت میں تھا، میں نے اپنے دستور کو نبھانے کی ضرورت کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر کے اُسے مطمئن کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی لیکن وہ بضد رہا، ناچار میں نے وہ تحفہ قبول کرلیا لیکن اس نیت کے ساتھ کہ اسے کھانے میں میرے کمرے کے تین ساتھی میرے ساتھ شریک ہوں گے اور اسے کفایت شعاری کے ساتھ شعبان اور رمضان کے چالیس دن تک کھائیں گے تاکہ یہ کام صرف منہ میٹھا کرنے تک ہی محدود نہ رہے بلکہ تحفہ دینے والے کو زیادہ سے زیادہ ثواب مل سکے۔ بس اسی چیز کے پیشِ نظر میں نے اپنے ساتھیوں کو یہ تحفہ قبول کرلینے کی اجازت دے دی، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میرے پاس پہلے سے ایک اوقیہ شہد موجود ہے۔

قطع نظر اس سے کہ میرے تینوں ساتھی واقعتاً راہِ استقامت پر گامزن اور ان لوگوں میں سے تھے جو کفایت شعاری کے بہر کیف قدر دان ہیں، لیکن پھر بھی وہ ایک دوسرے کی بڑھ چڑھ کر عزت کرنے، ایک دوسرے کے احساسات کا خیال رکھنے اور ایثار اور اس جیسے دیگر اوصافِ حمیدہ سے متصف ہونے کی وجہ سے اس شہد کو صرف تین دنوں میں ختم کر بیٹھے، میں نے انہیں مسکرا کر کہا:

میری نیت تو یہ تھی کہ تم تیس چالیس دن تک شہد کا مزا لیتے رہو، لیکن تم نے تو صرف تین دن میں ہی ختم کر دیا۔! چلو اللہ اسے تمہارے لیے بابرکت اور خوشگوار کرے۔ جبکہ میں اپنے اس ایک اوقیہ شہد کو کفایت شعاری کی برکت سے شعبان اور رمضان دو مہینے تک استعمال کرتا رہا، اور اس پر مزید یہ کہ وہ شہد میرے لئے ثواب کا باعث بھی بنتا رہا، اور وہ اس طرح کہ میں اپنے ان سب دوستوں کو افطاری کے وقت اس میں سے چائے والا ایک ایک چمچ دیتا رہا۔

عام طور پر جو میرے اس انداز کو دیکھے گا وہ اسے خِسّت اور کمینگی شمار کرے گا، اور ان دوستوں کے ان تین دنوں کے انداز کو بڑی دریا دلی شمار کرے گا، لیکن اس ظاہری خست اور کمینگی کے پردے میں ہم نے حقیقت کی رو سے بلند عزت، وسیع برکت اور عظیم ثواب کا مشاہدہ کیا اور اس جود وکرم، زندہ دلی اور اسراف کے پیچھے - اگر اس سے جان نہ چھڑائی گئی تو - گداگری اور ان چیزوں کا طمع اور لالچ دیکھا جو دوسروں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام عادتیں خست اور کمینہ پن سے کہیں زیادہ بری ہیں۔

(حاشیہ:۱) استاد نورسی کا دستور یہ تھا کہ وہ تحفہ صرف اسی صورت میں قبول کرتے تھے جبکہ تحفہ دینے والے کو اس کے مقابلے میں اپنی طرف سے بھی تحفہ دے دیں۔ (حاشیہ:۲) ایک اوقیہ ترکی میں 1,280 کلو۔

Marfat.com

چھٹا نکتہ:

کفایت شعاری اور کمینگی میں بہت بڑا فرق ہے، اگرچہ بظاہر دونوں ایک جیسے لگتے ہیں، جیسے کہ تواضع اور تذلّل (ذلیل اور خوشامدی بننے) میں فرق ہے؛ کیونکہ تواضع کا تعلق اچھے اور قابل تعریف اخلاق کے ساتھ ہے اور تذلّل کا تعلق برے اور قابل مذمت اخلاق کے ساتھ ہے اگرچہ بظاہر دونوں اچھے لگتے ہیں۔ یہی حال وقار اور تکبر کا ہے جو دیکھنے میں اگرچہ ایک جیسے لگتے ہیں لیکن وقار کا تعلق اخلاق حمیدہ کے ساتھ ہے اور تکبر کا تعلق برے اخلاق کے ساتھ ہے۔

یہی حال اقتصاد یا کفایت شعاری کا ہے جو بلند و بالا پیغمبرانہ اخلاق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور جو منجملہ ان محوروں کے ایک محور ہے جس کے گرد حکمتِ الٰہیہ کا وہ نظام گھوم رہا ہے جو کائنات پر غالب اور نگران ہے، اس کا اس خست یا کمینگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جو ذلت، کمینگی، بخل، ندیدے پن اور حرص جیسی مذموم صفات کا مجموعہ ہے، بلکہ واضح تر لفظوں میں یوں کہو کہ ان کا آپس میں اس ظاہری مشابہت کے سوا کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس حقیقت کی تائید کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ پر غور کریں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ _ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے، جو کہ ان سات مشہور صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جن کا نام عبداللہ ہے اور جلیل القدر، سر برآوردہ اور مشہور صاحب علم صحابی ہیں _ ان کا بازار میں ایک دن کسی آدمی کے ساتھ کفایت شعاری اور تجارتی معاملات میں ایمانداری کو برقرار اور قائم دائم رکھنے کے پیش نظر ایک ایسے معاملے پر تکرار ہوگئی جو ایک ٹکے سے زیادہ نہیں تھا۔ اس اثناء میں ان پر کسی دوسرے صحابی کی نظر پڑ گئی، انہوں نے جب دیکھا کہ یہ تو بازار میں کسی کے ساتھ ایک ٹکے کی خاطر جھگڑ رہے ہیں، تو انہوں نے ان کی اس حرکت کو خست پر محمول کیا اور بہت آزردہ ہوئے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمن کے بیٹے ایسے آدمی ہیں! چنانچہ وہ ابن عمرؓ کے پیچھے پیچھے چل پڑے تاکہ ان کے گھر بیٹھ کر ان سے اس ضمن میں اپنا تردد بیان کرکے کچھ سن سمجھ سکیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے دروازے پر ایک فقیر کھڑا ہے۔ آپ نے کچھ وقت اسے دیا، اس کے ساتھ انتہائی لطف وشفقت کے ساتھ گفت وشنید کی اور اندر چلے گئے اور پھر دوسرے دروازے سے باہر نکلے اور وہاں کھڑے ایک دوسرے فقیر کے ساتھ گفت وشنید کی۔ اس معاملے سے اُس صحابی کی رگِ حیرت پھڑک اٹھی، اور وہ بھاگ کر ان فقیروں کے پاس گئے اور ان سے کہا:

کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ابن عمر جب تمہارے پاس کھڑے ہوئے تھے تو انہوں نے کیا کیا تھا؟

ہم دونوں کو سونے کی ایک ایک ڈلی دی ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

وہ صحابیؓ تو انگشت بدنداں رہ گئے اور کہنے لگے: سبحان اللہ۔ کتنا حیران کن معاملہ ہے! یہ بازار میں تو ایک ٹکے

Marfat.com

کی خاطر جھگڑ رہے تھے اور یہاں فقیروں میں اس سے کئی گنا زیادہ بطیبِ خاطر، کسے سے کہے سنے بغیر بانٹ رہے ہیں!!!! تب وہ ابن عمرؓ کے پاس گئے ان سے پوچھنے لگے:

جناب! میرا یہ اُلجھاؤ دور کردیں، کہ آپ نے بازار میں تو کسی اور رویے کا مظاہرہ کیا اور گھر آکر اُس کے خلاف دوسرے رویے کا مظاہرہ کیا؟

انہوں نے کہا: جو کچھ بازار میں ہوا وہ اقتصاد، عمدہ سوچ، اور پختہ رائے کا نتیجہ تھا، وہ سب کچھ میں نے امانت اور صداقت کی نگہداشت کے لئے کیا ہے، جو کہ خرید وفروخت اور دیگر معاملات کی بنیاد اور روحِ رواں ہیں۔ اور جو کچھ میرے ہاتھوں گھر میں صادر ہوا ہے وہ دل کی نرمی اور روح کی بلندی اور اس کی کاملیت کی وجہ سے ہوا۔ نہ وہ خست تھی اور نہ یہ اسراف ہے۔

اس راز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا تھا: ''خیر میں اسراف نہیں ہے جیسے کہ اسراف میں خیر نہیں'' لاإسْرَافُ فِي الْخَيْرِ ولاخيرَ فى الاسْرَافِ۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے مستحق کے ساتھ نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے میں اسراف نہیں ہے یعنی جتنی نیکی چاہو کرسکتے ہو، اسی طرح اسراف میں قطعاً خیر نہیں۔

ساتواں نکتہ:

اسراف حرص کو جنم دیتا ہے اور حرص کے تین نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔

پہلا نتیجہ: عدمِ قناعت

یہ عدم قناعت انسان کو سعی وعمل سے باز رکھتی ہے؛ کیونکہ یہ حریص کے دل میں شکر کی بجائے شکوہ وشکایت کے جذبات ابھارتی ہے اور اسے کسلمندی کی گود میں گرادیتی ہے، نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ انسان حلال طریقے سے کمایا ہوا تھوڑا مال چھوڑ دیتا ہے (حاشیہ:۱) اور ایسے غیر قانونی اور ناجائز مال کی تلاش میں لگ جاتا ہے جو بغیر کسی مشقت اور تکلیف کے حاصل ہوجائے، اور یوں وہ اس راہ میں اپنی عزت آبرو تک سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

دوسرا نتیجہ: ناکامی ونامرادی

حریص اپنے مقصد سے محروم اور بوجھل زندگی سے دوچار ہوجاتا ہے، اور اسے ایسی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی جو اس گرانباری میں اس کی معاون ثابت ہوسکے یا اس کے لئے کوئی آسانی پیدا کرسکے، حتیٰ کہ اس پر یہ مشہور مقولہ

(حاشیہ:۱) اقتصاد سے دوری کی وجہ سے مال خرچ کرنے والے بڑھتے ہیں اور کمانے والے کم ہوتے ہیں، اور سب کے سب اپنی نظریں حکومت کے دروازے پر لگائے ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تجارت، صناعت اور زراعت، جن پر اجتماعی زندگی کا دارومدار ہے، کا گراف گرجاتا ہے اور یہ رُوبزوال ہوجاتی ہیں اور یوں معاشرہ تنزل کا شکار ہوکر مفلس، فقیر اور تنگدست ہوجاتا ہے۔ (مؤلف)۔

Marfat.com

صادق آجاتا ہے:" الحریص خائبٌ خاسرٌ" (حریص نامراد وزیاں کار ہے)۔ بے شک حرص اور قناعت کی تاثیر دنیا میں ہمہ گیر دستور اور نپی تلی رَوِش پر چلتی ہے، مثال کے طور پر نباتات کو جو ان کا مطلوبہ رزق ان کی حسب ضرورت پہنچتا ہے وہ ان کی فطری قناعت کی وجہ سے پہنچتا ہے، جبکہ حیوانات از خود حرص کے زیر اثر محنت مشقت کے ساتھ رزق کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ یہ دونوں منظر ہمارے سامنے یہ چیز واضح کرتے ہیں کہ حرص کی تہ میں کتنا بڑا نقصان چھپا ہوا ہے اور قناعت کی تہ میں کتنا عظیم نفع پنہاں ہے!

چھوٹے چھوٹے کمزور بچوں کے منہ میں دودھ جیسی لطیف غذا کا _ ان کی اس قناعت کی وجہ سے جس کا اظہار ان کی زبانِ حال سے ہو رہا ہے _ ان کے منہ میں دودھ کا اس طرح سے بہتے چلے آنا کہ جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتے، اور وحشی جانوروں کا حرص اور ندیدے پن سے مغلوب ہو کر ناقص اور آلودہ رزق کے پیچھے مارے مارے پھرنا، یہ چیز بھی ہمارے دعوے پر ایک روشن دلیل ہے۔

بلید الذہن مچھلیوں کا مطلوبہ رزق ان تک ان کی قناعت کی بنا پر کامل صورت میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے ان کا موٹا تازہ ہونا، اور لومڑی اور بندر جیسے چالاک جانوروں کا رزق کی حرص میں ہمہ وقت مصروفِ تگ ودو رہنا لیکن پھر بھی مطلوبہ رزق مکمل طور پر حاصل نہ کر سکنا اور جسمانی طور پر بھی کمزور اور پتلے پتلے سے رہ جانا، یہ چیز بھی روز روشن کی طرح واضح کرتی ہے کہ حرص کتنی محنت مشقت کی اور قناعت کتنی راحت، سکون اور خوشگواری کی باعث ہے!

جیسے کہ یہودیوں کا اپنی حرص کی وجہ سے سودی کاروبار، اور مکر وفریب کے حیلے اپنا کر ذلت اور مسکنت سے بھرے غیر مشروع طریقوں سے اپنے قدر کفایت رزق حاصل کرنا اور قناعت سے متصف دیہاتیوں کا بھی اپنی ضرورتوں کے مطابق باعزت رزق حاصل کر لینا، یہ چیزیں بھی ہمارے دعوے کی تائید کرتی ہیں۔

جس طرح کہ بہت سے علماء (حاشیہ:۱) اور ادبا کا (حاشیہ:۲) اپنی ذہانت، ہشیاری اور زیرکی سے جنم لینے والی حرص کی وجہ سے فقر وفاقہ اور عیش بقدرِ کفاف کے پنجے میں جکڑے رہنا، اور اکثر عاجز ودرماندہ مالداروں کا اپنی

(حاشیہ:۱) ایران کے مشہور عدل پرور بادشاہ نے اپنے دانشمند وزیر بزرگ مہر سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ علماء اُمراء کے دروازوں پر نظر آتے ہیں، لیکن امراء علماء کے دروازوں پر کبھی نہیں دیکھے گئے، حالانکہ علم امارت اور حکمرانی پر فوقیت رکھتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: علماء کے علم اور اُمراء کے جہل کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ امراء علم کی قدر وقیمت سے واقف نہیں ہیں اس لیے وہ طلب علم کے لیے علماء کے دروازوں پر نہیں جاتے، جبکہ علماء چونکہ مال کی قیمت بھی پہچانتے ہیں، اس لیے مال کی تلاش میں امراء کے دروازوں پر جاتے ہیں۔ یہ جواب علماء کی ذہانت سے جنم لینے والی اس حرص کی انتہائی لطیف تاویل ہے جو انہیں فقر وذلت سے دوچار رکھتی ہے۔ (خسرو۔ یکے از شاگردانِ استاد نورسیؒ)۔

(حاشیہ:۲) فرانس میں ادباء کو ان کے حسنِ بیان کی وجہ سے بھیک مانگنے کا سرٹیفکیٹ عطا کیا جاتا ہے۔ یہ چیز بھی اس حقیقت کی تائید کرتی ہے۔ (سلیمان رشدی، یکے از شاگردانِ استاد نورسیؒ)۔

Marfat.com

فطری قناعت پسند حالت پر رہتے ہوئے دولت وثروت سے مالا مال رہنا بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ رزقِ حلال اقتدار واختیار کے حساب سے نہیں بلکہ عجز وافتقار کے حساب سے ملتا ہے۔ بلکہ یہ اقتدار اور اختیار کے بالکل ہی الٹ مناسبت رکھتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ بچے جوں جوں اقتدار اور ارادہ واختیار کے مالک بنتے جاتے ہیں، توں توں ان کے لئے رزق کا حصول مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔

جی ہاں! قناعت ایک خوشحال اور خوشگوار گزر بسر کا بھرپور خزانہ ہے اور زندگی میں راحت وآرام کی باعث ہے، جبکہ حرص خسارے، کمینگی اور ابتری کا سرچشمہ ہے، جیسے کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے: ''القناعة كنز لا يفنى'' (حاشیہ:۱)

تیسرا نتیجہ: اخلاص کی تباہی

بے شک حرص اخلاص اور اخروی عمل کا ستیاناس کر دیتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرص اگر ایک صاحبِ تقویٰ مومن میں پائی جائے تو وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کا خواہش مند رہے گا، اور جو لوگوں کی توجہ کا خواہش مند اور منتظر ہے وہ اخلاصِ تام کی دولت سے کبھی بھی بہرہ مند نہیں ہو سکتا ہے۔ تو یہ ہے حرص کا نتیجہ جو کہ بڑا گمبھیر اور خاص اہمیت کا حامل ہے لہٰذا اس پر خاص توجہ دی جائے۔

حاصل کلام:

یہ ہے کہ اسراف عدمِ قناعت یعنی طمع ولالچ کو جنم دیتا ہے، اور طمع ولالچ انسان کے ذوق وشوق کی آگ کو سرد کر کے عمل کی خواہش کو ختم کر دیتا ہے اور اسے سستی اور کسلمندی کا خوگر بنا دیتا ہے، اور پھر اس کے سامنے شکوہ شکایت اور حسرت کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور یوں اس کی تمام زندگی شکوہ شکایت اور اکتاہٹ کی بھول بھلیوں میں گزر جاتی ہے، (حاشیہ:۲) اور پھر اس کے ساتھ طمع ولالچ انسان کو اخلاقی طور پر تباہ کر کے اس کے سامنے ریاکاری، تصنع، تکلف اور بناوٹ کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اس کی عزت اور شان وشوکت کا بھرم گنوا کر اسے کاسہ لیسی اور سرنگونی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

(حاشیہ:۱) حدیث، ''القناعة مالٌ لا ينفد وكنز لا يفنى''، رواه الطبراني في الأوسط والعسكري عن جابر. والمشهور: (القناعة كنز لا يفنى). وفي القناعة احاديث كثيرة. انظر كشف الخفاء: ۱/۱۲۰، وتمييز الطيب ص: ۸۱۱۔ (قناعت نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے)۔

(حاشیہ:۲) جی ہاں، اگر آپ کا سامنا کبھی کسی اسراف پسند سے ہو جائے تو لازماً اس سے لمبے چوڑے گلے شکوے اور شکائتیں سننا پڑیں گی، وہ کتنا بھی مالدار کیوں نہ ہو، بہر صورت شکایت کرے گا، لیکن اگر آپ کا سامنا کبھی کسی فقیر سے ہو جائے تو اس کے منہ سے حمد اور شکر کے علاوہ کچھ نہیں سنیں گے۔ (مؤلف)۔

Marfat.com

لیکن میانہ روی اور کفایت شعاری کا ثمر قناعت ہے اور قناعت کا ثمر عزت ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''عَزَّ مَنْ قَنَعَ وَذَلَّ مَنْ طَمَعَ''۔ پھر میانہ روی انسان کے سعی وعمل کے شوق کو مہمیز دیتی ہے اور اسے محنت مشقت اور جدوجہد پر اُبھارتی ہے؛ کیونکہ جب انسان کسی دن صبح کے وقت محنت کرے گا اور شام کو اپنے اجر کا تقاضا کرے گا تو اسے جو قناعت مہیا ہوئی ہے اس کی اور اس میں راز کی بات یہ ہے کہ اسے جو قناعت مہیا ہوئی ہے اس کی بدولت وہ دوسرے دن پھر محنت کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا، لیکن اسراف کا رسیا آدمی عدمِ قناعت کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکے گا، اور اگر وہ محنت کرے گا بھی تو شوق سے نہیں کرے گا۔

یوں میانہ روی کے فیض سے حاصل ہونے والی قناعت شکوہ شکایت کا دروازہ بند کر کے شکر کا دروازہ کھول دیتی ہے جس سے انسان پھر تا حیات شکر اور حمد کے گیت گاتا رہتا ہے۔ اور صرف قناعت ہی ایسی چیز ہے جس کی بدولت وہ لوگوں سے مستغنی ہونے کی وجہ سے ان کی توجہ کا طلبگار نہیں رہتا ہے، جس سے اس کے سامنے اخلاص کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ریاکاری کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

میں نے اپنی ذاتی زندگی میں اسراف اور عدم اقتصاد سے جنم لینے والے بڑے بڑے نقصانات اور بھاری بھرکم خساروں کا مشاہدہ کیا ہے، ان کا مشاہدہ میں نے بہت قریب سے ایسے کیا ہے کہ جیسے وہ سراپے میں ڈھل کر سامنے پھر رہے ہوں، مثال کے طور پر آج سے نو سال پہلے میری ایک مبارک شہر میں آمد ہوئی، اس وقت سردی کا موسم تھا اس لئے اس شہر میں مصنوعات، مال وثروت اور آمدنی کے ذرائع نہ دیکھ سکا۔ شہر کے مفتی نے مجھ سے کہا: اس شہر کے باسی فقراء ومساکین ہیں۔ اس نے اپنی یہ بات اتنی بار دہرائی کہ میرے جذبات بھڑک اٹھے اور میں دکھی سا ہو گیا۔ اس دن سے میں تقریباً پانچ چھ سال تک اس شہر کے مکینوں کے لئے غمگین ہوتا رہا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحم طلب کرتا رہا۔ پھر آٹھ سال کے بعد میں دوبارہ وہاں گیا۔ اس وقت گرمی کا موسم تھا۔ میں نے وہاں کے باغات میں نظر دوڑائی تو مجھے مفتی مرحوم کا قول یاد آ گیا کہ: ''یہاں کے لوگ فقراء ومساکین ہیں''۔ تو میں نے متعجب ہو کر کہا:

سبحان اللہ! ان باغات کی آمدنی اور غلہ اتنا وافر ہے کہ شہر کے تمام باسیوں کی ضروریات سے کہیں زیادہ ہے۔ اس بنا پر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہاں کے باسی بہت مالدار ہوتے، لیکن ایسے کیوں نہ ہو سکا؟ میں اس معاملے میں بہت حیران رہا۔ لیکن پھر میری نظر بہت جلد ان مظاہر کے پردے کو چاک کر کے حقیقت تک پہنچ گئی، اور وہ یہ تھی کہ:

اسراف اور عدمِ اقتصاد کی وجہ سے اس شہر سے برکت کا سایہ اٹھ گیا ہے جس کی وجہ سے مفتی مرحوم کو یہ کہنا پڑا کہ اس شہر کے لوگ فقراء ومساکین ہیں، حالانکہ یہ شہر آمدنی کے خزانوں اور دولت وثروت کے وسیع ترین قدرتی وسائل

Marfat.com

وذرائع سے مالا مال تھا۔

جی ہاں، یہ بات تجربے اور بے شمار واقعات کی روشنی میں اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور کفایت شعاری کی روش برکت اور افزودگی کا سبب ہے، جبکہ اسراف اور زکوٰۃ کی عدم ادائیگی برکت اڑا دیتے ہیں اور اس حقیقت کے اتنے واقعات ہیں جو کہ اعداد وشمار سے باہر ہیں۔

استاذ الحکماء والاطباء، ابن سینا جو کہ مسلمان فلاسفہ میں افلاطون کا درجہ رکھتے ہیں، نے آیت کریمہ ﴿کلوا واشربوا ولا تسرفوا﴾ کی طبی نقطۂ نظر سے مندرجہ ذیل شعروں میں تفسیر کی ہے:

جَمَعتُ الطِّبَّ فی بَیْتَیْنِ جَمْعًا وَحُسْنُ القَولِ فِی قِصَرِ الکَلَامِ

فَقَلِّلْ اِنْ اَکَلْتَ وَبَعْدَ اَکْلٍ تَجَنَّبْ، وَالشِّفَاءُ فِی الاِنْهِضَامِ

وَلَیْسَ عَلَی النُّفُوسِ اَشَدُّ حَالاً مِنِ اِدْخَالِ الطَّعَامِ عَلَی الطَّعَامِ

مطلب یہ ہے کہ میں نے عمومی طب کو صرف دو شعروں میں جمع کر دیا ہے۔

اور سب سے خوبصورت بات وہ ہے جو مختصر ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کھاؤ تھوڑا کھاؤ، اور کم از کم چار پانچ گھنٹے کے بعد کھاؤ، اور اتنا کھاؤ جتنا آسانی کے ساتھ ہضم کر سکو۔

نفس اور معدہ سب سے زیادہ مشقت میں اس وقت مبتلا ہوتے ہیں جب کھانے پر کھایا جائے۔ (حاشیہ:۱) اب میں آپ کو ایک ایسے توافق یعنی باہمی اتفاق کے بارے میں بتاتا ہوں جو یقیناً باعثِ حیرت وجالبِ عبرت ہے۔

اس کتاب ''کفایت شعاری'' کو نقل کرنے والے پانچ چھ مختلف لوگ تھے جن میں سے تین کی لکھائی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی، مطلب یہ ہے کہ یہ سب کے سب مختلف قسم کے رسم الخط اور رفتار کے مالک تھے، لیکن اتفاق کی بات دیکھیں کہ جب سب کے سب نسخے سامنے آئے تو حیرت انگیز حد تک لفظ ''الدعاء'' کے ''الف'' کے علاوہ اکاون (۵۱) الف اور ''الدعاء'' کے ہمراہ ترپن (۵۳) الف تھے، سب میں یک رنگی اور ہم آہنگی تھی، حالانکہ یہ سب کاتب مختلف جگہوں پر تھے، جن نسخوں میں یہ نقل کر دیئے گئے تھے وہ نسخے بھی مختلف تھے، اور کتابت میں ہر ایک کا خط بھی علیحدہ علیحدہ تھا، اور اِن ''الفوں'' کے بارے میں ان لوگوں نے خیال بھی نہیں کیا تھا کہ انہیں ایسے لکھنا چاہیۓ!۔

ان ''الفوں'' کا اس کتاب ''کفایت شعاری'' کی تالیف اور نقل کی تاریخ کے ساتھ حسنِ اتفاق ___ اور تاریخ اس کی رومی سال کے حساب سے ۵۱ھ اور ہجری سال کے لحاظ سے ۵۳ھ بنتی ہے ___ یہ سب کچھ اتفاقی حادثے کے کھاتے میں ڈال دینا ممکن ہی نہیں، بلکہ یہ چیز اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اقتصاد میں پائی

(حاشیہ:۱) مطلب یہ ہے کہ جسم کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ چیز یہ ہے کہ دو کھانوں کے درمیان چار پانچ گھنٹوں کا وقفہ نہ کیا جائے، یا پھر صرف حصولِ لذت کے لیے بار بار کھا کر معدہ کو منہ تک پر کھا جائے۔ (مؤلف)۔

Marfat.com

جانے والی برکت کرامت کے درجے پر فائز ہے۔اور یہ کہ یہ سال اس قابل ہے کہ اس کا نام عام الاقتصاد (کفایت شعاری کا سال) رکھا جائے۔

جی ہاں! زمانے نے اس اقتصادی کرامت کا بالفعل اثبات کر دیا ہے، اور وہ اس وقت جب نوعِ انسانی اس کتاب کی تالیف کے صرف دو سال بعد دوسری جنگ عظیم سے دوچار ہوگئی۔۔۔وہ جنگ جس نے اطراف عالم میں بھوک، تخریب اور بے برکت اسراف کے ایسے فساد پھیلا دیئے جن کے سامنے عالمِ بشریت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور وہ اقتصاد کی روش اپنانے اور اسے مضبوطی سے سینے کے ساتھ چمٹانے پر مجبور ہوگیا۔

﴿سُبحٰنَکَ لَاعِلمَ لَنَآ اِلّامَا عَلَّمتَنَا اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ﴾

Marfat.com

بیسواں لمعہ

(اس مضمون میں خصوصی طور پر اِخلاص کی وضاحت کی گئی ہے)

یادرہے کہ یہ بحث پہلے ''سترہویں لمعے'' کی ''سترہویں یاددہانی'' کے تحت ذکر کیے گئے ''دوسرے مسئلے'' کے تحت ذکر کیے گئے پانچ نقاط میں سے ''پہلا نقطہ'' تھی۔ یعنی ''سترہویں لمعے'' کے تحت ذکر کیے گئے مباحث میں سے ایک ذیلی بحث تھی، لیکن خصوصی اہمیت کی حامل ہوجانے کی وجہ سے اُسے بعد میں مستقل طور پر ''بیسویں لمعے'' کا درجہ دے دیا گیا۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ﴾ (حاشیہ:۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "هَلَكَ النَّاسُ إِلَّا العَالِمُونَ، وَهَلَكَ العَالِمُونَ إِلَّا العَامِلُونَ، وَهَلَكَ العَامِلُونَ إِلَّا المُخلِصُونَ، وَالمُخلِصُونَ عَلَى خَطَرٍ عَظِيمٍ".

''سب لوگ ہلاک ہو گئے سوائے اہلِ علم کے، اور سب اہلِ علم ہلاک ہو گئے سوائے ان کے جو عمل کرنے والے ہیں، اور سب عمل کرنے والے ہلاک ہو گئے سوائے ان کے جو مخلص ہیں، اور مخلص بھی شدید خطرے میں ہیں''۔

یہ آیت کریمہ اور حدیث نبوی دونوں ہمیں یہ رہنمائی دیتی ہیں کہ اسلام میں اخلاص کو کتنی اہمیت حاصل ہے، اور اس لحاظ سے اخلاص کا مرتبہ کتنا عظیم ہے کہ دین کے تمام احکام و معاملات کی روحِ رواں اخلاص ہی ہے۔ اخلاص کا مضمون بے شمار نکتوں یعنی گہری باتوں پر مشتمل ہے، ہم اختصار کے پیش نظر ان میں سے صرف پانچ نقاط بیان کریں گے۔

پہلا نقطہ:

ایک انتہائی اہم اور حیرت انگیز سوال:

یہ ہے کہ دنیاداروں، غفلت شعاروں، حتیٰ کہ گمراہوں اور منافق قسم کے لوگوں میں تو ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور ان کے مابین عام طور پر حسد اور کشمکش جیسی چیزیں نظر نہیں آتی ہیں، لیکن مذہبی لوگ، علماء کرام، اور اربابِ تصوف - عام مشاہدے کے مطابق - برسرِ اختلاف بلکہ برسرِ پیکار رہتے ہیں، جبکہ یہ لوگ اہل حق ہیں۔ اور یکجہتی اور یکسانیت سے مزین لوگوں کی شان تو یہ ہے کہ وہ مل جل کر اتفاق و اتحاد سے رہیں، اور اہلِ نفاق و شقاق کا باہم دست و گریبان رہنا لازمی امر ہے۔ سوال یہ ہے کہ پیمانے الٹ کیوں گئے ہیں اور ایسا کیوں ہو گیا ہے کہ حق جو اِن لوگوں کا نصیب تھا وہ اُن لوگوں کے پاس چلا گیا ہے اور باطل جو اُن لوگوں کا حصہ تھا وہ اِن لوگوں کے پاس آ گیا ہے؟

الجواب: بے شک یہ ایک انتہائی دردناک صورت حال ہے جس نے فراز اور غیرت مآب لوگوں کو تڑپا کر رکھ دیا ہے۔

(حاشیہ:۱) الزمر: ۲،۳

☆ تنبیہ: اس مبارک ریاست (اسپارٹا) کو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے اسے ایک بہت بڑی خوش نصیبی سے نوازا ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہاں اہل تقویٰ، صالحین، صوفیاء کرام اور علماء کرام کے مابین ایسا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے جس کی بنیاد حسد پر ہو، اور اگر کبھی کوئی اختلاف رونما ہوا بھی ہے تو وہ دوسرے علاقوں کی بہ نسبت انتہائی کم ہے۔ اور اس کے باوجود کہ ایسی خالص محبت اور مکمل اتفاق یہاں موجود نہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہیے، تاہم پھر بھی دوسرے علاقوں کے مقابلے میں یہاں نقصان دہ اختلاف اور حسد و بغض نہ ہونے کے برابر ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

ہم اس کے بیشتر اسباب میں سے سات اسباب پر روشنی ڈالیں گے۔

پہلا سبب:

یاد رہے کہ نہ تو اہل حق کے درمیان پیدا ہونے والا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ وہ حقیقت سے دور ہیں، اور نہ ہی اہل غفلت کے درمیان نظر آنے والا اتفاق اس وجہ سے ہے کہ وہ حقیقت کے قریب تر ہیں، بلکہ اہل سیاست، اہل ثقافت اور ان جیسے دیگر تمام اہل دنیا کے معاشرتی طبقات علیحدہ علیحدہ خصوصیات کے حامل ہیں، یعنی ان میں سے ہر گروہ، جماعت اور تنظیم وغیرہ کی خصوصی ذمہ داریاں اور مصروفیات ہیں جنہیں وہ سرانجام دیتے ہیں اور اسی طرح ان کی ذمہ داریوں اور ان کی خدمات کے صلے میں حاصل ہونے والی مادی اجرت بھی مختلف اور متعین ہے، اور اسی طرح مادی اجرت کے ساتھ انہیں حاصل ہونے والی معنوی اجرت یعنی شہرت اور ناموری وغیرہ بھی مخصوص و معین اور ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ (حاشیہ:۱)

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے درمیان ایسی کوئی قدرِ مشترک ہے ہی نہیں جو مقابلہ، مزاحمت، کشمکش اور حسد کو جنم دے سکے، اور نہ ہی ان کے درمیان کوئی ایسی چیز ہے جس کی بنا پر لڑائی جھگڑے یا بحث ومناظرے کی ضرورت پیش آئے، یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ تباہی کے راستوں پر چلنے کے باوجود ان کے درمیان ایک قسم کا اتفاق پایا جاتا ہے، بخلاف اہلِ دین، اہلِ علم اور اربابِ تصوف کے، کہ ان سب کے وظائف واعمال سب کے لیے ہوتے ہیں اور ان کی فوری اجرت بھی مخصوص ومعین نہیں ہے، اسی طرح معاشرے میں مقام ومرتبے اور ان کی طرف لوگوں کی توجہ اور رضامندی کے لحاظ سے بھی ان کا حصہ غیر مخصوص ہے، یوں سمجھیں کہ ایک مقام کے کئی امیدوار ہیں۔ اور کبھی کسی بھی مادی یا معنوی اجرت کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھتے ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے مقابلہ، کھینچا تانی، کشمکش، حسد اور غیرت کی فضا پیدا ہو جاتی

(حاشیہ:۱) خبردار! لوگوں کا التفات اور ان کی توجہ طلب نہیں کی جاتی ہے بلکہ عطا ہوتی ہے۔ اور اگر یہ چیز حاصل ہو جائے تو اس پر اترانا نہیں چاہیے۔ اگر کوئی آدمی اس وجہ سے خوش ہو گیا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، تو سمجھو کہ اس کا اخلاص ضائع ہو گیا اور وہ ریاء کے پنجے میں پھنس گیا۔

یاد رہے کہ لوگوں میں مشہوری اور مقبولیت کے حصول کی وہ خواہش جس میں نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ رہیں اور اسے سلام کرتے رہیں، اس چیز کا نہ تو کوئی اجر ملے گا اور نہ ثواب، بلکہ اخلاص کے فقدان کی وجہ سے اس کی یہ خواہش الٹی اللہ تعالیٰ کے غصے اور سزا کا باعث بنے گی۔

جی ہاں، لوگوں کی توجہ حاصل کرنا منزل مراد نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں پائی جانے والی جزوی لذت اخلاص کے لیے نقصان دہ ہے اور اخلاص اعمال صالحہ کی روح ہے، یہ نہ رہا تو اعمال صالح کچھ بھی نہیں۔ پھر یہ کہ لذت صرف قبر کے دروازے کی حد تک رہتی ہے، مزید یہ کہ یہ لذت قبر کے بعد والے مرحلوں میں عذاب قبر کی صورت میں دردناک عذاب کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اس لیے کبھی لوگوں کی توجہ، ان کا التفات اور ان کی رضامندی کی خواہش نہ رکھو بلکہ اس سے خوف کھاؤ اور دور بھاگو۔ شہرت پرستوں اور لوگوں کی رضامندی کے بھوکوں کو اس چیز کی طرف دھیان دینا چاہیے۔ (مؤلف)۔

Marfat.com

ہے، جس سے وفاداری منافقت میں اور اتفاق اختلاف میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور اس مہلک مرض سے شفا صرف ایک ہی دوا سے ممکن ہے، اور وہ ہے ''اخلاص''۔ اور وہ اس طرح کہ انسان ''حق'' انصاف اور ہدایت کو اپنی ذات پر ترجیح دے کر، اپنی نفسانی خواہشات کو حق اور ہدایت کی خاطر قربان کر کے اور سراپا ایثار بن کر اس آیت کریمہ کا عملی نمونہ بننے کا شرف حاصل کر لے: ﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ (حاشیہ:۱) اور یہ کہ لوگوں کی طرف سے مادی و معنوی اجرت سے (☆) مستغنی ہو کر اس آیت کریمہ کی عملی تصویر بن جائے: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (حاشیہ:۲)

اور پھر وہ اس چیز کا ادراک بھی کر لے کہ لوگ جو اس کی باتوں کی تعریف کر رہے ہیں، اس کی گفتگو سے متأثر ہو رہے ہیں اور جو اسے اپنی توجہات کا مرکز بنائے ہوئے ہیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کی بدولت ہے، اور اس کا تعلق اس کی اس ذمہ داری کے ساتھ نہیں ہے جو وہ تبلیغ کی صورت میں ادا کر رہا ہے، بلکہ نہ تو یہ ضروری ہے کہ لوگ اس کی تبلیغی کاوشوں کی وجہ سے اس کے قدردان ہو جائیں اور نہ ہی اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو متأثر کر کے چھوڑے۔

جو ان باتوں کو سمجھ جاتا ہے وہ اخلاص کی لذت سے شادکام ہو جاتا ہے وگرنہ اخلاص ضائع ہو جاتا ہے۔

(حاشیہ:۱) (یونس:۷۲) ''میرا اجر صرف اللہ کے پاس ہے۔''

☆ ''ایثار'' کی عادت اپنانا، اسے ہمہ وقت پیش نظر رکھنا اور اسے اپنا مرشد اور رہنما بنانا بہت ضروری ہے، یہ وہ خصلت ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متصف تھے، اس طرح اُنہوں نے وہ درجہ حاصل کر لیا کہ قرآن کریم نے ان کی تعریف کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ: تحفے تحائف اور صدقات وغیرہ کے قبول کرنے میں دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دی جائے اور دین کی خدمات کے صلے میں ان سے بطور عوض معاوضہ کوئی چیز قبول نہ کی جائے، حتیٰ کہ دل میں بھی ایسی کوئی خواہش نہ رکھی جائے، اور اگر بادل نخواستہ ایسی کوئی چیز حاصل ہو جائے تو اسے ــ لوگوں کے زیر بار رہنے کی بجائے ــ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھے؛ کیونکہ دینی خدمات کے عوض میں اس دنیا میں کوئی بھی چیز طلب کی جائے گی، تو اخلاص ضائع ہو جائے گا۔ امت کا اگرچہ یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان خدائی خدمت گاروں کی معاشی ضروریات پوری کرتی رہے۔ اور اسی طرح یہ لوگ زکوٰۃ کے بھی مستحق ہیں، لیکن ان لوگوں کے لیے جائز نہیں کہ یہ لوگوں سے کوئی چیز مانگیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ انہیں کوئی چیز عطا کر دیتے ہیں، لیکن یہ لوگ چونکہ دین کی خدمت کے لیے وقف ہو چکے ہیں اس لیے ان کے لیے بہترین روش یہ ہے کہ وہ ایثار کریں اور یہ چیز اس آدمی کو دے دیں جو اس کا زیادہ حقدار یا ضرورتمند ہو اور خود ازراہِ قناعت اللہ کی اس تقسیم کے بارے میں راضی رہیں جو اللہ تعالیٰ نے رزق کے بارے میں کر دی ہے، تاکہ انسان اس تعریف کا اہل ہو جائے جو قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی ہے: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر:۹) ''وہ اپنی شدید ترین ضرورت میں بھی دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں''۔ جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ اخلاص کے گوہر کو حاصل کر لیتا ہے اور عدم اخلاص سے لاحق ہونے والی خطرناک ہلاکت سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ (مؤلف)

(حاشیہ:۲) (النور:۵۴) ''رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے''۔

Marfat.com

دوسرا سبب:

گمراہوں میں اتفاق ان کی ذلت اور پستی کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ ہدایت یافتہ لوگوں میں اختلاف ان کی عزت اور وقار کی وجہ سے ہوتا ہے؛ یعنی دنیادار، گمراہ اور غفلت شعار لوگ حق اور حقیقت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اس لئے وہ کمزور اور ذلیل ہیں، اور اس بنا پر وہ طاقت، قوت اور مضبوطی حاصل کرنے کی بہت زیادہ ضرورت محسوس کرتے ہیں اور گمراہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق اور تعاون کے لیے کوشاں رہتے ہیں، گویا کہ وہ اپنے باطل نظریے پر ایک دوسرے کے ساتھ واقعتاً تعاون کرتے ہیں، اپنی گمراہی میں مخلص ہیں، اپنے الحاد میں ثابت قدمی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے منافقانہ رویے میں اتفاق سے رہتے ہیں، بدیں سبب آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عمل و ارادے میں کامیاب ہیں؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اخلاص کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ برائی میں بھی پایا جائے تو رنگ لاتا ہے، رائیگاں نہیں جاتا اور بے نتیجہ نہیں رہتا ہے۔ کوئی بھی مانگنے والا جب خلوص دل سے مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی طلب ضرور پوری کرے گا۔ (حاشیہ:۱)

لیکن اہلِ ہدایت، اہلِ دین، اہلِ طریقت اور اہلِ علم کا معاملہ کچھ اور ہے، یہ لوگ چونکہ حق اور حقیقت پر اعتماد رکھتے ہیں اور ان میں سے ہر آدمی حق کے راستے میں چلتے ہوئے صرف اپنے پروردگار کی رضا کا اُمیدوار ہوتا ہے، دل و جان سے اسی پر مطمئن ہوتا ہے اور اپنے اسی عقیدے سے رُوحانی عزت حاصل کرتا ہے، اس لیے جب بھی وہ کسی قسم کی کوئی کمزوری محسوس کرتا ہے تو فوراً لوگوں کی بجائے اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے اور صرف اسی سے قوت مانگتا ہے۔ اور اختلافِ مشارب کی وجہ سے وہ اپنے ظاہری مشرب کے کسی مخالف سے تعاون لینے کے لیے نہ تو اپنی ضرورت کے بارے میں کسی کو بتاتا ہے اور نہ اُن کے اتفاق کی ضرورت محسوس کرتا ہے بلکہ جب اُس میں کبر و خود پسندی کا شائبہ پایا جائے تو وہ اپنے آپ کو حق پر اور دوسروں کو باطل پر سمجھتا ہے، اور یوں اُن کے درمیان اتفاق اور باہمی محبت کی بجائے اختلاف اور ایک دوسرے کے خلاف حسد کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں اخلاص ختم ہو جاتا ہے، اور اس طرح مٹ جاتا ہے کہ اس کی حقیقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور صرف نقوشِ پا باقی رہ جاتے ہیں۔

اس پیش آمدہ تشویشناک حالت کے خطرناک انجام سے بچاؤ کا واحد علاج درج ذیل نو اُمور میں ہے۔

۱۔ مثبت اور تعمیری کام، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان صرف اپنے مسلک کے ساتھ محبت رکھے اور اس کی سوچ فکر اور علم دوسروں کی دشمنی یا ان کی گستاخی اور تحقیر سے ملوث نہ ہو۔

(حاشیہ:۱) عربی زبان میں محاورہ ہے "من طلب وجدّ وجد" یعنی جس نے طلب کیا اور اسے پانے کے لیے کوشش کی اس نے حاصل کر لیا۔ یہ محاورہ حقیقت کے دستوروں میں سے ایک دستور ہے اور اپنی وسعت اور ہمہ جہتی کی وجہ سے ہمارے مسلک میں بھی شامل ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

۲۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھے اور ان تمام وسائل واسباب کی جستجو میں رہے جن سے اسلام کے اندر پائے جانے والے تمام مسالک ومشارب کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ یہ عمل ان کے لیے یقیناً اتفاق اور بھائی چارے کا ذریعہ اور پیار محبت کا سرچشمہ ثابت ہوگا۔

۳۔ قانونِ انصاف کو مرشد، ہادی اور رہنما بنانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حق مسلک کے حامل شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ: "میرا نقطۂ نظر صحیح یا بہتر ہے"

لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کے مسلک میں دخل اندازی کرے اور یہ کہے کہ: "صرف میرا مسلک ہی حق اور سچائی پر مبنی ہے، یا یہ کہ حسن و جمال صرف میرے مشرب میں ہی پایا جاتا ہے" وغیرہ؛ کیونکہ ایسے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تمام مسالک غلط، باطل اور بدنما ہیں۔

۴۔ اس بات کی جانکاری کہ اہل حق کے ساتھ اتفاق واتحاد توفیق الٰہی کا وسیلہ اور اسلام کی عزت وعظمت کا سرچشمہ ہے۔

۵۔ ایک معنوی شخصیت کے ذریعے حق اور عدل کا تحفظ، اور اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اہل حق کے ساتھ متفق ہو کر رہا جائے تا کہ اہل باطل کے سامنے سینہ سپر ہوا جا سکے۔ وہ اہل باطل جو اجتماعی طور پر متفق ہو کر اہل حق پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں اس بات کا ادراک کرنا بہت ضروری ہے کہ باطل پرستوں کی غارت گری اجتماعی شکل میں ہے اس لیے ان کے مقابلے میں کسی بھی طاقت ور شخصیت کی انفرادی مزاحمت ناکامی سے دوچار ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک معنوی شخصیت تیار کی جائے اور اس کے ساتھ مل کر باہمی اتفاق سے اجتماعی جدوجہد کی جائے، تب کامیابی حاصل ہوگی۔

۶۔ حق کو باطل کے حملوں سے بچانا۔

۷۔ خود پسندی، انانیت اور ذاتی خواہشوں کو بالائے طاق رکھنا۔

۸۔ عزت واحترام اور عظمت کے غلط تصور سے کنارہ کش ہو کر رہنا۔

۹۔ اور حسد، رقابت اور دل میں جنم لینے والے دیگر تمام فضول احساسات کے اسباب ودواعی کو ترک کر کے رہنا۔

یہ ہیں وہ نو نکات جن پر عمل پیرا ہو کر اخلاص جیسا گوہر نایاب حاصل ہوتا ہے اور پھر انسان اپنی تمام ذمہ داریاں صحیح طور پر کماحقہ سرانجام دیتا ہے۔ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) صحیح حدیث میں یہ چیز ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائیوں میں سے حقیقی دین دار لوگ اہل اسلام کے ساتھ متفق ہو کر ان کے شانہ بشانہ اپنے مشترکہ دشمن "الحاد اور زندیقیت" کا مقابلہ کریں گے۔ اس لیے اس دور میں اہل ایمان کو اپنے مابین ہی نہیں بلکہ عیسائیوں میں سے جو روحانی، دین دار، اور حقیقت پرست لوگ ہیں، ان کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ بنابریں اس مشترکہ دشمن یعنی الحاد وزندیقیت کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ ان تمام امور کو وقتی طور پر پس پشت ڈال دیں گے جو آپس میں اختلاف پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ (مؤلف)۔ حدیث کے حوالے کے لیے دیکھیں: کشف الخفاء، ۲/ ۳۱۲ (مترجم)۔

Marfat.com

تیسرا سبب:

اہل حق کے درمیان اختلاف اس لیے نہیں ہے کہ وہ پست ہمت ہیں اور اولوالعزمی یا بلند حوصلگی سے عاری ہیں اور اہل ضلالت بلند ہمت اور عالی حوصلہ ہیں، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ اہل ہدایت بلند ہمت، عالی حوصلہ اور پختہ عزم کے مالک ہیں، بات صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اس کردار کو بروئے کار لانے کی وجہ سے اس کے غلط استعمال کا شکار ہیں۔ اور اہل ضلالت کے درمیان ہم آہنگی کی وجہ وہ کمزوری اور پست ہمتی ہے جو ان کے درمیان اس اولوالعزمی اور بلند ہمتی کے فقدان کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔

وہ چیز جس کی وجہ سے اہل ہدایت اپنی اس اولوالعزمی اور بلند ہمتی کو غلط استعمال کر کے اختلاف ونزاع، غیرت اور حسد جیسی چیزوں کو ظہور میں لانے کا سبب بنتے ہیں؟ وہ ہے اُخروی زندگی میں زیادہ سے زیادہ ثواب کے حصول کا لالچ، جو کہ فی نفسہ ایک اچھی چیز ہے۔ اخروی ثواب کے زیادہ سے زیادہ حصول کی حرص اور اس بارے میں قناعت سے کام نہ لینے کی عادت ان میں رچ بس جاتی ہے، اور پھر یہ حرص دھیرے دھیرے بڑھتے بڑھتے اس مقام تک جا پہنچتی ہے جہاں انسان اپنے اس حقیقی بھائی کے ساتھ بھی حسد ورقابت میں مبتلا ہو جاتا ہے جسے اس بات کی شدید ضرورت ہوتی ہے کہ یہ اس سے پیار کرے، اس کا ہاتھ پکڑے اور اس کے ساتھ تعاون کرے۔ مثال کے طور پر وہ اس جذبے سے سرشار اپنے دل میں کہے کہ: ''یہ ثواب صرف میں حاصل کروں''۔ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ صرف میں ادا کروں اور وہ صرف میری بات سنیں، یا اس طرح کی اور چیزیں جن کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ انہیں ادا کرنے سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔ یا مثلاً وہ یہ کہے ''میرے شاگرد فلاں شخص کے پاس کیوں جائیں؟ میرے شاگردوں کی تعداد اس کے شاگردوں سے زیادہ کیوں نہ ہو؟'' اس طرح کی اندرونی خود کلامی کی وجہ سے خودی پسندی اور انانیت کی روح کو اس کے قلب ودماغ میں سر ابھارنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ دھیرے دھیرے حبِّ جاہ یعنی ذاتی رعب ودبدبہ جیسی مذموم صفت کے حصول کی خواہش کا شکار ہو کر اخلاص سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اخلاص کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے اور ریاکاری کا دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔

اس خطرناک غلطی، گہرے زخم اور خوفناک روحانی بیماری کا علاج یہ ہے کہ اس بات کا یقین کرلیں کہ اللہ کی رضا صرف اخلاص ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ کی رضا اس بات میں نہیں ہے کہ تمہارے پیروکار بہت زیادہ ہو گئے ہیں، تمہیں مسلسل کامیابی حاصل ہو رہی ہے یا کام کرنے کی توفیق مل رہی ہے؛ کیونکہ پیروکاروں کی کثرت اور کام کرنے کی توفیق صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ چیز طلب کی جاتی ہے نہ اس کا سوال کیا جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

جی ہاں! کبھی صرف ایک کلمہ یا ایک لفظ ہی دوزخ سے نجات اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب بن جاتا ہے، اور کبھی

Marfat.com

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کا راہِ راست پر آنا ہزاروں لوگوں کے راہِ راست پر آنے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس لیے تعداد کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ عمل میں اخلاص اور حق طلبی کی پہچان یہ ہے کہ اس میں تمام مسلمانوں کی بھلائی کی خواہش اور جذبہ کارفرما ہو، اور اس خواہش اور جذبے کی پہچان یہ ہے کہ یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ بھلائی کس آدمی کے ہاتھوں صادر ہو رہی ہے۔ اگر یہ جذبہ کارفرما نہ ہو اور سوچ یہ ہو کہ رہنمائی اور وعظ و نصیحت کا کام صرف میرے ہاتھوں انجام پائے تاکہ میں اخروی ثواب حاصل کرلوں، تو یہ سوچ فریبِ نفس اور انانیت کی حیلہ بازی ہے۔

پس اے مزید ثواب کا لالچ رکھنے والے اور آخرت کے لیے کیے گئے اعمال پر قناعت نہ کرنے والے شخص! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ ایسے انبیائے کرام بھی آئے ہیں جن پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت کم تھی! اس کے باوجود انہیں نبوت مقدس وظیفے کا مکمل ثواب حاصل ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کامیابی اور فضیلت کا معیار ماننے والوں اور پیروکاروں کی کثرت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ ثواب کا لالچ رکھنے والے انسان! تو اس بات کی خواہش رکھنے والا کون ہے کہ سب لوگ تیری بات سنیں؟ تو اپنے فرائض سے غافل ہو کر اللہ کی تدبیر و تقدیر میں دخل اندازی کیوں کرنے لگا ہے؟ اپنی ذمہ داری کو پہچان اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تقدیر میں دخل اندازی کی کوشش نہ کر۔ اور اس بات کا یقین رکھ کہ لوگوں کا تیری باتوں کی تصدیق کرنا، تیری دعوت کو قبول کرنا اور تیرے گرد اکٹھا ہونا محض اللہ کے فضل و کرم سے ہے، وہ اپنے اس فضل و کرم سے جسے چاہے نوازتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو ایسی چیزوں میں مشغول نہ کر جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر و تدبیر کے لیے مخصوص کر رکھا ہے، بلکہ اپنی تمام تر توجہ اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے لیے صرف کر دے۔

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ حق اور حقیقت کو کہنا، سننا اور اس سے ثواب حاصل کرنا صرف نوعِ بشری میں ہی منحصر نہیں بلکہ وہ لوگ جو حق اور حقیقت کو سنتے ہیں اور حق و حقیقت کے کہنے والوں کے لیے حصولِ ثواب کا ذریعہ بنتے ہیں، وہ صرف لوگ ہی نہیں ہیں؛ کیونکہ اللہ کے فرشتوں، اُس کے روحانی لوگوں نے اور اس کی ذی شعور مخلوقات نے تمام جہانوں کو بھرا ہوا ہے اور تمام کونوں کھدروں کو آباد کر رکھا ہے۔ اس لیے اگر تم اُخروی ثواب سے بہرہ وافر چاہتے ہو تو اخلاص پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ، اسے اپنے کردار و عمل کی بنیاد بنالو اور اپنی حرکات و سکنات کی غرض و غایت صرف رضائے الٰہی کا حصول بنالو، تاکہ اس اخلاص اور نیک نیتی کی بدولت تمہارے ہونٹوں سے نکلنے والے کلمات کا ہر لفظ فضا میں پھیل جائے اور کائنات میں بسنے والی بے شمار باشعور مخلوق کے کانوں تک پہنچ کر اسے منور کر دے۔ اس طرح سے تم کئی گنا ثواب حاصل کرلو گے۔ مثال کے طور پر جب تم کہو گے ''الحمدللہ''، تو تمہارے بولنے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کلمہ فضا میں کروڑوں چھوٹے بڑے ''الحمدللہ'' کی صورت میں لکھا جائے گا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فضا میں ان گنت کان اور سماعتیں پیدا کر رکھی ہیں جو ان بے شمار

Marfat.com

پاکیزہ کلمات پر کان دھرتی ہیں؛ کیونکہ اس خالق الحکیم کا کوئی کام نہ عبث ہے، نہ بے فائدہ اور نہ فضول۔

تو فضائے محیط کے ذرات میں بکھرے ہوئے ان کلمات میں جب اخلاص اور نیک نیتی زندگی کی روح پھونک دے گی تو یہ ان روحانی مخلوقات کے کانوں میں پاکیزہ لذت کی صورت میں رس گھول دیں گے۔ بالکل ایسے جیسے پاکیزہ پھلوں کی لذت سے انسان کا کام و دہن لذت یاب ہوتا ہے۔

لیکن جب اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی ان کلمات میں زندگی کی روح نہیں پھونکے گی تو یہ صرف یہ نہیں کہ کانوں کو بھائیں گے نہیں، بلکہ ان سے برداشت بھی نہیں ہوں گے۔ اور یوں ان کا ثواب صرف منہ سے ادا کیے گئے کلمات کی حیثیت تک محدود رہ جائے گا۔

قرآن کریم کو پڑھنے والے وہ حضرات جو اس وجہ سے پریشان ہیں کہ ان کی آواز میں خوبصورتی اور سوز و سرور نہ ہونے کی وجہ سے ان کے سامعین کی تعداد بڑھتی نہیں ہے، انہیں اس حقیقت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

چوتھا سبب:

اہلِ ہدایت کے درمیان اختلاف اور آپس میں حسد و رنجش کی فضا کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر اور سطحی نظر کے مالک ہیں، اور اہلِ ضلالت کے ہاں سنجیدہ سے اتفاق کی فضا کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے انجام سے پریشان اور بلند اور گہری نظر کے مالک ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اہل ہدایت راہِ استقامت پر قائم نہ رہنے اور اپنے کردار و عمل میں خلوص کا مظاہرہ نہ کرنے کی وجہ سے اس بلند درجے سے محروم رہ جاتے ہیں جس پر انہیں فائز ہونا چاہیے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ اختلاف و نزاع کے گڑھے میں جا گرتے ہیں، حالانکہ وہ انجام پر نظر رکھنے والی عقل و قلب کی رہنمائی میں چلتے ہیں، کہنا یہ ہے کہ یہ لوگ حق و حقیقت کے فیض یافتہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس ایسے اندھے اور درماندہ احساسات نہیں ہوتے ہیں جن کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر وہ نفسانی خواہشات کی رو میں بہتے ہوئے انجام سے غافل ہو جائیں۔

جبکہ اہل ضلالت کا معاملہ ایسا نہیں ہے، یہ لوگ چونکہ ہوائے نفس کے زیرِ اثر اور خواہشوں کے غلام ہوتے ہیں، اپنی ان گھٹیا شہوانی خواہشات اور اندھے نفسانی احساسات کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے انجام سے غافل ہوتے ہیں، اور اس مقصد کے لیئے معمولی اور فوری حاصل ہونے والے ایک درہم کو مستقبل کے لاکھوں کروڑوں پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے آپ دیکھیں گے کہ وہ اس نقد منافع اور حاضر لذت کے حصول پر اتفاق اور اکٹھ کا مظاہر کرتے ہیں۔

جی ہاں! مردہ دل، گھٹیا نفس کے غلام اور ذلیل خواہشات کے گرد منڈلانے والے لوگ فوری حاصل ہونے والے دنیاوی منافع کی خاطر اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں، جبکہ اہل ہدایت کے مابین سنجیدہ اتفاق، کامل اتحاد، ایثار اور قربانی کا جذبہ اور مضبوط قسم کی استقامت ہونی چاہیے، کیونکہ یہ لوگ عقل کے نور اور دل کی روشنی میں کچھ دیر بعد میں حاصل ہونے

Marfat.com

والے اخروی کمالات وثمرات کو حاصل کرنے کی طرف توجہ رکھتے ہیں، لیکن غرور، تکبر اور افراط وتفریط سے خالی نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ لوگ اس عظیم سرچشمہ سے محروم ہو جاتے ہیں جو انہیں قوت بخشتا ہے، اور وہ سرچشمہ ہے ''اتفاق''۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح اخلاص ضائع اور تباہ ہو جاتا ہے، اور اخروی اعمال کمزور ہو کر بیکار ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

اس خطرناک بیماری کا علاج اور دوا یہ ہے کہ حق کے راستے پر چلنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے اور اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ان کے ساتھ محبت کا مضبوط رشتہ جوڑا جائے۔ ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہ''(حاشیہ:۱)

پھر ان کی پیروی کی جائے۔ امامت کا شرف ان کے لیے چھوڑ دیا جائے اور خود پسندی اور غرورِ نفس کو اس بنا پر ترک کر دیا جائے کہ راہِ حق کا مسافر چاہے کوئی بھی ہو ہو سکتا ہے مجھ سے بہتر ہو۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ اخلاص جیسی نعمت ہاتھ آجائے۔

پھر اس بات کا بھی علم رہنا چاہیے کہ خلوصِ دل سے اللہ کے لیے کیا گیا چھوٹا سا عمل بھی ان کئی گنا اعمال سے بہتر اور وزنی ہے جو اخلاص سے خالی ہوں۔ پھر یہ ہے کہ قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے کی بجائے پیروی کرنے کے درجے پر قناعت کی جائے، کیونکہ قیادت کا راستہ عام طور پر خطرناک ہوتا ہے۔

ان امور پر عمل کرنے سے اس خطرناک بیماری کا علاج ہوگا اور اس سے چھٹکارا ملے گا۔ اخلاص حاصل ہوگا اور اس طرح ایک مردِ مومن اپنے اخروی اعمال کما حقہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔

پانچواں سبب:

اہل ہدایت کے درمیان اختلاف اور عدم اتفاق کا سرچشمہ ان کی کمزوری نہیں ہے، اور اہل ضلالت کے درمیان مضبوط اتفاق کا سرچشمہ ان کی قوت نہیں ہے، بلکہ اہل ہدایت کے درمیان جنم لینے والا عدمِ اتفاق اس وجہ سے ہے کہ وہ قوت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے؛ کیونکہ ان کا ایمانِ کامل قوت کے ایک مضبوط مرکز سے انہیں یہ چیز پیہم مہیا کر رہا ہے۔ اور اہل غفلت وضلالت کے درمیان نظر آنے والے اتفاق کا سرچشمہ ان کی کمزوری اور عاجزی ہے، اس طرح کہ وہ اپنے دلوں میں کوئی ایسا مرکز نہیں پاتے جس کی قوت پر بھروسا کر سکیں۔ تو کمزور لوگ چونکہ اتفاق کے بہت ضرورت مند ہیں اس لیے آپ دیکھیں گے کہ وہ مضبوط اتفاق کے بندھن میں بندھے ہوئے نظر آئیں گے، اور طاقتوروں میں اتفاق کی ضرورت اتنی شدید نہیں ہوتی ہے اس لیے ان کے مابین اتفاق کمزور سا ہوتا ہے۔ ان کی مثال اس باب میں شیروں اور لومڑیوں کی طرح ہے جو اتفاق کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اکیلے اکیلے زندگی گزارتے ہیں جبکہ جنگلی بکریاں بھیڑیوں کے خوف سے ریوڑوں کی صورت میں رہتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح

(حاشیہ:۱) ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ مِنَ الْاِیْمَانِ'' (صحیح بخاری) کتاب الایمان، (اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت ایمان کا حصہ ہے)۔

Marfat.com

کمزور لوگوں کی جمعیت اور ان کی معنوی شخصیت طاقتور ہوتی ہے، اسی طرح طاقتور لوگوں کی جمعیت اور ان کی معنوی شخصیت کمزور ہوتی ہے۔ (حاشیہ:۱)

قرآن کریم میں اس راز کی طرف انتہائی لطیف پیرایہ میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے کہ فعل "قَالَ" مذکر کا صیغہ ہے لیکن اسے عورتوں کی جماعت کے لیے استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ (یوسف: ۳۰) "شہر کی عورتوں نے کہا"، حالانکہ دو وجہ سے یہاں مؤنث کا صیغہ ہونا چاہیے، ایک یہ کہ فاعل مؤنث ہے اور دوسرا یہ کہ جمع مکسر ہے۔ اور دوسری جگہ فعل "قَالَتْ" ہے جو کہ مؤنث کا صیغہ ہے لیکن اسے مردوں کے گروہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ﴾ (الحجرات: ۱۴) "عرب کے بدوؤں نے کہا"۔ اس میں یہ باریک اشارہ پایا جاتا ہے کہ نازک اور کمزور عورتوں کی جماعت خشونت، سختی اور قوت حاصل کر کے ایک قسم کی مردانگی حاصل کر لیتی ہے۔ اس لیے ان کے لیے مذکر کا صیغہ "قال" استعمال ہوا جو کہ انتہائی مناسب اور موزوں ہے۔ جبکہ طاقتور مرد چونکہ اپنی قوت پر بھروسا کرتے ہیں، خاص کر بادیہ نشیں اور گنوار لوگ، اس لیے ان کی جمعیت کمزور ہوتی ہے۔ گویا کہ ان میں مؤنث کی صفات در آتی ہیں، مثلاً خوف، احتیاط، نرمی اور نزاکت وغیرہ، اس لیے ان کے لیے مؤنث کا صیغہ یعنی "قَالَتْ" لایا گیا جو کہ انتہائی مناسب اور موزوں ہے۔

جی ہاں! جو لوگ حق کے طلبگار ہوتے ہیں انہیں اپنے دلوں میں موجود قوی ایمان کی بدولت ایک طرح کا بھروسہ اور سہارا میسر ہوتا ہے جو انہیں توکل اور تسلیم و رضا کی دولت سے مالا مال کیے رکھتا ہے، اس لیے وہ دوسروں کی مدد کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، یہاں تک کہ اگر کبھی انہیں دوسروں کی ضرورت محسوس ہو بھی تو ان کا پلا پکڑ کر ان سے چمٹ ہی نہیں جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جنھوں نے دنیا کو اپنی توجہات کا مرکز بنا رکھا ہے وہ چونکہ قوت کے اصلی اور حقیقی مرکز سے غافل ہیں اس لیے وہ امور دنیا کو سرانجام دیتے ہوئے عاجزی، کمزوری اور بیکسی محسوس کرتے ہیں، اس لیے ہمیشہ ایسے آدمی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو ان کی مدد کرے، چنانچہ وہ ایسے آدمی کے ساتھ پھر مکمل اتفاق و اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس بارے میں کسی قربانی، جانبازی اور فداکاری سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ حق کے طلبگار چونکہ اتفاق و اتحاد میں پائی جانے والی قوت کی قدر نہیں کرتے اور اس سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں اس لیے وہ ایک غلط اور خطرناک انجام تک جا پہنچتے ہیں، اور وہ ہے "اختلاف۔" جبکہ اہل باطل اور گمراہ لوگ اپنی عاجزی اور درماندگی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ اتفاق میں بہت طاقت ہے، اس لیے وہ اتفاق کی صورت میں اپنے

(حاشیہ:۱) ہمارے اس دعوے کی جو چیز تائید کرتی ہے یہ ہے کہ یورپی معاشرے کی طاقتور، شدید ترین اور مؤثر ترین تنظیمیں عورتوں کی ہیں۔ یہ وہ تنظیمیں ہیں جو صنف نازک کے ارکان سے تشکیل پاتی ہیں اور جو امریکا میں خواتین کے حقوق اور ان کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اسی طرح ارمنوں کی تنظیمیں ہیں جو کہ انتہائی کمزور اور اقلیت میں ہیں۔ لیکن آپ کو علم ہے کہ یہ لوگ انتہا کے بہادر، جنگجو اور جانباز ہیں۔ (مؤلف)۔

Marfat.com

مقصد تک پہنچنے کے لیے بہترین وسیلہ حاصل کر لیتے ہیں۔

اس باطل اور المناک صورتحال سے نجات پانے اور اہل حق کو لاحق ہونے والے اس مہلک مرض سے چھٹکارا پانے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اس چیز سے رک جائیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے:

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

اور اس چیز پر کاربند ہو جائیں جس کا حکم اس آیت میں ہوا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (حاشیہ:۲)

ان دونوں آیتوں میں معاشرتی زندگی کے دو بہترین دستور پیش کیے گئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا ادراک ہو جانا چاہیے کہ آپس کے ان اختلافات نے اسلام اور مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کے اثرات کتنے گہرے ہیں!

پھر اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ ہمارے اس اندرونی خلفشار سے اہل ضلالت کے لیے ہم پر دست درازی کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔

اور آخری بات یہ کہ ہم میں یہ احساس بیدار ہو جائے کہ ہم انتہائی کمزور اور ازبس لاچار ہیں، اس لیے ہمیں اہلِ حق کے اس قافلے میں شامل ہو جانا چاہیے جو حق کا متلاشی ہے، اور ان کے ساتھ اس طرح صف بستہ ہو جانا چاہیے کہ اس راستے میں جاں نثاری اور فداکاری کی نوبت بھی آجائے تو کسی قسم کا دریغ نہ کریں۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم اپنی ذات کی نفی کر دیں اور اخلاص کے طفیل ملنے والی عزت تک پہنچنے کے لیے ریاکاری سے دامن چھڑا لیں۔

چھٹا سبب:

اہل حق کے درمیان اختلاف کی وجہ یہ نہیں کہ ان میں تیز فہمی، بلند ہمتی، حمیّت اور مردانگی کا فقدان ہے یا ان میں عزم وارادہ کی کمی ہے، اسی طرح غفلت شعار اور گمراہ کردار لوگوں کے درمیان سنجیدہ قسم کے اتفاق کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تیز فہمی، بلند ہمتی، حمیّت اور مردانگی جیسی صفات سے مزیّن ہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اہل حق کی نظریں چونکہ زیادہ تر اخروی ثواب کے حصول پر لگی ہوئی ہیں اس لیے ان میں پائی جانے والی حمیّت، عزم وارادہ اور بلند ہمتی اس طرح کے اہم اور متعدد مسائل میں تقسیم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور یہ لوگ چونکہ اپنا زیادہ وقت _ جو کہ ان کا حقیقی سرمایہ ہے _ کسی ایک مخصوص یا معین مسئلے میں صرف نہیں کرتے، اس لیے راہ حق میں چلنے والے دوسرے راہیوں کے ساتھ ان کی مضبوط قسم کی ہم آہنگی ظہور

(حاشیہ:۱) الانفال:۴۶

(حاشیہ:۲) المائدۃ:۲

Marfat.com

میں نہیں آتی؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسائل بے شمار ہیں اور میدان بہت وسیع ہے۔

لیکن دنیادار اور غفلت شعار لوگوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ان لوگوں کی نظر صرف دنیاوی زندگی میں منحصر ہوتی ہے۔ اور ان کا مقصودِ کل اور مبلغِ علم صرف یہی دنیا ہے، اس سے آگے ان کی نظر جاتی ہی نہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ دل و جان سے ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑے ہوتے ہیں، اور جو شخص بھی ان کی مدد کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے اس کا ہاتھ فوراً مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا انتہائی قیمتی وقت دنیا کے ایسے جھمیلوں میں صرف کرتے ہیں جن کی حق شناس لوگوں کے ہاں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اس ضمن میں ان کی مثال اس ہیروں کا کاروبار کرنے والے اس بزگل یہودی کی سی ہے جس نے شیشے کے چند معمولی ٹکڑے قیمتی پتھروں کی قیمت میں خریدے۔ اسی طرح غفلت شعار اہلِ دنیا اپنے انتہائی قیمتی وقت کو دنیا کی بے قیمت چیزوں میں ضائع کرتے ہیں۔ بس کسی چیز کو مہنگے داموں خرید لینا اور اپنے تمام احساسات اس چیز میں کھپا دینا ہی کامیابی کا راستہ بناتا ہے، اگرچہ یہ جذبہ غلط راستے میں ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس روش میں اخلاص کارفرما ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اہل باطل اہل حق پر غالب آجاتے ہیں اور اہل حق اخلاص کا دامن چھوڑ کر پستی، تصنع، بناوٹ اور ریاکاری کے گڑھوں میں جاگرتے ہیں، اور پھر ان دنیاداروں کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو عزم وہمت اور غیرت وحمیت کی تمام صفات سے عاری ہوتے ہیں۔

اے اہل حق، اے اہل شریعت وطریقت، اے حق برائے حق کے طلبگارو! قرآنی ادب کو اپنا کر اس خوفناک مرض یعنی اختلاف سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرو۔ اور قرآنی ادب یہ ہے: ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾

اپنے بھائیوں کی غلطیوں کو معاف کرنا سیکھو۔ ان کی کمیوں کوتاہیوں کو نظرانداز کرو۔ ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ پوشی کرو اور آپس کے اندرونی اختلافات کو پس پشت ڈال دو؛ کیونکہ تمہارے بیرونی دشمن ہر طرف سے تم پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اس لیے اہل حق کی ذلت اور تباہی سے حفاظت کو اپنے اخروی فرائض میں شامل کر لو اور اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو۔ ان سینکڑوں آیات اور احادیث شریفہ کی چلتی پھرتی تصویر بن جاؤ جو تمہیں باہمی اخوت، محبت اور تعاون کا حکم دے رہی ہیں۔ اپنے تمام احساسات وجذبات کے ساتھ اپنے دیندار اور حق پر چلنے والے بھائیوں کا ساتھ دے کر دنیادار اور غفلت شعار لوگوں کے اتفاق سے زیادہ بہتر اتفاق واتحاد کا نمونہ بن جاؤ۔ آپس میں اختلاف کا کوئی دروازہ نہ کھلنے دینا اور محتاط رہنا کہ دشمن کے پھیلائے ہوئے جال میں نہ الجھ جانا۔ تم میں سے کوئی یہ ہرگز نہ کہے کہ میں اپنا قیمتی وقت ان جزوی امور میں صرف کرنے کی بجائے ذکر، فکر، اور ورد وظائف میں صرف کروں گا اور اس طرح وہ میدان عمل سے فرار حاصل کر لے اور اتفاق واتحاد کو کمزور اور امت مسلمہ کو ناتواں بنانے کا سبب بن جائے؛ کیونکہ وہ مسائل جنہیں تم جزوی اور بے حیثیت سمجھتے ہو وہ بسا اوقات اس معنوی جہاد میں بہت بڑی اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح کچھ خاص اور اہم

Marfat.com

شرائط کے تحت کسی سپاہی کا سرحدوں کی نگرانی میں ایک گھنٹہ گزارنا ایک سال کی عبادت کے برابر ہے، اسی طرح تمہارا ایک قیمتی دن جسے تم اس کڑے وقت میں جب کہ اہل حق ہر طرف مغلوب ہو چکے ہیں، میں کہتا ہوں تمہارا ایسے وقت میں ایک قیمتی دن جسے تم معنوی جہاد کے ان جزوی مسائل میں صرف کرو گے، سپاہی کے اسی ایک گھنٹے کے برابر ہے جو اس نے سرحدوں پر پہرہ دیتے ہوئے گزارہ ہے، بلکہ شاید تمہارہ یہ ایک دن ہزار دنوں کے برابر ہو جائے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ عمل جب خالصۃً اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے راستے میں کیا جائے تو پھر یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا، بلند ہے یا پست۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے راستے میں اخلاص بدوش ایک ذرہ چمکدار ستارہ بن جاتا ہے؛ اس لیے کہ اس راہ میں معیار وسیلے کی ماہیت یا کیفیت نہیں بلکہ معیار نتیجہ، مقصد اور غرض وغایت ہے، اور یہ کہ اس عمل سے اللہ کی رضا حاصل ہو، اور پھر یہ کہ عمل کی بنیاد اخلاص پر ہو۔ اس لیے یہ چھوٹا سا نہیں بلکہ بہت بڑا اور بہت عظیم مسئلہ ہے۔

ساتواں سبب:

اہلِ حق اور اصحابِ حقیقت کے درمیان اختلاف اور مقابلہ بازی غیرت، رشک اور دولتِ دنیا کی حرص کے سبب سے نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا دار اور غفلت شعار لوگوں کے درمیان نظر آنے والا اتفاق ان کی جوان مردی اور عالی ظرفی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ اہلِ حقیقت حقیقت پرستی کے طفیل جن فضائل ومکارم سے سرفراز ہوتے ہیں ان فضائل مکارم کی حفاظت نہیں کر پاتے ہیں؛ اس کی وجہ سے کچھ نااہل اور پست حوصلہ لوگ بھی اس میدان میں آجاتے ہیں، جو کہ راہ حق میں پاکیزہ اور شریفانہ دوڑ میں مستقل مزاج اور ثابت قدم نہیں رہ پاتے ہیں، جس سے وہ ان اچھی عادات وصفات کو بدنام کر دیتے ہیں اور آپس کے حسد کی وجہ سے اختلاف اور ایک دوسرے کی مخالفت کے گڑھے میں جاگرتے ہیں، جس سے وہ نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ امت مسلمہ کو بھی ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کرتے ہیں۔

لیکن اہل غفلت اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگ غیرت، حمیت اور مروّت کے فقدان اور اپنی پستی اور درماندگی کی وجہ سے ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ اتفاق واتحاد کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں، حتی کہ معاشرے کے ذلیل ترین لوگوں کے ساتھ بھی، اس کے پیچھے صرف ایک ہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ کہیں ان دنیاوی فوائد سے محروم نہ رہ جائیں جن کے پیچھے وہ مارے مارے پھر رہے ہیں اور اپنے ان دوستوں اور وڈیروں کو ناراض نہ کر بیٹھیں جن کی وہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے پرستش کی حد تک فرمانبرداری کرتے ہیں۔ اس لیے وہ مطلب برآری کے لیے جس کسی کے ساتھ بھی شراکت کرتے ہیں اس کے ساتھ بدل وجان اتفاق رکھتے ہیں اور اس کے گرد ان فوائد کے حصول کی خاطر اجتماع کی کسی بھی شکل میں جمع رہتے ہیں، اور اس طرح وہ اپنے اس عزم واراداے اور سنجیدہ کوشش کی بدولت مطلوبہ مقاصد حاصل کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

اے اختلاف کی مصیبت میں گرے ہوئے اصحاب حق وحقیقت! تم نے اس کڑے وقت اور نازک دور میں اخلاص کو کھودیا اور اللہ کی رضا کے حصول کو اپنی کوششوں کا مقصد نہیں بنایا، اور یوں تم نے اہل حق کی مغلوبیت کا راستہ ہموار کیا اور انہیں ذلت اور پستی کا کڑوا جام گھونٹ گھونٹ کر کے پلا دیا۔

مت بھولو کہ دین اور آخرت کے معاملات میں کسی قسم کا کوئی حسد، مقابلہ اور غیرت کے نام پر جنگ وجدل وغیرہ کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں بالکل ہی بے معنی ہیں؛ کیونکہ حسد اور مقابلے کی فضا اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک ہی چیز کو حاصل کرنے کے لیے بہت سے ہاتھ آگے بڑھیں، ایک ہی مقام تک پہنچنے کے لیے بہت سی نظریں اٹھیں اور ایک ہی کھانے کو ہضم کرنے کے لیے بہت سے معدے میدان میں آجائیں۔ ایسی فضا میں مناقشہ، مقابلہ بازی اور کھینچا تانی معاملے کو رشک اور حسد تک پہنچا دیتی ہے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا انتہائی تنگ، محدود اور وقتی چیز ہے جو کہ انسان کی لاتعداد خواہشات ومطلوبات کو پورا نہیں کر سکتی، اور پھر یہ کہ ایک ہی چیز کو حاصل کرنے کے لیے بے شمار لوگ دیوانہ وار لپکتے ہیں تو اس کا نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ انسان حسد اور مقابلہ بازی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ جبکہ آخرت کا دامن انتہائی وسیع اور کشادہ ہے، اتنا کہ ہر مومن کے لیے ایسی جنت ہے جو پانچ سو سال کی مسافت جتنی وسیع ہے (حاشیہ:۱) اور ہر مؤمن کے لیے ستر ہزار محل اور حوریں ہوں گیں۔ اس لیے وہاں حسد اور مقابلہ بازی کی فضا بن ہی نہیں سکے گی۔

اس چیز سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آخرت کے لیے کئے جانے والے اعمال میں حسد ورقابت اور باہمی عداوت

(حاشیہ:۱) کسی طرف سے ایک نہایت اہم سوال وارد ہوا، اور وہ یہ کہ: ہماری دنیاوی محدود عقلیں روایت کے مطابق مومن کو عطا کی جانے والی اس جنت کا احاطہ کیسے کر سکتی ہیں جس کی چوڑائی پانچ سو سال کی مسافت جتنی ہوگی؟

الجواب: جس طرح اس دنیا میں ہر آدمی کے لیے ایک وقتی دنیا ہے جو اس کے لیے خاص ہے، اس دنیا کا تانا بانا اس کی اپنی زندگی ہے، جس سے وہ اپنے تمام ظاہری وباطنی حواس سے جتنا چاہے استفادہ کر سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ: یہ سورج میرا چراغ ہے، یہ ستارے میری قندیلیں ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی ملکیت کے بارے میں کائنات کی دوسری ذی روح یا غیر ذی روح مخلوق تنازع کھڑا کر دے، بلکہ اس کے برعکس دوسری تمام مخلوقات اس کی اس خاص دنیا کو آباد کرتی اور اس کی آرائش کرتی ہیں۔ جنت کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ لیکن بڑے فرق کے ساتھ _ اور وہ اس طرح کے ہر مومن کے لیے ایک تو وہ جنت ہوگی جو خاص اسی کی ہوگی اور جس میں اس کے لیے ہزاروں محل اور حوریں ہوں گیں، اور اس کے علاوہ عام جنت سے اسے ایک حصہ اور بھی عطا کیا جائے گا جو پانچ سو سال کی مسافت پر محیط ہوگا، اور جس سے مومن اسی طرح لطف اندوز ہوگا جیسے کہ جنت اور وہاں کی دائمی زندگی کے شایانِ شان ہوگا؛ کیونکہ وہاں ہر مومن کے مرتبے کے مطابق اس کے حواس، شعور اور احساسات میں وسعت اور کشادگی پیدا ہو جائے گی، اس لیے دوسروں کی موجودگی اور ان کی اس کے ساتھ شراکت سے اس کی ملکیت، ناز ونعمت اور لطف اندوزی میں کمی واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ دوسرے لوگ اس کی اس خاص اور عام جنت کو آباد رکھیں گے، اور اس کی تزئین وآرائش میں حصہ لیں گے۔

(جاری)

Marfat.com

کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو حسد کرتا ہے وہ یا تو وہ آدمی ہے جو دین کے لبادے میں دنیاوی اغراض و مقاصد حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہے اور عمل صالح کے پردے میں دنیاوی منفعت کی تلاش میں ہے، اور یا پھر وہ سچا تو ہے لیکن جاہل ہے جو نہ تو اچھے اعمال کی اہمیت اور غرض وغایت سے واقف ہے اور نہ اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ اعمال صالحہ کی بنیاد اور اصل روح ''اخلاص'' ہے۔ بنابریں، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کو محدود سمجھے گا اور اپنے دل کی تہ میں اللہ کے نیک اور سچے بندوں کے ساتھ ایک قسم کی عداوت پال کر حسد اور رقابت کی رَو میں بہ جائے گا۔

میں یہاں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو اس حقیقت کی تائید کرتا ہے: میرے ماضی کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی ایک معین شخص کے بارے میں اپنے دل میں کینہ اور عداوت رکھتا تھا۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں جب اس کے سامنے اس شخص کی تعریف کی گئی اور اس کے بارے میں کہا گیا کہ: ''وہ اچھا آدمی ہے، وہ اللہ کا ولی ہے''، تو ہم نے دیکھا کہ اس بات سے اس سے خار رکھنے والے آدمی نے نہ تو برا منایا اور نہ کسی قسم کی تنگ دلی کا اظہار کیا۔ لیکن جب کسی نے اس کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ: ''وہ بہت بہادر اور طاقتور ہے''، تو ہم نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر حسد اور غیرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ہم نے اس سے کہا: دیکھیں، ولایت اور تقویٰ کا مرتبہ آخرت میں اتنا بڑا ہے کہ کسی بھی دوسری چیز کو اس کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا ہے، چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟! لیکن ہم نے دیکھا کہ ولایت اور تقویٰ و پرہیز گاری کے ذکر پر تمہارے کان پر جوں تک نہیں رینگی، لیکن جب جسمانی قوت اور بہادری کا ذکر آیا تو تم حسد سے لال بھبھوکے ہو گئے؟ حالانکہ یہ جسمانی قوت بیلوں میں بھی پائی جاتی ہے، اور بہادری جنگل کے درندوں میں بھی ہوتی ہے؟! تو اس نے جواب دیا: ''ہم دونوں نے اس دنیا میں ایک خاص مقام کے حصول کو اپنا ہدف مقرر کیا ہوا ہے، اور قوت اور شجاعت ہمارے مقرر کردہ دنیاوی ہدف تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں، اس وجہ سے ان کے ذکر پر مجھے حسد اور رقابت کا احساس ہوا، لیکن آخرت کی منزلوں اور مرتبوں کی چونکہ کوئی حد نہیں ہے، اس لیے آخرت کا معاملہ اس سے علیحدہ ہے؛ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ میرا یہاں کا دشمن وہاں میرا محبوب

(بقیہ گزشتہ صفحہ) جی ہاں، جس طرح ایک انسان اس دنیا میں اپنے منہ، کانوں، آنکھوں اور حواس واذواق اور احساسات سے کسی باغ میں گزارے گئے ایک گھنٹے سے محظوظ ہوتا ہے، یا پورے ایک دن کے سیر سپاٹے سے حظ اٹھاتا ہے، یا پورا ایک مہینہ کسی ملک کی سیر میں گزارتا ہے، یا اپنی زندگی میں پورا ایک سال سیر وسیاحت میں گزارتا ہے، جنت کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اس دائمی اور ابدی دنیا میں چکھنے اور سونگھنے کی قوت پورے ایک سال کی مسافت میں اتنی لطف اندوز ہوگی جتنی اس فانی دنیا میں کسی خوبصورت نظر نواز باغیچے میں ایک گھنٹہ گزار کر ہوتی تھی۔ اور اس خوبصورت دائمی مملکت میں سننے اور دیکھنے والے حواس اس کنارے سے لے کر اس کنارے تک پانچ سو سال کی سیر وتفریح میں ایسا لطف اٹھائیں گے جو اس کی ابدیت کے مطابق ہوگا، اور وہ اتنا ہوگا جتنا کہ انسان اس فانی دنیا میں ایک سال کی سیر وسیاحت سے اٹھاتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ وہاں پر مومن کے شعور میں روشنی اور حواس میں وسعت آ جائے گی۔ اور یہ ہوگا اس کے دنیا میں کیے ہوئے اعمال اور اس کی نیکیوں کی نوعیت کے حساب سے، چنانچہ وہ اپنے ان جذبات واحساسات اور حواس کے ساتھ جنت میں وہ حظ اٹھائے گا جو اس کی ابدیت اور ہمیشگی کے عین مطابق ہوگا۔ مؤلف۔

Marfat.com

اور عزیز دوست بن جائے''۔

اس لیے اے اصحابِ حقیقت وطریقت! حق کی خدمت کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، بلکہ یہ چیز ایک بہت بڑے خزانے کو اٹھانے اور اس کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری کے مشابہ ہے، اس لیے وہ لوگ جو اس خزانے کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں وہ اس وقت بہت خوشی اور فرحت محسوس کرتے ہیں، جب کچھ طاقتور لوگوں کے ہاتھ ان کے تعاون اور مدد کے لیے آگے بڑھتے ہیں، ایسے میں فرض یہ بنتا ہے کہ ان آگے بڑھنے والوں کا استقبال خالص محبت کے ساتھ کیا جائے، اور ان کے دستِ تعاون کو اپنی ذات سے بڑھ کر اہمیت دی جائے اور ان کی آو بھگت اسی اعزاز کے ساتھ کی جائے جو ان کے شایانِ شان ہے؛ کیونکہ یہ لوگ حقیقی بھائی، صحیح معاون اور سچے جان نثار ہیں۔ اگر فرض کا حتمی تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا جائے تو پھر ان کی طرف حسد کی نظر سے بھی کیوں دیکھا جائے؛ چہ جائیکہ ان کے ساتھ مقابلہ بازی اور غیرت کی فضا پیدا کی جائے، جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ اخلاص میں بگاڑ آ جائے اور تمہارے اعمال وعزائم اور مقاصد گمراہ لوگوں کے الزامات کی زد میں آ جائیں!؟ ایسا ہوا تو وہ لوگ تمہیں تمہارے مقام ومرتبہ سے انتہائی کم اور تمہارے عقیدے اور مسلک سے انتہائی گھٹیا مرتبے کے کھاتے میں ڈال دیں گے، اور تمہیں ان لوگوں کے ساتھ ملا دیں گے جو دین کے عوض میں دنیا کماتے ہیں، اور ''حقیقت'' کے علم کے پردے میں عیش اڑاتے ہیں۔ اور لوگوں کو تمہارے بارے میں باور کرائیں گے کہ یہ لوگ دنیا کے حریص ہیں اور دنیاوی ساز وسامان کی حرص میں ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ مقابلہ ہیں وغیرہ اور اس قسم کے دیگر گھٹیا اور ظالم قسم کے الزامات تمہارے سر تھوپ دیں گے۔

اس مرض کا واحد علاج یہ ہے کہ انسان دوسروں پر الزام دھرنے کی بجائے اپنے آپ کو قصور وار ٹھہرائے۔ اور اس راہ حق اور اس دستورِ انصاف سے سرِ مو انحراف نہ کرے جو ماہرین فن وآدابِ مناظرہ نے پسند کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی معین مناظرے میں یہ چاہے کہ حق صرف اسی کی زبان سے ظاہر ہو کسی اور کی زبان سے نہیں، اور اسے اس بات سے خوشی اور اطمینان محسوس ہو کہ اس کا مدِّ مقابل غلط اور برسرِ باطل ہے، تو یہ آدمی ظالم ہے، انصاف پرست نہیں۔ اس سے مزید نقصان یہ لازم آتا ہے کہ حق بات اگر اس کی زبان سے ظاہر ہو جائے تو اس کے نتیجے میں صرف یہی نہیں کہ اس نے کوئی نئی بات نہیں سیکھی بلکہ وہ الٹا نقصان بھی اٹھاتا ہے؛ کیونکہ حق بات اس کی زبان سے ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ اس مناظرے سے کوئی نئی چیز نہیں سیکھتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ کوئی نئی چیز نہیں سیکھتا ہے بلکہ بسا اوقات اسے یہ چیز غرور اور گھمنڈ میں مبتلا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ مزید نقصان اٹھاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر حق بات اس کے مدِّ مقابل کی زبان سے ظاہر ہو جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ یہ چیز اس میں غرور کی کیفیت بھی پیدا نہیں کرے گی، اور مزید یہ کہ اس کے علم میں ایک نئی چیز کا اضافہ ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک حق طلب منصف مزاج

Marfat.com

آدمی حق کی خاطر کسرِ نفسی سے کام لیتا ہے، اور جب حق اسے مدِ مقابل کے پاس نظر آ جائے تو وہ خوشی اور اطمینان سے سرشار ہو جاتا ہے۔

اگر اہلِ دین، اہلِ علم، اصحابِ حقیقت اور اصحابِ طریقت اس عظیم دستور کو اپنی عملی زندگی کے لیے رہنما بنا لیں تو وہ اللہ کے حکم سے اخلاص جیسی نعمت سے شادکام ہو جائیں گے۔ اپنے اخروی اعمال میں سرخرو ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم سے اس موجودہ مصیبت سے نجات پا جائیں گے جو انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

(سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ)

Marfat.com

اِخلاص

یہ لمعہ ''سترہویں لمعے'' میں ذکر کی گئی ''سترہ یاددہانیوں'' کے تحت ذکر کیے گئے ''سات مسائل'' کا ''چوتھا مسئلہ'' تھی، لیکن بعد میں یہ اپنے موضوع ''اخلاص'' کی مناسبت سے ''بیسویں لمعے'' کا ''دوسرا نکتہ'' بن گئی۔ پھر اس کی نورانیت کی وجہ سے اسے ''اکیسویں لمعے'' کا درجہ دے کر ''لمعات'' نامی کتاب کی زینت بنا دیا گیا۔

نوٹ: یہ لمعہ کم از کم ہر پندرہ دن میں ایک دفعہ لازمی پڑھا جائے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ (حاشیہ:۲)

ایک اور جگہ پر فرمایا: ﴿قَد أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَد خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ (حاشیہ:۳)

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَا تَشتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ (حاشیہ:۴)

میرے اخروی بھائیو اور خادم القرآن دوستو! یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ جیسا کہ آپ جانتے بھی ہیں۔ کہ اس دنیا کے اعمال اور خاص کر آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والے اعمال میں ''اخلاص'' ایک اہم بنیاد، عظیم قوت، امید افزا سفارشی، مضبوط مرکز، حقیقت تک پہنچانے والا قریب ترین راستہ، نیک ترین روحانی دعا، حصولِ مقاصد کا معزز ترین وسیلہ، بلند ترین خصلت اور پاکیزہ ترین عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔

تو جب ''اخلاص'' میں روشنی بکھیرنے والی کرنیں، مضبوط قوتیں اور ان مذکورہ اوصاف جیسے بلند پایہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اور جب احسانِ الٰہی نے ہمارے کاندھوں پر یہ مقدس مہم، بھاری اور جلیل القدر عمومی خدمت یعنی ایمان اور خدمت قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہوئی ہے۔ اور ادھر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ایک طرف تو انتہائی قلت، ضعف اور فقر سے دوچار ہیں اور دوسری طرف ہمیں بدترین دشمنوں اور کڑے مصائب کا سامنا ہے، اور پھر اس مشکل دور میں ہم طرح طرح کی بدعتوں اور گمراہیوں کے گھیرے میں ہیں جو ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ جب حالات کچھ اس طرح کے ہیں تو ایسے حالات میں ہمارے لیے ایک ہی جائے پناہ ہے، اور وہ یہ کہ ہم اپنی تمام کوشش، تگ و دو اور طاقت صرف کر کے اخلاص جیسی نعمت سے بہرہ ور ہو جائیں؛ کیونکہ ہم اسے اپنانے اور اختیار کرنے کے لیے مجبور ہیں، بلکہ اس چیز کے بہت

(حاشیہ:۱) الانفال:۴۶ (حاشیہ:۲) البقرۃ:۲۳۸

(حاشیہ:۳) الشمس:۹،۱۰ (حاشیہ:۴) البقرۃ:۴۱

Marfat.com

زیادہ مکلّف ہیں کہ یہ صفت اپنے اندر پیدا کریں۔ اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی ذات میں اخلاص کی جڑیں مضبوط کریں؛ کیونکہ اگر ہم اپنی ذات میں اخلاص پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے تو اب تک اس مقدس خدمت کی صورت میں ہم نے جو کچھ کمایا ہے اس کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا اور اس خدمت میں تسلسل باقی نہیں رہے گا۔ اور پھر اس باب میں ہمارا کڑا محاسبہ ہوگا اور ہم ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جنہیں اس ارشاد باری تعالیٰ میں منع کیا گیا ہے اور انہیں سخت قسم کی دھمکی دی گئی ہے: ﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِـآيَـاتِـي ثَمَنًـا قَلِيلًا﴾؛ کیونکہ ہمارے اخلاص میں خلل آ گیا ہوگا، اور اس طرح پست، حقیر، قابل نفرت، نقصان دہ، ناصاف اور بے فائدہ دنیاوی طمع ولالچ کی غرض سے اخلاص کو خیر باد کہہ کر ہم ابدی سعادت مندی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں گے۔ اس کے پیچھے ہمارے پست جذبات اور معمولی شخصی منافع کا لالچ کارفرما ہوگا، مثال کے طور پر خود پسندی اور ریاکاری وغیرہ، اور یوں ہم اس راہ میں اپنے بھائیوں کے حقوق پامال کرنے والے اور قرآنی خدمت کے اس منہج پر زیادتی کرنے والے بن جائیں گے، اور ہمارا شمار اُن لوگوں میں ہوگا جو ایمانی حقائق کے تقدس اور ان کی عظمت کی کماحقہ قدر نہ کر کے بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یاد رکھو میرے بھائیو! بھلائی کے اہم کاموں اور اصلاح کے عظیم راستوں کے آگے بڑی بڑی اور نقصان دہ رکاوٹیں اور دشوار گزار گھاٹیاں آتی ہیں، شیطان اس مقدس دعوت کے حاملین خدمتگزاروں کے مقابلے میں میدان میں کود پڑتے ہیں، اور پوری کوشش سے ان خدام القرآن کے لیے سدِ راہ بنتے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ان رکاوٹوں کو عبور کرنے اور ان شیطانوں کا راستہ روکنے کے لیے پورے اطمینان کے ساتھ اخلاص کا دامن پکڑ لیں۔ اس لیے میرے بھائیو! اخلاص کو عیب لگانے والے اور اس میں رخنہ ڈالنے والے تمام اسباب سے ایسے بچو جیسے تم زہریلے بچھوؤں اور سانپوں سے بچتے ہو۔ نفسِ امّارہ پر نہ اعتماد کیا جا سکتا ہے نہ وثوق، جیسے کہ قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے وارد ہوا ہے: ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾ (حاشیہ:۱)

اس لیے کبھی بھی انانیت، غرور اور نفسِ امّارہ کے دھوکے میں نہ آنا۔ اور اخلاص جیسی نعمت کو حاصل کرنے، حصول کے بعد اس کی حفاظت اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے ذیل میں پیش کیے جانے والے چند دستوروں کو اپنا راہنما بنالو۔

تمہارا پہلا دستور:

تمہارے عمل سے مطلوب ومقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا تو پھر پوری دنیا کی بے رخی کی کوئی قیمت رہے گی نہ اہمیت۔ اگر تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگیا تو تمام عالم کا ردّ وانکار بے اثر رہے گا،

(حاشیہ:۱) یوسف:۵۳

Marfat.com

اور اگر اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر عمل قبول کر لیا اور پھر اس نے چاہا اور اس کی حکمت کا تقاضا ہوا تو تمہاری ایسی طلب نہ ہونے کے باوجود بھی لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر دے گا کہ وہ تمہارے عمل کو پسند کریں گے، اس پر رضا مندی کا اظہار کریں گے اور اسے قبول بھی کریں گے۔ اس لیے خدمتِ ایمان وقرآن کی اس راہ میں بنیادی مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا حصول ہونا چاہیے، دگر ہیچ۔

تمہارا دوسرا دستور:

اپنے خادم القرآن بھائیوں پر نہ تو تنقید کرنا اور نہ ہی ایک دوسرے پر فخر وغرور اور بلند مرتبی کے احساس پر مبنی رشک ورقابت کے رجحانات کو ہوا دینا ہے؛ کیونکہ جس طرح انسان کے جسم میں دو ہاتھوں کے درمیان کوئی حسد نہیں ہوتا، ایک آنکھ دوسری آنکھ پر تنقید نہیں کرتی، زبان کان پر اعتراض نہیں کرتا، دل روح کی عیب جوئی نہیں کرتا، بلکہ ان میں سے ہر عضو دوسرے عضو میں پائی جانے والی کمی کو پورا کرتا ہے، اس کی کوتاہی پر پردہ ڈالتا ہے، اس کی ضرورت پوری کرنے کی تگ ودو کرتا ہے، اور اس کی خدمت بجالانے میں اس کی معاونت کرتا ہے، کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس جسم کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا، روح اسے الوداع کہہ جاتی اور جسم سوکھے پتوں کی طرح بکھر بکھر جاتا۔

اور جس طرح ایک فیکٹری میں پہیوں اور دندانوں کے درمیان کسی قسم کا حسد نہیں ہوتا ہے، وہاں کوئی بھی پرزہ دوسرے سے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ اس پر حکم چلاتا ہے، نہ ان میں سے کوئی پرزہ دوسرے پرزے پر تنقید کر کے، اس کے احساسات مجروح کر کے، اس کے عیوب کے درپے ہو کر اور اُس کی کمیوں کوتاہیوں کی ٹوہ میں رہ کر اس کے کام میں تعطل پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور نہ اس طرح کی حوصلہ شکنی کر کے اسے سعی وطلب سے روکتا ہے، بلکہ ہر پرزہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ دوسرے کا تعاون کرتا ہے تاکہ ان پہیوں اور دندانوں کی حرکات رواں دواں رہیں اور اس طرح وہ مقصد پورا ہو جائے جس کے لیے ان پہیوں کو حرکت میں لایا گیا ہے، اسی طرح یہ تمام پرزے آپس کے مکمل اعتماد اور اتحادِ تام کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں جس کے لیے انہیں بنایا گیا ہے۔ اور اس طرح اگر ان میں سے کوئی بھی چیز ذرہ برابر بھی دخل اندازی یا زبردستی کرے تو فیکٹری کے نظام میں خلل آجائے گا، اس کا تانا بانا بکھر جائے گا اور اس کا مالک بالآخر اس کے تمام پرزوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر اسے بنیاد ہی سے ختم کر دے گا۔

اسی طرح ہم بھی اے طلابِ رسائل نور اور اے خدام القرآن دوستو! ہم بھی ایک معنوی شخصیت کے جسم میں اعضاء واجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ معنوی شخصیت جو اس قابل ہے کہ اسے ''انسانِ کامل'' کہا جائے۔ اور ہم تمام اس فیکٹری کے پہیوں اور دندانوں کی طرح ہیں، وہ فیکٹری جو دائمی زندگی میں ابدی سعادت کا کپڑا تیار کرتی ہے۔ ہم اس ربانی کشتی کے مزدور اور خدمتگار ہیں جو امتِ محمدیہ کو امن وسلامتی کے ساحل یعنی جنت کی طرف لیے جا رہی ہے۔

Marfat.com

بنابریں! اخلاص کے راز کو پا کر اتحاد اور مکمل باہمی اعتماد سے بہرہ ور ہونا ہماری ضرورت بلکہ مجبوری ہے جو چار افراد سے جنم لینے والی قوت کو ایک ہزار ایک سو گیارہ (۱۱۱۱) کے برابر معنوی قوت فراہم کر دیتا ہے۔ جی ہاں، اگر تین ''الف'' اکٹھے نہ ہوں تو ان کی قیمت صرف ''تین'' ہی رہتی ہے، لیکن جب یہ تین باہم متحد ہو جائیں تو نمبروں کے راز (mystery of numbers) کی رو سے یہ ایک سو گیارہ (۱۱۱) کی قیمت حاصل کر لیں گے۔ چار کے ہندسے کا بھی یہی حال ہے، یعنی اگر چار کے ہندسے کو چار دفعہ علیحدہ علیحدہ لکھا جائے تو ان کا مجموعہ سولہ (۱۶) ہوگا، لیکن جب یہ چاروں اخوت اور یک جہتی اور یک ہدفی کے راز کو پالیں گے اور ایک سطر میں اکٹھے ہو جائیں گے، تو ان کی قیمت چار ہزار چار سو چوالیس (۴۴۴۴) ہو جائے گی۔ ایسے تاریخی واقعات وشواہد موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ اخوت، اتحاد اور ایثار سے سرشار اخلاص کے راز سے آشنا صرف سولہ (۱۶) اشخاص کی معنوی قوت اور قیمت چار ہزار افراد سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

اس راز میں حکمت یہ کارفرما ہے کہ دس افراد جب باہم متحد اور متفق ہوں تو ان میں سے ہر فرد اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی آنکھوں سے دیکھ سکے اور ان کے کانوں سے سن سکے۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر فرد کی روحانی قوت و قیمت ایسی ہوتی ہے کہ گویا وہ بیس آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، دس عقلوں کے ساتھ غور و فکر کر رہا ہے، بیس کانوں کے ساتھ سن رہا ہے اور بیس ہاتھوں سے کام کر رہا ہے۔ (حاشیہ:۱)

تمہارا تیسرا دستور:

یاد رکھو کہ تمہاری ساری طاقت اخلاص اور حق میں ہے۔

جی ہاں! حق اور اخلاص قوت کا سرچشمہ ہے، حتی کہ اہل باطل بھی اپنے باطل میں جب اخلاص اور عزم صمیم کا مظاہرہ کرتے ہیں تو قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ جی ہاں! ایمان اور قرآن کی راہ میں ہماری خدمت خود اس بات کی دلیل ہے کہ

(حاشیہ:۱) جی ہاں، جس طرح یہ حقیقت ہے کہ مکمل اتحاد اور باہمی اعتماد جس کا تار و پود ''اخلاص'' ہو، ایسا اتحاد لامتناہی منافع اور فوائد کا محور بن جاتا ہے۔ اس طرح یہ اتحاد بہت سے خطرات ومخاوف حتی کہ موت کے سامنے بھی ایک بہت بڑی ڈھال اور مضبوط سہارا بن جاتا ہے؛ کیونکہ موت تو صرف ایک ہی روح قبض کرتی ہے، لیکن جو شخص آخرت کے متعلقہ امور اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی راہ میں خالص بھائی چارے کے راز کو سمجھتا ہوا اپنے بھائیوں کے ساتھ جڑ چکا ہو، وہ اتنی ہی روحوں کا حامل ہوتا ہے جتنے اس کے بھائی ہوں۔ یوں وہ موت کا استقبال خندہ پیشانی سے یہ کہتے ہوئے کرتا ہے: ''میری دوسری روحیں سلامت رہیں؛ خیر و عافیت سے رہیں، کیونکہ وہ میرے لیے ثواب کما کر میری روحانی زندگی کو باقی رکھیں گی، اس لیے میں مروں گا نہیں''۔ بنابریں، وہ پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ روح قبض کرواتا ہے، اس طرح کہ وہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہوتا ہے: ''میں ان روحوں کے طفیل ثواب کی حیثیت سے زندہ رہوں گا، موت مجھے صرف گناہ اور معصیت کی حیثیت سے آئے گی''، یعنی موت سے تو صرف میرے گناہ ہی مریں گے۔ (مؤلف)

Marfat.com

قوت کا راز حق اور اخلاص میں ہے۔ خدمت کی اس راہ میں تھوڑا سا اخلاص بھی ہمارے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ایک بہت بڑی دلیل ہوگی؛ کیونکہ دین اور علوم شریعت کی راہ میں جو کام ہم نے اپنے شہر (حاشیہ:۱) اور استانبول میں بیس سالوں سے زائد عرصے میں کیا ہے، یہاں (حاشیہ:۲) تمہارے جلو میں اس سے سوگنا زیادہ کام آٹھ سالوں میں کیا ہے۔ یہ بات بھی معلوم رہے کہ وہ لوگ جو وہاں میرے معاون تھے ان کی تعداد یہاں پائے جانے والے معاونین سے سو بلکہ ہزار گنا زیادہ تھی۔ باوجود اس کے کہ میں یہاں اکیلا ہوں اجنبی اور گویا کہ آدھا ان پڑھ ہوں (حاشیہ:۳)، پھر بے انصاف افسروں کی نگرانی، کڑے پہرے اور ان کی طرف سے اذیت اور ایذا رسانی کا شکار ہوں؛ ان سب کے باوجود ہماری یہاں خدمت نے صرف آٹھ سال کی مدت میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اتنی روحانی قوت سے بہرہ ور کر دیا ہے کہ جس سے ہم پہلے سے سوگنا زیادہ توفیق اور کامیابی سے ہمکنار ہو گئے ہیں، اس چیز کے پیش نظر میرا سینہ اس یقین سے معمور ہو چکا ہے کہ یہ توفیقِ الٰہی جس سے ہم نہال ہو رہے ہیں صرف تم بھائیوں کے غیر متزلزل اخلاص کی بدولت ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ تم لوگوں نے اپنے مکمل اخلاص کے ذریعے مجھے کسی حد تک ریاکاری سے بچائے رکھا ہے، ریاکاری جو کہ ایک جان لیوا بیماری ہے اور نام نمود کے پردے میں نفس انسانی کو بہلائے پھسلائے رکھتی ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تم سب کو اخلاصِ کامل جیسی دولت سے بہرہ یاب رکھے اور یہ کہ تم مجھے بھی اس میں اپنے ساتھ کیے رکھو۔

تم جانتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرّہٗ تمہاری طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور اپنی معجزانہ کرامات کے ذریعے تم پر لطف وکرم، اہتمام اور تسلی وتشفی کی نظر کر چکے ہیں اور معنوی طور پر تمہاری خدمت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس بارے میں تمہیں ہرگز کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ یہ توجہ، التفات اور تسلی صرف تمہارے اخلاص کی وجہ سے ہے، اس لیے اگر تم نے اس اخلاص میں جان بوجھ کر کوئی خرابی پیدا کی تو تم ان کے طمانچوں کے مستحق ہو جاؤ گے۔ ''دسویں لمعے'' میں جو ''رأفت ورحمت کے طمانچے'' بیان کیے گئے ہیں انہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہ دونوں فاضل شخصیتیں تمہاری روحانی معاون رہیں تو پھر اس اخلاص کو بدل وجان اپنا لو جو اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ﴾ (الحشر:۹)

مطلب یہ ہے کہ مراتب، مناصب، عزت حتی کہ من کو خوش باش کر دینے والے مادی فوائد میں بھی اپنے بھائیوں کو اپنی ذات پر مقدم رکھو۔ بلکہ ان فوائد اور منافع میں ان کو اپنی ذات پر مقدم رکھو جو بالکل خالص اور پاکیزہ ہیں، مثال کے طور

(حاشیہ:۱) اس سے مراد ''وان'' شہر ہے جو ترکی کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ (مترجم)۔

(حاشیہ:۲) اس سے مراد ''بارلا'' گاؤں ہے۔ (مترجم)۔

(حاشیہ:۳) اس سے مراد یہ ہے کہ مؤلف کی لکھائی اچھی نہ تھی۔ (مترجم)۔

Marfat.com

پر دوسروں کو ایمان کے حقائق کی تعلیم دینا وغیرہ۔ پس حتی الامکان اس خواہش سے بچو کہ ایسے اچھے کام صرف تمہارے ہی ہاتھوں سرانجام پائیں، بلکہ دوسروں کے ہاتھوں تکمیل پاتے دیکھ کر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا کرو تاکہ تم میں خود بینی اور خود پسندی کا جذبہ پروان نہ چڑھنے پائے۔

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ تم میں سے کسی کے پیش نظر صرف یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اکیلا ہی سارا ثواب اور کامیابی اپنی جھولی میں ڈال لے، اور اس ضمن میں وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ ایمان کا کوئی اہم مسئلہ بذات خود اکیلا ہی بیان کرتا رہے۔ باوجود اس کے کہ ایسا کرنے میں نہ کوئی گناہ ہے نہ نقصان، لیکن اتنا ضرور ہے ایسی روش سے تمہارے درمیان اخلاص میں خلل آ سکتا ہے۔

تمہارا چوتھا دستور:

اپنے بھائیوں کی خوبیوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فخر کرنا اور ان خوبیوں کے بارے میں یہ تصور رکھنا کہ وہ تمہاری ہی ہیں اور تمہی میں پائی جاتی ہیں۔

اہلِ تصوف کے مابین **"فنافی الشیخ"** اور **"فنا فی الرسول"** کی اصطلاحات پائی جاتی ہیں، میں صوفی نہیں ہوں لیکن ان کے یہ دستور ہمارے مسلک میں **"فنا فی الأخوان"** کی صورت میں ایک خوبصورت دستور ہے۔ بھائیوں کے درمیان اسے ''تفانی'' کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک دوسرے میں فنا ہو جانا، مطلب یہ کہ اپنے جذبات و احساسات کو بُھلا کر فکری طور پر اپنے بھائیوں کی خوبیوں اور احساسات و جذبات کے تحت زندگی بسر کرنا؛ کیونکہ ہمارے مسلک کی بنیاد ہی ''اخوت'' ہے۔ ہمارا آپس کا تعلق باپ بیٹے یا پیر مرید والا نہیں ہے بلکہ حقیقی بھائی چارے والا تعلق ہے۔ لیکن اگر آپ کسی ایسے رشتے کے اظہار کو ضروری خیال کرتے ہیں تو پھر صرف استادی شاگردی کا تعلق کہہ سکتے ہیں۔ ہمارا مسلک چونکہ **"خـلـیـلـیّـت"** یعنی دلی دوستی ہے، اس لیے ہمارا صوفی مشرب بھی ''دلی دوستی'' ہی ہے۔ اور دلی دوستی سچے اور قربانی دینے والے دوست اور سب سے زیادہ داد دینے والے ساتھی بھائی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اس دلی دوستی کی اوّلیں اساس ''سنجیدہ اخلاص'' ہے۔ پس تم میں سے جو اس میں کمی کرے گا وہ دوستی کے بلند مینار سے گر جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے وہ کسی گہری کھائی میں جا گرے؛ کیونکہ درمیان میں اٹکنے کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔

جی ہاں! راستے دو ہی نظر آ رہے۔ ہمارا راستہ جو کہ قرآن کریم کا عظیم راستہ ہے۔ جو ہمیں اس راہ میں چھوڑ کر ہم سے علیحدہ ہو گیا، وہ ہو سکتا ہے لاشعوری طور پر ہمارے دشمن، لادینیت والحادی قوتوں کا تعاون کرے۔ پس جو لوگ ''رسائل نور'' کی وساطت سے قرآن کریم کی مقدس خدمت کے میدان میں داخل ہو گئے ہیں وہ نور، اخلاص اور ایمان کو قوت دیں گے اور انشاء اللہ اس جیسے گڑھے میں نہیں گریں گے۔

Marfat.com

پس اے میرے خادم القرآن دوستو!

اخلاص کے حصول اور اُس کی حفاظت ونگہداشت کا ایک مؤثر ترین سبب ''رابطۃُ الموت'' ہے۔

جی ہاں اِس طرح وہ چیز جو اخلاص کا ستیاناس کرتی اور لوگوں کو دنیاداری اور ریاکاری کی راہ پر ڈالتی ہے، وہ چیز طولِ اَمل ہے۔ اور وہ چیز جو ریاکاری سے نفرت دلاتی اور اخلاص سے بہرہ ور کرتی ہے، وہ ہے ''رابطۃُ الموت''۔

اور وہ اِس طرح ہے کہ انسان اپنی موت کا تصور کرے اور دنیا کے فنا و زوال کا منظر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے۔ یوں وہ نفس کی دسیسہ کاریوں سے خلاصی پا جائے گا۔

جی ہاں، اہلِ طریقت اور اصحابِ حقیقت نے قرآنِ کریم کی آیات میں سے فرمانِ گرامی: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران:۱۸۵) اور ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (الزمر:۳۰) سے جو درس لیا ہے اُس کی بنا پر اُنہوں نے ''رابطۃُ الموت'' کے اِس تصور کو اپنے سلوک میں بنیادی حیثیت دے رکھی ہے۔ اور اِس طرح انہوں نے اس رابطے کے ذریعے ابدیت کے توہم کو ظاہر کر دیا جو کہ طولِ امل کا سرچشمہ ہے۔

اِسی طرح وہ فرضی اور خیالی طور پر اس بات کا تصور کرتے ہیں کہ وہ مر گئے ہیں اور فرض کر لیتے ہیں کہ اُنہیں غسل دیا جا رہا ہے اور قبروں میں اُتارا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ اِس طریقے سے سوچتے رہتے ہیں تا آنکہ نفسِ امارہ اِس تخیّل اور تصور سے متاثر ہو جاتا ہے اور یوں وہ اپنی لمبی چوڑی اُمیدوں سے کسی حد تک کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

اس رابطے کے فائدے بہت زیادہ ہیں۔ یہ ایک حدیث میں ہے

''أكثروا ذكر هاذم اللذات'' (حاشیہ:۱)

''لذتوں کا قلع قمع کر کے انہیں تلخ بنا دینے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو''۔

مطلب یہ کہ اُس موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرو جو لذّتوں کو منہدم کر دیتی ہے اور اُنہیں تلخ بنا دیتی ہے۔

یہ رابطہ اِسی انداز سے سمجھا تا ہے۔

ہمارا مسلک چونکہ صوفیانہ طریقِ کار کی بجائے علمی حقائق کی روشنی میں چلنا ہے اس لیے ہم اپنے آپ کو براہِ راست اس فرضی یا خیالی ''رابطہ'' یا ''مراقبہ'' کے لیے مجبور نہیں سمجھتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ طریقِ کار ''منہجِ حقیقت'' کے ساتھ میل نہیں کھاتا ہے؛ کیونکہ عاقبت کے بارے میں فکر و نظر کا مطلب خیالی طور پر مستقبل کو حاضر میں کھینچ کر لے آنا نہیں، بلکہ اس کا

(حاشیہ:۱) اكثروا ذكر هاذم اللذات یعنی الموت: مسند احمد اور ترمذی، ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ نسائی نے اسے ابوسلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ دار قطنی نے پیچیدگی کی وجہ سے اسے معلول قرار دیا ہے۔ دیکھیں: ''تمییز الطیب لابن الدیبغ الشیبانی'' (مترجم)۔

Marfat.com

مطلب فکری طور پر حاضر سے مستقبل کی طرف جانا اور حاضر موجود کے درمیان سے مستقبل کا ایسے مشاہدہ کرنا ہے جیسے کہ وہ حقیقت میں ہے۔ بنابریں، یہاں نہ تو خیال کی ضرورت ہے اور نہ یہ لازم ہے کہ صرف فرض کرلیا جائے، کیونکہ انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ اپنے اس جنازے کا مشاہدہ کرلے جو کہ اس کی چھوٹی سی عمر کے درخت پر لٹکا ہوا ایک پھل ہے، اور جب وہ اپنی نظر کو تھوڑا سا ادھر اُدھر دوڑائے گا تو اسے صرف اپنی ہی موت نظر نہیں آئے گی بلکہ اسے نظر آئے گا کہ اس کا دور مر رہا ہے، اور اگر نظر کو تھوڑا سا مزید آگے تک دوڑائے گا تو تمام دنیا کی موت اور تباہی و بربادی کا مشاہدہ کرلے گا۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں اس کے سامنے ''پورے اخلاص'' کا راستہ کھل جاتا ہے۔

دوسرا ذریعہ:

کسبِ اخلاص کا دوسرا بڑا ذریعہ یہ ہے کہ انسان تحقیقی ایمان اور مصنوعات میں اُس ایمانی تفکر کی بدولت وارد ہونے والے لمعات کے ذریعے ایک طرح کی حضوری کا اکتساب کرلے جو بالآخر صانع تک پہنچا دیتی ہے۔ اور خالق الرحیم کو حاضر و ناظر تصور کرے اور اُس کے ماسوا کی توجہ طلب نہ کرے اور اس بات میں غور و فکر کرے کہ اُس کی حضوری میں اُس کے غیر کی طرف دیکھنا اور اُس سے مدد طلب کرنا اِس حضوری کے ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس طریقے سے وہ ریاکاری سے نجات پا جاتا ہے اور اخلاص کی نعمت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی اپنے درجے کے حساب سے اس سے جو فائدہ اُٹھائے گا وہ نفع ہی نفع ہوگا۔

رسائلِ نور میں ایسے بہت سے حقائق ذکر کیے گئے ہیں جو اخلاص کی نعمت سے مالا مال کر دیتے ہیں اور ریاکاری سے بچاتے ہیں، اس لیے ہم اُس کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اُس مقام پر اختصار سے کام لے کر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہاں ہم اختصار کے ساتھ اُن بہت سے اسباب میں سے دو یا تین سببوں کا ذکر کریں گے جو اخلاص کو توڑتے ہیں اور انسان کو ریاکاری کے راستے پر کھینچ لاتے ہیں۔

اخلاص کی راہ میں پہلی رکاوٹ:

مادی فوائد سے جنم لینے والا حسد ہے۔ یہ حسد بتدریج اخلاص کا ستیاناس کر دیتا ہے بلکہ خدمت کے نتائج کو بھی بری طرح متاثر کرتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان مادی فوائد سے بھی محروم کر دیتا ہے جو اس کا سبب بنتے ہیں۔

جی ہاں! اس اُمت نے ہمیشہ اُن لوگوں کی قدر اور توقیر کی ہے جنہوں نے حقیقت اور آخرت کے لیے پوری سنجیدگی اور جانفشانی سے کام کیا ہے، اور ان کے لیے عملی طور پر دستِ تعاون دراز کیا ہے، چنانچہ انہوں نے ایسے لوگوں کی صدقات و تحائف جیسے مادی منافع جات کے ساتھ اُن کی بھرپور اعانت کی اور اُن کا احترام کیا ہے تاکہ اُن کا وقت ضائع نہ ہو۔ البتہ

Marfat.com

اس ضمن میں یہ چیز ہمیشہ پیش نظر رہے کہ عوام کی طرف سے کیے جانے والے یہ مختلف قسم کے تعاون اور منافع کسی بھی صورت ان سے طلب نہ کیے جائیں، بلکہ ان کی طرف سے عطا ہو جائیں، یہاں تک کہ زبانِ حال سے بھی طلب نہ کیے جائیں، یعنی یہ کہ ایسی حالت بھی اختیار نہ کی جائے کہ جیسے دل میں اس کا انتظار ہو، بلکہ اس طرح سے مل جائیں کہ سان گمان میں بھی نہ ہو، وگرنہ انسان کا اخلاص خلل پذیر ہو کر درہم برہم ہو جائے گا اور قریب ہے کہ وہ قرآن کریم میں وارد اس نہیِ الٰہی کی زد میں آجائے:

﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ اور اس طرح اس کے اعمال کا معتد بہ حصہ اکارت جائے۔

پس دنیاوی منافع پر فریفتہ ہو کر رہ جانے والے نفس امارہ کے زیر اثر ان مادی فوائد میں رغبت رکھنا اور ان کے انتظار میں رہنا حسد والی رگ کو ابھارتا ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے بھائی اور خدمتِ ایمانی کی راہ میں اپنے مخلص ساتھی کے ساتھ برسرِ نزاع رہتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اخلاص کو بگاڑ لیتا ہے اور دعوت اِلی اللہ کے تقدس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اور ایسے طور طریقے پر چل نکلتا ہے جو اہلِ حقیقت کو اس سے متنفر کر دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس طرح وہ مادی فوائد سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ بہر کیف یہ آٹا بہت سا پانی جذب کر لیتا ہے۔ اب میں اس راز کا ذکر کروں گا جو اخلاص میں اضافہ کرے گا اور میرے سچے بھائیوں کے درمیان سچی ہم آہنگی کو دوام بخشے گا۔ اس راز کو میں دو مثالوں کے ساتھ واضح کروں گا۔

اخلاص کو دوام دینے والی پہلی مثال:

اہلِ دنیا نے بلکہ بعض اہلِ سیاست اور انسانی معاشرے کی بعض معاشرتی تنظیموں اور ان جیسے دیگر اہم عوامل میں وافر دولت اور شدید قوت کے حصول کے لیے ''اشتراکِ اموال'' کے قاعدے کو اپنا رہنما بنایا ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے اِس قاعدے کے تمام نقصان دہ پہلوؤں کے ہوتے ہوئے اور اس کا غلط استعمال کرنے کے باوجود اس سے غیر معمولی قوت اور فائدہ حاصل کیا ہے۔ حالانکہ اشتراک کی وجہ سے اموال کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آجاتی لیکن اس کے نقصانات تو بہر کیف وہی رہتے ہیں؛ کیونکہ اُن میں سے ہر کوئی ایک جہت سے نگرانی کے معاملے میں اگرچہ تمام مال کا مالک ہوتا ہے لیکن وہ اکیلا اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا ہے۔ بہر کیف ''اشتراکِ اموال'' کا قائدہ جب آخرت کے اعمال میں داخل ہو گا تو یہ بغیر کسی برائی اور نقصان کے جلیل القدر منافع اور فوائد کا محور بن جائے گا؛ کیونکہ اس اخروی دولت میں راز یہ پایا جاتا ہے کہ اس میں جتنے بھی لوگ شریک ہیں یہ بغیر کسی کمی بیشی اور حصے بخرے کے سب کے حصے میں برابر آتی ہے، یعنی ہر شخص اس کا علیحدہ طور پر بھی مالک ہوتا ہے اور تمام لوگ اکٹھے بھی۔

اس مثال کو ہم یوں سمجھ سکتے ہیں:

Marfat.com

تیل سے جلنے والی لالٹین کو روشن کرنے کے لیے چار یا پانچ آدمیوں نے باہم شراکت کی، ایک کی ذمہ داری یہ لگی کہ وہ تیل لائے، دوسرے کے ذمے بتی، تیسرے کے ذمے شیشہ لگا، چوتھے کی ذمہ داری یہ لگی کہ وہ لالٹین لائے اور پانچویں کی یہ کہ وہ دیا سلائی مہیا کرے۔ پھر جب انہوں نے لالٹین روشن کرلی تو ان میں سے ہر فرد اس مکمل لالٹین کا مالک تھا۔ اس وقت ان شراکت کاروں کے پاس اگر دیوار پر لٹکا ہوا بڑا سا آئینہ ہوتا کمرے میں موجود دوسرے ساز وسامان کے ساتھ ساتھ بغیر کسی کمی کوتاہی کے اور بغیر تقسیم ہوئے مکمل لالٹین اس آئینے میں منعکس ہو جائے گی۔

اخروی امور کے بارے میں اخلاص کے راز کو پا کر اشتراک عمل، باہمی اعتماد کے راز کو سمجھ کر بھائی چارے اور اتفاق و اتحاد کے راز کا ادراک کر کے انفرادی کوششوں کو یکجا کرنے کی مثال بھی ایسے ہی ہے، کیونکہ اس طرح تمام حصہ دار اور حصہ داروں کے تمام اعمال اور ان اعمال سے پیدا ہونے والا تمام نور ہر فرد کے اعمال نامے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اہل حقیقت کے ہاں یہ معاملہ ایک ثابت شدہ حقیقت اور امر واقعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور اس کے بے پایاں کرم کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اس لیے میرے بھائیو!

مجھے یہ تو امید ہے کہ مادی منافع تمہیں انشاء اللہ آپس کے حسد میں مبتلا نہیں کر سکیں گے، ہاں اس بات کا خدشہ البتہ ہے کہ تم کہیں اخروی منافع سے دھوکہ نہ کھا جاؤ جیسے کہ اہلِ طریقت نے کھایا ہے۔ لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ مذکورہ مثال میں ذکر کیا گیا وہ عظیم ثواب جو اعمال میں اشتراک کے افق سے ابھرا ہے، اس کے سامنے یہ شخصی اور جزوی ثواب کیا اہمیت رکھتا ہے؟ اور اس درخشاں نور کے سامنے اس جزوی نور کی کیا حیثیت ہے؟

اخلاص کے دوام کے لیے دوسری مثال:

اہل صنعت وحرفت ''صنعت اور مہارت میں اشتراک'' کے اصول پر عمل پیرا ہو کر وافر پیداوار اور بہت زیادہ دولت و ثروت حاصل کرتے ہیں، اسے مثال سے سمجھو:

کپڑے سینے کی سوئیاں بنانے والے دس ہنر مندوں نے انفرادی طور پر سوئیاں بنانے کا کام کیا تو نتیجے کے طور پر پورے دن میں ہر شخص نے صرف تین تین سوئیاں تیار کیں۔ پھر ان لوگوں نے ''مشترکہ کوشش اور تقسیم کار'' کے قاعدے کے مطابق اکٹھے ہو کر کام کیا، ایک ان میں سے لوہا لایا، دوسرے نے آگ کا انتظام کیا، تیسرے نے ان میں سوراخ نکالنے کی ذمہ داری لی، چوتھے نے انہیں آگ میں تپانے کا کام سنبھالا، اور پانچویں نے ان کی نوکیں باریک کیں، اور یوں، ہر ایک نے اپنے حصے کا کام بغیر وقت ضائع کیے سرعت کے ساتھ انجام دے دیا؛ کیونکہ اوّل تو یہ جزوی اور سادہ سا کام تھا، اور دوسرے یہ کہ اسے اپنے حصے کے اس کام میں دسترس اور مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ پھر جب انہوں نے اپنی کوششوں

Marfat.com

سے حاصل ہونے والی پیداوار کو تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصے میں یومیہ تین سوئیوں کی بجائے تین سو سوئیاں آئیں۔ اس کے بعد یہ واقعہ ''مشترکہ کوشش اور تقسیمِ عمل'' کے قاعدے پر عمل کرنے والوں کے لیے ایک گیت کا روپ دھار گیا جسے وہ اشتراکی عمل میں ہمت افزائی کے لیے گنگناتے رہتے ہیں۔

پس اے میرے بھائیو! نتائج جب اُمورِ دنیا میں اور کثیف مواد میں اتحاد و اتفاق جیسے ان عظیمُ الشان فوائد کا باعث بنتے ہیں تو پھر تمہیں اِس بات کا اندازہ خود لگا لینا چاہیے کہ اخروی نورانی اُمور میں اجزاء میں بٹنے اور تقسیم ہونے کی ضرورت کے بغیر ہر ایک کا ہر ایک کے ثواب جیسے ثواب کا مالک بن جانا اور اُس کا اللہ کے فضل سے ہر ایک کے آئینے میں عمومی طور پر منعکس ہو جانا کتنا عظیمُ الشان نفع ہے! یہ عظیمُ الشان نفع حسد اور ترکِ اخلاص کی وجہ سے ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

اخلاص کی راہ میں دوسری رکاوٹ:

جو کہ اخلاص کا ستیاناس کر دیتی ہے یہ ہے کہ انسان حبِ جاہ سے جنم لینے والی حبِ شہرت کے باعث اُبھرنے والے عز و شرف کے پردے میں اپنی ذات کو ضرورت سے زیادہ نگاہ میں رکھنے اور عامۃُ الناس کی توجہ کا مرکز بننے کی وجہ سے نفسِ امارہ کو کوئی بہت بڑا مقام دے دے۔ اور یہ چیز جہاں ایک اہم خطرناک رُوحانی بیماری ہے وہاں یہ خود پسندی اور ریا کاری کا دروازہ بھی کھولتی ہے جسے شرکِ خفی کہا جاتا ہے اور جو اخلاص کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔

میرے بھائیو! جب بات یہ ہے کہ خدمت قرآن کے سلسلے میں ہمارے مسلک کی بنیاد حقیقت اور اخوت پر ہے، اور یہ کہ اخوت کا راز یہ ہے کہ فرد اپنی شخصیت اپنے بھائیوں کی شخصیت میں فنا کر دے (حاشیہ:۱) اور انہیں اپنی ذات پر ترجیح دے، تو پھر حبِ جاہ سے جنم لینے والے اس طرح کے حسد کو ہم پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ یہ کلی طور پر ہمارے مسلک کے خلاف ہے، اور جب تک ہم تمام بھائیوں کی عزت و تکریم جماعت کے ہر فرد کی طرف لوٹتی ہے، اس وقت تک اس جزوی شہرت، حسد اور انانیت سے جنم لینے والی شخصی عزت کی خاطر اس اعلیٰ مرتبے، بلند قدری، اور جماعت کے بلند روحانی عز و شرف کو قربان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میں اس بھروسے اور امید سے بھرپور ہوں کہ یہ چیز ''طلابِ نور'' سے بہت دور ہے۔

جی ہاں، شاگردانِ رسائلِ نور کے قلوب و عقول و ارواح ایسے گھٹیا، نقصان دہ اور پست اُمور میں مبتلا نہیں ہوتے۔ لیکن دقت یہ ہے کہ نفسِ امارہ ہر آدمی میں موجود ہے جو کہ اسے برائی پر اکساتا رہتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں میں کچھ نفسیاتی امور اور میلانات ابھر کر اعصاب کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور عقل و قلب و روح کے علی الرغم من مانے احکام جاری کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن ان اثرات پر اعتماد کرتے ہوئے جو ''رسائلِ نور'' نے تم پر چھوڑے ہیں، میں تمہاری

(حاشیہ:۱) جی ہاں، بے شک سعادت مند شخص وہ ہے جو اپنی شخصیت کو بیچ دے اور اپنی انانیت کو۔ جو کہ برف کے ایک ٹکڑے کی طرح ہے۔ قرآن کریم کے حوضِ کوثر سے مترشح ہونے والے عظیم لذت بھرے حوض میں پگھلا دے، تاکہ وہ اس حوض سے بہرہ ور ہو سکے۔ مؤلف۔

Marfat.com

عقلوں، دلوں اور روحوں کے بارے میں بدگماں نہیں ہوسکتا ہوں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نفس، ہوائے نفس، حس اور وہم چونکہ کبھی انسان کو دھوکہ دے دیتے ہیں، اس لیے تمھیں بیدار اور خبردار رکھنے میں کبھی شدت اور سختی سے کام لیا جاتا ہے، لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ اس شدت کا نشانہ نفس، ہوائے نفس، حس اور وہم ہوتے ہیں، اس لیے ہمیشہ چوکنے رہا کرو۔

ہاں، اگر ہمارا مسلک کوئی صوفیانہ طریقت اور مشیخت ہوتا تو پھر ایک ہی مقام ہوتا، یا اگر زیادہ مقامات ہوتے تو محدود ہوتے، اور اس مقام کے لیے بہت سے امیدوار ہوتے، تب یہ ممکن تھا کہ دلوں میں انانیت اور رشک کی لہر پیدا ہوجائے، لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اور ہمارا مسلک صرف ''اخوت'' ہے، اس لیے کوئی بھائی دوسرے بھائی کا والد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے لیے پیر و مرشد کے بھیس میں سامنے آتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ اخوت اور بھائی چارے کا میدان بہت کشادہ اور وسیع ہے، اتنا وسیع کہ اس میں کسی قسم کی کھینچا تانی یا رشک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اور یہ دعویٰ کہ وہ مسالک و مذاہب جن میں والد، مرشد، یا استاد کے مقام پر فائز ہوجانے کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، ان مسالک و مذاہب میں ثواب کے لالچ اور بلند ہمتی کے حصول کی خواہش کی وجہ سے حسد اور مقابلہ بازی کی فضا پیدا ہوجاتی ہے جس کے نتائج بہت برے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس بات کی سب سے بڑی دلیل وہ جھگڑے اور اختلافات ہیں جو صوفیانہ سلسلوں کے مابین برپا ہیں، علی الرغم اس کے کہ ان لوگوں کے کمالات و فضائل کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور ان جھگڑوں کے ایسے خطرناک نتائج برآمد ہوئے ہیں کہ اب ان لوگوں کی بلند ہمتیاں بھی بدعتوں کی آندھیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں۔

اخلاص کی راہ میں تیسری رکاوٹ:

اخلاص کی راہ میں تیسری رکاوٹ خوف اور لالچ ہے۔ اس کی تفصیلات کی آگاہی کے لیے ہم اس مضمون کے مطالعے کی سفارش کرتے ہیں جو ہم نے ''ہجمات ستہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ (حاشیہ:۱)

وہاں ہم نے دوسری رکاوٹوں کے ساتھ اس رکاوٹ کے بارے میں بھی کافی وضاحت سے لکھا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے تمام اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اخلاص کامل سے مزین ہوجائیں۔

اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ سُوْرَۃِ الْاِخْلَاصِ اِجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ الْمُخْلِصِیْنَ الْمُخْلَصِیْنَ۔ آمین ۔۔۔ آمین

(سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ)

(حاشیہ:۱) یہ مکتوب نمبر 29 کی چھٹی قسم ہے، جس میں قرآن کے طالب علموں کو شیطان کی چھ قسم کی دسیسہ کاریوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ مترجم

Marfat.com

اپنے بعض بھائیوں کے لیے ایک خاص پیغام

میں اپنے اُن بھائیوں کے لیے دو حدیثوں کی روشنی میں ایک اہم نکتے کی وضاحت کر رہا ہوں، جو عبادت کے تین مہینوں میں رسائل کی کتابت سے اُکتا جاتے ہیں اور دیگر اَوراد و اذکار کو رسائلِ نور کی اُس کتابت پر ترجیح دیتے ہیں جسے پانچ پہلوؤں سے عبادت شمار کیا جاسکتا ہے۔ (حاشیہ:۱)

پہلی حدیث: "یوزن مدادُ العلماء بدماء الشهداء" (حاشیہ:۲)

أو کما قال ۔ مطلب یہ ہے کہ علمائے حقیقت جو روشنائی صرف کرتے ہیں، اُسے شہداء کے خون سے تولا جائے گا، اور حشر میں اس روشنائی کی قیمت وہی ہوگی جو شہداء کے خون کی ہوگی۔

دوسری حدیث: "من تمسك بسنتي عند فساد أُمتي فله أجر مائة شهيد" أو کما قال ۔ مطلب یہ ہے کہ: جس نے اُس دَور میں سنت شریفہ اور قرآنی حقیقت کو مضبوطی سے پکڑا اور اُن پر عمل کیا جس دور میں بدعات کا غلبہ اور ضلالات کا دَور دورہ ہوگا، وہ سو شہیدوں کا ثواب پائے گا۔

اے میرے کسلمندی کی وجہ سے تھک جانے والے بھائیو! اور صوفیانہ مشارب رکھنے والے بھائیو! یہ دونوں حدیثیں مجموعی طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ: وہ خالص بابرکت قلم جو اِس دور میں ایمان کے حقائق، شریعت کے اسرار اور سنت شریفہ کی خدمت کر رہے ہیں، اُن قلموں سے بہنے والی وہ سیاہی جو کہ آبِ حیات یا سیاہ روشنی کا حکم رکھتی ہے، اُس سیاہی کا ایک درہم ممکن ہے تمہیں روزِ محشر اتنا نفع دے دے جو شہداء کے خون کے برابر ہو! اس لیے اسے حاصل کرنے کی تگ و دو کرو۔

اگر تم کہو کہ: حدیث میں تو ''عالِم'' کا لفظ وارد ہوا ہے، اور ہم میں سے بعض لوگ تو صرف کاتب ہی ہیں؟

(حاشیہ:۱) اِس قیمتی پیغام میں ہمارے استاد نے عبادت کی جن پانچ قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے ہم نے اُن سے اُن کے بارے میں پوچھا تھا، اُن کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

1۔ اہلِ ضلالت کے مقابلے میں معنوی مجاہدہ کرنا جو کہ اہم ترین مجاہدہ ہے۔
2۔ اپنے استاد کی خدمت اور حقیقت کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں اُن کا تعاون کرنا۔
3۔ ایمان کی رُو سے تمام مسلمانوں کی خدمت کرنا۔
4۔ قلم کے ذریعے علم سیکھنا۔
5۔ ایک تفکری عبادت کرنا جس کی ایک گھڑی کبھی ایک سال کی عبادت کے برابر ہو سکتی ہے۔

(حاشیہ:۲) رُشدی، خسرو، رأفت

Marfat.com

الجواب: جو آدمی ان رسائل اوران دروس کو صرف ایک سال سمجھ سوچ کر اور بدل و جان قبول کر کے پڑھے گا، ممکن ہے وہ اِس دور میں حقیقت کا علم رکھنے والا ایک بہت بڑا عالم بن جائے! لیکن اگر سمجھ نہ بھی سکے، اور صرف پڑھتا ہی رہے تو پھر بھی وہ طلاّبِ نور کی ایک معنوی شخصیت کا حامل ہوگا، بلا شک وہ معنوی شخصیت اس دور کا ایک عظیم الشان عالم ہوگی۔ اور تمہارے یہ قلم اس معنوی شخصیت کی انگلیاں ہیں۔ اور آپ لوگ چونکہ اس فقیر کے ساتھ ایک مضبوط بندھن کے ساتھ بندھ چکے ہیں اور اسے اپنے حسنِ ظن کے ساتھ تدریس واتباع کی جہت سے ایک عالم کے درجے پر فائز کر چکے ہیں: حالانکہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا ہوں، اور میں چونکہ اَن پڑھ آدمی ہوں اور میرا خط بھی اچھا نہیں ہے، اس لیے آپ کے یہ قلم میرے قلم شمار ہوں گے؛ اور اس بنا پر آپ لوگ حدیث شریف میں بیان کیے گئے اجر و ثواب سے ہمکنار ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

Marfat.com

بائیسواں لمعہ

باسمہ سبحانہ

یہ ایک چھوٹا سا انتہائی خصوصی، مخفی اور پرائیویٹ رسالہ جو کہ میں نے آج سے بائیس برس پہلے اس وقت لکھا تھا جبکہ میں ''سپارٹا'' نامی ریاست کی ایک بستی ''بارلا'' میں رہائش پذیر تھا۔اور یہ رسالہ میرے مخلص ترین، خاص ترین اور قریب ترین بھائیوں کے لیے خاص تھا،لیکن اس کا تعلق چونکہ ''سپارٹا'' کے باسیوں اور وہاں کے حکومتی ارکان کے ساتھ بھی ہے، اِس لیے میں اسے سپارٹا کے عدل پرور گورنر، وہاں کی عدلیہ، اور پولیس کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔اور اگر مناسب سمجھا جائے تو نئے حروف کے ساتھ ٹائپ رائٹر کے ذریعے کچھ نسخے لکھ دیے جائیں تا کہ وہ لوگ جو گزشتہ پچیس تیس سال سے گھات میں بیٹھے ہیں اور میری نجی زندگی کے راز جاننا چاہتے ہیں، انہیں معلوم ہو جائے کہ ہماری زندگی میں کوئی بھی مخفی راز قطعاً نہیں ہے، اور یہ کہ ہمارا مخفی ترین راز یہ رسالہ ہے۔

اس میں تین اشارات ہیں: یہ اشارات دراصل سترہویں لمعے کی پندرہویں یاددہانی کا تیسرا مسئلہ تھا،لیکن سوالات کی قوّت اور ہمہ جہتی اور جوابات کی قوّت اور درخشانی کی وجہ سے یہ سوالات لمعات کے ساتھ مخلوط ہو گئے: اور یوں اکتیسویں مکتوب کے بجائے بائیسواں لمعہ بن گئے۔اس لیے ''لمعات'' کو چاہیے کہ وہ اس لمعے کے لیے اپنے درمیان جگہ بنا دیں۔

اور یہ لمعہ ہمارے خاص الخاص، مخلص ترین اور صادق ترین بھائیوں کے لیے ایک خاص پیغام ہے۔

سعید نورسی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ یہاں تک لکھا تھا کہ بہت سخت بیمار ہو گیا۔

یہ مسئلہ تین اشاروں پر مشتمل ہے۔

پہلا اشارہ:

ایک اہم سوال جس کا تعلق میری ذات اور رسالۂ نور کے ساتھ ہے۔بہت سے لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ: اہلِ دنیا جب بھی فرصت پاتے ہیں، آپ کی آخرت کے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں؛ حالانکہ آپ اُن کی دنیا کے ساتھ کوئی میل ملاپ نہیں رکھتے اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ کسی بھی حکومت کا کوئی بھی قانون تارکِ دنیا اور گوشہ نشیں

Marfat.com

لوگوں کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتا ہے؟

الجواب: نئے سعید کا جواب اس سوال پر صرف خاموشی ہے، اور وہ کہتا ہے کہ: اس کا جواب میری طرف سے تقدیرِ الٰہی کو دینا چاہیے بایں ہمہ یہ جدید سعید قدیم سعید سے اُس کی عقل پرستی کو مستعار لے کر اُس کی روشنی میں کہتا ہے: اس سوال کا جواب اسپارٹا صوبے کی حکومت اور اس کے باسی دیں گے، کیونکہ یہ حکومت اور یہ باشندے اُس معنی و مفہوم کے ساتھ مجھ سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں جو اس سوال میں پایا جاتا ہے۔

جب ہزاروں افراد پر مشتمل ایک حکومت اور لاکھوں نفوس پر مشتمل آبادی میری بجائے میرے بارے میں سوچنے اور میرا دفاع کرنے پر مجبور ہے، تو پھر میں خواہ مخواہ اپنا دفاع کیوں کروں اور بات چیت کرنے کے لیے اِن مدعیوں کے سامنے کیوں آؤں؟

مجھے اس صوبے میں رہتے ہوئے نو سال ہو گئے، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں اُن کی دنیا سے منہ پھیرتا جا رہا ہوں، اور میری کوئی بھی حالت ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہی ہے۔ اور میرے خاص الخاص اور مخفی ترین رسائل و مضامین حکومت اور ارکانِ اسمبلی کے ہاتھ میں ہیں، بنا بریں، اگر میری کسی بھی حرکت سے اُمورِ دنیا میں دخل اندازی کا شائبہ ہوتا، یا کوئی ایسا عزم و ارادہ سامنے آتا جس سے ان اہلِ دنیا کو کوئی خوف خطرہ لاحق ہو سکتا ہو یا ان کی دنیاوی سرگرمیوں میں خلل کا باعث بن سکتا ہو تو یہاں کی حکومت اور اس کی عدالتیں میرے بارے میں کبھی خاموش نہ رہتیں اور مجھ پر ہاتھ ضرور ڈالتیں، کیونکہ حکومت ان نو سالوں میں میرے بارے میں انتہائی محتاط رہی ہے اور میری کڑی نگرانی کر رہی ہے، اور میری حالت یہ ہے کہ میں اپنے ہر ملنے والے کے سامنے بغیر کسی احتیاط کے اپنے سینے کے راز کھول کر رکھ دیتا ہوں۔

بنا بریں، اگر میں کسی ایسی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہوں جو قوم کی سعادت اور وطنِ عزیز کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کے ذمہ دار گذشتہ نو سال سے پولیس چوکی کے نگران سے لے کر حکمران تک سب لوگ ہیں، پس میرے دفاع کے ذمہ دار یہ لوگ ہیں اور یہی لوگ اُن لوگوں کے مقابلے میں بتنگڑ کو بات بنائیں گے جو میرے بارے میں بات کو بتنگڑ بنا دیتے ہیں، تاکہ خود کو ذمہ داری کے بوجھ سے محفوظ کر سکیں۔ اِسی بنا پر میں اس سوال کی ذمہ داری اُن پر ڈال رہا ہوں۔

رہی یہ بات کہ اس صوبے کی عوام عمومی طور پر میرا دفاع کرنے کے خود مجھ سے زیادہ ذمہ دار کیوں ہیں تو اِس کی وجہ یہ ہے کہ:

ان نو سالوں میں ہم نے سینکڑوں رسائل کے ذریعے تگ و دو کی ہے اور ان رسائل نے اس مُبارک برادر دوست قوم میں، اُن کی ابدی زندگی میں اور ان کی قوتِ ایمانی اور سعادتِ زندگانی کے لیے مادی اور عملی طور پر اپنی بھرپور تاثیر چھوڑی ہے، اور ان رسائل کی وجہ سے کسی کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ کسی کی طرف سے قطعاً کسی خلل یا قلق و اضطراب کا

Marfat.com

مظاہرہ ہوا ہے اور اِن سے ایسی کوئی حرکت بھی مشاہدے میں نہیں آئی ہے جس سے کسی دنیاوی یا سیاسی غرض و غایت کی بُو آتی ہو۔ اور اسپارٹا کے اس صوبے نے ۔ بحمد اللہ ۔ ان رسائل کی وساطت سے ایمانی قوت اور دینی مضبوطی کی حیثیت سے ایک بابرکت مقام حاصل کرلیا ہے، بالکل اُس بابرکت مقام کی طرح جو قدیم دور میں شام شریف کے شہر کو حاصل رہا ہے، اور اس برکت کی طرح جو عالمِ اسلام میں جامعۂ ازہر جیسے عمومی یونیورسٹی کو حاصل ہے۔

چنانچہ اس علاقے میں ایمان کی قوّت بے دینی کے رجحانات پر حاکم ہے، اور عبادت کا ذوق و شوق بُری عادات و اطوار پر غالب آ گیا ہے، اور رسائل نور کے طفیل یہ ریاست دوسری ریاستوں پر دینی امتیاز حاصل کر گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اس صوبے کی تمام عوام ۔ حتیٰ کہ اگرچہ ان میں بالفرض کوئی ملحد بھی ہو ۔ میرا اور رسائلِ نور کا دفاع کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

اور یوں میرا ایک جزوی ساحق جس کی کوئی قیمت نہیں، اِن لوگوں کے اس اہمیت کے حامل دفاعی حقوق کے ضمن میں مجھے اپنے دفاع کے لیے مجبور نہیں کرتا، اور خاص کر ان حالات میں کہ جب میرے جیسا عاجز آدمی اپنی خدمات سرانجام دے چکا ہو اور ہزاروں طالب علم اس کی طرف سے مصروفِ تگ و دَو ہوں وہ اپنے دعوے کا دفاع بذاتِ خود نہیں کرے گا۔

دُوسرا اشارہ:

ایک تنقیدی سوال کا جواب ہے اہلِ دنیا کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ:

تم ہم سے ناراض کیوں ہو، تم نے کبھی ہمیں درخواست بھی نہیں دی اور بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ اور تم ہمیں شدید شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہو کہ: ''تُم مجھ پر ظلم کرتے ہو''۔ حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے کچھ خصوصی قوانین و دساتیر ہیں جو ہم نے عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر وضع کیے ہیں اور آپ ان قوانین کو اپنے آپ پر نافذ نہیں کرتے ہیں۔ اب قانون نافذ کرنے والا ظالم نہیں ہوگا، جبکہ اِسے قبول نہ کرنے والا نافرمان ہوگا۔

مثال کے طور پر ہمارے اِس دورِ حریّت اور عہدِ جمہوریت میں جس کا ہم نے اِنہی دنوں میں آغاز کیا ہے ۔ ایک اہم دستور یہ ہے کہ مساوات جیسے بنیادی قانون کو سامنے رکھ کر لوگوں پر جبر و اِکراہ اور غلبہ و تسلط روا نہ رکھا جائے اور یہ نظریہ ہمارے ہاں ایک بنیادی قانون کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ آپ کبھی عالمِ دین کی حیثیت سے، کبھی شیخ کی صورت میں اور کبھی عابد و زاہد کے رُوپ میں لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں اور یُوں حکومت کے اثر و نفوذ سے باہر رہ کر کوئی اجتماعی قوّت اور مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کے ان ظاہری حالات اور سابقہ زندگی کے واقعات سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

یہ انداز ۔ جدید تعبیر کے مطابق ۔ مستبد برجوازی طبقے کی حکومت میں تو ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے، لیکن عوام کی بیداری اور

Marfat.com

غلبے سے جو اشترا کی بالشویکی قوانین لاگو ہو چکے ہیں، وہ ہمارے حالات و معاملات کے ساتھ دوسرے کسی بھی قانون کے مقابلے میں زیادہ میل کھاتے ہیں، اس لیے ہم نے ان قوانین کو قبول کر لیا ہے جبکہ تمہارے یہ طور و اطوار ہم پر گراں گزرتے ہیں اور ہمارے نظام کے خلاف جاتے ہیں۔ اس بنا پر ہماری طرف سے اگر تم پر کوئی سختی روا رکھی جاتی ہے تو تم کو شکوہ و شکایت کا یا ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

الجواب:

جس شخص نے انسانی معاشرے کی اجتماعی زندگی میں کوئی راستہ کھولا، اور اگر وہ کائنات میں جاری و ساری قانونِ فطرت کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو، تو وہ فلاح و بہبود کے کاموں میں توفیق سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی تمام تر تگ و دو شرّ و فساد کی راہ میں لگ جاتی ہے۔

کسی بھی عمل کی کامیابی کے لیے اُس کا قانونِ فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چونکہ بہت ضروری ہے، اس لیے اس مطلق مساوات کا یہ قانون صرف اُسی صورت میں نافذ ہو سکتا ہے جب انسان کی فطرت کو تبدیل کر دیا جائے اور نوعِ بشر کی تخلیق میں جو بنیادی حکمت پائی جاتی ہے اسے بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔

جی ہاں، میں بھی نسبی طور پر اور زندگانی کی گزر بسر کے لحاظ سے عوام کے طبقے کے ساتھ تعلق رکھتا ہوں اور میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو حقوق کے بارے میں فکری اور مشرب کے طور پر قانونِ مساوات کو پسند کرتے ہیں، اور میں سنِ تمیز سے ہی ان لوگوں میں سے ہوں جو اسلام سے جنم لینے عدل و انصاف اور شفقت و رحمت کے تقاضے کے تحت بر جوازی نامی طبقۂ خواص کے غلبہ و تحکّم اور ظلم و استبداد کی مخالفت میں پیش پیش رہے ہیں۔

بنا بریں، میں اپنی تمام تر قوّت کے ساتھ مکمل عدل و انصاف کا حامی اور ظلم و تغلّب اور استبداد و تحکّم کا مخالف ہوں۔

البتہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی فطرت اور اس میں پائی جانے والی حکمت اس ''مُطلَق مساوات'' کے قانون کے خلاف ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ فاطرِ حکیم جس طرح اپنی کمالِ قدرت اور حکمت کے اظہار کے لیے ایک تھوڑی سی چیز سے بہت سے محصولات حاصل کرتا ہے، ایک صفحے سے بہت سی کتابیں نقل کرتا ہے اور ایک چیز کے ساتھ بہت سے وظائف ادا کرتا ہے، اسی طرح وہ نوعِ بشر کے ساتھ ہزاروں اقسام کے وظائف ادا کرتا ہے۔

اِسی عظیم الشان حکمت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے جو ہزاروں قسم کے ثمرات دیتی ہے۔ اور دیگر حیوانات کی طرح اُس نے انسان کی قوّتوں پر اور اُس کے لطائف و حواس و مشاعر کی کوئی حد بندی نہیں کی ہے بلکہ انہیں مطلق اور آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اور اسے ایسی استعداد عطا کر دی ہے جو لامحدود مقامات میں جولانیاں کرتی ہے۔ اسی بنا پر وہ نوعِ واحد ہونے کے باوجود ہزاروں قسم کی انواع و اقسام کا حکم لے لیتا ہے۔

Marfat.com

اسی بنا پر خلیفۂ ارض، نتیجۂ کائنات اور سلطانِ ذی حیات بن گیا ہے۔ اور یوں نوعِ انساں کے انواع واقسام میں بٹ جانے کا خمیر اور اس کی مشین کا اہم ترین پُرزہ حقیقی ایمان والی فضیلت ہے جو کہ مسابقت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اور فضیلت کو ختم کر دینے کی صرف ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ کہ بشری ماہیت کو تبدیل کر دیا جائے، عقل کا چراغ بجھا دیا جائے، دل کو مار دیا جائے اور رُوح کو مٹا دیا جائے۔

جی ہاں! یہ کامل کلام: ''نہ ممکن ظلم ایلہ، بیداد ایلہ، اِمحائے حریّت۔ چالش اوراکی قالدر، مقتدرسک، آدمیّتدن'' (حاشیہ:۱) اس قابل تھا کہ حرّیت کے پردے میں ہولناک قسم کے استبداد کے حامل اِس غدّار زمانے کے منہ پر مارا جاتا، لیکن غلطی سے اِسے ایک ایسے آدمی کے منہ کے سامنے اُچھال دیا گیا ہے جو اس طمانچے کا مستحق نہیں تھا۔ چنانچہ میں اِس دور کے منہ پر مارنے کے لیے اِس قول کے بجائے کہتا ہوں: ''نہ ممکن ظلم ایلہ، بیداد ایلہ اِمحائے حقیقت۔ چالش قلبی قالدر، مقتدرسک آدمیّتدن'' (حاشیہ:۲) اگر صاحبِ اقتدار ہے تو آدمیت دِل سے محروم کر دیے۔ یا یہ کہ: ''نہ ممکن ظلم ایلہ، بیداد ایلہ اِمحائے فضیلت۔ چالش وجدانی قالدر، مقتدرسک، آدمیّتدن'' (حاشیہ:۳)

جی ہاں، ایمان کے رنگ میں رنگی ہوئی فضیلت جس طرح جبر و اِکراہ کا وسیلہ نہیں ہوتی، اسی طرح استبداد کا سبب بھی نہیں ہوتی؛ کیونکہ جبر و اکراہ اور دوسروں پر زبردستی غلبہ وتسلّط قائم کرنا کوئی فضیلت نہیں۔ بلکہ اہل فضیلت کا تو اہم مشرب ہی یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں عجز وفقر وتواضع کے ساتھ گھل مل کر رہا جائے۔ الحمد للہ کہ ہماری زندگی اسی مشرب کے مطابق گزری ہے اور اسی کے مطابق گزر رہی ہے۔ میں فخر کے ساتھ اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں کسی فضیلت کا مالک ہوں، بلکہ میں تحدیثِ نعمت اور شکر گزاری کی نیت سے کہتا ہوں کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم کے ساتھ مجھ پر احسان کیا ہے اور مجھے ایمان وقرآن کے علوم کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی فضیلت سے نوازا ہے۔ اور میں نے _ بحمد اللہ _ اللہ کے اس احسان کو مسلمان اُمت کی سعادت مندی اور نفع بخشی کے لیے صرف کیا ہے۔ اور میری یہ سوچ فکر کبھی بھی تحکّم وتغلّب کا وسیلہ نہیں رہی ہے۔ پھر ایک بڑے اہم راز کی بنا پر میں لوگوں کی توجہ سے اور ان کے میرے اردگرد جمع ہونے سے نفرت کرتا ہوں، اِن چیزوں کو اہلِ غفلت لوگ تلاش کرتے ہیں اور میں ان سے دور بھاگتا ہوں اور انہیں اپنے لیے نقصان دہ سمجھتا ہوں؛ کیونکہ ان دو چیزوں نے میری زندگی کے بیس سال ضائع کر دیے ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ میں ان چیزوں کو اس بات کی علامت سمجھتا ہوں کہ لوگوں میں رسائل نور مقبول ہو رہے ہیں، اِس لیے میں ان سے ناراض نہیں ہوتا ہوں۔

اے اہلِ دنیا!

(حاشیہ:۱) ظلم و بیدادگری سے حرّیت کو مٹانا ممکن نہیں۔ اگر تُو صاحبِ اقتدار ہے تو آدمیّت کو ادراک سے محروم کر دے۔

(حاشیہ:۲) ظلم و بیدادگری سے حقیقت کو مٹانا ممکن نہیں۔

(حاشیہ:۳) ظلم و بیدادگری سے فضیلت کو مٹانا ممکن نہیں۔ اگر تُو صاحبِ اقتدار ہے تو آدمیت کو وجدان سے محروم کر دے۔ مترجم۔

Marfat.com

یہ جو تم ہمہ وقت میری گھات میں رہتے ہو، اور مجھے ہمیشہ اس طرح سے دباؤ میں رکھتے ہو کہ جیسے میں کوئی ایسا انسان ہوں جو قدیم سے غلبہ وتسلط حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں اور دل میں تحکّم واستبداد کی آرزو رکھے ہوئے کسی موقع کی تاک میں ہوں! یہ سب کچھ میرے ساتھ کس قانون اور کس مصلحت کے تحت ہو رہا ہے؟ دنیا کی کوئی بھی حکومت ماورائے قانون ایسے معاملات کی اجازت نہیں دیتی جو کسی کو پسند نہ ہوں۔ حالانکہ میں تمہاری دنیا کے ساتھ قطعی طور پر اختلاط نہیں رکھتا ہوں، اور کسی بھی جہت سے تمہارے ان نظاموں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ اور نہ ہی میں نئے سرے سے تمہاری اس دنیا کو پانے کی نیت رکھتا ہوں اور اس پر سب سے بڑی دلیل میرے سابقہ نو سال ہیں جو میں نے قید وبند میں گزارے ہیں۔

پس میرے ساتھ جو اس طرح کے بُرے سلوک روا رکھے جا رہے ہیں ان سے صرف میں ہی ناخوش نہیں ہوں بلکہ تمام نوعِ بشر ان سے ناخوش ہے۔ بلکہ اگر ادراک ہو سکے تو_ تمام کائنات ناخوش ونالاں ہے_

تیسرا اِشارہ:

ایک احمقانہ سوال جو کہ مغالطے پر مشتمل ہے:

اہلِ حکم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں:

آپ جب اس وطن میں ہیں تو پھر آپ گوشہ نشینی کے پردے میں خود کو ان قوانین سے کیوں بچاتے ہیں۔

مثال کے طور پر: آپ حکومت کی ذمہ داری سے باہر رہ کر ایک خاص امتیاز اور فضیلت زیب تن کر کے عوام پر حکم چلاتے ہیں اور ان پر اپنا اثر ونفوذ لاگو کرتے ہیں۔ پس یہ چیز موجودہ حکومت میں جمہوریت کے دساتیر میں سے ایک ایسے دستور کے منافی ہے جو کہ آپ اپنے ہاتھ چومنے کی اجازت کیوں دیتے ہیں فخریہ سا انداز کیوں اختیار کیے رکھتے ہیں، اور یہ کیوں کہتے ہیں کہ: لوگوں کو میری بات سننا چاہیے، حالانکہ آپ حکومت کے ملازم نہیں ہیں؟

الجواب: جو لوگ قانون کو نافذ کرتے ہیں اُن کے لیے اِسے دوسروں پر نافذ کرنا اُسی وقت ممکن ہوگا جب وہ اسے پہلے اپنے آپ پر نافذ کریں گے اور تم اپنے اس دستور اور قانون کو اپنے آپ پر لاگو کرنے سے پہلے دوسروں پر لاگو کر کے خود اسے توڑتے اور اس کی مخالفت کرتے ہو۔ چنانچہ تُم اپنے اس مطلق مساوات کے قانون کو مجھ پر تو لاگو کرنا چاہتے ہو لیکن خود اس سے دامن بچاتے ہو اور اپنے آپ پر لاگو نہیں کرتے ہو۔

میں کہتا ہوں: معاشرے میں کوئی سپاہی جب فیلڈ مارشل کے مرتبے پر پہنچ جائے اور اسے بھی لوگوں کی طرف سے وہی توجہ اور وہی احترام ملے جو فیلڈ مارشل کو مل رہا ہے۔

یا پھر اگر فیلڈ مارشل کوئی عام سپاہی بن جائے اور اس سپاہی جیسی معمولی حالت اختیار کر لے اور اس فیلڈ مارشل کی اپنے

Marfat.com

منصب سے ہٹ کر کوئی خاص اہمیت نہ رہ جائے۔ اسی طرح اگر کسی فوج کو فتحیاب کرانے والا ذہین ترین آرمی کمانڈر عام لوگوں کی توجہ اور ان کی محبت اور احترام کے جذبات میں کسی کند ذہن سپاہی کے برابر کھڑا ہو جائے تو پھر تم لوگ اپنے اس قانونِ مساوات کی رُو سے مجھے کہہ سکتے ہو کہ: اپنے آپ کو عالم نہ کہو۔ لوگ جو تمہارا احترام کرتے ہیں اُسے جھٹک دو۔ اپنی فضیلت کا انکار کر دو، اپنے خادم کی خدمت کرو اور سوالیوں کے ساتھ رہو۔

سوال: اگر تم کہو کہ: یہ احترام اور یہ مقام و اقبال جو لوگ دے رہے ہیں، یہ تو صرف ملازمین کے لیے خاص ہے، اور وہ بھی اس وقت جب وہ ڈیوٹی پر حاضر ہوں۔

جبکہ آپ غیر ملازم انسان ہیں۔ اِس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ عوام کا احترام قبول نہ کریں، جیسے کہ حکومت کے ملازم کرتے ہیں۔

الجواب: اگر انسان صرف جسم سے عبارت ہوتا، اگر دنیا میں بغیر مرنے کے ہمیشہ رہتا، اگر قبر کا دروازہ بند اور موت قتل کر دی جاتی اور ملازمت صرف فوج میں اور حکومت کے دیگر اداروں میں منحصر ہو کر رہ جاتی۔ تب تو تمہارے اس کلام کا کوئی معنی ہو سکتا تھا۔ لیکن جب انسان صرف جسم سے عبارت نہیں، اور اس لیے قلب و زبان و عقل و دماغ کو جسم کی غذا کے لیے قطع نہیں کیا جا سکتا اور انہیں جسم کا نوالہ نہیں بنایا جا سکتا اور انہیں مٹایا نہیں جا سکتا، اور یہ ساری چیزیں بھی جسم کی طرح غذا اور نظام و انتظام کی طالب ہیں، اور جب قبر کا دروازہ بھی بند نہیں کیا جا سکتا اور جب قبر کی دوسری جانب جانے کی فکر ہر شخص کے لیے سب سے اہم مسئلہ ہے۔ تو جب پھر وہ وظائف جن میں عوام اطاعت کرتی اور احترام کرتی ہے، اُن وظائف کو صرف ان عسکری، سیاسی اور اجتماعی اداروں میں منحصر نہیں کیا جا سکتا جن کا تعلق عوام کی صرف دنیاوی زندگی کے ساتھ ہے۔

جی ہاں، جس طرح سیاحوں کو سیر و سیاحت کے لیے دستاویزات دینا ایک وظیفہ ہے، اسی طرح دیارِ ابد کی طرف سفر کرنے والے مسافروں کو دستاویزات دینا اور راستے کی تاریکیوں کو دُور بھگانے کے لیے اُن کے ہاتھوں میں روشنی تھمانا بھی یقیناً ایک ایسا وظیفہ ہے کہ دوسرا کوئی بھی وظیفہ اس کی اہمیت کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور ایسے وظیفے کا انکار صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب موت کا انکار کر دیا جائے، تیس ہزار گواہوں کی گواہیوں کی تکذیب کر دی جائے، اور ان گواہوں کی گواہی کا انکار کر دیا جائے جو اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ موت برحق ہے۔ اور جو اس دعوے پر ہر روز اپنے جنازوں کے ساتھ مہریں لگاتے ہیں۔

تو اگر کچھ اس طرح کے معنوی وظائف کا وجود ہے جو معنوی حاجاتِ ضروریہ کے سہارے پر کھڑے ہیں، اور اِن میں سے اہم ترین وظیفہ ایمان اور اس کی درس و تدریس اور اسے مضبوط کرنا ہے اور یہ ایمان جو کہ راہِ ابد میں سیر و سیاحت کا پاسپورٹ ہے، ظلماتِ برزخ میں دل کے لیے مشعلِ راہ اور سعادتِ ابدی کی کلید ہے، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں

Marfat.com

کہ اہلِ معرفت میں سے جو آدمی یہ وظیفہ ادا کرتا ہے، وہ اپنے اُوپر انعام کی گئی فضیلتِ ایمانی اور نعمتِ الٰہی کی کفرانِ نعمت کی صورت میں ناقدری نہیں کر رہا ہے اور سُفہاء وفساق کے پست درجے میں نہیں گرتا ہے اور کسی بھی صورت میں خود کو پست اور کمینے لوگوں کی بدعات وسفاہت کے ساتھ آلودہ بھی نہیں کرتا ہے پس یہ گوشہ نشینی جو تمہیں اچھی نہیں لگتی اور جسے تم مساوات کے منافی سمجھتے ہو، صرف اسی بنا پر اختیار کی گئی ہے۔

پس اس حقیقت کو سامنے رکھ کر میں تم جیسے متکبر لوگوں کو نہیں جو مجھے سزائیں دے کر پریشان رکھتے ہیں اور کبر وغرور اور اس مساوات کی قانون شکنی کے معاملے میں فرعون بنے بیٹھے ہیں، میں تم جیسے لوگوں سے کچھ نہیں کہتا کیونکہ متکبر لوگوں کے سامنے تواضع کا مطلب پستی وفروتنی لیا جاتا ہے اس لیے ان کے سامنے تواضع اختیار نہیں کرنی چاہیے چنانچہ میں اہلِ حکم میں سے منصف مزاج، متواضع اور عدل پرست لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں:

مجھے _ الحمدللہ_ اپنے عجز وقصور کا پورا پورا ادراک ہے، اس لیے میں مسلمانوں کے مقابلے میں متکبر بن کر کسی بھی مقامِ احترام کا طالب نہیں ہوں، بلکہ اپنے کچھ نہ ہونے اور اپنی لا انتہا کمی کوتاہی کو ہمہ وقت نظر میں رکھتا ہوں، اور اِس بنا پر استغفار سے کچھ تسلی پاتا ہوں۔ اور یہ کہ میں لوگوں سے دعا کا طالب ہوں نہ کہ احترام کا۔ اور میرا خیال ہے کہ میرے تمام ساتھی میرے اس مسلک کے بارے میں اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں درس وتدریس کے وقت علم کے اُس عز ووقار کا پورا پورا خیال رکھتا ہوں جس وقار کا تقاضا یہ مقام کرتا ہے۔ اور یہ سب قرآن کی خدمت کے وقت اور ایمان کے حقائق بتانے کے موقع پر قرآن کے عز وشرف اور ایمان کے حقائق کے پیشِ نظر ہوتا ہے، چنانچہ میں اس دوران اہلِ ضلالت کے سامنے سر نہ جھکانے کی غرض سے وقتی طور پر اس معزز حالت کو اپنے اُوپر طاری کر لیتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اہلِ دنیا کے قوانین میں ان نقاط کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

ایک حیرت خیز معاملہ:

اس بات کا ہر شخص کو علم ہے کہ اہلِ معرفت ہر جگہ ہر چیز کا فیصلہ علم ومعرفت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں جب کسی بھی جگہ یا کسی بھی شخص میں معرفت کا سراغ مل جائے تو مسلکِ علم کا اعتبار کرتے ہوئے اس شخص کے لیے دوستی اور احترام کا دم بھرتے ہیں۔ اس حد تک کہ اگر اس علاقے میں کسی دشمن ملک سے کوئی پروفیسر آجائے تو تمام اہلِ علم ومعرفت اس کے علم ومعرفت کے احترام میں ساتھ ملاقات کو جائیں گے اور اس کا احترام کریں گے۔

اور اِدھر صورت حال یہ ہے کہ جب برطانیہ کی اعلیٰ علمی مجلس نے اسلامی مشیخت سے اپنے چھ سوالوں کے جوابات صرف چھ سو کلمات میں مانگے تھے۔

تو ایک صاحب علم ومعرفت نے ان چھ سوالوں کے جوابات چھ کلمات میں دیے تھے جو لوگوں کو پسند آئے تھے اور انہیں

Marfat.com

قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ اور یہ صاحبِ علم وہی ہے جس کی اپنے وطن میں کوئی قدر نہیں ہوئی ہے۔

اور اسی صاحبِ علم نے غیروں کی اہم بنیادوں کا اور حکماء کے عظیم اُصولوں کا مقابلہ کیا اور حقیقی علم و معرفت کے بل پر ان پر غالب رہا۔

اُسی نے قرآن کریم کے فیضان سے حاصل کی ہوئی علم و معرفت کی قوت کے سہارے یورپ کے فلاسفہ کو چیلنج کیا۔

اور اُسی نے حریّت کے اعلان سے چھ مہینے پہلے استنبول میں مذہبی علماء کو اور ماڈرن سائنس کے اداروں کے سربراہوں کو بحث و مناقشہ کی دعوت دی، چنانچہ اس نے اُن لوگوں کے تمام سوالات کے بغیر کسی کمی بیشی کے بالکل صحیح جواب دیے اور خود کسی سے قطعاً کوئی سوال نہ کیا۔ (حاشیہ:۱)

اور اُس نے اپنی تمام زندگی اس قوم کی فیروز بختی کے لیے وقف کر رکھی ہے، اور اسی قوم کی زبان یعنی ترکی زبان میں سینکڑوں رسائل نشر کیے ہیں اور اُن کے ذریعے اس قوم کو روشن کیا ہے۔

اب یہ آدمی جس نے اس قسم کے کارنامے سرانجام دیے ہیں، اور جو اِس قوم کا دینی اور وطنی دوست اور بھائی ہے، ایسے آدمی کو جنہوں نے ستایا اور پریشان کیا ہے، اُس کے لیے دِل میں دشمنی پالی ہے، بلکہ اُس کی اہانت کی ہے، علم و معرفت کے دائرے کے ہی آدمی ہیں اور اس کے ساتھ کچھ سرکاری علماء ہیں۔

اب آؤ اور اس صورتِ حال میں غور کرو اور بتاؤ کہ اسے کیا نام دو گے؟

کیا یہ تہذیب و تمدُّن ہے؟ کیا یہ مرفت پروری ہے؟ یا وطنیت پروری ہے؟ یا قومیت پروری ہے یا جمہوریت پروری؟ نہیں، اِن میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ حاشا و کلا۔

بلکہ یہ تقدیرِ الٰہی ہے، اِس تقدیرِ الٰہی نے اُس صاحبِ معرفت کے لیے ایسی جگہ سے دشمنی کا اظہار کروایا ہے جہاں سے اُسے دوستی کی اُمید تھی، صرف اس لیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ ہمکنار ہو جائے اور احترام کی وجہ سے اُس کا علم ریاکاری کے دائرے میں داخل نہ ہو جائے۔

اختتام

میرے اوپر حملہ جو کہ میرے لیے حیرت خیز تھا لیکن شکر کا موجب بن گیا۔

اہلِ دنیا کے یہ معمول سے بڑھ کر متکبر اور مغرور لوگ انانیت کے معاملے میں اتنے حساس ہیں کہ اگر یہ معاملہ شعوری طور پر ہوتا تو کرامت کا درجہ اختیار کر جاتا یا فوق العادۃ کوئی معاملہ بن جاتا۔ یہ معاملہ کچھ اس طرح ہے۔

(حاشیہ:۱) جدید سعید کہتا ہے: قدیم سعید جو اِس مقام پر فخر یہ یہ باتیں کر رہا ہے، میں اُس کی ان باتوں میں شریک نہیں ہوں، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں اُسے چپ نہیں کرا سکتا؛ کیونکہ میں اس مضمون میں اسے بولنے کا حق دے چکا ہوں۔ بلکہ میں دم سادھ کر بیٹھا ہوں تاکہ وہ متکبر لوگوں کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ فخر کا اظہار کر سکے۔ مؤلف۔

Marfat.com

یہ لوگ میرے ایسے تکبر کا شدت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں جو مجھے محسوس ہی نہیں ہوتا ہے۔ گویا کہ یہ لوگ اپنے احساسِ انانیت کے میزان کے ذریعے میری ریاکاری پر مبنی انانیت کی کسی جزوی سی حالت کو محسوس کر لیتے ہیں جس کے وجود کا میرے نفس اور میری عقل کو شعور بھی نہیں ہوتا۔

مجھے ان آٹھ نو سالوں میں اس چیز کے تقریباً آٹھ نو تجربے ہو چکے ہیں: چنانچہ میں اپنے خلاف اُن کے ظالمانہ رویے کے بعد تقدیرِ الٰہی کے بارے میں سوچا کرتا تھا اور کہتا تھا: تقدیرِ الٰہی نے ان لوگوں کو میرے اُوپر مسلط کیوں کر دیا ہے؟ اور یوں اس سوال کی روشنی میں میں اپنے نفس کی دسیسہ کاریوں کی ٹوہ میں رہتا تھا۔

چنانچہ ہر مرتبہ میں یہ بات سمجھا کرتا تھا کہ:

یا تو میرا نفس کسی غیر شعوری طریقے سے فطری طور پر غرور و تکبر کی طرف مائل ہو گیا ہے، یا پھر اُس نے جانتے بوجھتے ہوئے مجھے دھوکہ دے دیا ہے! چنانچہ اُس وقت میں یہ کہتا تھا: تقدیرِ الٰہی نے ان ظالموں کے ظلم کی صورت میں میرے حق میں عدل سے کام لیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یوں ہے:

اس موسمِ گرما میں میرے دوستوں نے مجھے ایک خوبصورت گھوڑے پر بٹھا دیا، اور ہم ایک سیرگاہ کی طرف نکل گئے۔ تو صرف اتنی بات پر کہ میرے دل میں لاشعوری طور پر دکھاوے کی صورت میں سیر و تفریح کی خواہش نے انگڑائی لی تو اہلِ دنیا نے جھٹ اس خواہش کی انتہائی شدت کے ساتھ مزاحمت کی، اور اس طرح صرف یہی نہیں کہ اُنہوں نے میری مخفی خواہش کو کاٹ کر رکھ دیا بلکہ میری اور بھی کافی ساری نفسانی خواہشات کا گلا دبا دیا۔

اور ایک یہ کہ اس مرتبہ رمضان میں میرے نفس نے _ میری لاشعوری میں _ ریاکاری کی صورت میں تکبر کا مظاہرہ کرنا چاہا، گویا کہ وہ شکر کے پردے میں فخر کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب متقدمین میں سے ایک عظیم الشان مقدس امام کے ہماری طرف اپنی غیبی کرامت کے ذریعے معنوی نگہِ التفات کرنے کے بعد زائرین کے احترام اور اُن کے حُسنِ ظن، اور معزز بھائیوں کے تقویٰ و اخلاص سے ایک خوبصورت سماں بنا ہوا تھا۔ تب یہ اہلِ دنیا اچانک شدید حساسیت کے ساتھ مجھ سے دو چار ہوئے، بلکہ اس طرح محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ لوگ ریاکاری کے ذرات کو بھی محسوس کر لیتے ہیں۔

پس میں نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اِن لوگوں کا ظلم میرے لیے اخلاص کا وسیلہ بن گیا ہے۔

﴿رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾ ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ اَللّٰهُمَّ يَا حَافِظُ ـ يَا خَيْرَ الْحَافِظِيْنَ!

اِحْفَظْنِيْ وَاحْفَظْ رُفَقَائِيْ مِنْ شَرِّ النَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ، وَمِنْ شَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسَانِ، وَمِنْ شَرِّ اَهْلِ الضَّلَالَةِ وَاَهْلِ الطُّغْيَانِ ـ آمِيْنَ آمِيْنَ

☆ ☆ ☆

Marfat.com

تیئسواں لمعہ

نیچر کی حقیقت

یہ مضمون دراصل ''سترہویں لمعے'' کے تحت ''سولھویں یاددہانی'' کے نام سے تھا، لیکن اس کی بہت زیادہ اہمیت نے اسے ''تیئسویں لمعے'' کے نام سے مستقل مضمون کی حیثیت دے دی ہے۔ یہ مضمون نیچیر یا مادہ پرستی کے مفہوم سے جنم لینے والے کفر کے دھارے کو مکمل طور پر نیست ونابود کرتا ہے اور کفر کے بنیادی پتھر کو ریزہ ریزہ کر کے اُسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔

تنبیہ:

اس ''یاددہانی'' میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ نیچری جو کہ مذہب اور خدا کے منکر ہیں، اُن کے مسلک کی اصل حقیقت کیا ہے، اور یہ کہ ان کا مسلک عقل کے معیاروں سے کتنا دور ہے اور کس قدر بھونڈا اور اوہام وخرافات کا پلندہ ہے۔ اور یہ وضاحت یہ چیز ثابت کر کے کی گئی ہے کہ ان کا مسلک اور دعوٰی نو پہلوؤں سے غیر ممکن اور محال ہے، ہر پہلو کو ''ناممکن اور محال'' کا نام دیا گیا ہے، اور یہ نو محال ہم نے کم از کم نوے محالات سے کشید کیے ہیں۔ چونکہ ان محالات یا ناممکنات کی دوسرے کئی رسائل میں کسی حد تک وضاحت کر دی گئی ہے، اس لیے یہاں انہیں دوسرے محالات کے ضمن میں مندرج کر دیا گیا ہے، یا پھر اگر کہیں ذکر کیا گیا ہے تو انتہائی اختصار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

سوال جو ذہن میں اُبھرتا ہے یہ ہے کہ:

مشہور اور معروف سائنسدان ان خرافات پر مطمئن کیسے ہو گئے اور انہوں نے اپنی عقلوں کی لگام اس بیہودہ عقیدے کے ہاتھوں میں کیونکر تھما دی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ:

ان لوگوں نے اپنے مسلک کی حقیقت اور اس کی باطنی صورت کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں (حاشیہ:۱)، اور وہ اس چیز کا ادراک کر ہی نہ سکے کہ ان کا مسلک مانا جائے تو کتنے ''ناممکنات'' اور ''محالات'' کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ کہ ان کا یہ

(حاشیہ:۱) اس کتابچے کی تالیف کی انگیخت اس وقت ہوئی جب مجھے شدت سے محسوس ہوا کہ قرآن کریم پر پورے زور شور سے انتہائی مذموم حملہ کیا گیا ہے۔ ایمانی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے انہیں غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، الحاد پرستی اور انکار خدا کا تعلق نیچر سے جوڑ دیا گیا ہے، اور ہر وہ چیز جس کا ادراک ان کی ناقص عقل اور کوتاہ فکر نہ کر سکا، اس کے ساتھ ''خرافات'' کا نام چپکا دیا گیا ہے...... (جاری)

Marfat.com

مسلک کتنے ایسے امور پر مشتمل ہے جو بالکل فاسد اور عقل سے کوسوں دور ہیں! ان تمام امور کا ذکر اس کتابچے میں ''محال'' کے نام سے کر دیا گیا ہے۔ اور میں اپنی اس تالیف میں جو بھی کہوں گا اسے شک وشبہ میں گرفتار لوگوں کے لیے برجستہ، واضح، قطعی اور لاجواب دلائل و براہین اور پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اس حملے نے دل میں غیظ وغضب کی آگ بڑھا دی، ایسی کہ اس کے انگاروں کی تپش اس کے اسلوب میں واضح محسوس ہوتی ہے، یہ انگارے ان ملحدوں اور حق سے پہلو تہی کرنے والے باطل پرستوں پر کھل کر برسے ہیں، وگرنہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ''رسائلِ نور'' کا اصل اسلوب اور طرۂ امتیاز بات چیت اور گفتگو میں نرمی، ملائمت، لطافت اور دھیما پن ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیتِ کریمہ استفہام انکاری کے ذریعے ''اللہ تعالیٰ کے بارے میں تو کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی شک ہونا چاہیے'' کہتے ہوئے یہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت بدیہی ہے۔

اس راز کو واشگاف کرنے سے پہلے میں آپ کی توجہ ایک اہم واقعہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

مجھے 1334ھ، (1922م) میں ''انقرہ'' کے دورے کی دعوت دی گئی، میں نے وہاں دیکھا کہ یونان کے اسلامی فوج کے مقابلے میں شکست کھا جانے پر اہل ایمان بہت زیادہ خوش ہیں، لیکن میں نے فرحت و شادمانی کی اس لہر کے بطن سے ابھرتی ہوئی اُس دہشت ناک زندیقیت اور لادینیت کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا جو اپنی خباثت اور مکروفریب کے ساتھ اپنے خطرناک نظریات کے اسلحے سے لیس ہو کر اہل ایمان کے عقائد پر شب خون مار کر انہیں مکدّر اور زہر آلود کرنے کے لیے تیزی سے رینگتی چلی آ رہی تھی۔ میرے دل کی گہرائیوں سے ہُوک اٹھی، میں تڑپ کر رہ گیا اور میں نے چیختے ہوئے اور اس آیت کریمہ کے دامن کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس ہیبت ناک بھوت کا مقابلہ کرنے کے لیے مدد مانگی، جو کہ ارکانِ ایمان کے درپے ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے عربی زبان میں ایک ایسی قوی اور تیز ترین برہان سپرد قلم کی جو اس زندیقیت کا سر قلم کر دے۔ اور اس مضمون کے معانی و افکار، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی وضاحت و اثبات کے لیے اِس آیت کریمہ کے نور سے کشید کیے۔ اور اسے میں نے انقرہ کے ینی گن نامی پریس سے طبع کروایا۔ لیکن افسوس کہ یہ مضبوط دلیل اور برہان لوگوں کے ذہنوں میں الحاد و زندیقیت کے امڈے ہوئے طوفان کے سامنے بند باندھنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔

اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ یہ مضمون انتہائی مختصر اور مجمل تھا۔ اور مزید یہ کہ ترکی میں- خاص کر اس وقت-عربی زبان کو سمجھنے والے اور اس کی طرف توجہ کرنے والے لوگ انتہائی کم تھے۔ بنابریں بصد افسوس کہ اس الحاد کے اثرات معاشرے میں بے دھڑک پھیلتے چلے گئے، جس نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ میں اس مضمون کو دوبارہ ترکی زبان میں ترتیب دوں اور اس میں پائے جانے والے اختصار و اجمال کی تفصیل و توضیح کر دوں، چنانچہ اب وہ ''رسالہ'' یا مضمون موجودہ شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ان دلائل و براہین کی بعض اقسام چونکہ بعض ''رسائلِ نور'' میں کافی وضاحت سے بیان ہو چکی ہیں، اس لیے انہیں

(حاشیہ:۱)۱۔ سورۃ ابراہیم، الآیۃ:۱۰

Marfat.com

یہاں اجمال کے ساتھ ذکر کیا جائے گا، اسی طرح دیگر دلائل و براہین جو مختلف ''رسائلِ نور'' میں بکھرے پڑے ہیں وہ بھی تمام اس رسالے میں درج کر دیے گئے ہیں، یوں سمجھیں کہ ''رسائلِ نور'' میں ذکر کردہ تمام تفصیلی دلائل و براہین کا خلاصہ اور اجمال اس رسالے میں سما گیا ہے، اور اس میں ذکر کردہ ان اجمالی دلائل و براہین کو بکھیرا جائے تو وہ تمام ''رسائلِ نور'' میں ذکر کردہ تفصیلی دلائل و براہین بن جائیں گے۔

Marfat.com

مقدمہ

اے انسان!

کچھ باتیں ایسی خوفناک ہیں کہ اُن سے کفر کی ناگوار بدبو آتی ہے، وہ باتیں لوگوں کی زبانوں پر بے تکلف رواں دواں ہیں، اور اہلِ ایمان کی زبانیں انہیں بے دھڑک اس لیے دہرائے چلی جارہی ہیں کہ انہیں ان کے خطرناک معانی اور مفاہیم سے متعلق علم نہیں ہے۔ ہم ان میں سے تین ایسی باتوں کی وضاحت کریں گے جو کہ بہت ہی زیادہ اہم ہیں۔

پہلی بات:

کسی چیز کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ: ''اسے اسباب نے ایجاد کیا ہے'' یعنی یہ کہ اسباب ہی اس چیز کو وجود میں لارہے ہیں۔

دوسری بات:

ان کا کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ: ''یہ خود بخود شکل پذیر ہوئی ہے''، یعنی کہ جو چیز جس شکل وصورت میں ہمیں نظر آرہی ہے، وہ اپنی یہ شکل خود بخود دھار رہی ہے، اپنے آپ کو خود ہی وجود میں لارہی ہے، اور بعد میں خود ہی ختم ہو جاتی ہے۔

تیسری بات:

ان کا کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ: ''یہ نیچر کا تقاضا ہے''، یعنی کہ یہ چیز طبعی ہے، اور طبیعت ہی اپنے تقاضے کے تحت اسے ایجاد کررہی ہے۔

جی ہاں! جب تک یہ موجودات موجود ہیں، یہ ہماری آنکھوں کے سامنے اس طرح سے قائم دائم ہیں کہ جس کا مطلق انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اور یہ کہ ہر موجود چیز جو وجود میں آرہی ہے، انتہائی حکمت اور کامل ومکمل شکل میں آرہی ہے اور وہ قدیم اور ازلی نہیں ہے۔ بلکہ جدید اور نئے سرے سے پیدا ہورہی ہے۔ جب معاملہ ایسے ہی ہے تو پھر اے ملحد انسان!

یا تو تو یہ کہے کہ: یہ موجودہ چیز_ مثال کے طور پر یہ حیوان_ جو ہے اسے:

- دنیاوی اسباب وجود میں لارہے ہیں، یعنی اس چیز کا وجود مادی اسباب کے اجتماع سے ظہور میں آرہا ہے۔
- یا یہ کہ یہ چیز اپنی تشکیل خود کررہی ہے۔
- اور یا پھر یہ کہ یہ چیز وجود میں نیچر کے تقاضے سے آرہی ہے یا نیچر کی تاثیر سے ظہور پذیر ہورہی ہے وغیرہ۔

Marfat.com

- اور یا پھر یوں کہے گا کہ اسے صرف اس صاحبِ قدرت وجلال کی قدرت وجود میں لایا جارہا ہے؛ کیونکہ عقلی پیمانوں کی رو سے اس چیز کے وجود میں آنے کے صرف یہی چار راستے ہیں، دیگر کوئی نہیں۔ اب اگر پہلے تین راستوں کو قطعی طور پر ناممکن، محال، باطل اور ممتنع ثابت کر دیا جائے تو بغیر کسی فکر و تردد کے قطعی اور بدیہی طور پر چوتھا راستہ صحیح ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ خالق کی وحدانیت کا وہ یقینی راستہ ہے جس میں کسی قسم کے شک شبہے کی گنجائش نہیں۔

پہلا راستہ:

"مادی اسباب کا اجتماع اشیاء کو شکل وصورت دیتا اور مخلوقات کو وجود میں لاتا ہے"۔ یہ راستہ بہت سے ناممکنات اور محالات کی زد میں ہے، ان میں سے ہم صرف تین محالات کا ذکر کریں گے۔

پہلا محال:

اس کی وضاحت ہم اس مثال کے ساتھ کریں گے:

ایک فارمیسی میں مختلف کیمیائی مواد اور دواؤں سے بھری ہوئی سینکڑوں بوتلیں اور مرتبان پڑے ہوئے ہیں، چنانچہ ان دواؤں سے ایک زندگی سے بھرپور معجون تیار کرنے کا مطالبہ کیا گیا، پھر ان دواؤں سے حیات بخش، غیر معمولی ایک تریاق کی ضرورت بھی پڑی۔ پھر جب ہم فارمیسی میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ اس حیات بخش معجون اور اس تریاق کی بہت سی اقسام موجود ہیں، اور پھر جب ہم نے ہر معجون کے اجزائے ترکیبی کی تحلیل کا آغاز کیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسی مرکب دوا ہے جسے مختلف مواد سے انتہائی بالغ نظری سے پورے پورے وزنوں کے حساب سے تیار کیا گیا ہے، مثال کے طور پر اس جار یا مرتبان سے ایک گرام دوائی لی گئی ہے، اس دوسرے سے تین گرام۔ اور اس تیسرے سے دس گرام۔ وغیرہ، اور اس طرح کئی ایک مرتبانوں اور بوتلوں سے مختلف مقدار سے مواد اس حساب سے لیا گیا ہے کہ اگر کوئی مادہ اس مقدار سے ایک گرام بھی کم یا زیادہ ہو جائے تو وہ معجون اپنی اصلی زندگی بخش خاصیت کو کھو دے گی۔

اب ہم تریاق کی طرف آتے ہیں اور اس کی کیمیائی ترکیب کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوا کو ان مختلف بوتلوں اور مرتبانوں سے کچھ معین مقداروں اور وزنوں کے مطابق دوائیں لے کر ترتیب دیا گیا ہے، اور یہ مقداریں اور اوزان اتنے حساس ہیں کہ اگر کسی بھی دوائی کی مقدار یا وزن میں ایک ذرہ برابر بھی اضافہ کر دیا جائے یا کمی کر دی جائے تو وہ مرکب دوا یا معجون اپنی تمام افادیت اور خاصیت ہی کھو دے گی۔ خلاصہ یہ کہ یہ متنوع قسم کا مواد مختلف دقیق اور مخصوص مقداروں اور وزنوں کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔

تو کیا یہ بات ممکن یا معقول ہے کہ ایک ایسی معجون جس کا ہر جزء بڑے دقیق، اور گہرے حساب سے مخصوص مقدار اور پیمانے سے ترکیب دیا گیا ہو، کسی اتفاقی حادثے سے وجود پا گئی ہو؟ یا یہ کہ فارمیسی کے اندر تیز ہوا چلی جس سے تمام بوتلیں

Marfat.com

آپس میں ٹکرا گئیں اور ان سے عین اسی مخصوص مقدار اور وزن کے حساب سے مواد بہہ پڑا اور آپس میں اس طرح سے مل گیا کہ یہ معجون تیار ہو گئی؟ کیا اس سے زیادہ فضول، محال، باطل اور غلط بات کوئی ہو سکتی ہے؟

خود گدھے کی حماقت اگر دوگنا ہو جائے اور اسے بولنے کی طاقت حاصل ہو جائے تو وہ ''میں اس سوچ کو قبول نہیں کرتا'' کہتا ہوا بھاگ جائے گا۔

اس مثال کی روشنی میں ہم کہتے ہیں:

ہر ذی حیات ایک زندگی پر مشتمل مواد کا مرکب اور حیات سے بھرپور معجون ہے، اور ہر پودا زندگی سے لبریز ایسے تریاق کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو مختلف اجزاء، متباین مواد کے انتہائی حساس اور دقیق وزنوں اور مقداروں کا مرکب ہے۔ اس لیے بلا شک اس خوبصورت اور انوکھی مخلوق کو مادی اسباب اور عناصر کی طرف منسوب کرنا اور کہنا کہ: ''اسے اسباب نے ایجاد کیا ہے''، باطل، غلط، ناممکن اور عقل کے پیمانوں سے سوگنا دور ہے، بالکل ایسے جیسے بوتلوں سے مختلف مادوں کے نکلنے کے بعد ان کا خود بخود مخصوص مقداروں کے حساب سے آپس میں مل کر ایک زندگی سے بھرپور اور حیات بخش معجون کا بن جانا ناممکن ہے۔ کائنات کی اس بڑی فارمیسی میں حکیمِ ازلی ذات کے قضا و قدر کے پیمانوں کے حساب سے تیار کیا ہوا، زندگی بخش مواد، لامحدود حکمت، لا انتہا علم اور عالمگیر ارادے کے ساتھ ہی وجود میں آ سکتا ہے، وہ بد بخت آدمی جو یہ کہتا ہے کہ ''یہ چیزیں اندھے بہرے سیلاب کی طرح بہنے والے کلی عناصر اور اسباب و نیچر کی پیداوار ہیں'' وہ دنیا کا بدترین اور احمق ترین شخص ہے، اور اس شرابی اور حواس باختہ آدمی سے بھی کہیں بڑا بیہودہ اور یاوہ گو ہے جس کے ذہن میں یہ خیال سمایا ہوا ہے کہ اس عجیب و غریب تریاق نے اپنے آپ کو خود بوتلوں کے ٹکرانے اور اُن میں موجود مواد کے بہہ جانے سے پیدا کیا ہے!

جی ہاں، یہ کفر کسی احمق کے ہذیان اور کسی متوالے اور مخمور آدمی کے پاگل پن کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

دوسرا محال:

اگر ہر چیز کی تخلیق کو اُس ایک ذات کی طرف منسوب نہ کیا جائے جو صاحبِ قدرت اور صاحبِ عظمت ہے، بلکہ اس کی بجائے ان چیزوں کو مادی اسباب کی طرف منسوب کیا جائے، تو اس سے یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ کائنات کے بہت سارے عناصر اور اسباب کا ہر ذی حیات چیز کے وجود میں عمل دخل ہے۔

جبکہ حالت یہ ہے کہ متضاد اور متباین اسباب کا آپس میں کسی چھوٹی سی مخلوق _ جیسے مکھی _ میں مکمل نظم و ضبط اور انتہائی پیچیدہ پیمانوں کے مطابق اکٹھا ہو جانا اتنا ناممکن اور اتنا محال امر ہے کہ جس کے پاس مکھی کے پر کے برابر بھی عقل ہے وہ اسے نہیں مان سکتا ہے، اور وہ اسے یہ کہتا ہوا رد کر دے گا کہ: یہ محال ہے۔۔۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔۔۔!

Marfat.com

اس کی وجہ یہ ہے کہ مکھی کا چھوٹا سا جسم کائنات کے زیادہ تر عناصر، مظاہر اور اس کے مادی اسباب کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے، بلکہ اس کا جسم پوری کائنات کے عناصر سے کشید کیا ہوا جوہر یا خلاصہ ہے۔ اب اگر اس کے وجود کو اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب قدرت کا کرشمہ نہ مانا جائے تو اس سے یہ چیز لازم آتی ہے کہ یہ تمام مادی اسباب اُس وقت مکھی کے اس جسم کے اردگرد براہ راست موجود ہوں جب اسے ایجاد کیا گیا تھا، بلکہ یہ لازم آتا ہے کہ اس وقت یہ تمام اسباب اس کے چھوٹے سے جسم کے اندر داخل ہوں، بلکہ یہ لازم آتا ہے کہ یہ اس کے جسم کے چھوٹے سے نمونے یعنی اس کی آنکھ کے ہر خلیے میں داخل ہوں؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسباب اگر مادی ہوں تو پھر یہ چیز ضروری ہے کہ وہ مسبَّب (جو چیز اسباب کے اجتماع سے ظہور میں آئی ہے) کے قریب ہوں اور اس میں داخل ہوں، اور جب ایسا ہے تو اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بات مان لی جائے کہ کائنات کے ارکان اس کے عناصر اور اس کے طبائع مادی طور پر اس خلیے میں پائے جائیں جو خلیہ سوئی کے سر کی طرح باریک دو مکھیوں کی انگلیوں کو بھی نہیں سما سکتا۔ اور یہ عناصر انتہائی مہارت اور پختگی کے ساتھ ایک ماہر کاریگر کی طرح مصروفِ عمل ہیں، اور یہ ایک ایسی فضول اور بے بنیاد بات ہے کہ جسے ایک عام آدمی تو کیا پرلے درجے کا سوفسطائی (حاشیہ:۱) بھی کہتا ہوا شرمائے گا۔

تیسرا محال:

وجود رکھنے والی کوئی چیز اگر ایک اکائی رکھتی ہے تو پھر مندرجہ ذیل بدیہی اور مقررہ قاعدے کے مطابق ضروری ہے کہ اس کا صدور ایک ہی مؤثر، اور ایک ہی ہاتھ سے ہوا ہو؛ قاعدہ یہ ہے کہ: **''واحد کا صدور صرف واحد سے ہی ہوتا ہے''**۔

اور اگر وجود رکھنے والی وہ چیز انتہائی منظم، موزوں، دقیق، عمدہ، محکم اور جامع زندگی کی مالک ہو، تو پھر یہ بات بدیہی ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں ایک سے زیادہ ہاتھوں کی تیار کردہ نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ چیز جھگڑے اور اختلاف کی باعث ہے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ ایک ہی قادر اور پُر حکمت ذات کے ہاتھ سے صادر ہوئی ہو؛ اس لیے کسی منظم، مرتب اور موزوں چیز کی نسبت اُن مادی اسباب کے ہاتھوں کی طرف کرنا جو کہ اندھے، بہرے، جامد، غیر منظم، بے ترتیب، بے قاعدہ، بے شعور اور بے عقل ہیں اور جن کے درمیان جتنا گہرا اختلاط ہوتا ہے اتنا ہی ان کے اندھے اور بہرے پن میں اضافہ ہوتا ہے، اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہ اسباب ہی اس نادر اور انوکھے وجود کی تخلیق کے ذمہ دار ہیں، اور بے حد و حساب

(حاشیہ:۱)''سوفسطائی، (Sophists) قدیم یونان میں چوتھی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں معلمین کا ایک گروہ جو اپنی تعلیم وتدریس کا متعلم سے مختانہ وصول کرتا تھا، اور سقراط کی نظروں میں یہ کام نہایت نامناسب تھا۔ قدیم فلاسفہ کے نزدیک سوفسطائی محض لفاظ اور سچ کو جھوٹ بنانے والے چرب زبان لوگ قرار پائے اور اہل علم کی نظروں سے گر گئے۔ سوفسطائیت (Sopistry) غلط، گمراہ کن، پراز مغالطہ، نمائشی حجت بازی، چالاکی، چرب زبانی، ایک غیر صحیح اندازِ حجت یا گمراہ کن دلیل۔ قطع نظر اس بات کے کہ موضوع بحث لائق توجہ یا کسی قدر و اہمیت کا حامل ہو یا نہ ہو۔ کشاف اصطلاحات فلسفہ۔ (مترجم)

Marfat.com

امکانات واحتمالات میں سے صرف اسی کو اختیار کرنا؛ اس نسبت اور اس دعوے کو اختیار کرنا عقل وفکر کے تمام پیمانوں سے ایسے ہی کوسوں دور ہے جیسے سینکڑوں محالات اور ناممکنات کو بیک وقت قبول کرنا۔

چلو ہم وقتی طور پر اس ناممکن کو یہیں چھوڑ کر ذرا آگے چلتے ہیں اور مادی اسباب کی تاثیر براہ راست اور چھونے سے ہی ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طبعی اسباب کسی جاندار چیز کے ظاہری جسم کو ہی چھوتے ہیں اور اس جاندار چیز کے باطن تک ان مادی اسباب کے ہاتھوں کی نہ تو رسائی ہے اور نہ یہ اسے چھو سکتے ہیں، جبکہ حالت یہ ہے کہ باطنی حصہ ظاہری حصے سے دس گنا زیادہ پیچیدہ نظام اور ترتیب کا حامل ہے، بلکہ تخلیق کے لحاظ سے یہ ظاہری حصے سے دس گنا زیادہ لطافت، کاملیت کی حامل ہے، بلکہ وہ چھوٹی چھوٹی جاندار اور پیچیدہ مخلوقات جن کے لیے ان مادی اسباب کو مکمل طور پر اپنانا کسی بھی طور نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی ان تک ان کے وسائل وذرائع کی پہنچ ہے، یہ مخلوقات بڑی بڑی اور گرانڈیل مخلوقات سے زیادہ حیرت انگیز تکمیل اور انوکھی تخلیق کی حامل ہیں۔

ان حالات کی روشنی میں ان کی تخلیق کو ان اندھے، بہرے، جامد، بے علم، غلیظ، ایک دوسرے سے دور، باہم متضاد اور متباین اسباب کی طرف منسوب کرنا سب سے بڑا اندھاپن اور پرلے درجے کا بہرہ پن ہے۔

دوسرا مسئلہ:

کسی چیز کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ: ''یہ خود بخود شکل پذیر ہوئی ہے''۔

یہ بات بھی کئی ایک محالات پر مشتمل ہے، اور اس مسئلے کا باطل اور محال ہونا بہت سے پہلوؤں سے واضح ہوتا ہے، لیکن ہم یہاں ان میں سے بطورِ نمونہ صرف تین محالات ذکر کریں گے۔

پہلا محال:

ازراہِ ضد وعناد انکار کرنے والے! تمہارے تکبر وانانیت کی اس روش نے تمہیں آخری درجے کی حماقت کی گود میں گرادیا ہے، جس کی وجہ سے تم سو قسم کے محالات وناممکنات کو بیک وقت قبول کر رہے ہو۔

اے ضد اور ہٹ کی وجہ سے دیدہ دانستہ انکار کرنے والے انسان! اس میں تو کچھ شک نہیں کہ تم موجود ہو'' ، اور تمہاری بناوٹ کسی ایسے بسیط اور جامد مادے سے بھی نہیں ہوئی ہے جو تبدیلی قبول نہ کرتا ہو، بلکہ تمہارا وجود انتہائی منظم ایک مشین اور غیر معمولی اور ہمہ وقت تغیر پذیر ایک محل کی طرح ہے ۔ تو تمہارے وجود کے ذرات بغیر کسی توقف کے ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں، اور تمہارے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات میں تمام موجودات کے مظاہر کے ساتھ گہرے رشتوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح یہ کائنات کے ساتھ ہمیشہ لین دین کی حالت میں رہتے ہیں، اور لین دین کے اس عمل کا رزق اور بقائے نوع کے پہلو سے کائنات کے ساتھ خصوصی طور پر بہت گہرا تعلق ہے۔

Marfat.com

تمہارے جسم کے اندر کام کرنے والے ذرات اس باب میں بڑے محتاط اور چوکنے ہیں کہ ان روابط میں کوئی خلل نہ آ جائے یا یہ تعلقات ٹوٹ نہ جائیں۔ بنا بریں، یہ ذرات اپنے تصرفات میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ایسا موقف اختیار کرتے ہیں جو ان تعلقات اور روابط کے ساتھ میل رکھتا ہو، ایسے، جیسے کہ یہ تمام کائنات پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اس تمام کائنات میں تم کہاں کھڑے ہو۔ اور تم ذرات کی اس انوکھی وضع کے حساب سے مستفید ہوتے ہو اور اپنے ظاہری اور باطنی حواس و مشاعر سے بھرپور نفع اٹھاتے اور لطف اندوز ہوتے ہو۔

اگر تم اس بات کا اعتقاد نہیں رکھتے ہو کہ یہ ذرّات اُس ازلی قدرت کی مالک ذات کے سامنے چھوٹے چھوٹے ملازم ہیں، یا یہ اس کے قوانین کے مطابق مطیع و منقاد اور مامور و مسخرّ ہیں، یا یہ اس کے منظم لشکر کے چاک و چوبند سپاہی ہیں، یا یہ قدرتِ الٰہی کے قلم کے انتہائی اعلیٰ درجے کے نقوش ہیں، یا یہ ایسے نقطے ہیں جنہیں قدرتِ الٰہی کا قلم لگا رہا ہے۔ اگر تم یہ اعتقاد نہیں رکھتے ہو تو پھر تم لازمی طور پر یہ نظریہ رکھتے ہو کہ عمل میں مصروف ان ذروں میں سے ہر ذرہ ایک بصیرت سے بہرہ ور کھلی آنکھ کا مالک ہے جو آنکھ تمہارے جسم کے ہر جزء اور کونے گوشے کو دیکھ رہی ہے، اور اس تمام کائنات کا مشاہدہ کر رہی ہے جس کا تمہارے ساتھ ربط و ضبط ہے، اور تمہارے تمام ماضی اور مستقبل سے باخبر ہے، اور تمہارے اصل نسل، آباء واجداد اور نواسوں پوتوں کا علم اور تمہارے اجزاء و عناصر کے سرچشموں اور رزق کے خزانوں کا ادراک رکھتی ہے۔ تب تو یہ آنکھ ایک زبردست عقل کی مالک ہے!!

تو اے عقل کے دشمن، اور ایسے مسائل میں اسے بالکل ہی بالائے طاق رکھ دینے والے! کیا اس علم و شعور اور ہزاروں افلاطونوں کی عقلوں پر بھاری عقل کی نسبت _ تمہارے جیسے بے عقل کے مطابق _ ایک ذرے کی طرف کر دینا آخری درجے کی بیہودگی اور پرلے درجے کی حماقت نہیں ہے؟!

دوسرا محال:

تمہارا جسم _ اے انسان _ ہزار ہا قُبّوں پر مشتمل ایک بہت بڑے، بلند اور آباد محل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، جس کے ہر قبے میں پتھر معلّق ہیں اور ان کے باہم دیگر پیوستہ ہونے سے عمارت اس طرح مضبوط اور محکم ہے کہ اسے سہارے کے لیے کسی ستون وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا وجود _ اگر کبھی غور کرو تو _ اس محل سے ہزار درجے زیادہ حیرت انگیز چیز ہے؛ کیونکہ تمہارے اس جسم کا محل ہمہ وقت تجدّد پذیر ہے، جس کی وجہ سے یہ انتہائی منظم اور دل آویز طریقے سے درجہ کمال تک پہنچتا ہے۔

اگر اس روح، قلب اور دیگر معنوی یعنی غیر محسوس لطائف سے صرفِ نظر کر لیں جو کہ بذات خود اپنی جگہ پر معجزہ ہیں، اور بغرضِ عبرت تمہارے جسم کے تمام اعضاء میں سے کوئی ایک عضو لے لیں، تو ہمیں نظر آئے گا کہ وہ عضو کسی قبوں والی

Marfat.com

عمارت کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ پس وہ ذرات جو اس عضو میں پائے جاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے معاون اور انتہائی نظم وضبط سے باہم دیگر پیوستہ ہیں اور اس طرح انہوں نے ایک حیرت انگیز، جاذب نظر اور انوکھی عمارت تیار کی ہوئی ہے اور اس طرح -آنکھ اور زبان کی صورت میں- قدرتِ الٰہیہ کا ایک عجیب ترین معجزہ سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اعضاء میں پائے جانے والے ذرات کا نظم ونسق بالکل ایسے ہی ہے جیسے اس قبہ میں پتھر انتہائی ترتیب اور نظم ونسق کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔

تو اگر یہ ذرّات اس صانع القدیر کے امر کے تابع نہ ہوتے تو ان میں سے ہر ذرہ جسم کے دوسرے ذرات پر مطلق حاکم ہوتا، اور اسی طرح ہر ذرہ دوسرے ذرات کا مطلق محکوم بھی ہوتا، اور اسی طرح ان میں سے ہر ذرہ بیک وقت ایک دوسرے کی طرح کا بھی ہوتا اور حاکمیت کے نقطہ نظر سے ایک دوسرے کی ضد بھی ہوتا، اور اسی طرح ہر ذرہ ان صفاتِ جلیلہ کا مرکز ومحور ہوتا جو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے لیے خاص ہیں، اور یہ کہ ہر ذرہ ایک ہی وقت میں کلی طور پر مقید بھی ہوتا اور کلی طور پر مطلق یعنی ہر قید سے آزاد بھی!

پس ایک بنی ہوئی چیز جو اس طرح کے نظم ونسق کی حامل ہو کہ _وحدانیت کے راز کی رو سے_ وہ صرف ایک واحد اور اکیلی ذات کی قدرت کا نشان ہی ہو سکتی ہو؛ اس کی نسبت ان غیر محدود ذرات کی طرف کرنا صرف ایک نہیں سو دفعہ محال در محال ہے!

اس چیز کا ادراک ہر اس انسان کو ہو سکتا ہے جو ذرہ برابر بھی شعور رکھتا ہے!

تیسرا محال:

اگر تمہارا یہ وجود واحدِ احد اور قدیرِ ازلی کے معجز نگار قلم کا شہ پارہ نہ ہو اور نیچر واسباب کے چھاپہ خانوں میں پرنٹ ہوا ہو، تو پھر یہ چیز لازم آتی ہے کہ تمہارے جسم میں پائے جانے والے ایک خلیے سے لے کر باہم دیگر متداخل دائروں کی طرح ہزاروں مرکبات کے برابر نیچر کے سانچے ہوں۔

اس محال کو سمجھنے کے لیے ہم اپنے سامنے بطورِ مثال ایک کتاب رکھتے ہیں: اور یوں کہتے ہیں کہ:

اگر تمہارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ کتاب ہاتھ سے نقل کی گئی ہے، تو پھر اس کام کے لیے ایک ہی قلم کافی ہے جسے کاتب اپنے علم اور مرضی کے ساتھ حرکت دیتا رہے اور جو چاہے لکھتا رہے۔ لیکن اگر اعتقاد یہ رکھا جائے کہ یہ ہاتھ سے نقل نہیں کی گئی ہے اور ایک ہی قلم کی مرہونِ منت نہیں ہے، بلکہ یہ فرض کیا جائے کہ یہ اپنی اس شکل میں خود بخود آ گئی ہے، یا اس کی کتابت کی نسبت قلم کی طرف کرنے کی بجائے نیچر کی طرف کی جائے، تو پھر یہ چیز لازم آتی ہے کہ اس کے ہر حرف کے لیے ایک علیحدہ اور خصوصی معدنی قلم ہو، اور اس طرح قلموں کی تعداد ان حروف کی تعداد کے برابر ہوگی _بالکل ایسے جیسے پرنٹنگ

Marfat.com

پریس میں لوہے کے حروف ہوتے ہیں اور ان کی تعداد ان حروف کے برابر ہوتی ہے اور ان کی شکلیں بھی ان حروف جیسی ہی ہوتی ہیں_ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں کتاب کو نقل کرنے کے لیے ایک کی بجائے متعدد قلموں کی ضرورت لازم آتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کتاب کے ان حروف میں ایسے حروف بھی ہوتے ہیں جن کے اندر انتہائی باریک خط کے ساتھ مکمل ایک صفحہ لکھ دیتے ہیں_ جیسے لفظ "یٰسین" میں مکمل سورت یٰسین لکھ دیتے ہیں_ اس صورت میں اس طرح کے بڑے حروف کی کتابت کے لیے چھوٹی چھوٹی اور باریک باریک سی ہزاروں قلموں کی ضرورت لازم آتی ہے!

اب اگر یہی حروف مکمل ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ ایک دوسرے میں پیوست ہو کر تمہارے جسم کی شکل وصورت اختیار کر جائیں، تو پھر تمہاری رائے کیا ہوگی؟!

اس صورت میں لازم آئے گا کہ جسم کے ان مذکورہ بالا تمام اجزاء اور تمام دائروں کے لیے مختلف سانچے موجود ہوں جو ان لاتعداد مرکبات کی تعداد کے برابر ہوں۔

بالفرض تم ایسی حالت کے بارے میں_ جو کہ سینکڑوں قسم کے محالات پر مشتمل ہے_ یہ کہتے ہو کہ: ایسا ہونا ممکن ہے! تو پھر اسی فرضی حالت میں بھی_ جس میں ان تمام چیزوں کی تخلیق وایجاد کی نسبت صرف ایک قلم کی طرف نہ کی جائے_ ان ڈھیر ساری قلموں، سانچوں اور معدنی حروف کو بنانے کے لیے ان کی تعداد کے برابر قلموں، سانچوں اور حرفوں کی ضرورت لازم نہ آئے گی، تاکہ ان معدنی اقلام وحروف وغیرہ کو پگھلا کر ان میں ڈھالا جاسکے؟؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں بنائی گئی ہیں، ایجاد کی گئی ہیں اور منظم حالت میں ہیں، ان کے لیے ایک بنانے والے کی، ایک ایجاد کرنے والے کی اور ایک نظم وضبط اور ترتیب دینے والے کی ضرورت ہے۔ اور یوں تم جوں جوں اس میں گہرے اترتے چلے جاؤ گے، معاملہ تسلسل سے آگے چلتا جائے گا۔

اب تم اس فکر اور سوچ میں پائے جانے والے سُقم کا بآسانی ادراک کر سکتے ہو جو تمہارے جسم کے ذرات کی تعداد کے برابر محالات وخرافات پر مشتمل ہے۔

پس اے ضدی ۔۔۔ اپنی عقل کی طرف لوٹ آ اور اس گمراہی سے دامن بچا۔

تیسری بات:

ان کا کسی چیز کے بارے میں یہ کہنا کہ "یہ نیچر کے تقاضے کے تحت ظہور میں آئی ہے"، ان کا یہ فیصلہ بھی بہت سے محالات وناممکنات پر مشتمل ہے، ہم ان میں بطور مثال صرف تین کا ذکر کریں گے۔

پہلا محال:

تمام موجودات_ اور خاص کر زندگی سے بہرہ ور موجودات_ کی تخلیق وایجاد میں جو مضبوطی، پختگی، حکمت اور

Marfat.com

بصیرت نظر آ رہی ہے، اس حکمت اور بصیرت کی نسبت اگر اللہ کی تقدیر اور اس کی بے قید قدرت کی طرف کرنے کی بجائے اندھی، بہری اور جاہل ''نیچر'' یا ''قوت'' کی طرف کی جائے، تو پھر ضروری ہے کہ نیچر ہر چیز میں _ تخلیق وایجاد کے لیے _ بے حد وحساب معنوی چھاپہ خانے اور مشینیں ایجاد کرے، یا پھر ہر چیز میں ایسی ''قوت'' رکھ دے جو تمام کائنات کو پیدا کرنے پر قادر ہو، اور ہر چیز میں ایسی حکمت رکھ دے جو کائنات کے تمام معاملات کی تدبیر کر سکے۔ مثال کے طور پر:

سورج کی تجلیات اور اس کی منعکس ہونے والی روشنیاں اور پانی کے تابدار قطروں یا سطحِ زمین پر اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں پر نظر آنے والی جھلملاتی شعاعیں اور کرنیں، جنہیں ایک سطحی نظر کا مالک چھوٹے چھوٹے سورجوں کی مثالی تصویریں سمجھتا ہے، اگر ان منعکس ہونے والی کرنوں اور شعاعوں کو اس حقیقی سورج کی طرف منسوب نہ کیا جائے، تو پھر یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ سطحِ آب اور شیشے کے ٹکڑوں میں نظر آنے والا ہر سورج ایک چھوٹا سا طبعی اور فطری سورج ہے جس میں اصلی سورج کی تمام صفات وخصوصیات پائی جاتی ہیں، اور ان میں سے ہر سورج شیشے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں واقعتاً موجود ہے۔ یعنی یہ اعتقاد رکھنا لازم ہو جائے گا کہ جتنے یہ شیشے کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کے ذرے ہیں، اتنے ہی سورج ہیں۔

اس مثال کی روشنی میں، ہم کہتے ہیں:

اگر تمام موجودات اور ذی حیات مخلوقات کی نسبت براہِ راست شمسِ اَزلی کے اسماء کی تجلیات کی طرف نہ کی جائے، تو پھر یہ اعتقاد رکھنا لازم ہو جاتا ہے کہ کائنات میں جتنی بھی موجودات اور مخلوقات ہیں اُن میں سے ہر موجود اور خاص طور پر ذی حیات کے اندر ایک ایسی نیچر اور قوت پائی جاتی ہے جو مطلق قوت اور مطلق ارادے کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ مطلق علم اور مطلق حکمت کی بھی مالک ہے، اور وہ تمام مخلوقات اور خاص کر زندہ مخلوقات میں تصرف کناں ہو، مطلب یہ ہے کہ پھر ہر موجود چیز کی اُلوہیت اور ربوبیت قبول کرنا پڑتی ہے۔

اس قسم کی ٹیڑھی سوچ کسی بھی دوسرے ناممکن اور محال سے زیادہ بیہودہ اور باطل ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص اس خالق کائنات کی دلکش اور گہری کاریگری کو _ جو کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق میں بھی ظاہر اور جلوہ ریز ہے _ ایک وہمی، بے وقعت اور بے شعور فطرت یا نیچر کی طرف منسوب کرتا ہے، بلاشبہ اس کی یہ سوچ فکر اسے ایسے گڑھے میں گرا دیتی ہے جہاں وہی آدمی گر سکتا ہے جو گمراہی میں جانوروں سے بھی گیا گزرا ہو۔

دوسرا محال:

یہ موجودات جو کہ انتہائی منظم، متوازن، کامل، مکمل، اور دلکش ہیں، اگر ان کی نسبت اُس مطلق قدرت اور حکمت کی مالک ذات کی طرف کرنے کے بجائے نیچر کی طرف کی جائے تو پھر نیچر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مٹی کی ہر مٹھی میں یورپ

Marfat.com

میں پائے جانے والے کارخانوں اور چھاپہ خانوں کی تعداد کے برابر کارخانے اور چھاپہ خانے بنائے، تاکہ ہر مشتِ خاک خوبصورت لطافت بھرے پھلوں پھولوں کا مصدر ومنبع بن سکے؛ کیونکہ یہ مشت خاک جو کہ پھولوں کی ایک چھوٹی سی کیاری یا گملے کی مانند ہے، اپنی اس قابلیت کا اظہار کرتی ہے کہ اس میں دنیا میں پائے جانے والے جتنے بھی پھولوں پھلوں کے بیج باری باری ڈالے جائیں گے وہ اپنی اپنی شکلوں صورتوں، رنگینیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے پھوٹ پڑیں گے؛ کیونکہ اس مشتِ خاک میں ان بیجوں کو اگانے کی صلاحیت موجود ہے۔

اب اس گملے والی تھوڑی سی مٹی میں اگانے اور بڑھانے پھلانے کی جو صلاحیت پائی جاتی ہے، اس صلاحیت اور قابلیت کی نسبت اگر اس فاطرُ الجلیل اور علیٰ کلِ شئیٍ قدیر ذات کی طرف نہ کی جائے۔ تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس مٹھی بھر مٹی میں دنیا میں پائے جانے والے ہر پھول کے لیے خصوصی طور پر ایک نظر نہ آنے والی فطری مشین موجود ہو، وگرنہ جن رنگارنگ پھلوں پھولوں کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں ان کا ظہور کبھی بھی نہ ہو سکے _ بالکل انڈوں اور نطفوں کی طرح _ کہ ان میں پائے جانے والے مادے ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں، کسی معین شکل وصورت کے حامل نہیں ہوتے، بلکہ ایک دوسرے میں معجون کی طرح مخلوط اور ملے جلے ہوتے ہیں۔ جو کہ پانی، آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن اور نائٹروجن کی پیداوار کا سرچشمہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ہوا، پانی، حرارت اور روشنی، یہ تمام کی تمام چیزیں بسیط ہیں یعنی عقل وشعور کی مالک نہیں ہیں۔ اور یہ ہر چیز میں بغیر کسی کنٹرول کے سیلاب کی طرح موجزن رہتی ہیں۔ اب اس مشتِ خاک سے مختلف قسم کے رنگارنگ، خوبصورت، انوکھے اور دلکش پھولوں کا انتہائی نظم وضبط اور مکمل صورت میں پیدا ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مٹی کی اس مٹھی میں یورپ میں موجود کارخانوں اور چھاپہ خانوں سے بھی زیادہ چھوٹے چھوٹے پیمانوں پر معنوی یعنی نظر نہ آنے والے کارخانے اور چھاپہ خانے موجود ہوں تاکہ ان زندگی سے بھرپور بے شمار کیڑوں کو پیکر میں لانا، اور ان لاتعداد دل ربا اور رنگارنگ نقوش کو بُن سکے۔

یہیں سے آپ جان سکتے ہیں کہ ان نیچریوں کی ملحدانہ سوچ عقلِ سلیم کی راہ سے کتنی دور ہے! اور یہیں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو خود کو بڑا عقل منداور سائنس دان سمجھتے ہیں وہ عقل وسائنس کے پیمانوں سے کتنا دور ہیں! صرف اس وہم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہ نیچر ہی تمام اشیاء کی خالق ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ناممکن اور ان ہونی بیہودگی کو اپنا مسلک ومذہب بنائے ہوئے ہیں۔ اس کو دیکھ، ہنس اور اس پر تھوک!

اگر تو کہے کہ:

یہ ٹھیک ہے کہ جب موجودات کی تخلیق کی نسبت نیچر کی طرف کی جائے تو بہت سے محالات، ناممکنات، اور مشکلات جنم لیتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کائنات کی تخلیق کے اس عمل کی نسبت مکمل طور پر اس واحد، احد، یکتا، اکیلے اور بے نیاز

Marfat.com

خدا کی طرف کردی جائے تو اس صورت میں یہ پیچیدگیاں اور یہ مشکلات کس طرح حل ہوجاتی ہیں؟ اور یہ مشکل اس صورت میں کس طرح آسان، اور ان ہونی اور ناممکن کیونکر ہونی اور ممکن ہوجاتی ہے؟

الجواب:

جیسے کہ ہم نے پہلے محال میں ذکر کیا ہے، سورج کی تجلیات اور اس کے انعکاسات نے _ شیشے کے ٹکڑوں جیسی انتہائی چھوٹی اور جامد اور بے جان اشیاء سے لے کر سمندروں کی وسیع سطح تک تمام مادوں میں _ اپنا اظہار بڑی آسانی سے اور کسی بھی صعوبت اور تکلف کے بغیر کردیا ہے، چنانچہ ان سب پر اس نے اپنے فیضان اور اپنے اثرات کا اظہار انتہائی سہولت اور آسانی کے ساتھ اس طرح سے کردیا ہے کہ ان میں سے ہر چیز ایک چھوٹا سا مثالی سورج محسوس ہوتی ہے۔ پس اگر ان انعکاسات کی نسبت کو حقیقی سورج سے علیحدہ کردیا جائے تو پھر یہ اعتقاد رکھنا لازمی ہوجاتا ہے کہ ہر ذرے میں خارجی طور پر ایک حقیقی سورج ذاتی طور پر موجود ہے۔ اور کوئی عقل اس چیز کو قبول نہیں کرسکتی ہے، بلکہ یہ چیز ممتنع اور محال ہے۔

پس جو صورتِ حال اس مثال سے واضح ہوتی ہے اسے سامنے رکھ کر یہ سمجھ لیں کہ ہر وجود رکھنے والی چیز کی نسبت اس واحد، احد، تنہا اور بے نیاز ذات کی طرف کی جائے تو اس میں اتنی زیادہ سہولت ہے کہ جس کو ماننا لازمی ہوجاتا ہے، کیونکہ اس طرح ہر چیز کی نسبت اس کی طرف کرنے سے اور یہ تسلیم کرنے سے کہ ہر چیز میں اس کی تجلی پائی جاتی ہے، یہ ممکن ہوجاتا ہے کہ ہر وجود رکھنے والی چیز تک ہر وہ چیز سہولت اور آسانی کے ساتھ پہنچادی جائے جو اس کے لیے ضروری ہے، اور یہ چیز صرف اسی انتساب اور تجلی سے ہی ممکن ہے، جبکہ اگر یہ انتساب کاٹ دیا جائے تو ہر چیز جو کہ خدمت گزاری، ڈیوٹی، ذمہ داری اور اطاعت گزاری کی خوگر ہے، اس کی یہ حالت تبدیل ہوکر حکم عدولی، سرکشی اور نافرمانی میں تبدیل ہوجائے گی۔ اور اگر ہر مخلوق کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ شترِ بے مہار کی طرح ہوجائے، یا اس امر کو نیچر کی طرف منسوب کردیا جائے، تو ہزاروں ایسی مشکلات اور پیچیدگیاں سامنے آجائیں گی جو اس چیز کے کسی بھی طرح ممکن نہ ہونے پر مہر لگادیں گی۔ حتیٰ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی مکھی کی تخلیق بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس میں کارفرما اندھی نیچر ایک ایسی مطلق قدرت کی مالک ہو، جس کے ذریعے وہ اس کائنات کو تخلیق کرنے پر قادر ہو، اور _ اس کے ساتھ ساتھ _ وہ ایسی بالغ حکمتِ عملی کی مالک ہو، جس کے ذریعے وہ اس کائنات کا انتظام و انصرام کرسکتی ہو۔ غور کریں کہ ایک مکھی _ ایک چھوٹے سے جسم کی مالک ہونے کے باوجود _ ایک انتہائی عمدہ تخلیق کی شاہکار ہے۔ اور اس کا یہ چھوٹا سا جسم کائنات کی فہرست ہے۔ بنابریں، یہ چیز (تخلیق کی نسبت نیچر کی طرف کرنا) ایک بار نہیں بلکہ ہزار بار محال در محال ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ:

جس طرح واجبُ الوجود ذات کا شریک اور نظیر محال اور ممتنع ہے، اسی طرح اس کی ربوبیّت میں کسی دوسرے کی

Marfat.com

مداخلت، اور خلق وایجاد میں اس کے ساتھ کسی کی شراکت بھی محال وممتنع ہے۔ رہیں وہ مشکلات جو ہم نے کئی ایک رسائل میں ''دوسرے محال یا ناممکن'' کے تحت ثابت کی ہیں، تو وہ مندرجہ ذیل ہیں:

جب تمام اشیاء کی تخلیق و پیدائش کو اس ایک اور یکتا ہستی کی طرف منسوب کیا جائے تو اس وقت تمام چیزوں کی تخلیق کا عمل ایک چیز کی تخلیق کے عمل کی طرح آسان ہو جاتا ہے، جبکہ اگر تخلیق کے اس عمل کو اسباب اور نیچر کی طرف منسوب کیا جائے تو صرف ایک چیز کی تخلیق وایجاد کا عمل تمام چیزوں کی تخلیق وایجاد کے عمل کی طرح مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اس بات کے اثبات کے لیے چونکہ ہم پہلے قوی دلائل دے چکے ہیں، اس لیے یہاں صرف ایک دلیل کا خلاصہ بیان کیا جائے گا:

جب کوئی آدمی سپاہی یا سرکاری ملازم ہونے کے ناطے بادشاہ کی طرف منسوب ہو تو اپنی اس نسبت کی وجہ سے وہ اپنی انفرادی طاقت سے کئی گنا زیادہ کام سرانجام دے سکتا ہے، اور یہ طاقت اور قوت اسے اس طاقت سے ملی ہے جو بادشاہ کی طرف نسبت میں پائی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر وہ سپاہی ہونے کے باوجود بادشاہ کے نام پر کسی دوسرے بادشاہ کو گرفتار کر سکتا ہے؛ کیونکہ وہ جتنی ڈیوٹیاں ادا کر رہا ہے اس کے لیے مطلوبہ اسلحہ نہ خود اُٹھا کر لے جاتا ہے اور نہ اسے اُٹھانے کی ضرورت ہے بلکہ یہ سب کچھ اسے بادشاہ کی نسبت سے اُسے شاہی خزانوں اور فوج کے دستوں سے مہیا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک معمولی سپاہی ہونے کے باوجود کئی ایسے معجزانہ کارنامے سرانجام دیتا ہے جیسے کہ وہ کوئی بہت بڑا حکمران ہو، اور اس کے یہ کام اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ وہ ایک فردِ واحد کے کام ہونے کی بجائے کسی بہت بڑے لشکر کے کارنامے محسوس ہوتے ہیں۔ اس نسبت کی برکت سے ایک چیونٹی کسی سرکش فرعون کا محل تباہ کر سکتی ہے، اس نسبت کے فیضان سے ایک مچھر کسی ظالم وجابر نمرود کو ہلاک کر سکتا ہے اور اس نسبت کی بدولت صنوبر کا چھوٹا سا _ گندم کے دانے جتنا _ بیج صنوبر کے ایک قوی ہیکل درخت کو نشو ونما دے دیتا ہے اور اسے پروان چڑھانے کی تگ ودو کرتا ہے۔ (حاشیہ:۱)

یہ نسبت اگر منقطع ہو جائے اور اس وجود رکھنے والی چیز کو اس کی ڈیوٹی سے سبکدوش کر دیا جائے، تو پھر اس پر یہ لازم

(حاشیہ:۱) جی ہاں، جب نسبت حاصل ہو جائے تو یہ ننھا بیج قدرت الٰہی سے حکم حاصل کر کے ان معجزانہ اعمال کو سرانجام دینے کا شرف حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، لیکن جب یہ نسبت ختم ہو جائے تو پھر اس بیج کی تخلیق کے لیے اس سے زیادہ قدرت، مہارت اور آلات کی ضرورت ہوتی ہے جو صنوبر جیسے دیو ہیکل درخت کی پیدائش کے لیے درکار ہوتے ہیں، اور یہ اس لیے کہ شجر صنوبر کے تمام وہ اعضاء جو پہاڑوں کو ڈھانپے ہوتے ہیں، ان کی خوبصورتی اور دلکشی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو قدرت الٰہی کے ایک دل آویز شاہکار کا نمونہ پیش کرتے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اندرونی یا باطنی درخت کے اندر موجود ہوں جو قدرت کا ایک نشان ہے اور بیج کے اندر پنہاں ہے؛ کیونکہ اس قد آور دیو ہیکل درخت کا کارخانہ تو اس بیج کے اندر ہی چھپا بیٹھا ہے، لیکن اس کی ظاہری شکل وہ ہے جو قدرت الٰہی کی بدولت اس بیج کے باہر سے ظہور میں آ رہی ہے اور صنوبر کے درخت کی صورت میں شکل پذیر ہو رہی ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے کندھوں پر ایسی قوت اور اس سے متعلقہ آلات و وسائل اور دیگر لوازمات اٹھائے رکھے جن سے وہ یہ کام سرانجام دے سکے اور ایسی صورت میں وہ صرف ایسے اعمال ہی سرانجام دے سکتی ہے جو اس دبلی سی اور محدود سی قوت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں جسے وہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے، اور جو اس کی کمر پر لدے ہوئے آلات و اوزار اور لوازمات کی کمیّت اور کیفیت کے مطابق ہوں۔ اب اگر اس سے وہ کام کرنے کے لیے کہا جائے جو وہ پہلی حالت میں سہولت اور آسانی کے ساتھ سرانجام دیتا تھا، تو وہ یہ کام نہیں کر سکے گا اور اپنی عاجزی کا اظہار کرے گا، الّا یہ کہ وہ اپنے بازو پر ایک پوری فوج کی قوت اور اپنی کمر پر ایک جنگجو ملک کے تمام ساز و سامان کے کارخانے لاد سکے!

وہم و خرافات کی فضاؤں میں سرگرداں اس خیال کے حامل لوگ اپنے کہے پر خود پچھتاتے ہوئے سر چھپاتے ہیں۔

الحاصل: ''ہر وجود رکھنے والی چیز کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دینے اور اس کی نسبت اسی واجب الوجود کی طرف کر دینے میں اتنی سہولت اور آسانی ہے کہ ایسا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کی ایجاد یا تخلیق کو نیچر کی طرف منسوب کرنے میں اتنی پیچیدگی ہے کہ یہ چیز ناممکن، ممتنع اور عقل کے دائرے سے باہر ہو جاتی ہے۔

تیسرا محال:

اس محال یا ناممکن کی وضاحت ہم دو ایسی مثالوں کے ساتھ کرتے ہیں جن کی وضاحت ''رسائلِ نور'' کے بعض اجزاء میں ہو چکی ہے۔

پہلی مثال:

ایک پرلے درجے کا جنگلی، سادہ لوح اور تہذیب و تمدّن سے ناآشنا آدمی ایک ایسے محل میں داخل ہوتا ہے جو ایک لق و دق صحرا میں تعمیر کیا گیا ہے یہ محل ہر طرح سے مکمل اور تہذیب و تمدن کے ہر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ ہے، اور وہاں دیکھتا ہے کہ اس میں ہر چیز بنائی گئی ہے اور انتہائی منظم طریقے سے رکھی ہوئی ہے تو وحشی پن اور حماقت کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اس محل کی ساخت پرداخت کے ضمن میں کوئی بیرونی ہاتھ کام نہیں کر رہا ہے اور محل کے اندر پڑی ہوئی چیزوں میں کسی چیز نے ہی اس محل کو اس کے تمام ساز و سامان سمیت تیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ محل کے اندرون میں اس طرح کی کسی چیز کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔ لیکن وہ جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اس کی وحشی عقل اس چیز کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ وہ اتنی ساری چیزیں بنا سکے! پھر اُسے ایک کتاب نظر آتی ہے جس میں محل کی تعمیر و تشکیل کا طریق کار، اس میں پائی جانے والی چیزوں کی فہرست اور اس کے نظم و نسق کی تمام تدبیریں درج ہیں۔ اور وہ کتاب جس کے پاس نہ ہاتھ ہے، نہ آنکھ اور نہ ہتھوڑا اور باوجودیکہ وہ کتاب محل میں پڑی ہوئی دیگر اشیاء کی طرح کسی ایسی قابلیت یا استعداد کی مالک نہیں جس

Marfat.com

سے وہ اس محل کی تشکیل وتزئین کر سکے، لیکن پھر بھی وہ مبہوت سا ہو کر کھڑا رہا لیکن اس نے مجبور ہو کر دیکھا کہ یہ کتاب دیگر اشیاء کے مقابلے میں محل میں موجود تمام اشیاء کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے؛ کیونکہ یہ سائنسی قوانین کا عنوان ہے، چنانچہ اس نے مجبور ہو کر کہا: اس کتاب نے ہی اس محل کی تشکیل، تنظیم اور تزئین وآرائش کی ہے، اسی نے یہ تمام چیزیں بنائی ہیں، انہیں محل میں ٹانکا، سجایا اور انہیں اس تنظیم وترتیب سے رکھا ہے۔ اور یوں اُس نے اپنے وحشی پن کو احمقوں اور مدہوشوں کی یادہ گوئی کے رُوپ میں تبدیل کر دیا۔

بعینہٖ اسی طرح ایک وحشی، نیچریوں کی سوچ وفکر رکھنے اور انکارِ اُلوہیت کے راستے پر چلنے والا انسان اس کائنات کے محل میں داخل ہوتا ہے جو کہ مثال میں ذکر کیے گئے محل سے کہیں زیادہ کامل ومکمل اور اس سے لامحدود درجات کے حساب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ جس کی تمام جہتیں حکمت کے معجزات سے پُر ہیں، تو وہ یہ بات نہیں سوچتا کہ یہ اُس واجبُ الوجود کی صنعت وتخلیق کا خوبصورت نقش ہے جو کائنات کے دائرے سے باہر ہے اور سوچ فکر کے اس انداز سے پہلوتہی کر جاتا ہے۔ اور اسے عاداتِ الٰہیہ کے قوانین کا مجموعہ اور صنعتِ ربانی کی فہرست سمجھتا ہے جو کہ ممکنات کے دائرے میں تقدیرِ الٰہی کے لیے لوحِ المحو والاثبات کا اور قدرتِ الٰہی کے قوانین وکارروائیوں کے عملدرآمد کے لیے ایک ایسی کتاب کا حکم رکھتی ہے، جس میں ہمہ وقت تغیر وتبدل کا عمل جاری رہتا ہے۔

اور وہ کہتا ہے: اگر ان تمام اشیاء کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں معرضِ وجود میں لانے کے لیے کوئی سبب ہونا چاہیے تو پھر اس کتاب سے بڑھ کر اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو ان اشیاء کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔ عقل اگرچہ کسی بھی طرح یہ بات قبول نہیں کرتی کہ آنکھ شعور اور قدرت سے محروم یہ کتاب تخلیق وایجاد کا کوئی ایسا کام کر سکے جو مطلق ربوبیت کے شایانِ شان اور بے حد وحساب قدرت کا مقتضی ہو۔ لیکن اگر میں ایک قدیم صانع کا عقیدہ نہیں رکھتا ہوں تو یہی کہوں گا کہ زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ اس کتاب نے ہی یہ محل بنایا ہے اور وہ بنا بھی سکتی ہے۔

اور ہم کہتے ہیں: ارے بے سُدھ اور بیوقوفوں کے سردار! اپنے سر کو نیچر کے اس کیچڑ سے باہر نکال کے دیکھ اور اس صانع الجلیل کا مشاہدہ کر جس کی گواہی ذروں سے لے کر سیاروں تک تمام موجودات مختلف زبانوں کے ساتھ دے رہی ہیں اور اپنی انگلیوں کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ اور اس نقاشِ ازلی کا جلوہ دیکھ جس نے یہ محل تعمیر کیا ہے اور اس کا تمام منصوبہ اور نظم ونسق اس کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اس کا کلام دیکھ، اس کا قرآن سن اور ان یادہ گوئیوں سے نجات پا جا۔

دوسری مثال:

ایک تہذیب وتمدن سے ناآشنا انسان کسی ہیبت ناک فوجی کیمپ میں داخل ہوتا ہے، تو وہاں کی انتہائی مضبوط، منظم اور اطاعت وانقیاد میں ڈھلی ہوئی مشقوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ فوج کے تمام سپاہیوں کی

Marfat.com

حرکات وسکنات میں اتنی ترتیباور یکسانیت پائی جاتی ہے کہ فوج، بٹالین، کمپنی اور ڈویژن وغیرہ سب سے ایک ہی وقت میں صادر ہونے والی حرکت ایسے محسوس ہوتی ہے جیسے ان میں سے صرف ایک ہی آدمی حرکت کررہا ہو۔ان سب کی حرکت ان میں سے ایک آدمی کی حرکت کے تابع تھی، وہ حرکت کرتا ہے تو یہ سب حرکت کرتے ہیں اور وہ ساکت ہوتا ہے تو سب ساکت ہوجاتے ہیں، اور وہ آدمی حکم کرتا ہے تو سب لوگ گولی چلادیتے ہیں۔وہ تو حیران رہ جاتا ہے! اور اس کی سادہ اور وحشی عقل اس بات کا ادراک کرنے سے قاصر رہتی ہے کہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑے قائد اور سپہ سالار کی قیادت کام کررہی ہے، اور وہ قائد ہی بادشاہ کے احکام اور سلطنت کے نظام کے بل بوتے پر اپنے احکام واوامر نافذ کررہا ہے۔اس کی بجائے اس کے سادے سے ذہن میں صرف یہی بات آسکی کہ یہ تمام سپاہی ایک رسی کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اس لیے وہ ایک ساتھ حرکت کرتے اور اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ پھر وہ تصور میں اس عجوبہء روزگار وہمی رسی کے بارے میں سوچتا ہے اور حیرت میں کھوجاتا ہے کہ خدایا! یہ رسی کتنی عجیب ہوگی! اور انہیں سوچوں میں گم چھاؤنی سے باہر نکل جاتا ہے۔

یہی دیہاتی پھرتا پھراتا جمعہ کے دن ''ایاصوفیا'' جیسی کسی عظیم الشان مسجد میں جانکلتا ہے، وہاں جاکر دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت ایک آدمی کے پیچھے ہے، اور وہ سب لوگ اس آدمی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے قیام وقعود اور رکوع وسجود میں اس کی اطاعت کرتے ہیں۔اسے چونکہ شریعتِ الٰہیہ کے بارے میں کوئی سدھ بدھ نہیں تھی وہ شریعت جو آسمانی اور روحانی قوانین کا مجموعہ ہے۔اور صاحبِ شریعت کے احکام واوامر کے روحانی دستوروں کے بارے میں چنداں علم نہیں تھا، اس لیے وہ سوچتا ہے کہ یہ اتنے زیادہ لوگ مادی رسیوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں، اور ان تمام لوگوں کی حرکات وسکنات ان رسیوں کی مرہونِ منت ہیں، یعنی یہ مادی رسیاں ہی انہیں حرکت میں لاتی اور ساکت کرتی ہیں۔

اور یوں وہ ایسا مضحکہ خیز خیال لے کر نکلتا ہے جس کی وجہ سے عام آدمی تو درکنار، درندہ صفت انسانوں کو بھی اپنے اوپر طنز وتضحیک کا موقع دیتا ہے۔

اب اسی مثال کی روشنی میں:

ایک ملحد اور زندیق آدمی اس دنیا میں آتا ہے جو کہ اس جلیل القدر بادشاہ کی ایک پر ہیبت فوجی چھاؤنی ہے، جو کہ ایک خوبصورت اور عظیم الشان مسجد ہے جس میں اس ازلی معبود کی تعظیم وتقدیس کی جاتی ہے، وہ اس مسجد میں اس طرح آتا ہے کہ اس کے دل ودماغ میں اس مبنی بر انکار اور جہالت سے بھرپور ''نیچر'' کا سودا سمایا ہوا ہے۔

اب جب وہ اس انوکھی اور بے نظیر کائنات کے ان نقوش وآثار کا مشاہدہ کرتا ہے جو انتہائی نظم وترتیب میں بندھے

Marfat.com

ہوئے اور ایک صاحبِ حکمت مصوّر کی گہری حکمت کا شاہکار ہیں، تو اس کے بارے میں یہ سوچتا ہے کہ گویا یہ کچھ ''مادی قوانین'' ہیں، اس لیے ان کی تحقیق وجستجو کے ضمن میں ان کے ساتھ ایسے ہی برتاؤ کرتا ہے جیسے یہ مادی، بے جان، جامد اور ٹھوس چیزیں ہوں۔

اور ربوبیت کے قوانین جو کہ اس معبودِ ازلی کی تکوینی اور فطری شریعت کے غیر مادی اور اعتباری دستور ہیں، اور جو کہ مجموعی طور پر خالص روحانی دستور ہیں اور ان کا وجود صرف علمی طور پر ہے؛ انہیں جب دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ گویا یہ خارجی وجود رکھنے والی مادی چیزیں ہیں۔ جبکہ یہ قوانین روحانی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور علمِ الٰہی اور کلامِ ربانی سے صادر ہونے والے وہ قوانین جن کا صرف علمی وجود ہے، ان قوانین کو قدرتِ الٰہیہ کا درجہ دیتا ہے، اور انہیں خلق وایجاد کا مالک بناتا ہے اور انہیں ''نیچر'' کا نام دیتا ہے، یہ تصور کرتا ہوا کہ وہ قوت جو قدرتِ ربانیہ کی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے، وہ قدرتِ فاعلہ ہے اور بذاتِ خود مستقل طور پر ہر چیز پر قادر ہے۔

کیا اس کے آگے بھی جہالت، غباوت اور کند ذہنی کا کوئی درجہ ہے؟ کیا یہ اس مثال میں بیان کی گئی جہالت سے ہزار گنا بڑی جہالت نہیں ہے؟

الحاصل:

وہ وہمی اور خیالی چیز ''نیچر'' جس کے ساتھ نیچر پرست چمٹے ہوئے ہیں، وہ حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے، اگر یہ ضروری ہے کہ وہ خارج میں کوئی حقیقی وجود رکھتی ہے، تو پھر یہ ''وجود'' ایک صانع کی صنعت گری اور ایک فنکار کا فن پارہ تو ہو سکتا ہے، خود صانع یا فنکار نہیں۔ ایک نقش نگار کا نقش تو ہو سکتا ہے نقش نگار نہیں۔ احکام کا مجموعہ تو ہو سکتا ہے خود حاکم نہیں۔ فطری قانون تو ہو سکتا ہے، خود قانون ساز نہیں۔ پروردگار کی عزت وجلال پر پڑا ہوا ایک پردہ تو ہو سکتا ہے خود خالق نہیں۔ ایک حکم پذیر فطرت تو ہو سکتا ہے، خود فاطر اور فاعل نہیں۔ مجموعہ قوانین تو ہو سکتا ہے، صاحبِ قدرت نہیں۔ یہ فطرت کی رنگینیوں کی نقش نگاری اور انہیں ماپنے کا آلہ تو ہو سکتا ہے لیکن اُن کا منبع ومصدر نہیں۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

جب موجودات واقعتاً موجود ہیں اور عقل ان موجودات کے وجود میں آنے کے صرف چار راستوں کا تصوّر کر سکتی ہے۔ جیسے کہ اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے تین راستوں کو تین واضح محالات یا ناممکنات کے ذریعے قطعی طور پر باطل ثابت کر دیا گیا ہے، تو اب یہ بات بدیہی، یقینی اور ضروری ہے کہ صرف ایک ہی راستہ باقی رہے جس میں کوئی شک یا تردّد مطلق راہ نہ پا سکے، اور وہ ہے ''وحدانیت'' کا راستہ، وہ راستہ جس کی طرف یہ آیتِ کریمہ اشارہ کر رہی ہے:

Marfat.com

﴿أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (حاشیہ:۱) جو کہ بدیہی اور یقینی طور پر اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ذات یا وجود ایسا بھی ہے جو کہ ''واجب الوجود'' ہے، اس کی اُلوہیت اور نگرانی ہمہ گیر ہے، ہر چیز کا صدور اس کے دستِ قدرت سے ہوا ہے اور زمین و آسمان کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے

اے بندۂ اسباب، اے نیچر پر فریفتہ مسکین!

جب یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز کی فطرت خود اس چیز کی طرح مخلوق ہے؛ کیونکہ اس کا وجود میں آنا حادث یعنی جدید ہے قدیم نہیں، اور اس پر صنعت اور تکمیلِ فن کی علامت بھی موجود ہے، اور اس ظاہری چیز کو وجود میں لانے کا سبب بھی مصنوع اور حادث ہے۔ اور جب یہ حقیقت ہے کہ ہر چیز کے وجود کے لیے بہت سے وسائل و ذرائع اور آلات و اوزار کا ہونا ضروری ہے، تو پھر ایک قادرِ مطلق کا ہونا بھی ضروری ہے جو اس چیز میں اس فطرت یا نیچر کو پیدا کر سکے، اور اس کے لیے اس سبب کو ایجاد کر سکے۔ اور ایسی قدیرِ مطلق ذات کو اس چیز کی کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنی ربوبیت اور خلق و ایجاد میں عاجز و درماندہ وسائل و ذرائع کو شریک بنائے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ مسبب و سبب کو بیک وقت براہِ راست پیدا اور دونوں کے درمیان ترتیب و تنظیم کے ساتھ ایک ظاہری سببیّت ایجاد کر دیتا ہے، اور ان دونوں کے درمیان اسباب اور نیچر کو اپنی جلالت مآب قدرت کے ہاتھ کے لیے پردہ اور اپنی عظمت اور کبریائی کے لیے حجاب بنا دیتا ہے، تاکہ اس کی عزت اپنی بلندیوں پر مقدّس اور منزہ رہے، اور تاکہ اشیائے کائنات میں جو ظاہری ظلم محسوس ہوتا ہے، اور جو ظاہری کمی بیشی نظر آ رہی ہے، ان سب کے شکوے شکایت کا تعلق ان اسباب کے ساتھ جوڑ دے۔

دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ آسان اور عقل و فکر کے زیادہ قریب ہے، ایک ایسے گھڑی ساز کا تصور جو گھڑیوں کی چرخیاں اور ان کے کل پرزے بناتا ہے، پھر ان کل پرزوں کو ان چرخیوں کے مطابق ترتیب سے جوڑتا ہے اور ان کی سوئیوں کی حرکات کے درمیان انتہائی دقت نظری سے توازن پیدا کرتا ہے؛ یا یہ کہ ہم ایک ایسے گھڑی ساز کا تصور کریں جو گھڑیوں کی چرخیوں، ان کی سوئیوں اور ان کے دقیق آلات کے درمیان ایک انوکھی اور معجزانہ قسم کی مشین فٹ کر کے گھڑیوں کی بناوٹ کا کام اس کے جامد ہاتھوں کے سپرد کر دیتا ہے؟!

انصاف سے کہیں کہ: کیا یہ ایک بے معنی کلام اور ناممکن اور حدودِ امکان سے خارج کام نہیں ہے؟ آپ صاحبِ عقل ہیں فیصلہ خود کر سکتے ہیں!

اور کون سی بات عقلِ سلیم کی منطق میں گوارا اور قابلِ قبول ہے: ایک ایسے کاتب کا تصور جو کتابت کے جملہ لوازمات: سیاہی، قلم اور ورق وغیرہ مہیا کرنے کے بعد خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتا ہے، یا پھر ایسے کاتب کی ایجاد کا تصور

(حاشیہ:۱) ابراہیم:۱۰

Marfat.com

جو کہ ایک ایسا خصوصی پریس ایجاد کرے جو اس کتاب کو پرنٹ کرے اور یہ پریس خود کتاب سے زیادہ پیچیدہ اور دقیق ہو، یہ کاتب اس کتاب کی کتابت کا معاملہ اس کے سپرد کر دے اور اسے مخاطب کر کے کہے: ''آ و تم یہ کتاب لکھو' اور خود اس کام میں کوئی دخل نہ دے؟ کیا ایسا بیمار تصور عقلی طور پر پیچیدہ، دشوار اور خود کتابت کے معاملے سے کئی گنا زیادہ مشکل نہیں ہے؟!

اگر تم کہو کہ:

ایک کتاب کی طباعت کے لیے ایک پریس کی ایجاد خود کتاب سے سو گنا زیادہ پیچیدہ اور پرصعوبت ہے، لیکن یہ ہے کہ پریس کی مشین تھوڑی مدت میں اس کتاب کے ہزاروں نسخے نکالنے پر قادر ہے، اور یہ آسانی فراہم کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

الجواب:

نقاشِ ازلی اپنی لامحدود قدرت کے ذریعے اپنے اسماء کی بے شمار تجلیات کا مختلف شکلوں میں اظہار کرنے کے لیے اشیاء میں پائے جانے والے تشخصات و علامات و خدوخال کو ایسی صورت میں پیدا کرتا ہے کہ کوئی مکتوبِ صمدانی اور کتابِ ربانی کسی دوسری کتاب کے ساتھ مکمل مشابہت اور مطابقت نہیں رکھتی ہے۔ اور وہ ان تجلیات کو ہمیشہ تازہ رکھتا ہے۔

جی ہاں، ہر مخلوق کی ایک خصوصی علامت اور علیحدہ خدوخال ہونا ضروری ہے جو دوسری ہر مخلوق سے مختلف اور جدا ہو، تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کماحقہ، پورے کر سکے۔ اگر تمہاری آنکھیں ہیں تو انسان کے چہرے کو غور سے دیکھو، تمہیں نظر آئے گا کہ اس چھوٹے سے چہرے میں بے شمار علاماتِ فارقہ اس طرح سے جمع ہو گئی ہیں کہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک یکے بعد دیگرے مسلسل پیدائش کے باوجود ہر انسانی چہرے میں _ دیگر انسانی اعضاء و اطوار میں مشابہت اور موافقت ہونے کے باوجود _ ایسی علامات پائی جاتی ہیں جو دوسرے تمام چہروں سے ممتاز ہیں، اور ابد تک ایسا ہی ہوگا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روز روشن کی طرح واضح ہے۔

تو کہنا یہ ہے کہ ہر چہرہ ایک کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جس کے خدوخال صرف اور صرف اسی کے ساتھ خاص ہیں، اور یہ کتاب بذاتِ خود ایک مستقل اور منفرد کتاب ہے۔ اس خصوصی کتاب کے اخراج، اس کی مضبوطی، تکمیل اور تنظیم کے لیے اس کے حجم کی مناسبت سے حروف ابجد کے مکمل مجموعے کا ہونا ضروری ہے، اور پھر ان حروف کا کتاب میں اپنی اپنی جگہوں میں کمپوز ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس طریقے سے ایک ایسی تالیف پایہء تکمیل تک پہنچ سکے جو دوسروں کی تالیف سے امتیازی حیثیت رکھتی ہو۔

اور اس کام کے لیے ایسے مواد کا حصول بھی ضروری ہے جو اس کی بناوٹ کے ساتھ خاص ہے۔ پھر ان میں سے ہر مادے کو ایسی جگہ پر رکھنا ضروری ہے جو اس کے لیے خاص ہے۔ پھر اسی چہرے میں ان تمام اجزاء و عناصر کا اندراج

Marfat.com

ضروری ہے جو اس کی ساخت اور بناوٹ کے لیے ضروری ہیں۔ اور یہ چیز ایک ایسے کارخانے کی محتاج ہے جو اسی کے لیے خاص ہو، یعنی ہر چہرے کی ہر چیز کے لیے ایک الگ چھاپہ خانے کا ہونا ضروری ہے!!

پھر اگر بالفرض ایسا خصوصی چھاپہ خانہ موجود ہو بھی تو کیا وہ ایک معیّن نظم وضبط اور خصوصی ترتیب وتنسیق کا محتاج نہ ہوگا؟ اس کے حروف، ترتیب وتنسیق اور تنظیم سے اگر قطعِ نظر بھی کر لیا جائے تو خود چھپائی کا کام بھی تو تنظیم وترتیب کا محتاج ہے!!

پس ہر زندہ جسم میں پائے جانے والے مادے کسی چھاپے خانے کے نظام سے سینکڑوں گنا زیادہ دقیق، پیچیدہ اور منظم ہیں۔ اب ان مادوں کو دنیا کے مختلف حصوں سے مخصوص مقدار اور معین اور دقیق وزن کے حساب سے اکٹھا کرنا اور پھر انہیں حاجات وضروریات کے مطابق ترتیب دے کر اور اُخیر میں اس چھاپہ خانے میں رکھنا۔ ان تمام کاموں کا یہ طویل سلسلہ سب سے پہلے ایک ایسے موجد کا محتاج ہے جو یہ فرضی چھاپہ خانہ ایجاد کرے، اور یہ کام صرف اس خالق القدیر کی تخلیق کرنے والی قدرت اور نافذ ہونے والا ارادہ ہی کر سکتا ہے۔

اس لیے یہ احتمال کہ فطرت یا نیچر ایسے ہی ہے جیسے کوئی چھاپہ خانہ ہو، یہ ایک ایسی رسوا کن خرافات ہے جو بالکل بے معنی ہے۔

''گھڑی اور کتاب'' کی مثال میں ہم نے جس چیز کا مشاہدہ کیا، بالکل اسی طرح یہ سمجھیں کہ وہ صانعِ ذوالجلال جو کہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ خود ہی اسباب اور مسبَّبات (اسباب کے نتیجے میں سامنے آنے والی چیزوں) کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہ خود ہی اپنی کامل حکمت کے ساتھ اسباب کو مسبّبات کے ساتھ جوڑتا اور ان کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے۔ اور اس نے اپنے ارادے کے ساتھ اشیائے کائنات کی فطرت یا طبیعت معین کی ہے اور انہیں اس عظیم قانونِ فطرت کی تجلیات کو منعکس کرنے والا آئینہ بنا دیا ہے۔ جس فطرت پر اس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے، وہ فطرت جو اللہ تعالیٰ کی اس کائنات کے امور کی تنظیم وترتیب کے بارے میں خصوصی قوانین اور عادات وضوابط کا حکم رکھتی ہے۔ اس نے اپنی قدرت کے ساتھ اس ''فطرت'' کو ایجاد کیا ہے۔ جس پر یہ عالم شہادت یعنی خارجی وجود استوار ہے، پھر اس نے دیگر تمام اشیاء کو اس فطرت کے مطابق پیدا کر کے انہیں اپنی کامل حکمت کے ساتھ آپس میں ہم آہنگ کر دیا ہے۔

اب ہم اس بات کو تمہاری بے انصاف عقل کے انصاف پر چھوڑتے ہیں تا کہ وہ خود دیکھے کہ: اس کے لیے کون سی بات گوارہ ہے اور اس پر اعتقاد رکھنا اس کے لیے آسان ہے؟ کیا یہ مبنی بر عقل حقیقت جو بے شمار مضبوط دلائل سے پھوٹ رہی ہے، اور جسے مانے بغیر چارہ نہیں، یا پھر یہ کہ چیزوں کی پیدائش کے لیے جن بے شمار آلات واعضاء کی ضرورت ہے وہ آلات واعضاء انہیں مہیّا کر دینا اور حکمت وبصیرت سے بھرپور اعمال کی نسبت خود اسی چیز کی طرف کر دینا؟!! یا ان آلات

Marfat.com

واعضاء اور اعمال کی نسبت اس ''نیچر'' اور ان ''اسباب'' کی طرف کر دینا جو خود جامد، شعور سے خالی اور مخلوق و مصنوع ہیں؟ کیا یہ تصور ایک بہت بڑی بیہودگی، عقلی طور پر ممنوع اور قطعی طور پر ناممکن نہیں ہے؟

نیچر کا پجاری اور خدا کا منکر جواباً کہتا ہے: آپ چونکہ مجھے انصاف کی دعوت دے رہے ہیں، اس لیے میں اعتراف کرتا ہوں کہ: جس گمراہ کن راستے پر اب تک ہم چلے ہیں وہ راستہ جہاں سینکڑوں ناممکنات کی زد میں ہے، وہاں بہت زیادہ نقصان دہ اور انتہائی بدصورت اور مبنی برفساد بھی ہے۔ جس آدمی کے پاس ذرہ سی بھی عقل ہے وہ تمہارے پیش کردہ عقلی موازنے اور دلائل و براہین سے مزین علمی تحقیقات کا ادراک کرسکتا ہے۔ خلق ایجاد کو اسباب اور نیچر کی طرف منسوب کرنا عقلی طور پر ممتنع اور قطعی طور پر محال ہے، بلکہ عقلی طور پر جو چیز واجب اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہر چیز کی نسبت اس واجب الوجود سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کی جائے۔ میں اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس ایمان کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔

بس میرے دل میں اب ایک ہی شبہ رہ گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ: میں اللہ تعالیٰ پر اس حیثیت سے تو ایمان لاتا ہوں کہ وہ ہر چیز کا خالق اور پروردگار ہے، لیکن ذہن میں ابھرنے والا سوال یہ ہے کہ:

اگر ہم بعض معمولی اور غیر اہم چیزوں کی تخلیق کی نسبت بعض جزوی اسباب کی طرف کر دیں؛ کیونکہ وہ ان اسباب کی بدولت وجود میں آئی ہیں، اور اس بنا پر ہم تھوڑی بہت مدح وثنا ان اسباب کی بھی کر دیں، تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بادشاہت کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟! تو۔ جیسا کہ ہم نے ''رسائلِ نور'' کے مختلف اجزاء میں قطعی طور پر ثابت کیا ہے۔؛

جواب:

اس کا یہ ہے کہ: حاکمیت کی شان کسی بھی قسم کی ''مداخلت'' کو رد کر دینے میں ہے، بلکہ کوئی چھوٹا موٹا حاکم اور معمولی افسر بھی، اپنی حاکمیت کی حدود میں اپنے بیٹے کی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتا ہے، بلکہ یہاں تک ہے کہ کچھ بادشاہوں نے۔ تقویٰ وصلاح سے مزین ہونے کے باوجود۔ اپنے بے گناہ بیٹوں کو صرف اس وجہ سے قتل کر دیا تھا کہ انہیں ان کی طرف سے امورِ سلطنت میں بے جا داخلت کا شک پڑ گیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حاکمیت میں ''مداخلت کو ناپسند کرنا'' ایک ایسا مسلّم قانون ہے جو ایک چھوٹے سے ادارے پر دو دعویدار افسروں سے لے کر ایک بہت بڑی سلطنت کے دعویدار دو بادشاہوں تک جاری وساری ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں حکومت یا بادشاہت میں مداخلت کرنے والوں کو جو قتل کیا جاتا رہا ہے، انہیں جلاوطن کیا جاتا رہا ہے، ان کا خون بہایا جاتا رہا ہے، اور اس وجہ سے انسانیت جن پریشانیوں اور دشواریوں سے دوچار ہوتی رہی ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ ''عدمِ مداخلت'' اور ''منعِ اشتراک'' کا یہ قانون انسانی تاریخ کے ہر دور میں مُسلّم رہا ہے اور اپنی قوت ونفوذ کا اظہار کرتا رہا ہے۔ کسی بھی حکومت کی آزادی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں کوئی

Marfat.com

دوسری قوت مداخلت نہ کر سکے۔

اب اس انسان کی حیثیت پر غور کرو جو خود اپنا نظام زندگی چلانے سے عاجز ہے اور ہر لمحہ دوسروں کے ساتھ تعاون کرنے اور ان کے تعاون کا محتاج ہے، اور صرف اتنی حاکمیت اور آمریت کا مالک ہے جو ڈھلتی چھاؤں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے، لیکن اس کی نفسیات دیکھو کہ وہ اپنی اس محدود ترین حاکمیت میں دوسروں کی مداخلت اور مشارکت برداشت نہیں کرتا ہے، اور اپنی حدودِ کار میں دوسروں کا داخلہ ممنوع قرار دیتا ہے، اور اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اپنے اقتدار کو دوام دینے کی کوشش کرتا ہے۔

انسان کی اس حالت کو دیکھو اور اس حاکم مطلق کی طرف دیکھو جو عرشِ ربوبیت پر استوار ہے، اس آمرِ مطلق کو دیکھو جو الوہیت کے اوصاف کا محافظ و نگہبان ہے۔ اس دائمی اور مستقل ہستی کو دیکھو، جو فردیت اور احدیت یعنی تنہائی و یکتائی سے مزین ہے۔ اور اس غنی و مستغنیٔ مطلق کو دیکھو جو بے پایاں قدرت کا مالک ہے۔ یہ ہے اللہ ہمارا رب ذوالجلال والاکرام۔

حاکمیت کی نسبت جب اس کی طرف کی جائے تو پھر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کی بے قید حاکمیت میں "ردّ مداخلت" "ردّ شراکت" یا "منع اشتراک" کتنا لازم ہے، اور شریک یا شراکت کا دعوٰی رکھنے والے کو دھتکار دینا کتنا ضروری ہے! اور یہ چیز اس کی حاکمیت کے لیے کتنی ضروری اور کتنی لازم ہے!! اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز حاکمیت کے ضروری لوازمات میں سے ہے۔

اب انسان کی تنگ، محدود اور دوسروں کی محتاج حاکمیت اور اللہ تعالیٰ کی غیر محدود، بے نیاز اور ہمہ گیر حاکمیت کے مابین موازنہ کرو اور دیکھو کہ:

چہ نسبت است خاک را با عالمِ پاک!

رہی تمہارے شبہے کی دوسری شق، یعنی یہ کہ: اگر بعض جزوی امور کی وجہ سے "بعض اسباب" کی پرستش اور مدح وثنا کر لی جائے تو اس سے ذرات سے لے کر سیاروں اور کہکشاؤں تک معبودِ ازلی اور واجبُ الوجود ہستی کی طرف متوجہ مخلوقات کی عبادت میں کیا نقص واقع ہوتا ہے؟! تو اس کا

جواب یہ ہے کہ:

کائنات کے خالقُ الحکیم نے اس کائنات کو ایک درخت کے رُوپ میں پیدا کیا ہے اور اربابِ شعور کو اس کا کامل ترین پھل بنایا ہے۔ انسان کو یہ تمام اربابِ شعور کے مابین ایک ہمہ صفت موصوف پھل کا درجہ دیا ہے۔ پس وہ حاکمِ مطلق، آمرِ مستقل اور وہ واحدُ الاحد جس نے یہ کائنات اپنی معرفت اور اپنی محبت کے لیے پیدا کی ہے، کیا وہ انسان کو جو کہ تمام کائنات کا پھل ہے، اور انسان کے شکر اور اس کی عبادت کو جو کہ اس کا اہم نتیجہ بلکہ اس کی پیدائش کا نتیجہ، اس کی فطرت کی

Marfat.com

غرض و غایت اور اس کی زندگی کا پھل ہے، کیا وہ ان تمام چیزوں کو دوسروں کے حوالے کر دے گا؟ اور کیا وہ پیدائش کے نتیجے کو اور کائنات کے پھل کو عبث و بیکار چھوڑ دے گا؟ حالانکہ یہ روش کلی طور پر اس کی حکمت کے خلاف ہے؟ اور کیا وہ اس بات کو پسند کرے گا اور اس بات کو گوارہ کرے گا کہ مخلوقات کی عبادات کو دوسروں کے حوالے کر دے اور اپنی ربوبیت اور اپنی حکمت کا بالکل انکار کر دے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔

اور کیا وہ کامل ترین مخلوق کے شکر و امتنان، ان کی محبت و معرفت اور عبادت کو دیگر اسباب کے سپرد کر دے اور اس طرح کائنات میں پائے جانے والے اپنے مقاصدِ عالیہ کا انکار کر دے اور اپنی ذات کو فراموش کرا دے؟ حالانکہ وہ اپنے افعال کے ذریعے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنی ذات کا تعارف کروا رہا ہے اور اُسے آخری درجے میں محبوب بنا رہا ہے۔

نیچر کے اعتقاد سے منہ پھیرنے والے دوست!

اب تم اس ضمن میں کیا کہتے ہو؟ اور وہ کہہ رہا تھا: آپ نے وحدانیت الٰہیہ کے بارے میں، اس کے معبودِ حقیقی کے بارے میں اور اس کے علاوہ کسی کے عبادت کے لائق نہ ہونے پر دو اتنی واضح، قوی اور روشن دلیلیں پیش کر دی ہیں کہ اُن کا انکار کرنا از راہِ تکبر و عناد سورج اور روشنی کے انکار کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ میرے یہ دونوں شبہے حل ہو گئے ہیں۔

الحمد للہ

خاتمہ

کفری افکار و تصورات چھوڑ کر ایمان لانے والا آدمی کہتا ہے۔ الحمد للہ میرا کوئی شبہہ باقی نہیں رہا لیکن کچھ ایسے سوالات ابھی بھی باقی ہیں جن کے جوابات کی مجھے جستجو ہے۔

پہلا سوال:

بہت سے کاہل، کسلمند، عبادت سے جی چرانے والے، اور خاص کر نماز چھوڑنے والے یہ کہتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ جیسی بے نیاز ہستی کو ہماری عبادت کی کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنی کتاب میں کئی جگہ ہمیں ڈانٹتا ہے، اور ہمیں جہنم میں آگ کے سخت ترین عذاب کی دھمکی دیتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ قرآن پاک کے منصفانہ، معتدل اور پختہ اسلوب کے پہلو میں اس معمولی سی جزوی غلطی پر ایسا گرجدار اور دھمکی آمیز اسلوب کیوں استعمال کیا گیا ہے؟

الجواب:

Marfat.com

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بے نیاز ہے، اسے۔ اے انسان۔ تیری عبادت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ تو کسی بھی چیز کا محتاج نہیں ہے، بلکہ عبادت کی ضرورت تجھے ہے اور تو ہی اس کا محتاج ہے۔

اصل یہ ہے کہ تم ایک روحانی مریض ہو، اور عبادت ہی میں تمہاری روح کے تمام زخموں اور تمہارے تمام دردوں کے لیے مرہم شافی رکھا ہوا ہے، اور یہ بات ہم کئی ایک رسائل میں ثابت کر چکے ہیں۔ کوئی مشفق اور مہربان طبیب اگر کسی مریض کو ازراہِ شفقت ایسی دوا کھانے کے لیے کہے جو خصوصی طور پر اس کے مرض کے ساتھ تعلق رکھتی ہو، اور اس پر زور دے کر کہے کہ یہ دوا تم ضرور کھاؤ گے، لیکن مریض آگے سے اسے کہے کہ: تم مجھے یہ دوائی کھانے کے لیے مجبور کیوں کر رہے ہو؟ آخر تمہیں مجھ پر اتنا زور دینے کی ضرورت کیا ہے؟ تو کیا اس کی اس بات سے یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ کتنا احمق ہے اور اس کی یہ منطق کتنی بیہودگی کی آئینہ دار ہے؟

رہی یہ بات کہ قرآن کریم ترکِ عبادت پر خصوصی طور پر عذابِ الیم کی خوفناک دھمکی کا یہ انداز کیوں اختیار کرتا ہے، تو اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

جس طرح ایک حکمران کسی کمینے آدمی کو ایسے جرم کے ارتکاب پر جس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے، سخت ترین سزا دیتا ہے تاکہ رعایا کے حقوق کا تحفظ رہے، اسی طرح وہ سلطانُ الازل والابد عبادت اور نماز کے تارک کو سخت سزا دیتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تارکِ عبادت و نماز بآوازِ بلند موجودات کے حقوق پامال کرتا ہے، ان پر بظاہر نظر نہ آنے والا ظلم کرتا ہے، اور ان کے حقوق ہضم کرتا ہے، وہ موجودات جو کہ اس شاہِ حقیقی کی مخلوق ہیں اور اس کی رعایا ہیں؛ کیونکہ موجودات کے کمالات کا مظاہرہ ان کے ان چہروں پر پھیلی ہوئی تسبیح اور عبادت سے ہوتا ہے جن چہروں کا رخ ان کے صاحبِ حکمت خالقُ الباری کی طرف ہے۔

تارکِ عبادت موجودات کی یہ عبادت دیکھ نہیں رہا ہے اور کبھی دیکھ بھی نہیں سکے گا، بلکہ وہ ان کی اس عبادت کا منکر ہے۔ یہ رویہ یقیناً اُن موجودات کی قدر و قیمت گرانے کے مترادف ہے جن کا ہر گوشہ اور ہر پہلو اس بے نیاز ذات کی بے مثال تحریر کا بلند پایہ شہ پارہ ہے جو تسبیح و عبادت کی آیات کے ساتھ معرضِ تحریر میں آیا ہے، اور جو اپنی تسبیح و آیات کے ساتھ اپنے بزرگ و برتر خالق اور موجد کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان موجودات کا ہر گوشہ اور ہر پہلو انوار و برکات سے درخشاں اسمائے ربانیہ کی تجلیات کو منعکس کرنے والا آئینہ ہے۔ عبادت کا منکر ان کو اُن کے اس بلند و بالا مقام سے نیچے گراتا ہے اور ان کے وجود کو غیر اہم، بے مقصد اور بے معنی سمجھتا ہے، اور انہیں ان کی تخلیق کے فرائض سے خالی سمجھتا ہے، اور انہیں بے جان بے کار اور غیر اہم اشیاء خیال کرتا ہے، اس طرح اپنے اس رویے سے گویا وہ ان موجودات کی اہانت کا مرتکب اور ان کے کمالات کا منکر ہوتا ہے اور ان کے وجود کے اصلی مقصد کو پامال کرتا ہے۔

Marfat.com

جی ہاں، ہر آدمی اس کائنات کو اپنی عینک اور اپنے خاص نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے، اُسے اُس کے خالق البارئ اور مصوّر نے پیدا ہی اِس شکل پر کیا ہے کہ وہ تمام کائنات کو اُس شکل پر قیاس کرسکتا ہے، اور اُسے اُس پیمانے سے ماپ سکتا ہے، یعنی اس عظیم دنیا میں اُسے اُس کی ایک خاص دنیا بھی عطا کی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اُس کی یہ خصوصی دنیا اُسی رنگ میں رنگی جاتی ہے جو رنگ اُس کے دل میں جمے ہوئے عقیدے کا ہوگا۔

پس ایک غمگین، ناامید، افسردہ اور روہانسا انسان کو تمام کائنات غمگین، افسردہ اور روتی دھوتی نظر آتی ہے، جبکہ ایک خوش بخت اور خوش مزاج انسان کو تمام کائنات ہنستی مسکراتی اور مسرور نظر آتی ہے۔

اسی طرح وہ آدمی جو عبادت اور ذکر اذکار کو پوری سنجیدگی، مکمل شعور اور غور وفکر سے ادا کرتا ہے، وہ موجودات کی عبادت اور ان کی تسبیحات کی ایک جھلک پالیتا ہے، بلکہ وہ صاف دیکھ لیتا ہے کہ یہ چیز ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

اس پر مزید یہ کہ تارکِ صلوٰۃ نماز ترک کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ اپنی جان کا خود مالک نہیں ہے، بلکہ یہ جان اس کے آقا و مالک اور خالق و فاطر کی غلام ہے، اس لیے اس کا حقیقی مالک اس کو پوری شدت اور سختی سے خبردار اور متنبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے مالک کا حق نفسِ امّارہ کے حوالے نہ کردے۔ اس پر مزید یہ کہ وہ جب اس عبادت سے پہلوتہی کرتا ہے جو کہ اس کی تخلیق کا ماحصل اور اس کی فطرت کی غرض وغایت ہے، تو اس وقت وہ حکمتِ الٰہیہ اور مشیتِ ربانیہ کے مقابلے میں اپنی حدّ سے تجاوز کر رہا ہوتا ہے، اس لیے اسے اس روش پر سخت سزا دی جاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

تارکِ عبادت جس طرح اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور جان اس کی اللہ تعالیٰ کی مملوک اور اس کی غلام ہے، اسی طرح وہ کائنات کے کمالات کے حقوق پر ظلم وزیادتی کرتا ہے۔ جی ہاں، جس طرح کفر موجودات کی توہین وتحقیر ہے، اسی طرح ترکِ عبادت کائنات کے کمالات کا انکار اور حکمتِ الٰہیہ پر زیادتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تارکِ عبادت شدید ترین دھمکی اور سخت ترین سزا کا مستحق ٹھہرا ہے۔

اسی بنا پر قرآن کریم اس استحقاق کو واضح کرنے اور اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے تہدید و اِنذار کا انداز اختیار کرتا ہے، چنانچہ یہ اسلوب واقعتاً مقتضائے حالات کے عین بعین مطابق ہوتا ہے، جو کہ بلاغت کی اصل روح ہے۔

دوسرا سوال:

ہمارا وہ دوست جو ''نیچر'' کو خالق سمجھنے والی سوچ کو خیر باد کہہ کر ایمان باللہ کی سعادت سے مشرف ہو چکا ہے، کہتا ہے:

یہ بات ایک عظیم اور جلیل القدر حقیقت ہے کہ ہر وجود رکھنے والی چیز ہر لحاظ سے، اپنی ہر حالت میں، اپنے ہر جزء

Marfat.com

وکل میں اور ہر سکون وحرکت میں مشیتِ الٰہیہ اور قدرتِ ربانیہ کی مطلق زیرِ حکم اور تابع فرمان ہے۔ یہ حقیقت اتنی عظیم اور وسیع ہے کہ ہمارے قاصر وکوتاہ ذہن اس کا مکمل طور پر ادراک نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مخلوقات اور موجودات بے انتہا ہیں، اور اشیائے کائنات کی تخلیق وایجاد میں مطلق سہولت کارفرما ہے، اور یہ ایجاد میں سہولت، جو کہ ''وحدانیت'' کے مستلزمات میں سے ہے، اس کا وجود ان قطعی دلائل وبراہین سے متحقق ہو چکا ہے جو آپ نے پیش کیے ہیں، اور قرآن کریم نے تو اپنی بہت سی آیات میں اس ''سہولتِ مطلقہ'' کو صراحت کے ساتھ ثابت کیا ہے، مثال کے طور پر وہ کہتا ہے:

﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْهُوَ اَقْرَبُ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ تمام چیزیں اس عظیم حقیقت (سہولتِ ایجاد) کو عقلی طور پر قابلِ قبول مسئلہ بنا دیتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سہولت کا راز آپ کے خیال میں کس چیز میں پنہاں ہے اور اس کے پیچھے کون سی حکمت کارفرما ہے؟

الجواب:

اس راز کی مکمل اور اطمینان بخش وضاحت ''بیسویں مکتوب'' آیت کریمہ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ کی تشریح میں ہو چکی ہے، اور خاص کر اس ''مکتوب'' کے ذیل میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس مقصد کے لیے کافی ہے؛ کیونکہ وہ وضاحت انتہائی تسلی بخش اور دلائل وبراہین سے آراستہ وپیراستہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

تمام مخلوقات وموجودات کی تخلیق وایجاد کی نسبت جب ایک ہی صانع کی طرف کی جائے تو معاملے میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے، بالکل ایسے جیسے کہ ایک ہی مخلوق کی ایجاد کا معاملہ ہو، لیکن جب اس کی نسبت کثیر چیزوں کی طرف کی جائے تو اس کثرت کے لیے ایک مخلوق کی ''ایجاد'' کے معاملے میں تمام مخلوقات کی تخلیق وایجاد جتنی دشواری پائی جاتی ہے۔ اور یوں ایک بیج کو پیدا کرنا ایسے ہی مشکل اور دشوار ہوگا جیسے کہ ایک درخت کو پیدا کرنا۔ لیکن جب اس ''ایجاد'' کی نسبت اس کے حقیقی صانع کی طرف کر دی جائے گی تو کائنات کا وجود ایک درخت کی طرح اور درخت ایک بیج کی طرح اور جنت ایک موسم بہار کی طرح اور موسمِ بہار ایک پھول کی طرح آسان ہو جاتا ہے۔

وہ سینکڑوں دلائل وبراہین جو ہم نے دیگر رسائل میں جا بجا تفصیل سے ذکر کیے ہیں، ان میں سے یہاں ایک دو کا ذکر ہم کریں گے۔ وہ دلائل وبراہین اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ مخلوقات وموجودات کی کثرت، اور ان میں سے ہر ایک کے بے انتہا افراد اور انواع واقسام اور ان تمام کے کائنات میں انتہائی کامل، مکمل اور منظم شکل میں اور پوری سہولت اور آسانی سے وارد ہونے میں کتنی حکمتیں اور کتنے اسرار پائے جاتے ہیں۔

(حاشیہ:۱) ا۔لقمان:۲۸ (حاشیہ:۲) النحل:۷۷

Marfat.com

اسے مثال سے یوں سمجھیں کہ: سو سپاہیوں کو ایک کمانڈر کے ماتحت کر دینا آسان ہے، جبکہ ایک سپاہی کو سو کمانڈروں کے ماتحت کرنا سو فیصد مشکل ہے۔

اسی طرح اگر ایک مکمل لشکر کو عسکری ساز و سامان کے ساتھ ایک مرکز کی طرف سے، ایک قانون کے تحت، ایک کارخانے سے اس طرح تیار کیا جائے کہ اس کی تیاری کی ذمہ داری بھی ایک ہی کمانڈر کو سونپی جائے، تو یہ کام کمیت اور کثرت کے باوجود ایسے ہی سہل و آسان ہوگا جیسے کہ ایک سپاہی کو تیار کرنا۔ اس کے برعکس اگر ایک سپاہی کو مکمل عسکری ساز و سامان کے ساتھ لیس کرنے کا کام کئی ایک مراکز اور متعدد کارخانوں اور متعدد کمانڈروں کے ذمے لگا دیا جائے تو یہ کمیت اور کثرت کے لحاظ سے ایسے ہی مشکل اور دشوار ہوگا جتنا کہ پوری فوج کو اسلحہ اور دیگر ساز و سامان سے لیس کرنا؛ کیونکہ اس وقت ایک سپاہی کو تیار کرنے کے لیے بھی اتنے ہی کارخانوں کی ضرورت ہوگی جتنی کہ ایک لشکر کو تیار کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس راز کو ہم ایک اور مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں: ایک درخت جس کو اس کا ضروری ساز و سامان ایک جڑ سے، ایک مرکز سے اور ایک قانون کے مطابق مہیا ہوتا ہے وہ ہزاروں پھل ایسی سہولت اور آسانی سے پیدا کر دیتا ہے گویا کہ پورے درخت پر ایک ہی پھل لگا ہو، جبکہ اگر ''وحدت'' کو ''کثرت'' سے بدل دیا جائے اور وحدت کی راہ کی بجائے کثرت کی راہ اختیار کر لی جائے، اور ہر پھل کی زندگی کا ضروری مواد مختلف مراکز اور متعدد جڑوں سے مہیا کیا جائے، تو ایک پھل کو وجود میں لانا اتنا ہی مشکل ہو جائے گا جتنا کہ خود ایک درخت کو، بلکہ ایک بیج کو _ جو کہ درخت کا ایک نمونہ اور اس کی فہرست ہے _ وجود میں لانا بھی ایک مکمل درخت کے پیدا کرنے کی طرح مشکل ہو جائے گا؛ کیونکہ جو مواد درخت کی زندگی کے لیے لازم ہے بعینہ وہی مواد بیج کے لیے ضروری ہے۔

اس طرح سینکڑوں مثالیں ہیں جو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ ''وحدت'' کے ذریعے ہزاروں موجودات کا دنیا میں انتہائی سہولت اور آسانی سے در آنا ایک موجود کے کثرت اور تعدّد کے ذریعے دنیا میں آنے سے کہیں آسان ہے۔

یہ حقیقت ہم چونکہ دیگر رسائل میں دو ضرب دو چار کی طرح قطعی طور پر ثابت کر چکے ہیں، اس لیے ہم قارئین کو ان مقامات کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں یہ مضمون معرضِ تحریر میں آچکا ہے۔ البتہ یہاں ہم ایک ایسے عظیم الشان راز کا انکشاف کرتے ہیں جو اس سہولت اور آسانی کے ساتھ علمِ الٰہی، تقدیرِ الٰہی اور قدرتِ الٰہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور وہ راز یہ ہے:

پہلا راز:

تم موجودات کے درمیان ایک وجود رکھنے والی چیز ہو، اگر تم اپنی ذات کو قدیرِ ازلی کے ہاتھ میں تھما دو گے تو وہ تمہیں امرِ واحد اور قدرتِ مطلقہ کے ذریعے پلک جھپکنے میں عدم سے وجود میں لے آئے گی۔ لیکن اگر تم اپنی ذات کی تخلیق و ایجاد

Marfat.com

کے معاملے کو اس کے سپرد کرنے کی بجائے ''نیچر'' کی طرف منسوب کرو گے اور اسے مادی اسباب کا کرشمہ سمجھو گے، تو پھر تمہاری تخلیق اور ایجاد کے لیے تمہارے وجود میں پائے جانے والے مختلف اقسام کے مادوں کے دقیق چناؤ اور انہیں مقررہ مقدار اور حسّاس اوزان کے مطابق اکٹھا کرنے کے لیے کائنات کے ہر کونے اور ہر زاویے میں سے ایک انتہائی پیچیدہ تلاش وجستجو کے عمل سے گزرنا پڑے گا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے اس جسم میں کائنات کے تمام اجزاء وعناصر جمع ہیں اور تم اس کائنات کا ایک منظم خلاصہ، اس کا ایک پکا ہوا پھل، اس کی ایک چھوٹی سے فہرست اور ایک ایسا تھیلا ہو جس میں اس کائنات کے تمام اجزاء وعناصر لپیٹ کر رکھ دیے گئے ہیں۔

کیونکہ مادی اسباب تو صرف مختلف اجزاء وعناصر کا مرکب اور مجموعہ ہیں، اور یہ بات اہلِ عقل کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ مادی اسباب کسی بھی ایسی چیز کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتے جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔

بنا بریں، وہ کسی بھی چھوٹے سے جاندار جسم کے لیے پوری کائنات سے ایسے تمام مادوں کو جمع کرنے پر مجبور ہیں جو اس جسم کی ترکیب اور ساخت پرداخت کے لیے لازمی ہیں۔

اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وحدت اور توحید میں کتنی سہولت ہے اور شرک وضلالت میں کتنی مشکلیں اور دشواریاں ہیں!

دوسرا راز:

خلق وایجاد میں مطلق سہولت کا سرچشمہ 'علمِ الٰہی' کے زاویۂ نظر سے پھوٹتا ہے، اس کی تفصیل یوں ہے کہ:

تقدیرِ الٰہی علمِ الٰہی کی ایک قسم ہے جو کہ ہر چیز کی خاص مقدار اس طرح سے متعین کرتی ہے کہ گویا وہ اسی چیز کے لیے خصوصی طور پر تیار کی گئی ہے اور اسی کا غیر مادی قالب ہے، اور یوں وہ تقدیری مقدار اس چیز کے وجود میں آنے کا ایک منصوبہ یا ماڈل ہوتی ہے۔ پھر جب قدرتِ الٰہیہ اس چیز کو وجود بخشتی ہے تو تمام سہولت اور آسانی کے ساتھ، اُس اندازہ لگائی گئی اور مقررہ مقدار کے مطابق بخشتی ہے۔

پھر اگر اس چیز کی تخلیق وایجاد کی نسبت مطلق، عالمگیر اور ازلی علم کی مالک ذات یعنی اللہ ذوالجلال کی طرف نہ کی جائے، تو پھر یہی نہیں کہ ہزارہا مشکلات جنم لیتی ہیں، بلکہ ـ جیسے کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے ـ سینکڑوں ناممکنات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تقدیر یعنی اندازے اور علم کے مطابق مقررہ مقدار موجود نہ ہو تو پھر ایک چھوٹے سے حیوانی جسم کی تشکیل وایجاد کے لیے ہزارہا خارجی مادی سانچوں کو استعمال میں لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

یہیں سے آپ وحدت اور توحید میں پائی جانے والی سہولت اور آسانی، اور شرک وضلالت اور شرک میں پائے جانے والی لامتناہی مشکلات کے اسرار کو سمجھ سکتے ہیں!

Marfat.com

اور یہی وہ گہرا راز ہے، اور یہی وہ بلند ترین سیدھی سادھی حقیقت ہے جس سے پردہ یہ آیت کریمہ اٹھاتی ہے:
﴿وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡهُوَ اَقۡرَبُ﴾

تیسرا سوال:

وہ آدمی جو پہلے برسرِ عداوت رہا ہے لیکن اب ایمان کی توفیق سے نوازا گیا ہے اور ہدایت پا گیا ہے، کہتا ہے:
ہمارے اس دور میں کچھ انتہا پسند اور مبالغہ آرا فلاسفہ علی الاطلاق کہہ رہے ہیں کہ: ''عدم سے کوئی چیز وجود میں نہیں آتی اور کوئی وجود رکھنے والی چیز فنا نہیں ہوتی'' اور یہ کہ اس کائنات کا نظم ونسق جو چیز چلا رہی ہے وہ مادے کی ترکیب اور تحلیل ہے، دیگر ہیچ! سوال یہ ہے کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:

یہ فلاسفہ جنہیں موجودات کے بارے میں قرآن کریم کی روشنی میں غور وفکر کرنے کی توفیق نہیں ملی ہے، انہوں نے جب کائنات کو ''نیچر'' اور ''اسباب'' کی عینک سے دیکھا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ ان موجودات کا وجود پذیر ہونا اور یہ فرض کرنا کہ ان موجودات کی موجودہ شکل وصورت ''نیچر'' اور ''اسباب'' کے عوامل کی مرہونِ منت ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو اتنی زیادہ مشکلات اور دشواریاں کھڑی کر دیتا ہے جن سے یہ مفروضہ امتناع کے درجے تک پہنچ جاتا ہے، یعنی یہ کہ اتنی ڈھیر ساری مشکلات کے سامنے یہ مفروضہ قائم ہو ہی نہیں سکتا کہ ان موجودات کو یہ شکل وصورت ''نیچر'' اور ''اسباب'' کے طفیل ملی ہے۔ جیسے کہ ہم نے محالات وناممکنات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ تب اس مخمصے اور فکری دلدل سے نکلنے کے لیے انہوں نے ہاتھ پاؤں مارے تو نتیجے میں ان کے دو گروہ ظہور میں آ گئے۔

پہلا گروہ:

یہ گروہ سوفسطائی بن گیا اور انسان کی امتیازی نعمت یعنی عقل کو خیر باد کہہ کر حیوانوں سے بھی نچلی سطح میں جا گرا؛ کیونکہ ان کی فلسفیانہ سوچ نے انہیں عمومی طور پر کائنات کے انکار کی راہ پر ڈال دیا، بلکہ حتی کہ انہوں نے خود اپنے وجود کا بھی انکار کر دیا۔ اور یہ تب ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ تخلیق وایجاد کی باگ ڈور ''نیچر'' اور ''اسباب'' کے ہاتھ میں دینے کی بجائے وجود کا سرے سے ہی انکار کر دینا عقل کو زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے وجود سمیت تمام موجودات کا انکار کر دیا اور اس طرح وہ جہالت کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔

دوسرا گروہ:

انہوں نے دیکھا کہ اگر موجودات کی ایجاد اور تخلیق کی باگ ڈور ''نیچر'' یا ''اسباب'' کے ہاتھ میں تھما دی جائے جیسے کہ اہلِ ضلالت کا وتیرہ ہے، تو پھر مچھر اور بیج جیسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی ایجاد بھی لامحدود مشکلوں اور پیچیدگیوں میں گھری

Marfat.com

ہوئی ہے، اور ان کی تخلیق اتنی بڑی قدرت کی مقتضی ہے جو عقل کے بس کی بات نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے - جب انہیں اور کوئی راستہ نظر نہ آیا تو - خود ''تخلیق وایجاد'' ہی کا انکار کر دیا، اور کہنے لگے کہ: ''عدم سے کوئی چیز وجود میں نہیں آتی''۔ اور اسی طرح انہوں نے جب یہ دیکھا کہ چیزوں کو سرے سے فنا کر دینا بھی تو محال ہے، تو فیصلہ دے دیا کہ ''وجود رکھنے والی کوئی چیز فنا نہیں ہوتی''۔ اور یہ تصور قائم کر لیا کہ تمام اشیاء کا بننا بگڑنا اس ترکیب وتحلیل اور جمع وتفریق کا نتیجہ ہے جو ذرات کی حرکات اور اتفاقات کے سیلاب سے جنم لیتی ہے۔ غور کریں کہ یہ لوگ جو کہ خود کو عقل وفکر کی بلندیوں پر سمجھتے ہیں، کس طرح حماقت اور جہالت کی پستی میں گرے ہوئے ہیں! اور یہیں سے تمہیں یہ پتا چل جانا چاہیے کہ یہ معزز اور مکرم انسان جب ایمان جیسی دولت سے محروم ہوتا ہے تو گمراہی اور بے راہ روی کس طرح اسے ہر ایک کے لیے جگ ہنسائی کا مرکز بنا دیتی ہے!

ہم ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ:

تم ہی کہو: وہ قدرت مطلق جو سطح زمین پر ہر سال چار لاکھ اقسام کے زندگی رکھنے والے وجود پیدا کرتی ہے، اس سے کسی بھی چیز کا ایجاد کرنا کیونکر بعید ہو سکتا ہے؟ وہ قدرتِ ازلی جس نے زمین وآسماں کو چھ دن میں پیدا کیا، اور وہ ذات جو موسم بہار میں صرف چھ ہفتوں میں سطح زمین پر حیوانات ونباتات کی صورت میں ایسی زندہ مخلوق بکھیر دیتی ہے جو تمام کائنات سے زیادہ محکم، پائیدار اور دیدہ زیب حکمت سے بھرپور اور مزین ہوتی ہے؛ ایسی ہستی سے کیا بعید ہے کہ وہ ایسی علمی موجودات کی تخلیق کر دے جن کی تمام منصوبہ بندی اور مقداریں اس کے ازلی علم کے دائرے کے ضمن میں متعین ہوتی ہیں؟ اس لیے وہ انہیں اس طرح انتہائی آسانی سے پیدا کرتا ہے جیسے نظر نہ آنے والے حروف پر سے کیمیائی مادہ گزار کر انہیں ابھار کر واضح کر دیا جاتا ہے۔ تو کہنا یہ ہے کہ علم میں موجود موجودات جو کہ خارج میں معدومات کے درجے میں ہیں، ان موجودات پر خارجی وجود کا اضافہ اس ازلی قدرت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ پھر خود ایجاد کا انکار کرنا اور موجوداتِ علمیہ کو وجودِ خارجی عطا کرنے کو قدرتِ ازلیہ سے بعید سمجھنا سوفسطائیوں کی جہالت اور حماقت سے بھی بڑی جہالت اور حماقت ہے، ان بدبختوں کے نفوس جو کہ مطلق عاجز اور جو جزءِ اختیاری کے سوا ذرہ برابر اختیار کے بھی مالک نہیں لیکن دعویٰ فرعونیت کا کرتے ہیں، کسی بھی چیز کو نیست یا فنا کرنے پر اور کسی ذرے یا مادے کو عدم یا لاشئ سے ایجاد کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور ''نیچر'' یا ''اسباب'' جن کی غلامی پر وہ فخر کرتے ہیں وہ بھی از بس عاجز ولاچار ہیں اور لاشئ سے کسی چیز کو ''ایجاد'' کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک عام فیصلہ جاری کر دیتے ہیں، اور وہ یہ کہ ''کوئی چیز عدم سے وجود میں نہیں آتی اور نہ ہی کوئی وجود رکھنے والی چیز معدوم ہوتی ہے''۔ اور پھر اپنے اس غلط، پر خطا اور باطل قاعدے کو اتنی عمومیت دیتے ہیں کہ قادرِ مطلق سبحانہ وتعالیٰ کو بھی اسی قاعدے کے تحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جی ہاں

Marfat.com

قدیرِ ذوالجلال کی تخلیق وایجاد کے باب میں دوطرزیں ہیں:

پہلی طرز اختراع اور ابداع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، اور اس وجود کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں انہیں بھی عدم سے وجود میں لاکر اس کے حوالے کر دیتا ہے۔

دوسری طرز یہ ہے کہ کسی چیز کو انشاء، ماہرانہ صنعت اور کاریگری اور اتقان سے پیدا کرنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی کمال حکمت کے اظہار، اپنے اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کی جلوہ گری۔ اور اس طرح کی دیگر گہری حکمتوں کے اظہار کے لیے اسی کائنات کے عناصر سے موجودات کی کوئی قسم پیدا کرتا ہے، تب وہ ان موجودات کو ایسے ذرّات اور مادے عطا کرتا ہے جو کائنات میں رکھے گئے رزق سے متعلقہ قوانین کے مطابق اور اس کے اوامر کے تابع اور سرنگوں ہوتے ہیں، پھر وہ انہی ذروں اور مادوں کو ان موجودات کے تابع بنا دیتا ہے تاکہ اس نئے وجود کی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے۔ پس قادر مطلق کی بے قید قدرت کے ہاں ایجاد اور نقش گری کے دو اسلوب ہیں:

۱۔ ابداع، یعنی عدم سے وجود میں لانا۔

۲۔ انشاء، یعنی مختلف موجود عناصر کو ترتیب میں لاکر تخلیق کرنا۔

تو موجود کو فنا کرنا، اور معدوم کو ایجاد کرنا، اس کے لیے انتہائی آسان اور معمولی کام ہے، بلکہ یہ سہولت اور آسانی اس کا عام اور دائمی قانون ہے۔ پس جو شخص اس بے پایاں قدرت کو تسلیم نہیں کرتا جو بہار میں عدم سے تین لاکھ قسم کی مخلوقات اور جاندار اشیاء کو پیدائش دے کر وجود میں لاتی ہے، ان تمام مخلوقات کو ان کے ذروں کے علاوہ، ان کی تمام اشکال وصفات، کیفیات اور حالات عطا کرتی ہے، جو شخص اس بے پایاں قدرت کی تخلیقی قوت کو تسلیم نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''یہ عدم سے وجود میں نہیں لاسکتی ہے''، ایسے شخص کو خود معدوم ہو جانا چاہیے۔

''نیچر'' کے اس راستے کو خیر باد کہہ کر راہِ حقیقت پر گام فرسا ہونے والا کہتا ہے:

میں ان تمام ذرات کے برابر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے کمالِ ایمان کی دولت سے ہمکنار کیا ہے اور اوہام وخرافات سے بچایا ہے۔ اب اس کے فضل وکرم سے میرے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِينِ الْإِسْلَامِ وَ كَمَا لِ الْإِيْمَانِ

﴿سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّامَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

Marfat.com

چوبیسواں لمعہ

حجاب کے بارے میں

یہ رسالہ پندرہویں یاددہانی کا دوسرا اور تیسرا مسئلہ تھا لیکن اپنی اہمیت کی وجہ سے چوبیسواں لمعہ بن گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ۔۔۔﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیتِ کریمہ پردے کا حکم دیتی ہے، جبکہ پاگل تہذیب قرآن کے اس حکم کی مخالفت کرتی ہے اور پردے کو عورت کے لیے ایک فطری امر نہیں سمجھتی، اور کہتی ہے کہ: پردہ عورتوں کے لیے قید و بند کی حیثیت رکھتا ہے۔ (حاشیہ:۲) الجواب: بہت سی ایسی حکمتیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآنِ حکیم کے حکم کا فطری ہونا اور اس کے مخالف کے غیر فطری ہونے پر دلالت کرنے والی بہتیری حکمتوں میں سے صرف چار حکمتوں کی وضاحت کریں گے۔

پہلی حکمت:

پردہ کرنا عورتوں کی فطرت ہے، اُن کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں خلقت کے لحاظ سے کمزور اور نازک ہیں، اس لیے وہ ایسے خاوند کی محتاج ہوتی ہیں جو اُس کی اور اس کی اُس اولاد کی حفاظت کرے جو اُسے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ اُس کے تعاون کی محتاج رہتی ہے اسی بنا پر اس میں یہ فطری میلان پایا جاتا ہے کہ خود کو اپنے خاوند کی محبوب بنا کر رکھے، اُسے اپنے سے نفرت کرنے کا موقع نہ دے اور ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے وہ اسے اپنے لیے بوجھ سمجھے۔

پھر دس میں سے چھ یا سات عورتیں یا بوڑھی ہیں یا بدصورت، اس لیے وہ اپنا بڑھاپا یا اپنی بدصورتی کو ہر ایک کے سامنے

(حاشیہ:۱) الاحزاب:59

(حاشیہ:۲) اپیل کورٹ میں دیے جانے والے دفاعی بیان کا ایک ٹکڑا جس نے عدالت کو لاجواب کر دیا تھا، اور وہ یہ ہے:
میں عدالت عالیہ سے یہ کہتا ہوں کہ: ایک ایسے آدمی کو سزا دینا جس نے مقدس حقیقی دستور الٰہی کی تفسیر بالکل اُسی طریقے سے کی ہے، جس طریقے سے ساڑھے تین سو ملین لوگ ہر دور کی اجتماعی زندگی میں ساڑھے تیرہ سو سال سے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جس نے اپنی تفسیر میں ساڑھے تین ہزار متفقہ طور پر مستند اور مصدقہ تفسیروں پر اعتماد کیا ہے اور اپنے آباء و اجداد کے ان عقائد کی پیروی کی ہے جن پر وہ ساڑھے تیرہ سو سال سے عمل پیرا ہے۔ روئے زمین پر اگر کہیں عدل کا وجود ہے تو وہ بہر صورت اس فیصلے کو رد کرے گا اور اس حکم کی مخالفت کرے گا۔ مؤلف۔

Marfat.com

ظاہر نہیں کرنا چاہتیں یا پھر ان میں حسد پایا جاتا ہے، اس بنا پر اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں تاکہ وہ ان عورتوں کے مقابلے میں بدصورت نظر نہ آئیں جو اُن کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت ہیں۔ یا پھر زیادتی، دست درازی اور تہمت طرازی سے ڈرتی ہیں اس لیے فطری طور پر پردہ کرنا چاہتی ہیں تاکہ ایسی کسی چیز سے دوچار نہ ہو جائیں اور اپنے خاوند کی نظر میں خیانت کار نہ ٹھہریں۔ حتیٰ کہ اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ ادھیڑ عمر عورتیں اپنے تحفظ کی خاطر پردے کا زیادہ اہتمام کرتی ہیں۔ اور دس میں سے دو تین مشکل سے مل جاتی ہیں جو کہ نوجوان بھی ہو، خوبصورت بھی ہو اور بے پردگی سے جھجکتی نہ ہوں۔

اور یہ بات تو معلوم ہے کہ انسان اُن مردوں کی نظروں سے منقبض اور تنگ ہوتا ہے جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی خوبصورت نوجوان لڑکی بھڑکیلا لباس پہن کر نکلے اور یہ خواہش کرے کہ اُسے دو یا تین اجنبی آدمی لذت کی نظر سے دیکھیں، اور پھر دیکھنے والے اگر سات آٹھ ہو جائیں گے تو وہ گھبرا جائے گی اور اُن کی نظروں کو بوجھل سمجھے گی اور ان سے نفرت کرے گی۔

پس عورت چونکہ لطیف طبیعت کی مالک اور بہت جلد متأثر ہونے والی ہوتی ہے، اس لیے ایک خوبصورت عورت _ بشرطیکہ وہ فحاشی اور اخلاقی گراوٹ کا شکار نہ ہو _ قطعی طور پر اُن مکروہ نظروں سے تنگ دل ہوتی ہے جن کی مادی تأثیر بلکہ جن کی زہرناکی تجربے میں آچکی ہے۔ حتّٰی کہ یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ یورپ جو کہ فحاشی و عریانی کا علاقہ ہے۔ وہاں کی اکثر عورتیں اِن تیز نگاہوں سے منقبض ہوتی، خوف کھاتی اور نفرت کرتی ہیں اور یہ کہتی ہوئی پولیس کو شکایت کرتی ہیں کہ: یہ رذیل لوگ ہمیں نگاہوں کی جیل میں قید کرتے ہیں، اور یوں ہمیں تنگ کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ: اِس جدید تہذیب کا پردے کو نظرانداز کر دینا فطرت کے خلاف ہے۔ اور یہ کہ قرآن کا پردے کا حکم دینا فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ عورتوں کو جو کہ شفقت و رأفت کی کان ہیں اور اپنے خاوندوں کی قیمتی معزز اور ابدی ہم سفر بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں؛ اِن عورتوں کو گراوٹ، ذلت، پستی اور معنوی قید و بند سے بچاتا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ عورتوں میں اجنبی مردوں سے فطری طور پر ڈر خوف پایا جاتا ہے۔ اور ڈر خوف کا یہ احساس فطری طور پر پردے کا مقتضی ہے؛ چنانچہ اس بات کا احتمال ہے کہ آٹھ نو منٹ کی غیر شرعی لذت کے نتیجے میں آٹھ نو مہینے کے لیے ایک بھاری بچے کے بوجھ کی تکلیف اُٹھانی پڑے، اور اس کے بعد اُس غیر شرعی لذت کے نتیجے میں آٹھ نو سال تک کسی بھی سرپرست سے محروم ایک لاوارث بچے کی تربیت کے سلسلے میں جو تکلیفیں اُٹھانی پڑتی ہیں وہ اس پر مزید ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے واقعات کے بکثرت وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے عورت کی فطرت غیر محرم سے شدت کے ساتھ ڈرتی ہے اور اُس کی جبلّت اس سے بچ کر رہنے کا تقاضا کرتی ہے، اور اس کی ضعیف خِلقت اُسے پردے کا حکم دیتی ہے تاکہ وہ غیر محرم کی

Marfat.com

اشتہا کا دروازہ نہ کھول پائے اور تا کہ کسی اجنبی کے لیے زیادتی کرنے یا حد سے بڑھنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔اور اس کی فطرت اسے شدّت کے ساتھ متنبّہ کرتی اور اُسے باور کراتی ہے کہ اس کا محفوظ قلعہ اور محفوظ حصار اس کا پردہ ہے۔

ہماری شنید کے مطابق ایک بوٹ پالشیے نے دنیاوی لحاظ سے ایک بہت بڑے آدمی کی بیوی کو دارالحکومت ''انقرہ'' کے بھرے بازار میں سرِ عام دن دیہاڑے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ننگی پنڈلی نیم عریاں لباس میں تھی۔کیا یہ انتہائی شرمناک حرکت پردے کی مخالفت کرنے والوں کے بے حیا چہروں پر ایک زوردار تھپڑ رسید نہیں کر رہا ہے؟

دوسری حکمت

میاں بیوی کے درمیان جو مناسبت، محبت اور مضبوط قسم کا بنیادی تعلق ہے اس کا سرچشمہ صرف دنیاوی زندگی کی حاجات وضروریات ہی نہیں ہیں، جی ہاں! بیوی صرف دنیاوی زندگی میں ہی خاوند کی خصوصی رفیقۂ حیات نہیں وہ حیاتِ ابدی میں بھی اس کی رفیقۂ حیات ہے۔تو جب وہ حیات ابدی میں بھی اس کی رفیقۂ حیات ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی نظریں اپنے محاسن کی طرف نہ اُٹھنے دے، یعنی اپنے حسن وجمال کو دوسروں کے لیے جاذبِ نظر نہ بنائے، بلکہ اس پر صرف اس کے خاوند کی نظر پڑنی چاہیے جو کہ اس کا ابدی دوست اور ہم سفر ہے۔اور اُسے پریشان اور ناراض نہ کرے اور اس کے غیظ وغضب اور غیرت کو نہ بھڑکائے۔

اور جب اس کے مومن خاوند کا تعلق اس کے ساتھ مخصوص قسم کی اور عارضی حیوانی محبت والا بھی نہیں ہے جو کہ صرف حسن وجمال کے چند دنوں پر مبنی اور صرف دنیاوی زندگی میں منحصر ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق اس کے ساتھ بنیادی احترام اور سنجیدہ محبت کا ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ ایمان میں پائے جانے والے راز کی رُو سے ابدی زندگی میں بھی اس کی رفیقۂ حیات ہے۔اور اسی طرح اُس کا خاوند اِس احترام اور اس بنیادی محبت کے یہ احساسات صرف عہدِ شباب وجمال میں ہی نہیں رکھتا ہے بلکہ اس کے یہ احساسات بڑھاپے اور رنگ رُوپ کے ڈھلتے سمے تک زندہ رہتے ہیں۔اس لیے انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے حالات کے پیش نظر بیوی بھی اپنی تمام تر محبت صرف اپنے خاوند کی ذات میں منحصر رکھے اور اپنے حسن وجمال کو صرف اپنے خاوند کی نگاہوں کا مرکز بنا کر رکھے۔وگرنہ وہ جو کچھ پائے گی وہ بہت کم ہوگا اور جو کھوئے گی وہ بہت زیادہ ہوگا۔

پھر شریعت کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ خاوند بیوی کا ہم پلہ اور برابر ہو، اس طرح کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے مناسب اور مماثل ہو۔اور سب سے اہم برابری یا مماثلت دین کی ہے۔

پس قابلِ رَشک وسعادت ہے وہ خاوند جس کی نظر اپنی بیوی کی دینداری پر ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس کی تقلید میں خود بھی متدیّن ہو جاتا ہے تا کہ وہ ابدی زندگی میں بھی اپنی رفیقۂ حیات کو کھو نہ بیٹھے۔

Marfat.com

اور قابلِ رشک اور سعادت مند ہے وہ بیوی جس کی نظر اپنے خاوند کی دینداری پر ہوتی ہے، چنانچہ اس طرح وہ تقویٰ کے حصار میں داخل ہو جاتی ہے تاکہ اپنے ابدی ہم سفر کو گنوا نہ بیٹھے۔

اور ہلاکت ہے اس خاوند کے لیے جو ایسی حماقت اور پاگل پن کی راہ میں چل نکلتا ہے جو ہمیشہ کے لیے اس کی نیک بیوی کو ضائع کر دے۔

اور بڑی بدبخت ہے وہ بیوی جو اپنے پرہیزگار خاوند کی تقلید نہیں کرتی اور اس طرح اپنے اس بابرکت ابدی ہم سفر کو کھو بیٹھتی ہے۔

اور ہزاروں بار ہلاکت اور تباہی ہے اُس بدبخت میاں بیوی کے لیے جن میں ہر ایک دوسرے کے فسق و فجور اور بے راہ روی کی تقلید کرتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کو آگ میں پھینکنے کے لیے ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔

تیسری حکمت

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی گھرانے کی زندگی کی سعادت نیک بختی خالص محبت، گہرے دلی احترام اور میاں بیوی کی آپس میں صلح و آشتی سے قائم رہتی ہے، اور یہ کہ خود نمائی، فحاشی اور بے پردگی جیسے کردار اس محبت اور باہمی احترام کے اس بندھن کو توڑ دیتے اور اس امن و سلامتی کی فضا کو خراب کر دیتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ بے پردہ نکلنے والی دس عورتوں میں سے صرف ایک ایسی ہوگی جو کسی اجنبی مرد کی آنکھوں میں جچنے اور اُسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش نہ کرے، وگرنہ اُن میں سے نو ایسی ہوتی ہیں جو دوسرے مردوں کو اپنے خاوندوں سے زیادہ خوبصورت سمجھتی ہیں۔ اسی طرح بیس آدمیوں میں سے ایک آدمی ایسا ہوگا جو اپنی بیوی کو دوسری عورتوں سے خوبصورت سمجھے گا۔ اس لیے بے پردگی کی یہ صورت بسا اوقات گھٹیا اور برے جذبات کو بھڑکانے کا اور اس کے ساتھ ساتھ خالص محبت اور باہمی احترام کے زوال کا سبب بنتی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ:

انسان فطری طور پر اپنے محرم رشتوں کے بارے میں حیوانی اور شہوانی جذبات نہیں رکھتا ہے _ جیسے کہ بہن ہے _؛ کیونکہ محرم رشتوں کی علامت نفسانی و شہوانی میلانات کو توڑ دیتی ہے کیونکہ یہ علامت محرمیت اور قرابت کی رُو سے انسان کو شرعی محبت اور شفقت کا شعور بخشتی ہے، لیکن ایسے اعضاء کو بے حجاب کرنا جنہیں شرعی طور پر محرم رشتوں کے سامنے بھی بے حجاب کرنا جائز نہیں _ جیسے کہ پنڈلی ہے _ ایسے اعضاء کو بے حجاب کرنا کمینے لوگوں کے کمینے احساسات کو بیدار کرنے کا سبب بن سکتا ہے؛ کیونکہ محرم کا چہرہ محرمیت کی خبر دیتی اور قرابت کا شعور دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ محرم چہرہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ایک امتیازی حیثیت کا مالک ہوتا ہے۔ مگر ننگی پنڈلی والا محرم _ مثال کے طور پر _ غیر محرم کے برابر ہوگا کیونکہ ایسی کوئی علامتِ فارقہ باقی نہیں رہتی اور یوں بعض کمینے قسم کے محرموں میں حیوانی شہوانی نظر کو بیدار کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اور ایسی نظر سے انسانیت ایسی پستیوں میں جا گرتی ہے کہ جس کے تصور سے بھی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

چوتھی حکمت

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کثرت نسل ہر ایک کے نزدیک مطلوب ہے، اور کوئی قوم یا حکومت ایسی نہیں ہوگی جو کثرتِ نسل کی طالب نہ ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے: "تَنَاکَحُوا تَکَاثَرُوا فَإِنِّی أُبَاهِیْ بِکُمُ الْأُمَمَ" (حاشیہ:۱) او کمال قال۔ مطلب یہ کہ شادیاں کرو اور بڑھتے جاؤ، کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ لیکن بے پردگی شادی بیاہ کو بڑھانے کی بجائے بہت کم کر دیتی ہے؛ کیونکہ دورِ حاضر کا آوارہ نوجوان بھی یہی بات پسند کرتا ہے کہ اُس کی رفیق حیات عفت مآب و پاک دامن ہو اور یہ بات کبھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ بھی اس کی طرح آوارہ اور بے پردہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بسا اوقات شادی پر کنوارے پن کو ترجیح دیتا ہے، بلکہ بسا اوقات فسق و فجور کی راہ پر چل نکلتا ہے۔ لیکن عورت کا معاملہ اس طرح کا نہیں ہے یعنی وہ اپنے خاوند کے اختیارات کی حد بندی نہیں کر سکتی؛ کیونکہ وہ گھر کے داخلی معاملات کی منتظم اور کار پرداز ہونے کی وجہ سے اپنے خاوند کے مال، اولاد اور اس کی ہر چیز کی حفاظت پر مامور ہے، اِس بنا پر اُس کی سب سے بڑی خصلت یہ ہے کہ وہ وفادار، بھروسے کے قابلِ اور امانت دار ہو۔ لیکن فحاشی اور بے پردگی اس کی وفاداری کی چولیں ہلا دیتی ہے اور خاوند کی نظر میں اُسے خیانت کار بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ بھروسے کے قابل نہیں رہتی، اور یوں وہ اپنے خاوند کو روحانی عذاب میں مبتلا رکھتی ہے۔

حتیٰ کہ مردوں میں پائی جانے والی جسارت اور سخاوت جیسی قابلِ تعریف خصلتیں اگر عورتوں میں پائی جائیں تو انہیں بد اخلاقی کہا جائے گا اور وہ بد عادات میں شمار ہوں گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں خصلتیں وفاداری اور امانت داری کے لیے نقصان دہ ہیں۔ اور خاوند کی ذمہ داری چونکہ بیوی کے مال کی حفاظت کرنا اور اس کے ساتھ دوستی کا دم بھرنا نہیں بلکہ اس کی حفاظت کرنا، اُس کے لیے رحمت و شفقت اور احترام کے جذبات کا اظہار کرنا ہے، اس لیے خاوند کے لیے وہ چیز لازم نہیں جو بیوی کے لیے ہے، چنانچہ اس کے لیے اپنی بیوی کے حصار میں یا اُس کی قید میں رہنا ضروری نہیں، یعنی وہ مزید نکاح بھی کر سکتا ہے۔

(حاشیہ:۱) تَنَاکَحُوا تَنَاسَلُوا فَإِنِّی أُبَاهِیْ بِکُمُ الْأُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ رواہ عبدالرزاق والبیهقی عن سعید بن ابی ھلال بلفظ " تَنَاکَحُوا تَکْثُرُوا فَإِنِّی أُبَاهِیْ بِکُمُ الْأُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں کہا ہے: اس حدیث کا مفہوم صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، چنانچہ ابوداود، نسائی اور بیہقی وغیرہ میں معقل بن یسار سے مرفوعا مروی ہے: "تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَإِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْأُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" مسند احمد، دیلمی، طبرانی اوسط اور بیہقی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَأْمُرُ بِالْبَاءَةِ وَیَنْهٰی عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْیًا شَدِیْدًا وَیَقُوْلُ تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَإِنِّی مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْأُمَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" الجامع الصغیر للسیوطی (۳۳۶۶)، کشف الخفاء للعجلونی: (1021)۔ مترجم۔

Marfat.com

ہمارے علاقوں کو یورپ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ وہاں ایسے شدید قسم کے وسائل موجود ہیں جن کے ذریعے کسی حد تک فحاشی وعریانی کی فضا میں بھی پاکدامنی کی نگہداشت کی جاسکتی ہے، جیسے کہ کھلے میدان میں لڑی جانے والی ''ڈوئل'' لڑائی۔(حاشیہ:۱) پس وہاں کسی شریف اور معزز آدمی کی بیوی کو بُری نیت سے دیکھنے والا ایسا کرنے سے پہلے اپنا کفن اپنے گلے میں لٹکاتا ہے پھر اُس پر بُری نظر ڈالتا ہے۔

پھر یہ یورپ جیسے ٹھنڈے علاقے میں طبیعتیں بھی وہاں کی آب وہوا کی طرح ٹھنڈی جامد ہیں۔لیکن براعظم ایشیا یعنی اسلامی علاقے یورپ کی بہ نسبت کافی گرم ہیں۔اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ آب وہوا کا طبیعتوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ اُن ٹھنڈے علاقوں میں اور ان ٹھنڈی طبیعت کے لوگوں میں حیوانی حرص وہوا اور شہوانی خواہشات و رغبات کو بھڑکانے اور غلط کاری پر آمادہ کرنے والی بے پردگی وعریانی سوءِ استعمال اور حدود فراموشی کا ذریعہ نہ بن سکے! لیکن بے پردگی جو کہ گرم علاقوں میں حساس اور بہت جلد متأثر ہو جانے والے لوگوں میں ہمیشہ نفسانی خواہشات وشہوات کو بھڑکاتی ہے سقوطِ قوّت، ضعفِ نسل، کثرتِ اسراف اور سوءِ استعمال کا سبب بن جاتی ہے: اور وہ اس طرح کہ ایک عام انسان جو اپنی فطری ضرورت کو ایک مہینے یا بیس دنوں میں پوری کرنے کی بجائے خود کو ہر چند دن میں اس کے لیے مجبور سمجھتا ہے۔اور اگر ماہواری جیسے فطری عوارض کے دنوں میں جب وہ ہر مہینے میں بسا اوقات پندرہ دنوں تک بھی بیوی سے دور رہنے پر مجبور ہوتا ہے، اگر وہ مغلوب النفس ہو تو فحاشی کی گود میں جا گرتا ہے۔

شہری عورتوں کو دیہاتی اور بدوی عورتوں کی دیکھا دیکھی پردہ نہیں اُتارنا چاہیے؛ کیونکہ دیہاتوں میں کام کاج میں اَز سر تا پا پاک دامن کھردری سی عورتیں جن کی کوئی بھی ادا شہری عورتوں کی طرح جاذبِ نظر نہیں ہوتی، اُن کی کام کاج، جسمانی تھکاوٹ اور فکرِ معاش کے سلسلے میں ان کی بہتیری مصروفیات کی وجہ سے جزوی سی بے پردگی نفسانی شہوات کو برانگیختہ کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔مزید یہ کہ دیہاتوں میں اُس قدر آوارہ اور بے کار لوگ نہیں پائے جاتے ہیں جتنے کہ شہروں میں ہوتے ہیں۔اس لیے دیہاتوں میں اُن مفاسد کا دسواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا ہے جو شہروں میں پائے جاتے ہیں۔بنابریں ،شہری عورتوں کو دیہاتی عورتوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

(حاشیہ:۱) Duel دو آدمیوں کے درمیان کھلے میدان میں تلوار اور پستول کے ساتھ ایک قسم کی لڑائی۔ یہ لڑائی مقابلہ ومبارزت کے کسی بھی قانون کے تحت نہیں ہوتی۔اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان کسی معاملے میں جنم لینے والے جھگڑے کو ختم کر دیا جائے۔اس میں ظاہر ہے کہ ہار جانے والا بچتا ہی نہیں اس لیے جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔مترجم۔

Marfat.com

ایک اہم مسئلہ جو دل پر اچانک وارد ہوا:

عورتوں کا فتنہ

یادداشت:

رسائل نور کا عمومی طریقِ کار اور راہ و رسم یہ ہے کہ ان میں رحمت و شفقت، نرمی اور لطافت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ عورتوں کی وابستگی زیادہ ہے؛ کیونکہ عورتیں شفقت و مہربانی اور نرمی و گدازی جیسے اوصاف سے مردوں کی نسبت زیادہ مزین ہوتی ہیں۔ اس مضمون کا رخ چونکہ ان عورتوں کی طرف ہے جو اجنبی عورتوں کی اندھی تقلید میں مبتلا ہیں، اس لیے یہاں گفتگو میں قدرتاً تھوڑی سی شدت آ گئی ہے۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ غفلت خوردہ عورتیں بیدار اور خبردار ہو جائیں۔ وہ بہنیں جو شفقت اور مہربانی کی علمبردار ہیں کلام کی یہ شدت امید ہے کہ انہیں پریشان نہیں کر سکے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی بعض احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری دور میں جو فتنے سر اٹھائیں گے ان میں سے خطرناک قسم کا فتنہ وہ ہو گا جو عورتوں کے ایک گروہ سے جنم لے گا۔

اور تاریخی روایات ہمیں ایک دور میں ایک بہادر اور جنگجو فوجی دستے کی خبر دیتی ہیں جو پہلے کسی دور میں موجود رہا ہے۔ اور جو تمام کا تمام عورتوں پر مشتمل تھا، اس کا نام ''امازون'' تھا، عورتوں کا یہ دستہ حرب و ضرب میں نمایاں کارنامے سرانجام دیتا رہا اور جرأت و بہادری کے ریکارڈ قائم کرتا رہا ہے، اسی طرح ہمارے اس دور میں بھی سب سے خطرناک گروہ جو شیطان کی سربراہی میں، نفس امارہ کے ہتھکنڈوں اور الحاد و زندیقیت کے گمراہ کن نظریات کے اشاروں پر اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، وہ عورتوں کا ہی ایک گروہ ہے، وہ نیم برہنہ عورتیں، جو اپنے جسموں کے خطرناک ہتھیار لہرا کر اہل ایمان پر حملہ آور ہو رہی ہیں، اور اپنی ان اداؤں سے وہ نکاح کے دروازے بند کرتی چلی جاتی اور قحبہ خانوں کے دروازے چوپٹ کھولتی چلی جا رہی ہیں، اور یوں وہ بہت سے لوگوں پر حکومت کر رہی ہیں اور کبائر کے مہلک ہتھیاروں سے ان کے دلوں اور روحوں کو گھائل کرتی جا رہی ہیں۔ بلکہ کچھ دل تو ان کے جارحانہ اقدامات کی تاب نہ لاتے ہوئے آخری حد تک بے قرار اور تار تار ہو جاتے ہیں۔

یہ عورتیں چونکہ اپنے جسموں کے ان انگوں کی نمائش کرتی ہیں جنہیں ننگا کرنا شرعی طور پر ناجائز ہے۔ اور یہ تماشا وہ چند محدود سالوں تک ہی کر پاتی ہیں۔ اس لیے ان کے لیے یہ سزا مبنی بر عدل ہو گی کہ فتنہ و فساد کے ہتھیاروں سے لیس ان کی یہ خوفناک چاقوؤں جیسی ٹانگیں جہنم کا ایندھن بنیں گی۔ بلکہ ان کی یہ ٹانگیں سب سے پہلے آگ کے حوالے کی جائیں

Marfat.com

گی۔

پھر یہ عورتیں اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے چونکہ اس دنیا میں دوستی اور بھروسے کے لائق نہیں رہتی ہیں اس لیے وہ ایک مناسب شوہر کے حصول میں ناکام رہتی ہیں۔ حالانکہ یہ چیز ان کی ایک فطری ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر انہیں شوہر میسر آ بھی جائے تو وہ ان کے لیے کسی مصیبت اور عذاب سے کم نہیں ہوتا ہے، اور یوں وہ ایک خوشگوار عائلی زندگی کا مزہ کبھی بھی چکھ نہیں پاتی ہیں۔ اس صورت حال کے طبعی نتیجے کی طرف ہی ان احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جن کا مفہوم یہ ہے کہ بعض جگہوں میں عورتوں کی نکاح میں عدم دلچسپی یا پھر نکاح کر لینے کی صورت میں اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ ہونے کی وجہ سے ایک آدمی کو چالیس عورتوں تک کی نگرانی کرنی پڑے گی۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں تمہیں ایک ایسی حدیث سنا رہا ہوں جو میرے بعد کوئی نہیں سنائے گا۔ وہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''قیامت کی علامات میں سے کچھ علامتیں یہ بھی ہیں کہ علم کم ہو جائے گا۔ زنا کا ظہور ہوگا۔ عورتیں زیادہ ہو جائیں گی۔ اور مرد کم پڑ جائیں گے۔ حتیٰ کہ پچاس پچاس عورتوں کا ایک ہی سرپرست ہوگا''۔ (حاشیہ:۱)

اور یہ صورت حال اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آخری زمانے میں عورت بالکل بے قیمت اور بے وقعت ہو کر رہ جائے گی۔ اور اس کا کوئی بھی پرسان حال نہ رہے گا۔

صورت حال جب ایسی ہی ہے، اور جب یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر خوبصورت انسان اپنی خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور اسے کسی بھی تغیر یا زوال پزیری سے محفوظ رکھنے کے لیے پوری کوشش کرتا ہے، اور جب یہ بھی حقیقت ہے کہ حسن و جمال ایک نعمت ہے اور نعمت پر اگر نعمت عطا کرنے والے کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی حمد وثنا کی جائے تو اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی ناشکری کی جائے تو نعمت مصیبت میں تبدیل اور بدصورت ہو جاتی ہے؛ جب یہ تمام باتیں حقیقت ہیں تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عورت اگر عقل سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھی تو وہ اپنے اس حسن و جمال کا کبھی بھی غلط استعمال نہیں کرے گی، گناہوں کا ارتکاب کر کے اسے اپنی بدنامی اور روسیاہی کا ذریعہ نہیں بنائے گی، اس کے ذریعے کسی کو گناہوں کے گڑھے میں نہیں گرائے گی۔ اس خوبصورتی کو بدصورتی اور زہرناکی میں تبدیل نہیں کرے گی۔ اور اس قابل قدر نعمت کی ناشکری کر کے اپنے لیے عذاب وعقاب کے راستے ہموار نہیں کرے گی۔

یہ حسن و جمال جو زیادہ سے زیادہ پانچ سے دس سال تک رہتا ہے۔ اسے جاوداں اور ہر دم جواں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت اس نعمت کو جائز اور شرعی طریقے سے استعمال کرے، ایسا کرے گی تو وہ اس عظیم الشان نعمت کی شکر گزار

(حاشیہ:۱)(بخاری، کتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل) (مترجم)

Marfat.com

ہے، ایسا نہیں کرے گی تو یاد رکھے کہ وہ بڑھاپے کی دہلیز پر ہے اور بڑھاپے کا یہ دورانیہ بہت لمبا ہے۔ اس میں اس کا یہ حسن و جمال بوجھل اور بدنما ہو جائے گا، لوگ اس سے دور بھاگیں گے اور یہ حسرت و یاس اور پشیمانی کی تصویر بنی روتی رہ جائے گی۔

لیکن یہی حسن و جمال جب اسلامی دائرے میں رہ کر، قرآن کریم کے آداب اور اس کی رہنمائی کی روشنی میں مزیّن ہو کر پروان چڑھے، تو پھر یہ فانی حسن و جمال معنوی دوام حاصل کر کے لازوال ہو جائے گا۔ اور تب عورت ایک ایسے حسن کی ملکہ بن جائے گی جو اپنی دلکشی، شیرینی اور آب و تاب میں حورانِ جنت کے حسن و جمال سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ بنابریں، اگر کسی خوبصورت عورت کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہے تو وہ اس خوبصورت، دلکش اور ابدی نتیجے کو کسی بھی صورت میں ہاتھ سے جانے نہیں دے گی۔ اور یہ حقیقت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قطعی طور پر ثابت ہے۔ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) اس باب میں بہت سی احادیث مروی ہیں، ان میں سے ایک ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ ''ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ایک طویل حدیث میں فرماتی ہیں: میں نے پوچھا اللہ کے رسول دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حور عین؟

آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کی عورتیں حور عین سے بہتر ہیں، ایسے جیسے کپڑے کا ابرہ اس کے استر سے بہتر ہوتا ہے۔ میں نے کہا اللہ کے رسول، وہ کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے نماز ادا کرنے، روزے رکھنے اور اللہ کی عبادت کرنے کی وجہ سے۔ اللہ ان کے چہروں پر نور اور جسموں پر ریشمی لباس کی علامت سجا دے گا۔ وہ سفید رنگ کی، سبز کپڑوں اور زرد رنگ کے زیوروں میں ہوں گی۔ الخ... (طبرانی الکبیر والاوسط، الترغیب والترھیب، 537/4) (مترجم)

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

چند اہلِ ایمان میری اُخروی بہنوں کے ساتھ ایک گفتگو

میں جب اسپارٹا کے بابرکت صوبے اور معنوی مدرسۃ الزہراء میں تیسری دفعہ آیا، اور مجھے یہ بات نظر بھی آ رہی تھی کہ کچھ صوبوں میں عورتیں رسائلِ نور کے ساتھ اپنے گہرے تعلق کا اظہار کر رہی ہیں: اور یہ بات بھی میرے علم میں آ چکی تھی کہ وہ میرے رسائل پر مشتمل دروس پر میرے اندازے سے کہیں بڑھ کر اعتماد کرتی ہیں اِن حالات میں میں نے سُنا کہ میری یہ اُخروی بہنیں میری طرف سے کسی اُس طرح کے درس کی منتظر ہیں جس طرح کے درس عام طور پر وعظ ونصیحت کی شکل میں مساجد میں دیے جاتے ہیں۔ اور ادھر صورتِ حال یہ ہے کہ میں چار پانچ امراض میں مبتلا اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہوں، اِس حد تک کہ تفکّر اور تکلّم کی طاقت بھی نہیں رکھتا ہوں۔ لیکن بایں ہمہ اِس رات میرے دل میں ایک مضبوط قسم کی رائے دَر آئی، اور میرے دل نے مجھے کہا کہ:

آج سے پندرہ سال پہلے تو نے نوجوانوں کی طلب پر اُن کے لیے ''رہنمائے شباب'' نامی رسالہ لکھا تھا اور اس رسالے سے بہت سے لوگوں نے استفادہ بھی کیا ہے۔ جبکہ اس دور میں عورتیں اس طرح کی رہنمائی کی جوانوں سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔

بنابریں، میں اِس رائے کی روشنی میں اپنے انتہائی زیادہ عجز وضعف واضمحلال کے باوجود اپنی ان مبارک بہنوں اور اپنی ان معنوی نوجوان بچیوں کے لیے انتہائی اختصار کے ساتھ کچھ ضروری مسائل تین نکتوں میں قلم بند کر رہا ہوں۔

پہلا نکتہ

رسائلِ نور کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد چونکہ ''شفقت'' ہے، اس لیے عورتوں کا ان کے ساتھ ایک فطری تعلق ہے، کیونکہ عورتیں ''شفقت'' کی ہیروہیں۔ اور یہ تعلق الحمدللہ بہت سے علاقوں میں واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے۔

اور شفقت کے اندر جو فداکاری کا جذبہ موجود ہے وہ حقیقی اخلاص کی ترجمانی کرتا ہے، ایسے اخلاص کی کہ جس میں عوض معاوضے کا کوئی تصور تک بھی نہ ہو۔ اس بنا پر اس دور میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

جی ہاں: ایک ماں کا اپنے بچے کو کسی بھی خطرے سے بچانے کے لیے کسی بھی اجر کی طلب کے بغیر حقیقی اخلاص کے ساتھ اپنے خدمت کے فطری جذبے کے تحت اپنی رُوح کو فدا اور جان کو قربان کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں میں اعلیٰ پائے کی بہادری پائی جاتی ہے۔ اس لیے اس بہادری کے انکشاف کے ساتھ اُس کے لیے اپنی اولاد کی ابدی اور اپنی

Marfat.com

دنیاوی زندگی کو بچانا بہت ممکن ہے۔ لیکن اس مضبوط قیمتی فطرت کا انکشاف یا تو ہوتا ہی نہیں، اور یا پھر حالات کے اس فتنہ خیز دھارے میں بہہ جانے کی وجہ سے اس کا استعمال غلط ہو جاتا ہے۔

اِس حقیقت کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک چھوٹا سا نمونہ یہ ہے کہ:

یہ مُشفق ماں ہر طرح کی فداکاری پر آمادہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھے پھرتی ہے تاکہ اس کا بچہ دنیاوی زندگی میں خطرات سے دوچار ہوئے بغیر یہاں سے مستفید ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنے بچے کی تربیت اِسی نہج پر کرتی ہے اور کہتی ہے: میرا یہ بیٹا راجہ بن جائے، اِس لیے وہ اپنے بچے کو دینی مدرسے سے اُٹھا کر یورپ بھیج دیتی ہے اور اپنا تمام مال اُس پر خرچ کر دیتی ہے۔ لیکن وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر پاتی کہ اُس کے بچے کی ابدی زندگی کون سے خطرات سے دوچار ہو سکتی ہے! اور وہ اپنے بچے کو دنیا کے قید خانے سے بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتی ہے لیکن یہ چیز نہیں دیکھ پاتی کہ اس کا بچہ جہنم کے قید خانے میں گر رہا ہے اور یہ کہ وہ اپنے اس معصوم بچے کو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے خلاف دعوے دار بنا رہی ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ وہ بچہ اُس کا سفارشی بنتا۔ اور یہ روشن فطری شفقت کے بالکل خلاف ہے۔ اور عنقریب یہ بچہ یہ کہتا ہوا شکایت کرے گا کہ: تُو میرے ایمان کو مضبوط نہ کر کے میری ہلاکت کا سبب کیوں بنی؟

اور اس بچے کی تربیت چونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے نہیں ہوئی، اس لیے وہ اپنی ماں کی اس خارقِ عادت شفقت کی پروا نہیں کرتا بلکہ بسا اوقات تو اس کا حق ہی ادا نہیں کرتا ہے۔

لیکن یہی ماں اگر اپنے اس مسکین بچے کو جہنم جیسے ابدی قید خانے سے اور گمراہی کی موت مر کر ابدی طور پر معدوم ہو جانے سے بچانے کے لیے اپنی حقیقی شفقت کا غلط استعمال نہ کرے اور اس شفقت کے تقاضے کے مطابق عمل کرے تو یہ بچہ ماں کی موت کے بعد اپنی ہمہ وقت کی نیکیوں کے ذریعے اُس کی رُوح کو روشنیاں پہنچاتا رہے گا؛ کیونکہ اس کے نیک اعمال کا ثواب اُس کی ماں کے صحیفے میں بھی اُسی طرح درج ہو گا جیسے کہ خود اُس کے اپنے صحیفے میں۔ پھر یہ بچہ آخرت میں اپنی ماں کے خلاف دعویٰ کرنے کی بجائے بدل و جان اس کا سفارشی بن جائے گا اور ابدی زندگی میں اس کا بابرکت بیٹا ثابت ہو گا۔

جی ہاں، انسان کا پہلا اُستاد، اور اُس میں سب سے زیادہ تاثیر چھوڑنے والا معلم، صرف اُس کی ماں ہے۔ میں یہاں موقع کی مناسبت سے اُس معنی و مفہوم کو واضح کرتا ہوں جو میرے شعور میں بیٹھا ہوا ہے اور جسے میں ہمیشہ قطعی طور پر محسوس کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ:

میں یہ بات قسم کھا کر کہتا ہوں کہ: وہ غیر متزلزل بنیادی درس جو کہ گویا ہر وقت تازہ ہوتا رہتا ہے، وہ ہے جو میں نے اپنی والدہ مرحومہ کے معنوی دروس و تلقینات سے حاصل کیا تھا، جبکہ میں نے اپنی اس اسی سال کی عمر میں اُسی ہزار لوگوں سے

Marfat.com

درس لیا ہو گا! پس وہ دروس جو میں نے اپنی امی سے لیے تھے وہ میری فطرت میں پیوست ہو گئے ہیں، بلکہ میرے مادی وجود میں بنیادی گٹھلیوں کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے تمام درسوں کی بنیاد خود اِنہی درسوں پر ہے۔تو گویا کہ میری والدہ مرحومہ کا درس وتلقین میری ایک سال کی عمر میں میری فطرت اور رُوح میں پیوست ہوا تھا میں اُن کا مشاہدہ اب اُن حقائق کے درمیان کر رہا ہوں جو مجھ پر اسی سال کی عمر میں کھلے ہیں۔

مثال کے طور پر:

''شفقت'' جو کہ میرے مسلک ومشرب کی چار بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ہے، اور ''رقّت ورأفت'' جو کہ رسائلِ نور کے حقائق میں سے ایک بہت بڑی حقیقت ہے، میں یہ بات یقینی طور پر سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ چیزیں اپنی مشفق والدہ کی شفقت، اُس کے حالات واطوار اور اُس کے معنوی دروس سے سیکھی ہیں۔

جی ہاں، ماں کی حقیقی قربانی اور اخلاص سے بھرپور شفقت کا دورِ حاضر میں یقیناً غلط استعمال ہو رہا ہے۔

اِسی بنا پر وہ اپنے معصوم بچے کی ہیروں کے خزانے سے بھی زیادہ قیمتی آخرت کے بارے میں فکر مند نہیں ہوتی، اور اُس کی تمام تر توجہ اس دنیا کی طرف کرا رہی ہے جس کی حیثیت شیشوں کے عارضی اور فانی ٹکڑوں سے زیادہ نہیں ہے۔اپنے بچے کے حق میں اس کا اس طرح کا اظہارِ شفقت اس شفقت کا یقیناً غلط استعمال ہے۔

جی ہاں، مرغی کہ جس میں اس شفقت کی چھوٹی سی مثال ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے چوزے کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کی پروا نہ کرتی ہوئی شیر پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔اور یہ چیز اِس بات کی دلیل ہے کہ شفقت بھری یہ بہادری عورتوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، کیونکہ عورتیں کسی بھی اجر وعوض، ذاتی فائدے اور ریا کاری کے جذبے سے بالاتر ہو کر اپنے بچوں کے لیے جان کی بازی لگا دیتی ہیں۔

دورِ حاضر میں اسلامی تربیت اور اُخروی اعمال کے لیے سب سے اہم اور لازمی چیز ''اِخلاص'' ہے۔اور حقیقی اخلاص کی یہ قسم عورتوں کی شفقت میں پائی جانے والی بہادری میں یقیناً موجود ہے۔

اس لیے اس بابرکت گروہ میں اگر اِن دونوں خصلتوں کا انکشاف ہو جائے، تو یہ دونوں چیزیں اسلام کے دائرے میں عظیمُ الشان سعادت کا وسیلہ بنیں گی۔

رہا مردوں کا قربانی اور فداکاری کا جذبہ، تو وہ عوض معاوضے سے خالی نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ سو جہتوں سے اجر ومعاوضے کا طالب ہوتا ہے، اور کچھ نہیں تو کم از کم فخر وشرف اور ریا کاری تو کہیں نہیں گئی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عورتوں کا یہ مسکین ومبارک گروہ بھی ریا کاری میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن کسی اور شکل وصورت میں جو کہ ان کے ضعف وعجز سے جنم لیتی ہے، اور وہ اس طرح کہ انہیں اپنے خاوندوں کے ظلم واستبداد سے بچنے کے لیے

Marfat.com

کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔

دُوسرا نکتہ:

میں اس سال گوشہ نشینی اور اجتماعی زندگی سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔لیکن میں نے اپنے بعض نوری بہن بھائیوں کی خاطر دنیا کی طرف دیکھا تو مجھ سے ملنے والے اکثر دوستوں سے اُن کی عائلی زندگی کے بارے میں شکایتیں سننے کو ملیں۔ مجھے اس بات کا بہت افسوس ہوا میں نے آہ بھری اور کہا:

ایک عام انسان کی اور خاص کر ایک مسلمان کی چھوٹی سی دُنیا: اُس کی ایک طرح کی جنت اور اس کی محفوظ پناہ گاہ، اس کی گھریلو زندگی ہی تو ہے! کیا اب یہ زندگی بھی فساد کا شکار ہو گئی ہے؟

میں نے اس کا سبب تلاش کیا تو پتا چلا کہ کچھ ایک دو تنظیمیں جوانی کی شہوات ورغبات کے ذریعے نوجوانوں کو گمراہ کرنے اور انہیں خراب کرنے، اس طرح اسلامی معاشرے کو نقصان پہنچانے کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح مجھے یہ بھی محسوس ہوا ہے کہ کچھ خفیہ تنظیمیں انتہائی مؤثر طریقے سے بعض غافل اور نادار عورتوں کو غلط راہوں پر ڈال رہی ہیں۔اور مجھے پتا چلا کہ مسلمان قوم کو ضربِ کاری اس جہت سے لگ رہی ہے۔

اس لیے میری نوجوان بہنو اور روحانی بیٹیو، میں تمہیں یہ بات واضح طور پر کہتا ہوں کہ:

خواتین کی دنیا و آخرت کی سعادت کو بچانے کا واحد اور ان کی فطرت میں چھپی ہوئی عالی شان خوبیوں کو برباد ہونے سے بچانے کا واحد وسیلہ یہ ہے کہ ان کی دائرۂ اسلام کے اندر رہ کر دینی تربیت کی جائے۔

اور یہ بات تو تمہارے سننے میں آتی ہی رہتی ہے کہ عورتوں کے اس نادار گروہ کی روس میں کیا حالت ہو چکی ہے!

رسائلِ نور کے کسی ایک جزء میں یہ بات کہی گئی تھی کہ:

ایک عقل مند خاوند اپنی بیوی کے ساتھ محبت کا بندھن اُس کے ظاہری اور فانی حسن و جمال کے ساتھ نہیں باندھتا جو کہ صرف پانچ دس سال کا مہمان ہوتا ہے، بلکہ اُسے چاہیے کہ اپنی محبت کی بنیاد اُس کی شفقت پر رکھے جو کہ عورتوں کی سب سے زیادہ پیاری خُوبی اور دائمی حسن و جمال ہے، پھر اس محبت کی بنیاد اُس کی اُن اچھی عادات واطوار پر رکھے جو کہ ایک عورت کا خاصہ ہوتی ہیں، تاکہ وہ مسکین جوں جوں بڑھاپے میں قدم رکھے خاوند کی محبت اس کے ساتھ یونہی برقرار رہے؛ کیونکہ یہ عورت اُس کی صرف اس دنیاوی زندگی میں ہی وقتی رفیق و مددگار نہیں بلکہ یہ اس کی ابدی زندگی میں بھی ایک دائمی محبوب رفیقۂ حیات ہے۔اس لیے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ یہ دونوں عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ محبت کریں لیکن اب جو گھریلو زندگی جدید تہذیب وتمدّن کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہے اور حیوانی جذبات سے بھرے عارضی تعلقات کے ٹوٹ جانے کے بعد ابدی فراق کی زد میں ہے۔ یہ زندگی اس گھریلو زندگی کی بنیادیں ہلا کر

Marfat.com

رکھ دیتی ہے۔

اسی طرح رسائلِ نور کے کسی جزء میں یہ بھی کہا گیا ہے:

سعادت مند ہے وہ خاوند جو اپنی نیک وکار بیوی کی تقلید کرتے ہوئے خود بھی نیک وکار بن جاتا ہے تاکہ وہ اپنی دائمی رفیقۂ حیات کو کھو نہ بیٹھے۔ اور سعادت مند ہے وہ جو اپنے خاوند کی دینداری کو دیکھ کر اس کی تقلید میں خود بھی دیندار بن جاتی ہے، صرف اس لیے کہ اس کا یہ دلی دوست اور رفیقِ سفر کہیں کھو نہ جائے۔ اور یوں وہ اپنی دنیاوی زندگی کی سعادت میں اُخروی سعادت سے بھی ہمکنار ہو جاتی ہے۔

اور بد بخت خاوند وہ ہے جو اپنی گناہ میں ڈوبی ہوئی عورت کی تقلید کرتا ہے اور اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر کرنے کی بجائے خود بھی اس کا شریکِ کار ہو جاتا ہے۔

اور بد بخت عورت وہ ہے جسے اپنے خاوند کا فسق وفجور واضح طور پر نظر آتا ہے لیکن وہ اس سے بچنے کی بجائے کسی دوسری صورت میں اس کی تقلید کرنے لگتی ہے۔

اور انتہائی بد بخت ہیں وہ میاں بیوی جو ایک دوسرے کو آگ میں گرانے کے لیے باہم گر معاون بن جاتے ہیں، یعنی دونوں ایک دوسرے کو تہذیب وتمدّن کی ٹیپ ٹاپ پر فریفتہ ہو جانے پر اُبھارتے ہیں:

تو اس مقصد کو واضح کرنے کے لیے جو جملے رسائلِ نور میں وارد ہوئے ہیں ان کا مفہوم کچھ یوں ہے:

اس دور میں عائلی زندگی سے لطف اندوز ہونے، اس ضمن میں دنیا وآخرت کی سعادت مندی سے ہمکنار ہونے اور عورت کی بلند پایہ عادات واطوار کے منکشف ہونے کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ ہے شریعت کے دائرے میں رہ کر اسلامی آداب کے مطابق ہی ہو سکتا ہے۔

عصرِ رواں میں گھریلو زندگی کی اہم ترین جہت یہ ہے کہ:

عورت کو اگر اپنے خاوند میں کوئی خرابی اور خیانت کاری نظر آئے اور وہ بھی ضد میں آ کر خراب ہو جائے اور اپنا گھریلو وظیفہ یعنی وفاداری، امانت داری سے ہاتھ اُٹھا لے، تو گھریلو زندگی کا یہ کارخانہ بنیاد سے ہی تباہ ہو جائے گا، بالکل ایسے جیسے کہ فوج میں پایا جانے والا اطاعت کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایسی صورتِ حال میں عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان خاوند کی خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کرے تاکہ اپنے اس ابدی رفیقِ سفر کو بچا سکے، وگرنہ اگر اُس نے اس کے برعکس خود کو دوسرے لوگوں کے سامنے نمایاں کرنا شروع کر دیا اور بے پردگی وبے حیائی سے اپنے آپ کو اُن کا محبوب بنانے کی کوشش کی تو وہ ہر لحاظ سے خسارے میں رہے گی؛ کیونکہ جو عورت حقیقی دوستی اور وفاداری کو چھوڑ دیتی ہے وہ اس کا بدلہ اس دنیا میں بھی پا لیتی ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت فطری طور پر اجنبی لوگوں کی نظروں سے تنگ دل، ڈرتی اور

Marfat.com

ان سے بچ کر رہتی ہے اور بیس غیر محرم مردوں میں سے اٹھارہ کی نظروں کو بوجھل سمجھتی ہے۔ لیکن مرد کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ مرد ایک سو غیر محرم عورتوں میں سے صرف ایک کو بوجھل سمجھتا اور اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتا ہے۔

بنا بریں، عورت اس جہت سے مبتلائے عذاب اور خیانت کی تہمت کی زد میں رہتی ہے اس لیے وہ اپنے اس ضعف و درماندگی کے باوجود اپنے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

جس طرح عورتیں شفقت کی رو سے بہادری اور اخلاص میں مردوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتیں، مرد بھی اس لحاظ سے عورتوں کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح یہ معصوم عورتیں فسق و فجور اور غلط کاری کے میدان میں کسی بھی طرح مردوں کی ہم عِنان نہیں ہو سکتی ہیں، اسی بنا پر وہ اپنی فطرت اور کمزور خلقت کی وجہ سے غیر محرم مردوں سے بہت زیادہ خوف کھاتی ہیں اور خود کو حجاب کے سائے میں محفوظ سمجھنے پر مجبور ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرد جب آٹھ منٹ کے ذائقے اور لذت کے لیے فحاشی میں داخل ہوتا ہے تو صرف آٹھ لیروں کا نقصان اُٹھاتا ہے، لیکن ایک عورت اس آٹھ منٹ کی بدکرداری کی لذت کی پاداش میں اپنے پیٹ میں آٹھ مہینے تک بھاری بوجھ اُٹھائے پھرتی ہے اور اس لاوارث بچے کی اس دنیا میں آٹھ سال تک تربیت کی مشقت اُٹھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بدکرداری میں مردوں کے برابر تو نہیں جا سکتی لیکن اس کی سزا اُن سے سو گنا زیادہ بھگت لیتی ہے۔

ایسے واقعات بہت زیادہ پیش آئے ہیں جو کہ اس بات کی دلیل ہیں کہ عورتوں کا یہ مبارک گروہ فطری طور پر اخلاقِ عالیہ کا سرچشمہ ہے اور ان کی فسق و فجور میں مبتلا ہو کر دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہو جانے کی استعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عورتیں ایک بابرکت مخلوق ہیں جنہیں اسلام کے دائرے میں رہ کر ایک پرسعادت گھریلو زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

پس برباد ہو جائیں وہ تنظیمیں جو ان پاکیزہ و بابرکت عورتوں کو خراب کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری ان بہنوں کو ان نادان احمقوں کی شر انگیزیوں سے محفوظ رکھے آمین۔

میری بہنو! میں تمہیں خصوصی طور پر یہ نصیحت کرتا ہوں:

فکرِ معاش کی وجہ سے ایک آوارہ، بداخلاق اور یورپ زدہ خاوند کے ماتحت ہو جانے سے بہتر ہے کہ تم اپنی فطرت میں پائی جانے والی کفایت شعاری اور قناعت کے ذریعے دیہاتی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو معاشی طور پر خود کفیل بنا لو اور خود فروشی کی کوشش نہ کرو۔ اگر تمہاری قسمت میں کوئی نامناسب خاوند لکھ دیا گیا تو اپنی قسمت پر راضی رہو اور اس پر قناعت کرو۔ انشاء اللہ تمہاری رضامندی اور قناعت کی برکت سے وہ راہِ راست پر آ جائے گا، ورنہ جیسے میں آجکل سُن

Marfat.com

رہا ہوں، تمہیں بھی طلاق لینے کے لیے عدالت سے رجوع کرنا پڑے گا۔ اور یہ چیز اسلامی عزّ و شرف اور ہمارے قومی وقار کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔

تیسرا نکتہ

میری معزّز بہنو!

آپ کو اس بات کا قطعی علم ہونا چاہیے کہ رسائل نور نے بہت واقعات اور سینکڑوں مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ شریعت کے دائرے سے باہر پائے جانے والے جتنے بھی ذائقے اور جتنی بھی لذتیں ہیں سب کی سب اپنے سے دس گنا زیادہ آلام و مصائب کا سبب بنتی ہیں۔ اس کی طویل تفصیلات آپ کو رسائل نور میں مل جائیں گی۔

اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اس حقیقت کی تمام تر وضاحت میری بجائے تمہیں چھٹے، ساتویں اور آٹھویں مقالے میں، اور رہنمائے شباب میں ملے گی۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ جو ذائقہ اور مزا شرعی دائرے کے اندر ہے صرف اسی پر اکتفا کرو اور اُسی پر قناعت کرو۔ اور یاد رکھو کہ گھر کے اندر تمہارا اپنی معصوم اولاد کے ساتھ رہنا اور وقت گزارنا سینکڑوں سینماؤں کے ذائقوں پر بھاری ہے۔

اِسی طرح تمہیں اس بات کا بھی قطعی علم ہونا چاہیے کہ رسائل نور نے سینکڑوں قطعی دلائل کے ساتھ یہ بات بھی ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ: اس دنیا میں حقیقی لذت کا وجود صرف ایمان میں اور دائرہ ایمان میں ہے، اور یہ کہ ہر صالح عمل میں ایک معنوی لذت پائی جاتی ہے، اور بدکرداری اور بے راہروی میں اسی دنیا میں انتہائی مکروہ اور دردناک آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خود میں بہت سے واقعات و تجربات کے ساتھ عین الیقین کی حد تک دیکھ چکا ہوں کہ: ایمان کے اندر جنّت کی ایک گٹھلی پائی جاتی ہے اور سفاہت و ضلالت میں جہنم کی گٹھلی پائی جاتی ہے۔ یہ حقیقت رسائل نور میں بار بار لکھی جا چکی ہے، اور شدید ترین ضدی مخالف اور مقابلہ باز لوگوں کے ہاتھ لگی ہے، لیکن کوئی حکومتی ادارہ یا باخبر اہل کار اس حقیقت کا انکار نہ کر سکا۔

اِس لیے اب میرے بجائے مختصر کلمات، رہنمائے شباب اور آپ جیسی معصوم اور مبارک بہنوں کو اور آپ کی چھوٹی بچیوں کو جو کہ خود میری بچیوں جیسی ہیں، ان سب کو میری بجائے مختصر مقالات، رہنمائے شباب اور سب سے پہلے ''رسالۂ حجاب'' پڑھایا جانا چاہیے۔

یہاں میرے سننے میں آیا ہے کہ آپ کا مطالبہ ہے کہ میں آپ کے لیے مسجد میں درس دوں، لیکن میرا مرض اور دیگر بہت سے اسباب اور اس پر مزید میری پراگندہ حالی مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔

اور میں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ اپنی اُن تمام بہنوں کو جو رسائل نور پڑھتی اور میرے اِس درس کو قبول کرتی ہیں

Marfat.com

جو میں نے آپ کے لیے لکھا ہے، اپنی تمام معنوی دعاؤں اور معنوی اعمال میں طلّاب نور کی طرح شریک کرلوں۔

اور اگر تم لوگوں نے میری بجائے کچھ رسائل نور حاصل کر کے اُنہیں پڑھ لیا یا انہیں سُن لیا، تو پھر تم ہمارے مقررہ قاعدے کے مطابق اپنے ان طلّاب نور کی تمام معنوی کمائیوں اور دعاؤں میں شریک ہو جاؤ گی۔

میں اِس سے کچھ زیادہ لکھنا چاہتا تھا لیکن اپنی شدید بیماری، کمزوری اور بڑھاپے کی وجہ سے اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اس پر مزید یہ کہ مجھے رسائل کی تصحیح جیسی ذمہ داریاں بھی ادا کرنا ہوتی ہیں۔

الباقی هو الباقی

تمہاری دعاؤں کا محتاج تمہارا بھائی

سعید نورسی

Marfat.com

پچیسواں لمعہ

پچیس دعاؤں پر مشتمل ہے

﴿اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ﴾

اس لمعے میں ہم اجمال کے ساتھ پچیس قسم کی ایسی دواؤں کا ذکر کریں گے جن میں بیماروں اور آلام ومصائب سے دو چار لوگوں کے لیے مفید علاج اور حقیقی تسلّی کا سامان پایا جاتا ہے، وہ بیمار و آفت رسیدہ لوگ جو کہ نوعِ انساں کے دسویں حصے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

پہلی دوا

اے مصیبت زدہ مریض! غم نہ کر اور صبر سے کام لے؛ کیونکہ تمہارا یہ مرض کوئی روگ نہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی دوا ہے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ عُمر ایک ایسا سرمایہ ہے جو زوال کی زد میں ہے، اس لیے اگر یہ بے ثمر رہا ہو تو ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر آرام وسکون اور غفلت کی نذر ہو گیا تو پھر تو فوراً ہی ختم ہو جائے گا۔

بیماری تمہارے سرمائے میں بہت بڑے منافع کا اضافہ کر کے اسے ثمر آور بنا دیتی ہے اور عمر کے تیز رفتاری سے گزر جانے کے لیے گنجائش نہیں چھوڑتی، چنانچہ یہ عمر کو پکڑ لیتی ہے اور اُسے اُس وقت تک لمبا کر دیتی ہے تا آنکہ وہ اپنا مطلوبہ پھل عطا کر دے۔ پھر اسے ختم ہو جانے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔

بیماری کے ذریعے عمر کے طویل ہو جانے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہ قول ایک ضربُ المثل کی صورت میں زباں زدِ عام ہو چکا ہے کہ: مصیبت کی گھڑیاں بڑی طویل اور آرام کی گھڑیاں مختصر ہو جاتی ہیں۔

دُوسری دوا

اے بے صبرے مریض! صبر کرو بلکہ شکر کرو؛ تمہاری یہ بیماری تمہاری عمر کے منٹوں کو گھنٹوں کی عبادت میں تبدیل کر سکتی ہے؛ کیونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں:

ایک ایجابی عبادت _ اور یہ وہ عبادات ہیں جن کے بارے میں سب جانتے ہیں، جیسے نماز اور دُعا وغیرہ۔

اور دوسری سلبی عبادت _ اور یہ وہ عبادات ہیں جن میں ایک مصیبت زدہ انسان کو اپنے امراض ومصائب کی وجہ سے اپنے ضعف وعجز کا احساس ہوتا ہے، اور یوں وہ اپنے خالقِ الرّحیم کی پناہ میں آتا ہے اور اُس کے حضور میں آہ وزاری کرتا

Marfat.com

ہے، چنانچہ اس سے وہ کسی بھی ریاکاری سے پاک خالص عبادت کا مظہر بن جاتا ہے۔

جی ہاں، کئی ایک صحیح روایات میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ عمر کا وہ حصہ جو دکھ درد اور بیماری سے دوچار ہو کر گزرا ہو وہ صاحب ایمان آدمی کے لیے ایک قسم کی عبادت کا درجہ اختیار کر جاتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی اس پریشانی کا اللہ کے حضور شکوہ نہ کرتا ہو۔ حتیٰ کہ بعض صابر شاکر مریضوں کی بیماری کا ایک منٹ عبادت کے ایک گھنٹے کا حکم لے لیتا ہے۔ اور بعض مردانِ کامل کی بیماری کا ایک منٹ پورے ایک دن کی عبادت کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ جیسے کہ یہ بات بہت سی صحیح روایات اور سچے کشفوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔

اس لیے شکر کرو اور ایسی بیماری کی وجہ سے کوئی حرف شکایت زبان پر مت لاؤ جو تمہاری عمر کے ایک منٹ کو ہزار منٹوں میں تبدیل کر دے گی اور یُوں تمہاری عمر کو طویل کرنے کا باعث بنے گی۔

تیسری دوا

اے کسی چیز کو برداشت نہ کرنے والے مریض! دنیا میں آنے والوں کا مسلسل اسے چھوڑ کر چلے جانا، جوانوں کا بوڑھے ہو جانا اور زوال و فراق کا شکار ہوتے جانا_ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ انسان اس دنیا میں صرف دادِ عیش دینے، لطف اندوز ہونے اور لذت اُٹھانے کے لیے نہیں آیا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ انسان تمام جانداروں سے زیادہ کامل، اعلیٰ اور بہترین نظامِ ترکیبی اور صلاحیتوں سے بہرہ ور ہونے بلکہ ان سب کے لیے سلطان و حکمران کا حکم رکھنے کے باوجود ماضی کی لذتوں کا اور مستقبل کی مصیبتوں کا تصور کرنے کی وجہ سے حیوانات کے مقابلے میں انتہائی فروتر حالت میں، پرمشقت، ناخوشگوار اور بے مزہ زندگی گزارتا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ انسان اس دنیا میں رنج و غم سے پاک اور دل پسند زندگی گزارنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ انسان کہ جس کے ہاتھ میں ایک عظیمُ الشان سرمایہ ہے، اس لیے آیا ہے تاکہ وہ یہاں پر ایک دائمی اور ابدی زندگی کے لیے تجارت کرے، اور سرمایہ جو اُس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے وہ ہے عُمر۔ پس اگر مرض کا وجود نہ ہوتو صحت و عافیت غفلت پیدا کرتی اور دنیا کو اُس کی نظر میں خوبصورت اور خوشنما بنا دیتی، اور اسے آخرت بھلا دیتی اور وہ قبر اور موت کو بھول کر بھی یاد نہ کرتا، اور یوں اپنی عمر کا سرمایہ بے فائدہ ضائع کر دیتا ہے۔ لیکن بیماری دفعتاً اُس کی آنکھیں کھول دیتی ہے اور اس کے جسم اور وجود سے کہتی ہے: تُو نہ تو موت سے بچ کر ہمیشہ زندہ رہے گا اور نہ ہی شُتر بے مہار ہے، بلکہ تُو ایک ذمہ دار ہستی ہے، اس لیے اس دھوکے سے باہر آ اور اپنے خالق کو یاد رکھ۔ اپنی قبر کی طرف روانگی کو یاد رکھ اور اس کے لیے تیاری کر۔

پس بیماری اس لحاظ سے ایک ایسا مرشد ہے جو خیر خواہی کرتا ہے، جگاتا ہے اور کبھی دھوکہ نہیں دیتا ہے۔ اس لیے اس جہت کو سامنے رکھ کر بیماری کا شکوہ کرنے کی بجائے اس کا شکریہ ادا کر۔ اور اگر بیماری کچھ زیادہ سخت ہو جائے، تو پھر صبر سے

Marfat.com

کام لینا بہت ضروری ہے۔

چوتھی دوا

اے شکوہ سنج مریض! تمہارا حق یہ ہے کہ حرفِ شکایت زبان پر لانے کی بجائے شکر کرو اور صبر کا دامن تھامے رکھو؛ کیونکہ تمہارا جسم، تمہارے اعضاء و جوارح اور تمہاری دیگر صلاحیتیں اور قابلیتیں نہ تو تمہاری ملکیت ہیں نہ تم نے انہیں خود بنایا ہے اور نہ ہی دُوسرے کارخانوں سے خریدا ہے۔ تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کسی اور کی ملکیت ہیں، اور مالکُ الملک اپنے ملک میں جیسے چاہے تصرّف کرتا ہے۔

جس طرح ایک نہایت مال دار اور ہنر مند صنعت کار اپنی خوبصورت صنعتگری اور بیش قیمت دولت و ثروت کی تشہیر و نمائش اور ماڈلنگ کے لیے کسی غریب آدمی کو ایک گھنٹے کے لیے تھوڑی بہت اجرت پر اپنی تیار کی ہوئی قیمتی قمیص اور مرصّع قسم کا سوٹ پہنا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی اس انواع واقسام کی صنعتگری اس پر طرح طرح کی مینا کاری کرتا ہے، اُسے ایک حالت سے دوسری حالت میں ڈھالتا ہے، اس کی کٹنگ کرتا ہے، اس میں کئی قسم کی تبدیلیاں لاتا ہے اور اُس کے ماپ میں کمی بیشی کرتا ہے۔

اب اُجرت پر کام کرنے والے آدمی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ صنعت کار سے کہے: یہ آپ نے مجھے بڑی عجیب صورت حال سے دوچار کر دیا ہے، کبھی آپ کہتے ہیں سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور کبھی کہتے ہیں جھک جاؤ، اس سے تو آپ مجھے تھکا اور پریشان کر رہے ہیں! اور یہ قمیص جس نے مجھے چار چاند لگا دیے ہیں آپ اُس کی کانٹ چھانٹ کر کے میرے حُسن کو خراب کر رہے ہیں! کیا وہ نادار آدمی اُس صنعت کار کو یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں اور بے انصافی سے کام لے رہے ہیں، جیسے کہ چھبیسویں مقالے میں ذکر کیا گیا ہے؟

بعینہٖ اسی طرح اے بیمار شخص! اُس صانعُ الجلیل نے تمہارے جسم پر جو قمیص پہنائی ہے، وہ سمع و بصر اور عقل و قلب جیسے نورانی حواس کے ذریعے اُس قمیص کی کشیدہ کاری کرتا ہے، اور اپنے اسمائے حسنیٰ کے نقوش کے اِظہار کے لیے تجھے بہت سے حالات کے درمیان گھماتا ہے اور بہت سے اوضاع واطوار سے دوچار کرتا ہے۔

چنانچہ جس طرح تجھے اُس کے اسم ''الرزاق'' کی پہچان بھوک کے ذریعے ہوتی ہے اسی طرح اس کے اسم گرامی ''الشافی'' کی پہچان اپنی بیماری کے ذریعے کر لے۔

اس میں شک نہیں کہ آلام و مصائب اسمائے حسنیٰ کی ایک قسم کے احکام کو آشکار کرتے ہیں، اسی بنا پر اُن میں حکمت کی بہت سی کرنیں اور رحمت کی بہت سی شعائیں پائی جاتی ہیں۔ پس اگر پردہ اٹھ جائے تو تجھے اس بیماری کے پس پردہ بہت سے خوبصورت اور پیارے معانی ملیں گے جس بیماری سے تُو وحشت کھا رہا ہے اور نفرت کر رہا ہے۔

Marfat.com

پانچویں دوا

اے بیماری کے ستائے ہوئے لاچار شخص!

مجھے اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر یہ اطمینان حاصل ہوگیا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے اس دور میں بیماری اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور اس کی بے پایاں رحمت کی طرف سے بہترین تحفہ ہے۔

سابقہ آٹھ نو سالوں کے درمیان کئی ایک بیمار نوجوانوں نے مجھ سے ملاقات کرکے اپنے لیے دعا کی استدعا کی ہے، حالانکہ میں اس قابل بھی نہیں ہوں۔ تو میں نے یہ دیکھا کہ ان میں سے جو بیماری کے ہاتھوں زیادہ نڈھال ہے وہ آخرت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کے بارے میں زیادہ فکرمند ہے۔ اور جوانی کی غفلت میں بدمست نہیں ہے، بلکہ وہ بیماری کے رنج والم کے باوجود خود پر ــ کسی حد تک ــ کنٹرول رکھتا ہے۔ اور جوانی کی حیوانی ہوسناکیوں سے خود کو بچا کر رکھتا ہے۔ اور میں ہمیشہ ان کا حوصلہ بڑھاتا اور انہیں اس چیز کا احساس دلاتا تھا کہ: میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری یہ بیماریاں ــ یہ ٹھیک ہے کہ یہ تمہاری برداشت سے باہر بھی نہیں ہیں ــ اللہ تعالیٰ کا ایک احسان اور اس کی طرف سے ہدیہ اور عطیہ ہیں۔ اور میں کہا کرتا تھا:

''میرے بھائی! میں تمہاری اس بیماری کے نہ تو خلاف ہوں اور نہ اس سے چڑتا ہوں۔ میں اس کی وجہ سے نہ تم پر ترس کھاتا ہوں اور نہ دلسوزی کرتا ہوں اور نہ اس وجہ سے تمہارے لیے دعا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ پس تم اپنی اس بیماری میں صبر وشکیبائی کا مظاہرہ کرو اور تحمل و برداشت کا دامن تھام لو، تاکہ بیماری تمہیں خواب غفلت سے بیدار اور ہوشیار کرے؛ کیونکہ بیماری اپنی ڈیوٹی پر ہے؛ جب اپنی ڈیوٹی ادا کرلے گی، خداوند کریم تمہیں شفا عطا کردے گا۔

میں انہیں یہ بھی کہا کرتا تھا: صحت کی خرابی ایک آزمائش ہوتی ہے۔ تمہارے کئی ہم عمر صحت کی خرابی سے جنم لینے والی غفلت میں مدہوش رہنے کی وجہ سے نماز چھوڑ جاتے ہیں اور موت کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ سے غافل ہوجاتے ہیں اور دنیا کی چند لمحوں کی عارضی متاعِ حیات سے لطف اندوز ہونے کے لیے آخرت کی ابدی اور لامتناہی زندگی کی نہ صرف بنیادیں ہلا دیتے ہیں بلکہ اس کے عالیشان محل کو زمیں بوس بھی کردیتے ہیں۔ جبکہ اس کی وجہ سے تمہیں ایسی آنکھ مل جانی چاہیے جس سے تمہیں وہ قبر نظر آنی شروع ہوجائے جو تمہاری وہ منزل ہے جہاں تم نے بہر صورت پہنچنا ہے۔ اور اس آنکھ سے اُس منزل سے بعد والی اخروی منزلیں بھی نظر آنی چاہئیں، اور پھر تمہاری حرکات وسکنات ان منزلوں کے مطابق ہونی چاہئیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ تمہاری بیماری بیماری نہیں بلکہ تمہارے لیے صحت کا پیغام ہے؛ کیونکہ یہ تمہاری رفتار کنٹرول کرتی ہے۔ اور تمہارے وہ ہم عمر جو بظاہر صحت مند نظر آرہے ہیں، صحت مند نہیں ہیں بلکہ بیمار ہیں۔''

Marfat.com

چھٹی دوا

دُکھ درد کا شکوہ کرنے والے مریض! میں تجھ سے تیری عمر کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ اپنی گزشتہ عمر کو ذرا ذہن میں لاؤ اور اپنے سابقہ لذیذ پُرسکون اور خوشگوار دن، اور دردناک گدلے اوقات کو یاد کرو۔ ایسا کرو گے تو یا تو تم ''واہ'' کہو گے یا ''آہ''! مطلب یہ ہے کہ تمہارا دل، تمہاری زبان کہیں گے: ''الحمدللہ و الشکر لہ''، اور یا پھر کہیں گے ''ہائے حسرت''، ''ہائے افسوس''۔

اب دیکھو، تمہارے سابقہ آلام و مصائب جب تمہارے ذہن میں آئے تو تمہیں ایک معنوی لذت سے سرشار کر گئے، اور ایسے میں تمہارے دل میں ''الحمدلله و الشكر له'' کی لہر جاگ اُٹھی؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اَلم کا زوال لذت اور فرحت و سرور کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ آلام و مصائب اپنے زوال کے ساتھ رُوح میں ایک رُوح چھوڑ گئے کہ جب تم تصوّر کرو گے تو رُوح سے لذت بہے گی، اور اِس طرح شکر ٹپکنا شروع ہو جائے گا۔ لیکن گزرے ہوئے لذت و سرور کے دن جو کہ اب حسرت اور افسوس کا باعث بن گئے ہیں، وہ دن اپنے زوال کے ساتھ تمہاری روح میں دائمی دکھ درد کا کانٹا بو گئے ہیں، چنانچہ جب تم اُن کا تصوّر کرتے ہو تو وہ دکھ درد تازہ ہو جاتے ہیں اور حسرت و افسوس کے آنسو رُلانے کا باعث بنتے ہیں۔

تو جب ایک دن کی غیر شرعی لذت انسان کو بسا اوقات ایک سال تک کے لیے معنوی دکھ درد سے دوچار کر دیتی ہے، اور ایک دن کی وقتی بیماری کے درد سے حاصل ہونے والے بہت سے دنوں کے ثواب میں ایک معنوی لذت پائی جاتی ہے، مزید یہ کہ اس مرض سے نجات حاصل ہو جانے میں بھی ایک معنوی لذت پائی جاتی ہے: تو پھر ذرا اپنے اوپر نازل ہونے والی اس وقتی بیماری کے نتیجے پر غور کرو اور اس میں پائے جانے والے ثواب کا تصوّر کرو، اور کہہ دو:

اے میری جان! یہ بیماری بھی گزر ہی جائے۔ اور شکوہ شکایت کی بجائے شکر کا رویہ اختیار کرو۔

چھٹی دوا (حاشیہ:۱)

دنیا کی لذتوں اور ذائقوں کو یاد کر کے مرض کے ہاتھوں پریشان ہونے والے بھائی!

اگر یہ دنیا دائمی ہوتی اور ہمارے راستے میں موت نہ ہوتی اور زوال و فراق کی ہوائیں نہ چلتیں اور تند و تیز اور شدید مستقبل میں معنوی سردی کا موسم نہ ہوتا، تو میں بھی تمہارا ساتھ دیتا اور تمہاری اس حالت پر دُکھی اور پریشان ہوتا۔ لیکن دنیا جب ہمیں ایک دن یہ کہہ دے گی کہ مجھے الوداع کہنے کے لیے دروازے کی طرف آؤ۔ اور ہماری چیخ و پکار پر کان نہیں

(حاشیہ:۱) یہ لمعہ چونکہ دل پر فطری صورت میں وارد ہوا ہے، اس لیے چھٹے مرتبے میں دو دوائیں لکھی گئیں، بنا بریں ہم نے اسے اپنی حالت پر رہنے دیا تا کہ اس کی فطری صورت میں کوئی خلل نہ آئے۔ درحقیقت یہ سوچ کر ہم نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی کہ شاید اس میں کوئی راز پوشیدہ ہو۔ مؤلف

Marfat.com

دھرے گی، تو پھر قبل اس کے کہ یہ ہمیں دروازے کی طرف دھکیل دے، ہمیں ابھی سے۔ اِس بیماری کے انتباہ پر۔ اس کے عشق سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔

جی ہاں، بیماری ہمیں یہ لطیف معنی یاد دلاتی ہے اور کہتی ہے کہ تمہارا یہ جسم پتھر یا لوہے کا نہیں ہے بلکہ یہ چند ایسے مختلف مادوں سے مرکب ہے جس میں ہمیشہ بکھرنے اور پراگندہ ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اس لیے خود فریبی سے باہر آؤ اور اپنی عجز و درماندگی کو سمجھ جاؤ اور اپنے مالک کو پہچانو اور اپنی ذمہ داری کو جانو اور اپنے دنیا میں آنے کا مقصد سمجھو۔ بیماری اپنی یہ یاددہانی انتہائی مخفی طریقے سے دل کے کان میں پھونکتی ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ دنیا کے ذائقے اور اس کی لذت کو جب دوام نہیں ہے۔ اور خاص کر اُس وقت کہ جب ذائقہ اور لذت غیر شرعی ہو۔ اور یہ چیز عارضی ہونے کے ساتھ ساتھ آلام و ذنوب کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس لیے بیماری کی وجہ سے اس ذائقے اور اس لذت سے محروم ہو جانے کی وجہ سے رونے دھونے سے ہاتھ اٹھاؤ اور بیماری میں حاصل ہونے والے اُخروی ثواب اور معنوی عبادت پر دھیان دو اور اس خالص ذائقے کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

ساتویں دوا

صحت کی لذت سے محروم ہونے والے مریض!

تمہاری یہ بیماری صحت میں پائی جانے والی نعمتِ الٰہیہ کو ختم نہیں کرتی بلکہ اس کے برعکس وہ تمہیں اس کے ذائقے سے آشنا کرتی ہے اور اس کے لطف کو دوبالا کرتی ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی چیز جب دوام اختیار کرتی ہے اپنی تاثیر کھو دیتی ہے۔ اور یہ بات اتنی مسلّم ہے کہ اہلِ حقیقت بالاتفاق کہتے ہیں کہ: "اِنَّمَا الْأَشْيَاءُ تُعْرَفُ بِأَضْدَادِهَا۔" یعنی ہر چیز کی پہچان اس کی ضد سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر: اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی پہچان نہ ہوتی اور روشنی بے لطف رہتی۔ ٹھنڈ نہ ہوتی تو حرارت کی پہچان نہ ہوتی اور حرارت بے مزا رہتی۔ اگر بھوک نہ ہوتی تو کھانا کچھ مزا نہ دیتا۔ معدے کی حرارت نہ ہوتی تو پانی پینے سے کوئی لذت نہ ملتی۔ علّت نہ ہوتی تو عافیت بے ذائقہ ہوتی۔ اور اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت بالکل بے لذت ہوتی۔

فاطرُ الحکیم کا انسان کو بہت سے آلات وادوات سے اس طرح نواز دینا کہ ان کے ذریعے کائنات میں پائی جانے والی انواع و اقسام کی محدود نعمتوں کی پہچان کرے اور ان سے لطف اندوز ہو، چیز اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انسان کو اپنے ہر طرح کے احسان سے آگاہی دینا چاہتا ہے، اسے اپنی ہر نعمت سے لطف اندوز کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان ہمیشہ اس کا شکر گزار رہے۔ تب اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح صحت و عافیت عطا کی ہے اُسی طرح وہ بیماریاں، دُکھ تکلیفیں اور آزمائشیں عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے سر میں، یا ہاتھ میں یا معدے میں یہ بیماری نہ ہوتو وہ لذیذ اور خوشگوار نعمتِ الٰہی جو اِن میں اِن کی صحت کی حالت میں پائی جاتی ہے، تمہیں اس نعمت کا احساس ہوتا اور تم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے؟ ہر گز نہیں، شکر تو رہا ایک طرف تم اس کا ذکر تک بھی نہ کرتے۔ اور اس صحت کو لاشعوری طور پر غفلت میں بلکہ سفاہت وحماقت میں صرف کر دیتے۔

آٹھویں دوا

اے اپنی آخرت کو یاد کرنے والے مریض! بے شک بیماری گناہوں کی میل کچیل کو دھو کر انسان کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ صحیح حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ بیماریاں گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں کچھ اس طرح بھی آیا ہے: ''ایک بیمار مومن آدمی کی کپکپاہٹ گناہوں کو ایسے جھاڑ دیتی ہے جیسے درخت کو ہلانے سے اس کے پکے ہوئے پھل گر جاتے ہیں''۔ اور گناہ جہاں ابدی زندگی میں دائمی امراض کی حیثیت رکھتے ہیں وہاں اس دنیا میں وہ قلب ووجدان وروح کے لیے معنوی امراض ہیں۔ اور تم اگر بیماری پر صبر کرو گے اور حرفِ شکایت زبان پر نہ لاؤ گے تو اس وقتی بیماری کی وجہ سے بہت سی دائمی بیماریوں سے نجات پا جاؤ گے۔ اور اگر تم گناہوں کو یاد نہیں کرو گے، آخرت کو بھولے رہو گے، یا اللہ تعالیٰ سے بے خبر رہو گے تو پھر یہ سمجھو کہ تم اس موجودہ بیماری سے لاکھوں درجے زیادہ ہولناک بیماری میں مبتلا ہو، پس اُس سے بھاگو اور فریاد کرو؛ کیونکہ تمہارے قلب وروح ونفس کا تمام موجوداتِ عالم کے ساتھ گہرا تعلق ہے، اس صورت میں یہ تمام تعلقات زوال وفراق کے سبب ٹوٹتے رہتے ہیں اور تمہارے اندر لاتعداد زخم چھوڑ جاتے ہیں۔ اور خاص کر ایسی حالت میں کہ جب تمہیں آخرت کے بارے میں علم نہ ہو اور تم موت کو ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جانا سمجھتے ہو! گویا کہ تم ایک ایسے مریض بدن کے مالک ہو جو اس دنیا کے برابر زخموں سے بھرا ہوا ہے۔

اب ایسی صورت میں تمہارے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ تم سب سے پہلے اپنا اعتقاد ٹھیک کرو اور اپنے اُس معنوی جسم کے لیے مکمل علاج اور حقیقی شفا تلاش کرو جسے لاتعداد امراض اور غیر محدود زخم برباد کیے جا رہے ہیں۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ علاج تمہیں صرف ایمان کے شافی تریاق اور شفا بخش علاج سے ہی مل سکتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ اس علاج تک پہنچنے کا ایک مختصر ترین راستہ ہے کہ غفلت کے پردے کے پیچھے چھپے ہوئے اپنے اُس عجز وفقر کی کھڑکیوں سے اُس قدیرِ ذوالجلال کی قدرت اور اُس کی رحمت کی پہچان کرو جس عجز وفقر کا چہرہ تمہیں اس مادی بیماری نے غفلت کے پردے کو چاک کر کے دکھایا ہے۔

جی ہاں! جو شخص اللہ کو نہیں پہچانتا ہے وہ اپنے سر پر دُنیا وما فیہا کے برابر ہموم وغموم اور مصیبتیں اُٹھائے پھرتا ہے۔ لیکن جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اس کی قوتِ ایمان کے ذریعے ایمان کے درجے کے مطابق ہوتا ہے، اور

Marfat.com

یُوں مادی بیماریوں کی جزوی تکلیف اِس ایمان سے جنم لینے والے سرور وشفا اور معنوی لذت کے باعث مضمحل ہو کر زائل ہو جاتی ہے۔

نویں دوا

اپنے خالق کی پہچان رکھنے والے مریض!

بیماریوں میں جو خوف و وحشت والم پایا جاتا ہے، وہ صرف اس لیے ہے کہ بیماری بسا اوقات موت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔اسی لیے تو ایسی بیماریاں خوف و ہراس میں مبتلا کرتی اور احتیاطی تدابیر کا تقاضا کرتی ہیں جو ممکنہ طور پر موت کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔

اوّلا: تو یہ بات سمجھیں کہ اجل مقدر ہے تبدیل نہیں ہوتی، چنانچہ شدید قسم کے جاں بلب مریضوں پر رونے والے کئی صحیح سالم لوگ موت کے منہ میں چلے گئے اور مریض صحت یاب ہوئے اور بعد میں زندہ بھی رہے۔

اور ثانیاً یہ کہ: موت اتنی ہولناک نہیں ہے جتنی کہ صورت شکل سے نظر آتی ہے۔ہم نے قرآن کی عطا کردہ روشنی سے کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر قطعی طریقے سے یہ بات ثابت کی ہے کہ:

اہلِ ایمان کے لیے موت خدمتِ حیات سے سبکدوشی ،اور دنیا کے میدان میں آزمائش پر مبنی تعلیم وتدریب نام کی عبودیت سے موقوفی یا برطرفی کا نام ہے،اور اپنے اُن ننانوے فیصد احباب واقارب کے ساتھ ملنے کا نام ہے جو عالمِ آخرت میں جا بسے ہیں،اور اُن کے اپنے وطنِ حقیقی اور اپنی سعادتِ ابدی کے مقام میں داخل ہونے کا نام ہے،اور دنیا کے قید خانے سے نکل کر جنتوں کے باغات کی طرف آنے کی دعوت ہے،اور خالقِ رحیم کے فضل وکرم سے اپنی خدمات کی اُجرت لینے کی باری کا نام ہے۔

موت کی ماہیت حقیقت کی نظر میں جب یہی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اُس کی طرف گھبراہٹ کی نظر سے نہ دیکھا جائے بلکہ اس نظر سے دیکھا جائے کہ یہ رحمت وسعادت کا پیش خیمہ ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ بعض اولیاء اللہ نے جو موت سے خوف کا اِظہار کیا ہے تو اُس کی ہولناکی سے نہیں بلکہ اس بنا پر کیا ہے کہ وظیفۂ حیات کے دوام سے چونکہ نیکیاں کمانے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اس لیے انہیں مزید نیکیاں کمانے کا لالچ ہوتا ہے۔جی ہاں!موت اہلِ ایمان کے لیے رحمت کا دروازہ اور اہلِ ضلالت کے لیے ابدی ظلمات کا کنواں ہے۔

دسویں دوا

اے غیر ضروری طور پر پریشان ہونے والے مریض!تم مرض کے بوجھ سے غمگین ہو،اور یہ غم تمہارے مرض کو مزید بوجھل کر رہا ہے۔اور اگر اس بیماری کو کچھ ہلکا کرنا چاہتے ہو تو غم کو چھوڑنے کی کوشش کرو۔مطلب یہ ہے کہ بیماری کے

Marfat.com

فوائد اس کا ثواب اور اس کے بسرعت گزر جانے کے بارے میں سوچو، اور یوں غم کو زائل کردو اور بیماری کے خوف کا قلع قمع کردو۔

جی ہاں، غم بیماری کو دوگنا کر دیتا ہے اور تمہارے دل میں اس مادی بیماری کے پردے میں معنوی بیماری کا باعث بنتا ہے، اور یوں یہ مادی بیماری اس معنوی بیماری کا سہارا لے کر دوام اختیار کر جاتی ہے۔ لیکن اگر تسلیم و رضا کے سبب اور بیماری کی حکمت کو یاد کرنے سے غم زائل ہو جائے تو مادی بیماری کی اہم جڑیں کٹ جاتی ہیں، بیماری ہلکی ہو جاتی ہے اور اس کا کچھ حصہ ختم ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک معمولی سی بیماری کے ساتھ جب اوہام و افکار لگ جائیں تو وہ غم و اضطراب کی وجہ سے دس گنا تک بڑھ جاتی ہے، لیکن غم و اضطراب کے ختم ہونے پر بیماری دس میں سے نو حصے ختم ہو جاتی ہے۔

غم و اضطراب جہاں مرض میں اضافے کا باعث بنتے ہیں وہاں یہ حکمتِ الٰہیہ پر ایک طرح کا الزام اور رحمتِ الٰہیہ پر تنقید اور خالقِ الرحیم کے خلاف شکایت بھی ہے، چنانچہ اس بنا پر مریض اپنے ارادے کے برعکس ایک تادیبی طمانچہ کھاتا ہے۔

جی ہاں! جس طرح شکر نعمت میں اضافے کا باعث بنتا ہے، اسی طرح شکوہ شکایت بیماری اور مصیبت میں اضافہ کرتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ غم و اضطراب بذاتِ خود ایک بیماری ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ بیماری میں پائی جانے والی حکمت کی پہچان کا علم ہو جائے گا تو پھر غم و اضطراب پر۔ علم و حکمت کی۔ یہ مرہم رکھ دیں، اور بیماری سے نجات پا جائیں اور ''آہ'' کی بجائے ''واہ'' کہیں۔ اور ''ہائے افسوس'' کی بجائے کہیں: **الحمدلله علی کل حال۔**

گیارہویں دوا

میرے بے چین مریض بھائی:

بیماری تمہیں تمہاری بیماری کے پہلے دن سے لے کر آج کے دن تک موجودہ درد و الم کا نظارہ کرانے کے ساتھ ساتھ اس میں پائے جانے والے ثواب کی صورت میں ایک روحانی لذت اور زائل ہو جانے کی صورت میں ایک معنوی لذت سے آشنا کرتی ہے۔ اور اس دن کے بعد بلکہ اس گھڑی کے بعد بیماری معدوم ہو جائے گی۔ اور معدوم چیز کا یقیناً کوئی درد و الم نہیں ہوتا ہے۔ اور جب درد نہیں ہوگا تو اس سے متاثر ہونا اور بے چینی و بے کلی کا اظہار کرنا بھی بے معنی ہوگا۔ آپ چونکہ بیماری کے وہم میں مبتلا ہونے کی غلطی کرتے ہیں اس لیے یہ وہم آپ کو بے چینی سے دوچار کر دیتا ہے؛ کیونکہ آج کے دن سے پہلے کی مادی بیماری کی مدت کے بیت جانے کے ساتھ ہی اس مدت کا درد و الم بھی بیت گیا اور اس کے بدلے میں ملنے والا ثواب اور بیماری کے ختم ہو جانے کی لذت باقی رہ گئی۔ اب ٹھہرا کہ یہ صورتِ حال آپ کو فرح و سرور بخشے، اس لیے اب سابقہ بیماری اور اس سے متعلقہ دُکھ درد کا تصور کر کے دُکھی اور بے چین ہونا پاگل پن ہے۔ اور مستقبل ابھی آیا ہی نہیں

Marfat.com

کہ اُن کے بارے میں کسی غیر موجود دن میں غیر موجود بیماری سے حاصل ہونے والے غیر موجود درد والم کے وہم سے فکر شروع کر دیا جائے! تو اب عدم کے ان تین مرتبوں کو دکھ کا احساس کر کے اور جزع فزع کا اظہار کر کے وجود کا رنگ دے دینا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟

اس گھڑی سے پہلے والے بیماری کے اوقات اگر فرح وسرور بخشتے ہیں اور اس گھڑی کے بعد میں آنے والا وقت ابھی معدوم ہے اور اس میں بیماری کا وجود بھی معدوم ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو صبر کی قوت عطا کی ہے اُسے اس طرح اِدھر اُدھر پراگندہ نہ کرو بلکہ اُسے موجودہ لمحات میں محسوس ہونے والے دکھ درد کے مقابلے میں یکجا کرو اور کہو: ''یا صبور'' اور اس پر توکل کرو۔

بارہویں دوا

بیماری کی وجہ سے اپنی عبادت اور اوراد واذکار سے محروم ہو جانے والے اور اس محرومی پر غمگین ہونے والے مریض! یاد رکھو کہ صحیح حدیث کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ: ایک تقویٰ شعار مومن آدمی بیماری کے دنوں میں بھی اپنے اُس دائمی ورد کا ثواب پالیتا ہے جسے وہ بیماری کی حالت میں ادا نہیں کر سکا۔ پس ایک مریض آدمی جو کہ کسی بوجھل بیماری کی حالت میں بقدر استطاعت صرف فرائض ہی کو ادا کرتا رہے، تو اس کی وہ بیماری اخلاص کے ساتھ ادا کی جانے والی سنتوں کے قائم مقام ہو جائے گی۔ اور یہ اِس لیے ہے کہ وہ مریض صبر وتوکل سے مزیّن ہے اور فرائض کو باقاعدگی سے ادا کرتا ہے۔ اسی طرح بیماری انسان کو اس میں پائی جانے والی عجز و درماندگی اور ناتوانی کا شعور دیتی ہے اور اُسے عجز و ناتوانی کی حالی وقالی زبان کے ساتھ دُعا مانگنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو لامحدود عجز و درماندگی اور لا انتہا کمزوری رکھ دی ہے، اس لیے ہے کہ وہ ہمیشہ اُسے پکارتا رہے، اس کے آگے آہ وزاری کرتا رہے اور اس کے دروازے کی پناہ ڈھونڈتا رہے۔ اور آیت کریمہ: ﴿قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے بیماری اس خالص دعا اور گریہ زاری کا سبب بنتی ہے جو کہ انسان کی اصل قیمت اور اس کی تخلیق میں مضمر حکمت کا سبب ہے۔

بنابریں، اس جہت سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ انسان بیماری کی وجہ سے حرف شکایت زبان پر لانے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرے اور صحت یاب ہو کر دعا کے اُن سرچشموں کو بند نہ کرے جو بیماری نے جاری کیے ہیں۔

تیرہویں دوا

اے بیماری کا شکوہ کرنے والے مصیبت زدہ انسان! بیماری بعض لوگوں کے لیے ایک اہم دفینہ اور ایک بیش قیمت اِلٰہی تحفہ ہے، پس ہر بیمار شخص اپنی بیماری کے بارے میں یہی بات تصوّر کر سکتا ہے۔

اجل کا وقت جو غیر معیّن ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو مطلق نا اُمیدی اور مطلق غفلت سے بچانے کے لیے اور خوف و

Marfat.com

رجا کے درمیان ٹھہرانے اور دنیا و آخرت کو محفوظ رکھنے والے مرکز میں رکھنے کے لیے اپنی حکمت کے تحت اَجل کو پس پردہ رکھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اَجل کا آنا ہر وقت ممکن ہے، چنانچہ اگر وہ انسان کو غفلت کی حالت میں آ پکڑے تو اس بات کا احتمال ہے کہ وہ اُس کی ابدی زندگی کو بہت زیادہ نقصان پہنچادے گی۔ پس بیماری اس غفلت کو پراگندہ کردیتی ہے، آخرت کے بارے میں فکرمند کرتی ہے اور موت کی یاد دلاتی ہے اور انسان تیاری میں لگا رہتا ہے۔ اس چیز کا فائدہ بسا اوقات اس قدر رہتا ہے کہ انسان بیس دنوں میں اتنی کامیابی حاصل کرلیتا ہے کہ بیس سال میں بھی نہیں کرسکتا۔

مثال کے طور پر: ہمارے ملنے والوں میں سے دو نوجوان تھے _ رحمہما اللہ_ ان میں سے ایک کا نام ''صبری'' تھا جس کا تعلق ''ایلاما'' نامی گاؤں سے تھا اور دوسرے کا نام ''مصطفیٰ وزیرزادہ'' تھا جو کہ ''اِسلام کاپی'' نامی گاؤں سے تھا۔ میرے شاگردوں میں یہ دونوں آدمی لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، لیکن میں ایمانی خدمت کے سلسلے میں اُن کی پُرخلوص کاوشیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ اور اس چیز کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ لیکن اُن کے فوت ہوجانے کے بعد مجھے پتا چلا کہ وہ دونوں کسی مہلک بیماری میں مبتلا تھے اور اُس بیماری کی رہنمائی کی روشنی میں دوسرے فرائض تک سے کوتاہی برتنے والے غافل نوجوانوں کے برعکس عظیم الشان تقوی، پایدار خدمت اور آخرت میں نفع دینے والی بہترین وضع قطع پر فائز ہوگئے۔ اور ان کی بیماری کی دو سال کی محنت مشقت ان کی ابدی سعادتمندی کی زندگی کا وسیلہ بن گئی۔ ان شاء اللہ۔

اب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ میں جو کبھی کبھار ان کی صحت کے لیے دعا کیا کرتا تھا، دنیاوی نقطۂ نظر سے میری وہ دعا ان کے لیے بددعا بن گئی تھی۔ لیکن اُمید ہے کہ میری وہ دعا اُن کی اخروی صحت کے لیے قبول ہوگئی ہے! ان شاء اللہ۔

تو یہ دونوں آدمی _ میرے اعتقاد کے مطابق_ اتنا فائدہ اُٹھا گئے جو دس سالہ تقوی شعاری سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ دونوں بھی دوسرے نوجوانوں کی طرح اپنی صحت و جوانی پر بھروسا کیے رہتے اور خود کو غفلت اور گناہ کی گود میں گرادیتے _ جبکہ موت ان کی گھات میں تھی، اور وہ انہیں ان کی گناہ آلودہ زندگی میں جا پکڑتی_ تو وہ اپنے قبروں کو روشنیوں کے اس دفینے کی بجائے بچھوؤں اور سانپوں کے گھروندے بنا کر جاتے۔

بیماری کے جب بہت سے فائدے ہیں تو پھر یہ ضروری ہے کہ انسان اس کی شکایت نہ کرے بلکہ اُس پر صبر و توکل کے ساتھ شکر بجالائے اور اللہ تعالیٰ رحمت پر مکمل بھروسا رکھے۔

چودھویں دوا

اے وہ مریض کہ جس کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے! اگر تمہیں معلوم ہوجاتا کہ ایک مردِ مومن کی آنکھ پر گرنے والے پردے کے نیچے کون سا نور اور کون سی معنوی بینائی ہے تو تم کہتے: میرے رب رحیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے! اس مرہم کو واضح کرنے کے لئے ایک واقعہ کو بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سلیمان جو کہ بارلا سے تعلق رکھتا ہے اور جس نے مسلسل آٹھ

Marfat.com

سال کمال وفاداری اور احترام کے ساتھ میری اس طرح سے بے لوث خدمت کی ہے کہ ایک دن بھی اُکتایا اور تنگ دل نہیں ہوا_ اس کی خالہ کی بینائی کھوگئی، وہ نیک عورت میرے بارے میں میرے حق سے سو درجے زیادہ حسنِ ظن رکھتی تھی، چنانچہ ایک دن اس نے مجھے مسجد کے دروازے پر روک لیا اور گویا ہوئی: دعا کریں کہ میری بینائی لوٹ آئے۔تو میں نے اُس بابرکت مجذوب عورت کی صالحیت کو اپنی دعا کا سفارشی بنا کر یہ کہتے ہوئے گریہ زاری کی کہ: اے پروردگار اس عورت کی نیکوکاری کے صدقے اس کی بینائی لوٹا دے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ''بُور دُور'' کے علاقے سے ایک آنکھوں کا سپیشلسٹ ڈاکٹر آیا اور اس نے اُس کا اُوپر سے موتیے کا علاج کیا تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں، لیکن پھر چالیس دن کے بعد دوبارہ بے نور ہوگئیں۔ مجھے بہت دُکھ ہوا اور میں نے اس کے لیے بہت دعا کی۔ مجھے اُمید ہے کہ میری وہ دعا انشاء اللہ اُس کی آخرت کے لیے قبول ہوئی ہوگی وگرنہ میری یہی دُعا غلطی سے اس کے لیے بد دعا تھی، کیونکہ اس کی اَجل مقرر میں صرف چالیس دن باقی رہ گئے تھے، چنانچہ وہ چالیس دن کے بعد فوت ہوگئی۔ رحمہا اللہ۔

اور یوں مرحومہ نے بارلا کے غمگین باغات کو بڑھاپے کی کمزور نظر کے ساتھ چالیس دن تک دیکھنے کی بجائے اپنی قبر میں چالیس ہزار دنوں تک جنت کے باغات کو دیکھنے میں کامیاب ہونے کی سعادت حاصل کر لی؛ کیونکہ وہ ایمان میں انتہائی مضبوط اور نیکوکاری میں بڑی پختہ خاتون تھی۔

جی ہاں! کسی مردِ مومن کی بینائی جب ختم ہو جاتی ہے اور وہ اسی حالت میں قبر میں داخل ہو جاتا ہے، تو وہ اپنے مرتبے کے مطابق دوسرے اہلِ قبور کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ عالمِ نور کا نظارہ کرتا ہے۔

جس طرح ہم اس دنیا میں کئی ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جنہیں نابینا اہلِ ایمان نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ نابینا لوگ اگر ایمان کی حالت میں جائیں گے تو قبروں میں اِسی حساب سے دیگر اہلِ قبور سے کئی درجے زیادہ جنت کے باغات کا نظارہ کریں گے اور سینما سکرین کی طرح اپنے اپنے درجات کے مطابق وہاں سیر و سیاحت کریں گے۔ اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے آنکھوں پر ایسی عینکیں لگا دی جائیں جو دُور کی چیزوں کو قریب کر دیتی ہیں۔

ایسی روشن ترین آنکھ جو مٹی کے نیچے ہوتے ہوئے آسمانوں کے اُوپر والی جنت کو دیکھ لے اور وہاں ہر طرف کا نظارہ کر لے، آپ بھی اپنی اس ظاہری آنکھ کے پردے کے نیچے سے صبر و شکر کے ذریعے ایسی آنکھ حاصل کر سکتے ہیں۔ تمہاری آنکھوں کا ڈاکٹر قرآن حکیم ہے جو کہ تمہاری آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے گا اور تمہیں اس آنکھ کے ذریعے یہ سب چیزیں دکھا دے گا۔

پندرہویں دوا

آہ و فغان کرنے والے مریض! بیماری کی ظاہر صورت کو دیکھ کر ''آہ'' نہ کہو بلکہ اس کے معنی کی طرف دیکھ کر کہو: ''واہ''؛

Marfat.com

کیونکہ بیماری کا اگر کوئی اچھا معنی نہ ہوتا تو خالقِ رحیم اپنے محبوب ترین لوگوں کو بیماریوں میں مبتلا نہ کرتا۔ ایک صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: " أَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً اَلاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ، اَلاَمْثَلُ فَالاَمْثَلُ " اَوْ كَمَا قَالَ مطلب یہ ہے کہ مشکلات ومصائب میں سب سے زیادہ وہ لوگ گرفتار ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ فضیلت والے اور باکمال ہوتے ہیں، اور وہ ہیں انبیاء۔ اور ان میں سرِفہرست حضرت ایوبؑ ہیں، پھر اولیاء کرام اور عام نیکوکار لوگ۔ ان لوگوں نے اپنی بیماریوں کو اس نظر سے دیکھا کہ یہ عبادتیں اور رحمانی تحفے ہیں، چنانچہ انہوں نے صبر وشکر کا مظاہرہ کیا اور بیماریوں کو خالقِ رحیم کی طرف سے آنے والا عملِ جراحی سمجھا۔

پس اے آہ وفغاں کرنے والے مریض! اگر تم اس نورانی قافلے کے ساتھ جا ملنا چاہتے ہو تو صبر سے مزیّن ہو کر شکر ادا کرنا سیکھو، ورنہ اگر شکوے کرو گے تو یہ لوگ تمہیں اپنے قافلے میں شامل نہیں کریں گے اور تم تاریک راہوں میں چلتے ہوئے اہلِ غفلت کے گڑھے میں جا گرو گے۔

جی ہاں، کچھ بیماریاں ایسی ہیں جو موت کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہیں لیکن معنوی شہادت کی طرح ولایت کے کسی نہ کسی درجے پر فائز کر جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر: ولادت کے عمل سے جنم لینے والی بیماریوں سے (حاشیہ:۱) پیٹ کے درد سے، جل کر اور طاعون سے وفات پانے والے معنوی شہادت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ اور بھی بابرکت بیماریاں ہیں جو موت کے ذریعے ولایت کا درجہ عطا کر جاتی ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ بیماری دنیا کے عشق اور اس کے تعلقات میں کمی کر دیتی ہے، چنانچہ بیماری موت کے ذریعے اہلِ دنیا کے ناخوشگوار اور دردناک فراق کو ہلکا کر دیتی ہے بلکہ کبھی اس فراق کو محبوب بنا دیتی ہے۔

سولھویں دوا

تنگ دلی و بے قراری کا شکوہ کرنے والے مریض! بے شک بیماری بیمار آدمی کو رحم دلی واحترام کا درس دیتی ہے جو کہ انسانی معاشرے کی دو اہم ترین اور خوبصورت ترین خصوصیات سمجھی جاتی ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیماری انسان کو اُس بے پروائی اور خود انحصاری سے بچاتی ہے جو بالآخر اُسے وحشت و بربریت تک پہنچا دیتی ہے، کیونکہ نفسِ امارہ صحت وعافیت سے جنم لینے والی بے پروائی وخود انحصاری کی وجہ سے بہت سے قابلِ احترام برادرانہ تعلقات کا احترام نہیں کرتا ہے اور شفقت ورحم دلی کے مستحق بیماروں اور آفت رسیدہ لوگوں کے لیے رحم دلی محسوس نہیں کرتا ہے۔ فرمان گرامی: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ میں یہی راز پایا جاتا ہے۔ اس لیے ایک بیمار آدمی کو اپنی بیماری میں جب اپنے عجز وفقر کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے قابلِ احترام بھائیوں کا احترام کرتا ہے اور اپنی تیمارداری کرنے والے کے لیے احترام کے جذبات

(حاشیہ:۱) اس مرض سے معنوی شہادت کے حاصل ہونے کی مدت نفاس کے آغاز سے لے کر چالیس دن تک رہتی ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

محسوس کرتا ہے، وہ رحمت وشفقت کہ جس کا شمار اسلام کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ دیگر مصیبت زدگان کو اپنی ذات پر قیاس کرتا ہے اوران کے لیے شفقت کے جذبات رکھتا ہے اوران کے دُکھ درد سے حقیقی طور پر متاثر ہوتا ہے، اور امکانی حد تک ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ کچھ اور نہ ہو سکے تو کم از کم بیمار آدمی کے لیے دعا تو کرتا ہے، تیمارداری کر کے ان کی خیر خیریت تو معلوم کرتا ہے۔ اور یہ چیز چونکہ شرعی طور پر سنت ہے اس لیے وہ ثواب کما تا رہتا ہے۔

سترہویں دوا

اے بیماری کی وجہ سے نیک اعمال نہ کر سکنے کی شکایت کرنے والے مریض! شکر کر کہ جس نے تیرے لیے خالص ترین نیکیوں کا دروازہ کھول دیا ہے، اور یہ کہ بیماری دعا کے قبول ہونے کا اہم ترین وسیلہ ہے۔ اوراس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ بیماری بیمار کے لیے اور اللہ کی رضا کی غرض سے اُس کی تیمارداری کرنے والوں کے لیے ہمیشہ ثواب مہیا کرتی رہتی ہے۔

جی ہاں! بیماروں کی خدمت کرنے میں اہلِ ایمان کے لیے بہت زیادہ ثواب ہے، اور بیماروں کی خبر گیری اور تیمارداری _ بشرطیکہ انہیں تنگ نہ کیا جائے _ ایک بلند پایہ سنت ہے اور یہ چیز گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ: مریضوں کی دعا لو، کیونکہ اُن کی دُعا مقبول ہے، اور خاص کر اگر وہ قریبی رشتے دار بھی ہوں، اور خاص کر جب والد ہو یا والدہ۔ کہ ان کی خدمت بڑی اہم عبادت اور بہت بڑے ثواب کی باعث ہے۔ پھر یہ ہے کہ بیماروں کی دلجوئی کرنا، انہیں خوش رکھنا اوران کی تسلی کا سامان کرنا ایک اہم صدقے کا حکم لے لیتا ہے۔ اور سعادت مند انسان وہ ہے جو اپنے ماں باپ کا دل خوش کرتا ہے جو کہ بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے اوران کی بیماری کے دنوں میں اُن کی دعائے خیر لیتا ہے۔

جی ہاں؛ یہ نیک بیٹا جو کہ کمال احترام اور پسری مہر ومحبت کے جذبے کے تحت اپنے اُن والدین کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کرتا ہے جو کہ معاشرتی زندگی میں سب سے زیادہ عزت واحترام والی حقیقت کا روپ رکھتے ہیں، فرشتے لوحِ وفا کو سامنے رکھتے ہوئے اس بیٹے کو مبارک باد دیتے ہیں اور ماشاء اللہ و بارک اللہ کہتے ہوئے اُسے داد دیتے ہیں۔

وہ لوحِ وفا جو کہ انسان کی بلندی اور بیٹے کی فضیلت کی منہ بولتی دلیل ہے۔

جی ہاں! بیماری کے دنوں کی کچھ اپنی ہی لذتیں ہیں جو کہ اُس رحمت، ہمدردی، غمگساری اور شفقت کے اُن جذبات سے جنم لیتی ہیں جن جذبات کی تہ میں لذت وشادمانی پوشیدہ ہوتی ہے اور جن کا ظہور اس ماحول میں ہوتا ہے۔ اس سے بیماری کا دُکھ درد معدوم ہو جانے کی حد تک کم ہو جاتا ہے۔

پھر یہ ہے کہ بیمار آدمی کی دعا کا قبول ہونا بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ میں قولنج کی بیماری سے شفایابی کے لیے دعا کیا کرتا

Marfat.com

تھا جو مجھے تیس چالیس سال سے لگی ہوئی تھی۔تو مجھے پتا چلا کہ بیماری مجھے دعا کرنے کے لیے دی گئی ہے۔اور دُعا، دعا کو یعنی خود اپنے آپ کو ختم نہیں کرتی۔(حاشیہ:۱) تو مجھے یقین ہو گیا کہ دعا کا نتیجہ اُخروی ہے اور دُعا عبادت کی ایک قسم ہے، چنانچہ مریض مرض کی طفیل اپنی عاجزی و درماندگی کا ادراک کر کے بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتا ہے۔لہٰذا میرے دل میں ترکِ دعا کا خیال نہ گزرا۔ کیونکہ میری دعا بظاہر قبول نہیں ہو رہی تھی حالانکہ میں تیس سال سے شفا کے لیے دعا کر رہا تھا، کیونکہ بیماری دعا کرنے کا وقت ہے، اور شفا دُعا کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ حکیمُ الرحیم جب شفا دیتا ہے تو محض اپنے فضل سے دیتا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ دعا جب بالکل اُسی طرح قبول نہ ہو جیسے کہ ہم کرتے ہیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ: قبول نہیں ہوئی؛ کیونکہ خالقُ الحکیم ہی جانتا ہے کہ بھلائی کس چیز میں ہے، چنانچہ وہ ہمیں وہ چیز دے دیتا ہے جو ہمارے لیے بہتر ہوتی ہے اور یوں وہ کبھی ہماری دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے والی دُعا کا رُخ آخرت کی طرف پھیر دیتا ہے اور اس طرح وہ اُسے قبول کر لیتا ہے۔ بہر کیف وہ دُعا جو بیماری میں پائے جانے والے راز کی رُو سے خلوص کا درجہ پا لیتی ہے، اور خاص کر وہ دعا جو ضعف و عجز و تذلّل و احتیاج سے جنم لیتی ہے اور وہ دعا کی قبولیت کے لیے بہت ضروری ہے۔پس دیندار مریض کو اور مریض کے اہلِ ایمان خدمتگاروں کو اس دعا سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

اٹھارہویں دوا

اے شکر کو ترک کر کے شکوے شکایت کی راہ پر چل نکلنے والے مریض! شکوہ تو کسی حق کے تلف ہو جانے کا ہوتا ہے، اور تمہارا تو کوئی حق تلف نہیں ہوا جو شکوے کر رہے ہو! بلکہ تم نے تو کئی قسم کے ایسے شکر ادا نہیں کیے جنہیں ادا کرنا تمہارا فرض بنتا ہے، گویا کہ تم اللہ کا حق ادا کیے بغیر ناحق طریقے سے حق کے طلب گار سے ہوئے ہو اور یوں اپنے آپ کو برسرِ حق سمجھ کر شکوہ شکایت کر رہے ہو!

تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ اُن صحت مند لوگوں کو دیکھ کر شکوے کرتے رہو جو تمہیں اپنے سے بہتر درجے میں نظر آتے ہیں، بلکہ تم اس چیز کے مکلّف ہو کہ اُن مسکین اور نادار بیماروں کو دیکھو جو صحت کے لحاظ سے تم سے نچلے درجے میں ہیں تاکہ شکر گزار رہو۔اگر تمہارا ایک ہاتھ ٹوٹ جائے تو ان لوگوں کو دیکھو جن کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں، اگر تمہاری ایک آنکھ نہ ہو تو ان اندھوں کو دیکھو جن کی دونوں آنکھیں نہیں ہیں۔اور اللہ کا شکر کرو۔

جی ہاں! کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نعمت کے ضمن میں اپنے سے اُوپر والے لوگوں کو دیکھ کر شکوہ کرتا پھرے۔اور مصیبت کے ضمن میں ہر ایک کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر میں رکھے جو اُس سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں، تاکہ

(حاشیہ:۱) کچھ امراض اگرچہ۔باوجود اس کے کہ وہ دعا کے وجود کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن دعا جب مرض کے عدمِ وجود کا سبب بن جائے تو دعا کا وجود خود اپنے عدم کا سبب بن جائے گا، اور یہ ممکن نہیں۔مؤلف۔

Marfat.com

شکر ادا کرے۔ اس راز کو بعض رسائل میں ایک تمثیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ایک بڑا آدمی کسی مسکین کا ہاتھ پکڑ کر اسے مینار کی چوٹی تک لے جاتا ہے اور ہر زینے پر اُس پر احسان کرتے ہوئے اسے بطور ہدیہ کوئی نہ کوئی چیز دیتا ہے، اور مینار کی چوٹی پر پہنچ کر اسے کوئی سب سے بڑا ہدیہ دیتا ہے۔ اب ان انواع و اقسام کے تحفوں کے مقابلے میں وہ اُس مسکین سے صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ شکر و سپاس گزاری کا اظہار کرے۔ لیکن اس کے برعکس اگر وہ کمینہ آدمی زینہ بہ زینہ ملنے والے ان تمام تحفوں کو بھول جائے یا انہیں غیر اہم اور کالعدم قرار دے کر اس آدمی کا شکریہ ادا نہ کرے بلکہ اُوپر کی طرف دیکھے اور شکوہ کرتے ہوئے کہے کہ: کاش یہ مینارہ کچھ اور اُونچا ہوتا اور میں کچھ اور اُوپر جا سکتا! یہ مینارہ اس پہاڑ کی طرح یا اس دوسرے مینار کی طرح بلند کیوں نہیں ہے؟۔ تو یقیناً اس کا یہ انداز ظلم اور کفرانِ نعمت ہو گا۔

یہی حالت انسان کی ہے، حالانکہ یہ عدم سے وجود میں آیا ہے اور پتھر یا درخت نہیں بن گیا، اور حیوان ہی نہیں رہا بلکہ انسان بنا اور مسلمان ہوا اور ایک عرصے تک صحت و عافیت سے بہرہ وَر رہا اور ناز و نعمت میں پلتا رہا۔ لیکن یہی انسان جب بعض رُکاوٹوں کے نتیجے میں صحت و عافیت کا استحقاق کھو بیٹھے، یا اپنے سوئے اختیار سے یا سوئے استعمال سے اور یا پھر اپنی پہنچ سے باہر ہونے کی وجہ سے بعض نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ سے شکوے اور اس کی ربوبیت پر اعتراض کی بوچھاڑ کر دے اور جزع فزع کا اظہار کرتا ہوا کہے۔ الامان والحفیظ میں نے ایسا کون سا جرم کیا ہے، جس کی وجہ سے مجھ پر یہ بلا نازل ہوئی ہے! تو اس طرح کی صورت حال ایک معنوی بیماری ہے جو کہ مادی بیماری سے بھی بڑی مصیبت ہے۔ ایسا آدمی حرفِ شکایت زبان پر لا کر ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ لڑنے کی طرح اپنی بیماری میں مزید اضافہ کرتا ہے۔

پس عقل مند آدمی وہ ہے جو فرمانِ گرامی: ﴿اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ میں پائے جانے والے راز کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اس وقت تک صبر و شکیبائی سے کام لیتا ہے، تا آنکہ بیماری اپنی ڈیوٹی پوری کر کے چلی جائے۔

انیسویں دوا

جمیل و جلیل پروردگار اپنے اسمائے گرامی کو اپنی صمدانی تعبیر کے ذریعے ''اسمائے حسنیٰ'' کہہ کر یہ واضح کرتا ہے کہ اس کے تمام اسمائے گرامی خوبصورت ہیں، اور یہ کہ صمدانیت کا جامع ترین، خوبصورت ترین، اور لطیف ترین آئینہ ''زندگی'' ہے۔ کیونکہ خوبصورت کا آئینہ بھی خوبصورت ہوتا ہے اور وہ آئینہ جو اُس خوبصورت ہستی کے محاسن کو منعکس کرتا ہے وہ خود بھی خوبصورت ہو جاتا ہے۔ تو جس طرح اس آئینے پر اس خوبصورت کی طرف سے آنے والی ہر چیز خوبصورت ہوتی ہے اسی طرح زندگی پر واقع ہونے والی ہر چیز حقیقت کی نگاہ میں اچھی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ان خوبصورت اسمائے حسنیٰ کے خوبصورت نقوش کا دیدار کراتا ہے۔ پس زندگی اگر صحت و عافیت کی صورت میں ہمیشہ یکساں طور پر ایک ہی ڈگر پر

Marfat.com

چلتی رہے تو نہ صرف یہ کہ ناقص آئینے کے رُوپ میں رہے گی بلکہ ایک جہت سے عدم و فنا و انعدام کا احساس دلائے گی، انقباض پیدا کرے گی، زندگی کی قیمت گھٹائے گی اور عمر کی لذت کو سینے کی تنگی میں تبدیل کر دے گی اور یوں انسان چاہتا ہے کہ اس کا وقت جلد جلد کٹ جائے، چنانچہ اس طرح وہ انقباض کی وجہ سے خود کو جرم و گناہ اور لہو و لعب کی گود میں گرا دیتا ہے اور جیل میں کٹنے والی مُدّت کی طرح وہ اپنی قیمتی عمر کے ساتھ برسرِ پیکار ہو جاتا ہے، اس عمرِ عزیز کو قتل کرنے اور اُسے جلد از جلد گزارنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ لیکن زندگی مختلف حالات و اطوار کے مابین تحول و تحرّک و تقلّب کی حالت میں رہ کر اپنی قیمت کا احساس دلاتی، عُمر کی اہمیت اور لذت کو اُجاگر کرتی رہتی ہے، اس لیے انسان نہیں چاہتا کہ اس کی عمر بیت جائے، اگرچہ وہ مشقت اور مصیبت میں ہی ہو، اور انقباض و تنگ دلی سے اُکتا کر یہ نہیں کہتا کہ: پناہ بخدا! کیا ابھی تک سورج نہیں ڈوبا ہے؟ رات ختم نہیں ہوئی؟

جی ہاں! کسی دولتمند بے کار آدمی سے پوچھو جو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے، جس کے پاس دنیا کی ہر نعمت ہے، اس سے پوچھو کہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کچھ اس طرح کے دردناک کلمات سنو گے: پناہ بخدا! وقت نہیں گزرتا ہے۔ آؤ ذرا شطرنج کھیل لیں یا وقت گزاری کے لیے لہو و لعب کا کوئی اور طریقہ ڈھونڈیں۔ یا پھر اُس سے لمبی اُمیدوں سے جنم لینے والی کچھ اس طرح کی شکایتیں سنو گے: مجھے فلاں چیز نہیں ملی۔ کاش کہ میں اس طرح کر لیتا! اور ذرا کسی مصیبت زدہ، محنت کش اور فقیر انسان کو اس کی بدترین حالت میں پوچھو کہ: کیا حال ہے؟ تو وہ _ اگر عقل مند ہو گا تو _ کہے گا: پروردگار کا شکر ہے کہ میں صحیح سالم ہوں اور کام کر رہا ہوں۔ کاش سورج جلدی غروب نہ ہوتا تو میں یہ کام نپٹا لیتا! وقت پَر لگا کر اُڑتا جا رہا ہے اور عمر ہے کہ ٹھہرتی ہی نہیں۔ میں اگرچہ حقیقتاً محنت مشقت کر رہا ہوں لیکن یہ بھی بہرکیف گزر ہی جائے گی ہر چیز تیزی سے گزرتی جا رہی ہے۔ چنانچہ وہ اسی طرح کہے گا اور عمر کے گزر جانے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا: بے شک عمر معنوی طور پر بڑی قیمتی چیز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتا ہے کہ عمر کی لذت اور زندگی کی قیمت محنت، مشقت اور عمل و کردار میں پوشیدہ ہے: اور یہ کہ صحت و راحت عمر کو المناک بنا دیتی ہیں۔ اسی بنا پر وہ تمنا کرتا ہے کہ عمر جلد از جلد گزر جائے۔

میرے مریض بھائی! یاد رکھو کہ جیسا کہ دیگر رسائل میں تفصیل کے ساتھ قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ شر و مصائب حتی کہ گناہوں کا سرچشمہ اور خمیر عدم ہے، اور عدم شرِ محض اور سر تا پا تاریکی ہے۔ پس ایک ہی ڈھنگ پر اور ایک ہی وطیرے پر توقف، راحت، سکوت اور سکونت جیسے حالات چونکہ عدم اور فنا کے قریب تر ہیں، اس لیے عدم میں پائی جانے والی تاریکی کا احساس دلاتے ہیں اور نتیجتاً انقباض اور تنگ دلی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن حرکت اور تحول و تغیر چونکہ وجود ہیں اس لیے وجود کا احساس دلاتے ہیں۔ اور وجود نور اور خیرِ محض ہے۔

Marfat.com

حقیقت جب یہی ہے، تو تم میں جو بیماری پائی جاتی ہے وہ تمہارے بدن میں ایک مہمان بنا کر بھیجی گئی ہے اور اس کے ذمے اس بیش قیمت زندگی کو سنوارنے، نکھارنے، اِسے قوت فراہم کرنے، اسے ترقی دینے اور بلندی سے آشنا کرنے اور تمہارے جسم میں پائے جانے والے تمام انسانی کُل پُرزوں کی توجہ اس بیمار عضو کے تعاون کی طرف کرنے اور اس طرح صانع الحکیم کے اسمائے گرامی کے مختلف نقوش کو آشکار کرنے کی طرح کی بہت سی ڈیوٹیاں لگادی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ بیماری اپنی ذمہ داری جلدی جلدی ادا کر کے واپس چلی جائے گی انشاء اللہ اور صحت و عافیت سے کہے گی کہ: آؤ اور ہمیشہ کے لیے یہی جگہ لے لو، اپنی ذمہ داری سنبھالو اور خدمت سرانجام دو۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ اس میں بخیر و عافیت رہائش اختیار کرو۔

بیسویں دوا

اے اپنی بیماری کی دوا کے متلاشی مریض! بیماری کی دو قسمیں ہیں: حقیقی بیماری اور وہمی بیماری۔

جہاں تک تعلق ہے حقیقی بیماری کا، تو بے شک شافی حکیم ذوالجلال نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے اور اسے اپنی کرۂ ارض جیسی سب سے بڑی فارمیسی میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔ پس یہ دوائیں بیماریوں کا تقاضا کرتی ہیں۔ پس ان سے علاج کرنا اور انہیں بطور دوا استعمال کرنا شرعی طور پر جائز ہے۔ لیکن یہ اعتقاد رکھنا بہر کیف ضروری ہے کہ تاثیر اور شفا اللہ کی طرف سے ہے، چنانچہ جس طرح اُس نے بیماری دی ہے اُسی طرح شفا بھی دے گا۔ کسی دیندار حاذق طبیب کی ہدایات پر عمل کرنا ایک اہم علاج ہے، کیونکہ اکثر بیماریاں سوئے استعمال، بد پرہیزی، اسراف و سیئات، گناہگاری اور عدم اہتمام کی وجہ سے جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ اور ایک دیندار طبیب شریعت کے دائرے میں رہ کر مریض کو نصیحت کرے گا اور ہدایات دے گا، اسے تسلی دے گا اور بہر صورت اسے اسراف اور سوئے استعمال سے منع کرے گا چنانچہ مریض اُن تسلی بخش مشوروں پر اور اُن ہدایات پر اعتماد کرے گا اور یوں اس کی بیماری ہلکی ہوگی اور وہ انقباض کی بجائے فرح و سُرور سے ہمکنار ہوگا:

رہی وہمی بیماری، تو اس کا مؤثر ترین علاج یہ ہے کہ اُسے کوئی اہمیت نہ دی جائے، کیونکہ اسے جتنی اہمیت دی جائے گی وہ اتنی ہی بڑھتی جائے گی اور اگر اس کی پروا نہ کی جائے گی تو گھٹتی گھٹتی بکھر جائے گی۔ جیسے کہ اگر کوئی شہد کی مکھیوں کو چھیڑے گا تو وہ اس پر حملہ کر دیں گی۔ اور اگر ان کی طرف توجہ نہیں دے گا تو وہ منتشر ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر وہ اندھیرے میں آنکھوں کے سامنے حرکت کرنے والی رسی سے جنم لینے والے خیال کی طرف توجہ دے گا تو وہ خیال بڑا ہوتا جائے گا حتی کہ اسے ڈرا کر دیوانہ وار بھاگنے پر مجبور کر دے گا، لیکن اگر اس کی طرف توجہ نہیں دے گا تو اسے نظر آئے گا کہ یہ سانپ نہیں بلکہ ایک عام سی رسی ہے۔ اور وہ اپنے ذہنی خوف و اضطراب پر ہنس دے گا۔

یہ وہمی بیماری جب زیادہ لمبی ہو جائے تو حقیقت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہمی اور اعصابی لوگوں میں یہ بیماری ایک خطرناک قسم کی بیماری کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ یہ رائی کو پہاڑ بنا دیتی ہے اور انسان کی معنوی قوت کو توڑ پھوڑ دیتی ہے۔

Marfat.com

اور خاص کر ایسا انسان اگر بے رحم قسم کے نیم حکیموں اور ظالم ڈاکٹروں کے ہتھے چڑھ جائے تو وہ اس کے وہم کو مزید تحریک دے دیتے ہیں۔ اور یوں مریض اگر امیر ہو تو مال سے، وگرنہ عقل سے اور صحت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

اکیسویں دوا

اے میرے مریض بھائی! تمہاری بیماری میں ایک مادی رنج والم پایا جاتا ہے لیکن تمہیں چاروں طرف سے ایک ایسی اہم معنوی لذت نے گھیرا ہوا ہے جو اس مادی الم کی تاثیر کو زائل کرتی جا رہی ہے؛ کیونکہ تمہارا یہ مادی الم تمہاری بچپن کی اُس لذیذ رأفت وشفقت سے بڑھ کر نہیں ہے جسے تم مدت سے فراموش کر چکے ہو۔ اور جواب تمہارے والدین اور عزیز و اقارب کی تمہاری طرف متوجہ ہونے کی صورت میں نئے سرے سے پھوٹ رہی ہے۔ اگر تمہارے والدین اور عزیز و اقارب ہوں تو۔ چنانچہ اس طرح تم اُن میٹھی میٹھی نظروں کو بھی دیکھ رہے ہو جنہیں لڑکپن میں دیکھ چکے ہو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ تمہارے گردو پیش میں تمہارے کتنے ہی ایسے مخفی اور مستور دوست احباب ہیں جو اس بیماری کی کشش سے کھچے چلے آئیں گے اور تمہیں محبت بھری نظروں سے دیکھیں گے۔ اور اس طرح تمہاری یہ مادی بیماری اس محبت اور شفقت کے جذبات کے مقابلے میں بالکل ہلکی اور ارزاں سی ہو کر رہ جائے گی۔

پھر یہ ہے کہ جن لوگوں کی تم فخر کے ساتھ خدمت میں رہے ہو اور جن کی نگہِ التفات کے لیے تگ و دو کرتے رہے ہو، وہ لوگ اب شفقت بھرے رویّے کے ساتھ تمہاری خدمت میں لگ گئے ہیں، اور یوں تُم اپنے سرداروں کے بھی سردار بن جاتے ہو۔

پھر یہ بھی ہے کہ اس بیماری کے باعث تم نے مزید بہت سے مشفق اور معاون دوست احباب پا لیے ہیں جن کی وجہ سے تم انسانی ہمدردی اور برادرانہ شفقت سے بہرہ ور ہو گئے ہو۔

اور یہ بھی ہے کہ اس بیماری کے طفیل تمہیں بہت سے پُر مشقت کاموں سے رخصت مل جاتی ہے اور تم بسترِ راحت پر آرام کرتے ہو۔

بنابریں، یہ ضروری ٹھہرا کہ تمہارا یہ جزوی درد والم تمہیں ان معنوی لذتوں کے مقابلے میں شکوہ شکایت کی بجائے کشاں کشاں شکر وسپاس کی جانب لے جائے۔

بائیسویں دوا

اے فالج جیسے شدید مرض میں مبتلا مریض! اوّلاً تو میں آپ کو یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ فالج مومن آدمی کے لیے ایک بابرکت مرض شمار کیا جاتا ہے۔

یہ چیز میں نے اہل اللہ سے بہت عرصے سے سن رکھی تھی لیکن مجھے اس میں پائے جانے والے راز کا پتا نہ چل سکا۔ اب

Marfat.com

اس کا ایک راز دل پر وارد ہو رہا ہے، اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ: اہل اللہ نے اللہ تک پہنچنے ، دنیا کے بڑے بڑے معنوی خطرات سے بچنے اور ابدی سعادت سے ہمکنار ہونے کے لیے دو بنیادوں کو اختیار کیا ہے:

پہلی بنیاد ہے: رابطۂ الموت، اس کا مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنی ابدی زندگی کے لیے اس تصوّر کے ساتھ عمل کیا کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اور یہ کہ وہ اس دنیا میں ایک فنا پذیر مہمان اور ملازم ہے۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ: انہوں نے نفسِ امارہ کی ہلاکتوں سے اور اندھے جذبات واحساسات سے خلاصی پانے کے لیے ریاضتوں اور چلہ کشیوں کے ذریعے نفس امّارہ کو مارنے کی کوشش کی۔ اور تم اے میرے بھائی جو اپنے جسم کی آدھی صحت سے محروم ہو گئے ہو، تمہیں بلا اختیار وہ دو مختصر اور آسان سی بنیادیں مل گئی ہیں جو سعادت مندی کا سبب ہیں، اور وہ اس طرح کہ تمہارے بدن کی یہ کیفیت ہمیشہ دنیا کے زوال اور انسان کی فنا پذیری کی یاد دلاتی رہے گی۔ اس لیے دنیا تمہیں ڈبو نہیں سکے گی اور غفلت تمہاری آنکھ بند نہیں کر سکے گی۔ اور نفسِ امارہ نفسانی خواہشات اور رذیل شہوات و رغبات کے ذریعے ایسے انسان کو دھوکہ نہیں دے سکے گا جو کہ آدھے انسان کی حالت میں ہے چنانچہ ایسا انسان اس نفس کی آفت سے بہت جلد نجات حاصل کر لیتا ہے۔

پس مومن آدمی ایمان اور توکّل وتسلیم میں پائے جانے والے راز کی بدولت فالج جیسی شدید بیماری سے تھوڑی سی مدت میں اہل اللہ کی چلہ کشیوں جیسے فائدے اُٹھا لیتا ہے اور اس وقت وہ شدید بیماری بہت ارزاں اور آساں ہو جاتی ہے۔

تیئیسویں دوا

اے مسکین، اجنبی اور تنہا مریض! بیماری کے ساتھ ساتھ اجنبیت اور تنہائی اگر تمہارے سامنے پتھر دلوں میں نرمی پیدا کر دیں اور تمہارے لیے ان میں شفقت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیں، تو پھر کتنی حیرانی کی بات ہو گی کہ اگر یہی بیماری اور اجنبیت تمہارے اُس خالقِ رحیم کی نظرِ رحمت کو تمہاری طرف متوجہ نہیں کرے گی جو قرآن کی تمام سورتوں کے اوائل میں ہمیں اپنا تعارف اپنے رحمان ورحیم ہونے کی حیثیت سے کرواتا ہے! اور اپنی شفقت کی ایک کرن کے ساتھ تمام بچوں کو اُن کی ماؤں کی خارقِ عادت شفقت کے ذریعے پروان چڑھاتا ہے، اور اپنی رحمت کے ایک جلوے کے ساتھ ہر موسم بہار میں روئے زمین کو اَن گنت نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے اور جنت اپنی تمام تر خوبیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ ابدی زندگی میں اس کی رحمت کا ایک جلوہ ہو گی؟

جی ہاں! ایمان کے ذریعے تمہارا اُس کی طرف منسوب ہونا، اُسے پہچان جانا اور بیماری کی عاجزانہ زبان کے ساتھ اس کے حضور میں گریہ زاری کرنا اور اس اجنبیت میں تمہاری یہ بیماری اور یہ تنہائی یہ تمام چیزیں اُس کی نظرِ رحمت کو تمہاری طرف متوجہ کرتی ہیں اور یہ نظرِ رحمت ہر چیز کا نعم البدل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

تو جب خالق موجود ہے، اور وہ تمہیں نظر میں رکھتا ہے، تو پھر تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے۔ اجنبیت اور تنہائی کا شکار درحقیقت وہ آدمی ہے جو ایمان اور تسلیم ورضا کے ذریعے اس کی طرف نسبت نہیں رکھتا ہے، یا اُس کی طرف منسوب ہونے کو چنداں اہمیت نہیں دیتا ہے۔

چوبیسویں دوا

اے معصوم مریض بچوں کی اور بچوں جیسے بوڑھوں کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرنے والے لوگو! تمہارے سامنے ایک اہم اُخروی تجارت موجود ہے، اس تجارت کو اشتیاق واہتمام کے ساتھ حاصل کرلو۔ معصوم بچوں کی بیماریاں ان کے نرم و نازک جسموں کے لیے مستقبل میں پیش آنے والے دُنیا کے حادثات وواقعات کا مقابلہ کرنے کی قوت حاصل کرنے کے لیے ایک تمرین، ورزش، حفاظتی ٹیکے اور ربانی تربیت کا حکم رکھتے ہیں۔ اسی طرح اُن کی یہ بیماریاں دنیاوی زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والی ان جیسی حکمتوں کے ساتھ ساتھ ان کی رُوحانی زندگی کے لیے وسیلہ کار اور ان کی مادی زندگی کی صفائی ستھرائی کا دارومدار بن جاتی ہیں، جس طرح یہ بیماریاں بڑوں کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اسی طرح بچوں کے لیے یہ بیماریاں ان کے مستقبل میں یا آخرت میں ان کے لیے معنوی ترقی کے ٹیکے کا حکم رکھتی ہیں۔

اور بچوں کی اس طرح کی بیماریوں سے حاصل ہونے والا ثواب والدین کے اعمال نامے میں لکھ دیا جاتا ہے، اور خاص کر اس والدہ کے اعمال نامے میں جو شفقت میں پائے جانے والے راز کی رُو سے بچے کی صحت کو اپنی صحت پر ترجیح دیتی ہے، جیسے کہ اہلِ حقیقت کے ہاں یہ چیز ثابت ہے۔

رہی بزرگوں کی تیمارداری، تو یہ چیز تیماردار کے لیے ثواب کا باعث ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی صحیح روایات اور تاریخی واقعات سے یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ ان بزرگوں کی دعائیں لینا ـ اور خاص کر یہ بزرگ اگر والدین ہوں ـ ان کا دل بہلانا اور اُن کی پوری وفاداری کے ساتھ خدمت کرنا دنیاوی اور اُخروی سعادت کا وسیلہ بھی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جیسے یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اپنے بوڑھے والدین کی مکمل طور پر اطاعت کرنے والا سعادت مند بیٹا اپنی اولاد سے بھی اسی طرح کی اطاعت گزاری سے بہرہ یاب ہوگا۔ چنانچہ بہت سی صحیح روایات اور تاریخی واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ اسی طرح ایک بدبخت بیٹا جب اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے تو آخرت کے عذاب کے علاوہ اس دنیا میں بھی بہت سی آفات وخطرات کی صورت میں سزا پاتا ہے۔

جی ہاں! ایک مومن آدمی صرف یہی نہیں کہ اپنے عزیز واقارب کی خدمت کرے بلکہ مومن آدمی کا سامنا جب ایسے عاجز وناتواں قابلِ احترام بیمار بزرگوں سے ہو جو مدد کے محتاج ہوں تو ایسے میں اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صمیم قلب ورُوح سے ان کی خدمت کرے؛ کیونکہ رازِ ایمان کی رُو سے ان کے درمیان حقیقی اخوت پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

پچیسویں دوا

اے میرے مریض بھائیو! اگر تم ہر بیماری کے لیے کوئی انتہائی مفید قدسی تریاق اور لذیذ ترین حقیقی دوا چاہتے ہو تو پھر اپنے ایمان کے انکشاف وجِلا کاری میں بڑھتے چلے جاؤ، مطلب یہ کہ اس قدسی تریاق یعنی ایمان کو اور اس سے جنم لینے والے علاج کو استعمال میں لاؤ یعنی اُسے توبہ واستغفار اور نماز وعبادت کے ساتھ استعمال میں لاؤ۔

جی ہاں، ایسے لگتا ہے جیسے کہ دنیا کی محبت اور اس کے ساتھ شدید تعلق کی وجہ سے اہلِ غفلت کے پاس خود اِس دنیا کے حجم کے برابر ایک بہت بڑا بیمار جسم ہے۔ ایمان ان کے اس دنیا جیسے بڑے، زوال وفراق کی ضربوں سے لگے ہوئے زخموں سے چُور اور بیمار جسم کو دفعتاً زخموں سے محفوظ کرتا ہے اور اسے حقیقی شفا عطا کرتا ہے۔

یہ بات ہم نے بہت سے رسائل میں قطعی طور پر ثابت کر دی ہے اور تمہیں اُکتاہٹ سے بچانے کے لیے میں اسے مختصر طور پر کہتا ہوں کہ:

بقدرِ امکاں فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ایمان کا علاج انتہائی مؤثر ہے۔ اور یہ کہ غفلت وگناہ، نفسانی خواہشات اور غیر شرعی تفریحات اور دل لگیاں اس تریاق کی تاثیر کے آگے رُکاوٹ بن جاتی ہیں۔

بیماری جب غفلت کا پردہ چاک کر دیتی ہے، اشتہا کا قلع قمع کر دیتی ہے اور غیر شرعی لذتوں کی راہ میں رُکاوٹ بن جاتی ہے، تو پھر اس سے بھرپور فائدہ اُٹھاؤ اور توبہ واستغفار اور دعا وابتہال کے ذریعے حقیقی ایمان کے انوار کو اور اس کی قدسی دواؤں کو استعمال میں لاؤ۔

اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے اور تمہاری بیماریوں کو گناہوں کا کفارہ بنا دے آمین آمین آمین۔

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآئَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾

﴿اللهم صل على سيدنا محمد طبِّ القلوب و دوائها وعافية الأبدان و شفائها، ونور الابصار وضيائها وعلى آله وصحبه وسلم﴾

☆ ☆ ☆

پچیسویں دوا کی ذیلی بحث:

سترہواں مکتوب ہے۔

اسے چونکہ ''مکتوب'' کے مجموعے میں شامل کر دیا گیا ہے اس لیے یہاں درج نہیں کیا گیا۔

Marfat.com

چھبیسواں لمعہ

(بوڑھوں کے نام پیغام)

اِس میں چھبیس اُمیدیں، روشنیاں اور تسلّی کے پیغام ہیں۔ (حاشیہ:۱)

تنبیہ

میں نے ہر اُمید کے آغاز میں اپنے معنوی درد کو ایسے دردناک انداز سے لکھ دیا ہے جو تم پر اثر انداز ہو کر تمہیں بھی درد سے بھر دے، اور ایسا اس لیے کیا تا کہ قرآنِ حکیم سے وارد ہونے والے علاج کی خارقِ عادت تاثیر آشکار ہو جائے۔

یہ لمعہ جو کہ خصوصی طور پر عمر رسیدہ لوگوں کے لیے لکھا ہے، تین، چار وجوہات کی بنا پر حسنِ بیان کی نگہداشت نہیں کر سکا ہے۔

پہلی وجہ: یہ میرے ذاتی حالات پر مشتمل ہے اور میں نے چونکہ خیالات کے دوش پر اُن زمانوں کی طرف سفر کیا ہے اور اسے اُسی حالت میں لکھا ہے۔ اس لیے اس میں تعبیر و بیان کا زیادہ اہتمام نہیں ہوا۔

دوسری وجہ: صبح کی نماز کے بعد انتہائی تھکن اور عجلت کی مجبوری کے تحت لکھے جانے کی وجہ سے اس کے تعبیر و اِفادہ میں اضطراب اور بے ترتیبی دَر آئی۔

تیسری وجہ: میرے پاس کاتب ہمہ وقت موجود نہیں ہوتا۔ اور جو ہے وہ رسائلِ نور سے متعلقہ چار پانچ ذمہ داریاں نبھا رہا ہے۔ اِس لیے ہمیں مکمل تصحیح کے لیے وقت نہیں مل سکا۔ اس بنا پر مضمون نظم وضبط سے عاری رہا۔

چوتھی وجہ: اس کی تالیف کے بعد میں اور کاتب تھک کر چور ہو گئے تھے جس کی وجہ سے معنی کے بارے میں زیادہ غور و فکر نہ کر سکے اور نامکمل تصحیح پر ہی اکتفا کیا گیا۔ اس بنا پر تعبیر و ادا کے اُسلوب میں بہر کیف کوتاہیاں رہ گئیں۔

پس میں بلند ہمت عمر رسیدہ لوگوں سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ انداز و بیان میں پائی جانے والی میری ان کوتاہیوں کے بارے میں چشم پوشی سے کام لیں گے اور جب بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے اپنے مبارک ہاتھ اُٹھائیں گے تو اپنی ان دعاوں میں مجھے بھی شامل رکھیں گے۔ رحمت خداوندی یقیناً اِن مبارک ہاتھوں کو خالی واپس نہیں لوٹاتی ہے۔ سعید نورسی

(حاشیہ:۱) مؤلف۔ رحمہ اللہ۔ نے یہاں اپنے تصحیح کردہ قلمی نسخے پر یہ حاشیہ لکھا ہے: بقیہ اُمیدیں (یعنی چودھویں اُمید سے لے کر چھبیسویں اُمید تک) اِسکی شہر والی مصیبت کے نازل ہو جانے کی وجہ سے نہ لکھی جا سکیں۔ اور ان کا مناسب وقت گزر جانے کی وجہ سے یہ رسالہ نامکمل ہی رہ گیا۔ مؤلف۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿کٓهٰیٰعٓصٓ ☆ ذِکْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَکَرِیَّا ☆ اِذْ نَادٰی رَبَّهُ نِدَاءً خَفِیًّا ☆ قَالَ رَبِّ اِنِّی وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّی وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾

یہ لمعہ چھبیس اُمیدوں پر مشتمل ہے۔

پہلی اُمید

میرے عمر رسیدہ بھائیو اور بہنو جو کہ سنِ کمال کو پہنچ چکے ہیں!

میں بھی آپ کی طرح بوڑھا ہوں اور میں اپنے اوپر گزرنے والے کچھ حالات سپرد قلم کر رہا ہوں، اس اُمید پر کہ میں آپ کو چند اُمیدوں میں پائی جانے والی تسلی کی اُس روشنی میں شریک کر سکوں جو میں نے بڑھاپے کی عمر میں وقتاً فوقتاً پائی ہے۔ اُمید کے وہ دروازے جو مجھ پر کُھلے ہیں اور روشنی جو میں نے دیکھی ہے وہ دروازے بہر کیف میری پریشان استعداد کے حساب سے کھلے ہیں، اور روشنی جو میں نے دیکھی ہے وہ میری مضطرب صلاحیت کے حساب سے ملی ہے۔ لیکن آپ لوگوں کی صاف شفاف خالص قابلیتیں میری دیکھی ہوئی روشنی کو میری استعداد سے کہیں زیادہ جگمگا دیں گی اور میری پائی ہوئی اُمید کو مزید قوّت بخشیں گی۔ پس اس اُمید اور روشنی کی تمام انواع واقسام کا سرچشمہ ''ایمان'' ہے۔

دوسری اُمید

میں جب ادھیڑ عمر کو پہنچا، تو ایک دن میں نے خزاں کے موسم میں عصر کے وقت ایک اونچے پہاڑ سے دنیا کی طرف دیکھا تو اچانک مجھ پر ایک شدید قسم کی غمگین، نازک ترین اور ایک جہت سے تاریک تر حالت طاری ہوگئی، میں نے دیکھا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں، دن بوڑھا ہوگیا ہے، سال بوڑھا ہوگیا ہے اور دنیا بوڑھی ہوگئی ہے۔ اس بڑھاپے نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا؛ کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوست احباب سے بچھڑ جانے کا وقت قریب آگیا ہے اور اپنے اردگرد کی ان سالخوردہ چیزوں کے درمیان سے اُٹھ کر دنیا سے جدائی کا وقت آپہنچا ہے۔ میں ابھی نا اُمیدی غمگینی کی حالت پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ اچانک رحمتِ الٰہیہ جلوہ نما ہوئی اور اس درد بھرے غم انگیز فراق کو ایک قوی اُمید اور تسلّی کے درخشاں نور میں تبدیل کر دیا۔

جی ہاں، اے میرے جیسے عمر رسیدہ لوگو! ہمارا خالقِ رحیم جو کہ ہمیں اپنی ذات کا تعارف قرآن کریم میں سو جگہ پر ''الرحمن اور الرحیم'' جیسی دو صفات کے ساتھ کراتا ہے، اور روئے زمین پر ہمیشہ رحمت کے طلب گار ذی حیات کی مدد کے لیے اپنی رحمت ارسال کرتا ہے، اور ہر سال موسمِ بہار کو عالم غیب سے لامحدود نعمتوں اور تحفوں سے بھر دیتا ہے، اور انہیں ہم رزق کے محتاج لوگوں کی طرف بھیجتا ہے اور ہمارے اندر پائے جانے والے ضعف و عجز سے کئی درجے بڑھ کر اپنی

Marfat.com

رحمت کی جلوہ نمائی کرتا ہے۔

بے شک اس خالق الرحیم کی رحمت ہمارے اس بڑھاپے میں سب سے بڑی اُمید اور سب سے مضبوط روشنی ہے۔ اور اس رحمت کا ادراک اُس ''رحمٰن'' کی طرف ایمان، فرائض و واجبات کی ادائیگی اور اس کی اطاعت گزاری کے ذریعے ہوتا ہے۔

تیسری اُمید

میں جن دنوں بڑھاپے کی صبح کی طفیل جوانی کی رات کی نیند سے بیدار ہوا، اُن دنوں میں نے اپنے آپ کو ذرا غور سے دیکھا تو مجھے لگا کہ میرا بدن قبر کی طرف ایسے چلا جا رہا ہے کہ جیسے ڈھلوان کی طرف بھاگ رہا ہو۔ اور میرا جسم جو کہ میری رُوح کا گھر ہے ہر روز اپنے ایک آدھ پتھر کے گر جانے کی وجہ سے منہدم ہوتا جا رہا ہے، بالکل ایسے جیسے کہ نیازی مصری نے کہا ہے:

''میری عمر کی عمارت سے ہر روز ایک پتھر زمین پر گر رہا ہے۔ میری رُوح کی عمارت منہدم ہو رہی ہے اور وہ بے خبر غافل سو رہی ہے۔'' اور میری وہ اُمیدیں آرزوئیں جنہوں نے مجھے دنیا کے ساتھ مضبوط کر کے باندھا ہوا تھا، ٹوٹنا شروع ہو گئیں اور مجھے محسوس ہو گیا کہ اپنے غیر محدود دوست احباب سے بچھڑ جانے کا وقت اب قریب آ گیا ہے چنانچہ میں اپنے اس گہرے زخم کے لیے دوا کی تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوا جس کے لیے بظاہر کسی شفا بخش دوا کی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن مجھے ایسی دوا مل نہ سکی۔ اور میں نے بھی نیازی مصری کی طرح کہا:

دل بقا سی، حق فنا سی ایستدی مُلکِ تنم
پردوا بسز دردہ دُوشدم، آہ کہ لقمان بے خبر

''میرا دل پوری شدت کے ساتھ بقا کا طلب گار ہے۔ حق تعالیٰ میرے جسم کی بادشاہت کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ آہ! کہ میں ایک ایسی بلائے بے درمان میں مبتلا ہوں کہ جس کی دوا لقمان کے علم میں بھی نہیں ہے۔''

تب اچانک نبیٔ ذی شان _ جو کہ رحمت اِلٰہیہ کی زبان، اس کی مثال، اُس کا پیکر، اس کا رہنما اور اس کے ترجمان ہیں _ ان کا نور اور ان کی شفاعت اور ان کی وہ رہنمائی جو وہ نوعِ بشر کے لیے لائے ہیں، یہ سب چیزیں میرے ان لامحدود زخموں کا تریاق اور شفا بخش مرہم بن گئیں جنہیں میں لاعلاج سمجھ رہا تھا۔ اور اُنہوں نے میری تاریک ترنا اُمیدی کو روشن اُمید میں تبدیل کر دیا۔

جی ہاں، اے میری طرح بڑھاپے کو محسوس کرنے والے قابلِ احترام معمّر خواتین و حضرات! ہم بہر صورت یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔ کسی خود فریبی کا کوئی فائدہ نہیں اور چشم پوشی سے ہم یہاں ٹھہر نہیں پائیں گے، کیونکہ بانگِ رحیل

Marfat.com

بلند ہو رہی ہے اور ہمیں حتمی ٹھکانے کی طرف ہانکا جا رہا ہے۔ لیکن برزخ کا علاقہ جو کہ غفلت اور اہلِ ضلالت کی طرف سے جنم لینے والے اوہام کی تاریکیوں کی وجہ سے پراگندہ اور تاریک نظر آ رہا ہے، وہ ایک ایسا عالم ہے جو کہ مجمع الأحباب اور جہاں ہماری اپنے تمام دوستوں کی ملاقات ہوگی، اور ان میں سے سرِ فہرست ہمارے شفاعت کنندہ اللہ کے حبیب علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ جی ہاں، ہم اُسی عالم کی طرف کوچ کر کے جا رہے ہیں جہاں وہ رسول کریم ﷺ کوچ کر کے گئے ہیں جو کہ اس کائنات میں بلند ترین مقاصدِ الٰہیہ کا دار و مدار اور موجودات کی قدر و قیمت کو بلندیوں تک پہنچانے کا سبب ہیں۔ جو ساڑھے تیرہ سو سال میں ہر سال میں ساڑھے تین سو ملین لوگوں کے سلطان، ان کی روحوں کے مُربّی، اُن کی عقلوں کے معلم اور اُن کے دلوں کے محبوب ہیں۔ ''السبب کالفاعل'' جسے قاعدے کی رُو سے اُن کی حسنات کے صحیفے میں ہر روز اُن نیکیوں کی طرح کی تمام نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں جو ان کی اُمت کرتی ہے۔ جنہوں نے ـ صحیح روایت اور کشفِ صادق کی رُو سے ـ دنیا میں آتے وقت کہا تھا: اُمّتی اُمّتی۔ اور جو محشر میں جب ہر ایک ''نفسی نفسی'' کہہ رہا ہوگا وہ ''اُمتی اُمتی'' کہیں گے اپنی اُمت کی مدد کی خاطر اُن کی سفارش کے لیے دوڑ دھوپ کریں گے۔

اور ہم اُس عالم کی طرف کوچ کر کے جا رہے ہیں جہاں اس نیّرِ تاباں کے اردگرد اصفیاء و اولیاء کے لاتعداد ستارے جگمگا رہے ہیں۔

پس اس رسول کریم ﷺ کی سفارش سے بہرہ یاب ہونے اور ان کے نور سے مستفید ہونے اور برزخ کی تاریکیوں سے نجات حاصل کرنے کا صرف ایک یہی وسیلہ ہے، اور وہ ہے سنتِ عالیہ کی اتباع۔

چوتھی اُمید:

میں نے جب بڑھاپے کی چوکھٹ پر قدم رکھا تو میری وہ صحت روبزوال تھی جو غفلت کی لگام ڈھیلی چھوڑتی ہے۔ چنانچہ بیماری بڑھاپے کی ہمنوا ہوگئی اور دونوں نے متفق ہو کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ اور یہ دونوں میرے سر پر پے در پے ضربیں لگاتے رہے حتی کہ میری نیند لے اُڑے۔ میرے پاس مال، اہل و عیال بال بچوں جیسی کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی جو مجھے دنیا کے ساتھ باندھ کر رکھتی۔ چنانچہ مجھے یہی نظر آیا کہ اپنی جس عمر کو میں نے جوانی کی غفلت میں ضائع کر دیا ہے اس کے سرمائے کا تمام تر ماحاصل صرف ذنوب و خطیات ہیں۔ پس میں نے چیخ ماری اور نیازی مصری کی طرح کہا:

بِر تجارت یا پمادم، نقدِ عمر أولدی هبا

یُوله گلدِم ٹکن کُو چمش جمله کروان بی خبر

آغلا یُوب نالان ایدوب، دُوشدم یُوله تنها غریب

دیدهٔ گریان، سینهٔ بریان، عقلِ حیران بی خبر

Marfat.com

(میں نے کوئی تجارت نہ کی، میری عمر کا تمام سرمایہ ضائع چلا گیا، میں راستے پر چلا لیکن قافلہ میری بے خبری میں دُور جا چکا تھا۔ اور یوں میں مصروف آہ وفغاں رہا۔ میں راستے پر اکیلا اور اجنبی ہو کر چلتا رہا۔ میری آنکھ روتی ہے، دل جلتا ہے۔ اور عقلِ حیراں بے خبر ہے۔)

اُن دنوں میں اجنبیت کی حالت میں تھا، چنانچہ مجھے ایک نا اُمیدی سے دوچار کرنے والے غم کا، پشیمان کرنے والے افسوس کا اور سوزش بھری حسرت کا احساس ہوا۔ اور پھر اچانک قرآنِ معجز بیان میری مدد کو پہنچ گیا اور میرے لیے ایک ایسی قوی اُمید کا دروازہ کھول دیا جو میری حالت سے سو درجے بڑھ کر میری نا اُمیدی کو زائل کر دیتی ہے اور مجھے حقیقی تسلی کی ایک ایسی روشنی عطا کر دی جو ان تاریکیوں کو تتر بتر کر دیتی ہے۔

پس اے وہ قابل احترام معمر بھائی اور بہنو، جن کے تعلقات اس دنیا سے میری طرح منقطع ہونا شروع ہو گئے ہیں اور جس کی وہ رسیاں ٹوٹنا شروع ہو گئی ہیں جو انہیں اس دنیا کے ساتھ باندھے ہوئے ہیں! کیا یہ ممکن ہے کہ وہ صانعِ ذوالجلال جس نے اس دنیا کو ایک منظم شہر اور کامل ترین محل کی طرح بنایا ہے، وہ اپنے اہم ترین مہمانوں اور دوستوں سے اس شہر میں اور اس محل میں کلام نہ کرے اور ان سے ملاقات نہ کرے؟ پس جب اس نے یہ محل علم کی روشنی میں بنایا ہے اور اُسے ارادہ و اختیار کے ساتھ مزین کیا ہے، تو یقیناً جس طرح بنانے والا جانتا ہے اسی طرح جاننے والا بولتا ہے۔ اور اُس نے ہمارے لیے جب اس شہر اور اس محل کو ایک خوبصورت مہمان خانہ اور تجارت گاہ بنایا ہے، تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس کی کوئی کتاب اور رجسٹر ہو جو ہمیں پوری وضاحت کے ساتھ بتائے کہ اُس کے ساتھ ہمارے تعلقات کیا ہیں اور اُس کے ہم سے مطالبات کیا ہیں؟ جی ہاں وہ کامل ترین مقدس کتاب چالیس پہلوؤں سے معجزانہ صفات کا حامل قرآنِ معجز بیاں ہے جو کہ نور پھیلا رہا ہے اور ایک منٹ میں کم از کم ایک کروڑ زمانوں پر گردش میں رہتا ہے اور اُس کا ہر حرف کم از کم دس ثواب، دس نیکیاں اور بسا اُوقات دس ہزار اور بسا اوقات تیس ہزار نیکیاں، برزخ کے انوار اور جنت کے ثمرات عطا کر دیتا ہے، جیسے کہ لیلۃُ القدر میں ہے۔ کائنات میں کوئی کتاب اس مقام میں قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی ایسا ہے جو اس کی مثیل پیش کر سکے۔

تو جب یہ قرآن جو کہ ہمارے ہاتھوں میں ہے، خالقُ السماوات والارض کا کلام اور اُس خالقُ الجلیل کا منشور اور اس کی رحمت کا سرچشمہ ہے، اس کی مطلق ربوبیت کے نقطے سے، اس کی عظمت کی الوہیت اور اس کی رحمت کی وسعت اور ہمہ گیری کی جانب سے وارد ہوا ہے، تو پھر اُسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو؛ کیونکہ اس میں ہر بیماری کی دوا، ہر تاریکی کے لیے روشنی اور ہر نا اُمید کے لیے اُمید موجود ہے۔ پس اس ابدی خزانے کی چابی ایمان ہے، تسلیم ہے، اسے غور سے سننا ہے، اسے قبول کرنا ہے اور اس کی تلاوت کرنا ہے۔

Marfat.com

پانچویں اُمید

میرے بڑھاپے کے آغاز میں ایک دفعہ میری رُوح میں استنبول کے بیرونی درّے کے پاس واقع ''یوشع'' نامی ٹیلے میں گوشہ نشینی کی گود میں آرام کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ ایک دن میں نے اُس بلند ٹیلے سے اطراف واکناف میں اور اُفق کے دائرے کی طرف نظر دوڑائی تو بڑھاپے کی تنبیہ وخبرداری سے مجھے زوال وفراق کی ایک غمزدہ اور نازک سی لوح نظر آئی۔ میں نے عمر کے درخت کی پنتالیسویں شاخ یعنی عمر کے پنتالیسویں سال کے بلند مقام سے اپنی زندگی کے زیریں طبقات کی طرف دیکھا تو مجھے ہر سال میں اور ان زیریں طبقات کی ہر شاخ پر اپنے دوست احباب اور عزیز واقارب کے لا محدود جنازے نظر آئے، میں نے کوچ کر جانے والے دوست احباب کا تصور کیا تو اُن کے فراق وافتراق سے جنم لینے والے رقیق معنوی دردوالم سے چیخ اٹھا اور فضولی بغدادی کی طرح یہ کہتے ہوئے پکار اُٹھا: (حاشیہ:۱)

وصلینی یاد آیلدِ کُچه آغلارِم
تانَفَس وارَسَه قُو رُو جِسمِدَ فریاد آیلرِم (حاشیہ:۲)

میں تسلّی، روشنی اور اُمید کے کسی دروازے کی تلاش میں نکلا تو اچانک آخرت پر ایمان کی روشنی میری مدد کو پہنچ گئی اور مجھے ایک کبھی نہ بجھنے والی روشنی اور کبھی نہ ٹوٹنے والی اُمید سے ہمکنار کردیا۔

جی ہاں، اے میری طرح کے معمر بھائی بہنو! جب آخرت ہے، اور وہ باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے، اور جب وہ اس دنیا سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے، اور جب ہمیں پیدا کرنے والی ذات حکیم بھی ہے اور رحیم بھی ہے، تو پھر ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم نہ تو بڑھاپے کا شکوہ کریں اور نہ اس پر تنگ دلی اور پریشانی کا اظہار کریں، بلکہ اس کے برعکس اس پر خوشی کا اظہار کریں؛ عبادتَ اور ایمان کے دو بازوؤں کے درمیان رہنے والا بڑھاپا اِس بات کی علامت ہے کہ انسان سنِ کمال تک پہنچ گیا ہے اور یہ کہ اب وہ زندگی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوکر آرام کرنے کے لیے عالمِ رحمت کی طرف عازمِ سفر ہے۔

جی ہاں؛ نصِ حدیث کی رُو سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر جو کہ نوعِ بشر کے تمام افراد میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں، وہ اِجماع وتواتر کے ساتھ بعض شہود پر اور بعض حق الیقین بھروسے پر اعتماد کرتے ہوئے بالاتفاق خبر دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آخرت کا وجود ہے اور لوگوں کو اس کی طرف ہانک کرلے جایا جائے گا، اور یہ کہ اِس کائنات کا خالق آخرت کو بالکل اُسی طرح لائے گا جس طرح اُس نے اُسے لانے کا قطعی وعدہ کیا ہوا ہے۔

اِسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار لیبن اولیائے کرام جنہوں نے کشف وشہود کے ذریعے علم الیقین کی صورت میں انبیاء کی

(حاشیہ:۱) فضولی بغدادی، اصل نام محمد ہے، 1555ء میں فوت ہوا۔ ترکی عربی اور فارسی میں شعر کہے۔ ''لیلیٰ مجنوں'' اس کا مشہور شعری مجموعہ ہے۔ مترجم۔
(حاشیہ:۲) اس کے وصال کی یاد آتے ہی مجھ پر گریہ طاری ہوجاتا ہے اور میرے خشک جسم میں سانس رہنے تک مصروف چیخ وپکار رہتا ہوں۔

Marfat.com

بتائی ہوئی اس بات کی تصدیق کی ہے، وہ اپنی شہادتوں کے ذریعے اس آخرت کے وجود کا اثبات کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس عالمِ فانی کے بعد ایک ایسا عالم ہے جو بقا بدوش ہے۔

اِسی طرح اِس کائنات کے صانع الحکیم کے تمام اسمائے گرامی بھی آخرت کے وجود پر دلالت کرنے کے ساتھ اس دعوے کا اثبات کرتے ہیں، کیونکہ یہ کون ومکاں میں جلوہ گر ہونے والی اپنی تجلّیات کے ذریعے بداہتاً ایک جہانِ جاوداں کا تقاضا کرتے ہیں۔

جیسے کہ ایک غیر محدود ازلی قدرت اور بے شمار مبنی بر اعتدال حکمت جو کہ روئے زمین پر ہر سال موسم بہار میں مردہ درختوں کے بے حد وحساب جنازوں کو ''کــن فیــکـون'' کے امر کے ساتھ زندہ کر کے انہیں اپنے پاؤں پر کھڑی کر دیتی ہیں، اور انہیں بعث بعد الموت کا مظہر بنا دیتی ہیں۔

اور حیوانات کی انواع واقسام کی تین لاکھ امتوں اور گروہوں کو حشر کی صورت میں جمع کر دیتی ہیں اور ان انواع واقسام کو حشر ونشر کی لاکھوں مثالیں اور نمونے بنا کر بکھیر دیتی ہیں۔

اِسی طرح بقا بدوش رحمت اور دائمی مہر وعنایت جو کہ رزق کے محتاج تمام ذی اَرواح کو ایک غیر معمولی اور معجزانہ طریقے سے کمال شفقت کے ساتھ گزر بسر کا سامان فراہم کرتی ہیں، اور ہر موسم بہار کے تھوڑے سے وقت میں زینت ومحاسن اور زیبائش وآرائش کی بے حد وحساب قسمیں آشکار کرتی ہیں۔ یہ چاروں صفات قُدرت، حکمت، رحمت، عنایت بداہتاً آخرت کے وجود کو مستلزم ہیں اور اس بنا پر ثابت کرتی ہیں کہ اِس دارِ فانی کے بعد ایک دارِ باقی موجود ہے۔

اِسی طرح انسان جو کہ اس کائنات کا کامل ترین پھل، خالقِ کائنات کا محبوب ترین شاہکار اور کائنات کی موجودات کے ساتھ سب سے زیادہ ربط وضبط رکھنے والی مخلوق جس میں بقا کا عشق، ابدیت کا شوق اور سرمدیت کی دائمی اور شدید اُمیدیں، یہ سب اپنی اِشارت اور دلالت کے ساتھ بداہتاً یہ بات قطعی طور پر ثابت کرتیں ہیں کہ اس دارِ فانی کے بعد ایک دارِ سعادت پایا جاتا ہے۔

پس یہ تمام دلائل آخرت کے وجود کو اِس دنیا کے بدیہی وجود کی طرح ایسے قطعی طریقے سے ثابت کرتے ہیں کہ مان لینا لازم ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ:۱)

تو جب تک قرآن کریم کا سب سے اہم درس جسے وہ ہمارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے ''ایمان بالآخرت'' ہے اور یہ درس اس حد تک پختہ اور محکم ہے اور اس ایمان میں وہ نورِ تاباں، وہ جاں فزا اُمید اور وہ عظیم الشان تسلّی اور حوصلہ ہے کہ اگر ایک شخص میں ایک لاکھ بڑھاپا بھی جمع ہو جائے تو اس ایمان سے پھوٹنے والا یہ نور، یہ امید اور یہ تسلی اس کے لیے کافی ہو

(حاشیہ:۱) ''امرِ ثبوتی'' یعنی کسی چیز کے ہونے کی خبر دینے میں کتنی آسانی ہے، اور ''امرِ انکاری'' یعنی کسی چیز کے نہ ہونے کی خبر دینے میں کتنی دشواری ہے، اسے مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے: (جاری)

Marfat.com

جائے گی۔؛تو پھر ہم بوڑھوں کو چاہیے کہ اپنے بڑھاپے پر خوشی کا اظہار کریں اور شادمانی سے جھومتے ہوئے کہیں:

"الحمد للّٰہ علی کمال الایمان"

چھٹی اُمید:

میں اپنی جلاوطنی والی المناک اسیری کے دوران جب بارلا کی چراگاہوں پر جھانکنے والے جبل چام کی چوٹی پر لوگوں سے وحشت زدہ ہو کر الگ تھلک یکّا وتنہا زندگی بسر کر رہا تھا۔اُن دنوں مجھے اس عزلت نشینی میں کسی روشنی کی تلاش تھی۔اور پھر ایک رات اس فلک بوس پربت کی چوٹی پر اُگے ہوئے اُونچے صنوبر کے درخت پر بنے ہوئے اس کھلی چھت والے چھوٹے سے کمرے میں بڑھاپا مجھے تین چار قسم کی باہم گر پیوست اجنبیتوں کا احساس دلانے لگا۔رات خاموش تھی۔ درختوں کے پتوں سے پیدا ہونے والی غمگین سرسراہٹ، مہین سی آواز اور جھنکار کے سوا کسی قسم کی کوئی آواز یا سرگوشی بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔بس ہُو کا عالم طاری تھا۔مجھے ایسے لگا جیسے یہ مہین سی آواز میرے نازک احساسات، میرے بڑھاپے اور میری اجنبیت کے تاروں کو چھو گئی ہے، چنانچہ بڑھاپے نے میرے دل کے کان میں مجھے ڈراتے ہوئے سرگوشی کی:

جس طرح دِن اس سیاہ قبر میں تبدیل ہو گیا ہے اور جس طرح دنیا نے اپنا سیاہ کفن اوڑھ لیا ہے، اِسی طرح تمہاری عمر کا دن بڑھاپے کی رات میں تبدیل ہوگا اور دنیا کا دن رات کی برزخ میں بدلے گا اور زندگی کی گرمی موت کی سردی میں تبدیل ہوگی۔تو میرے نفس نے مجبوری ودردمندی سے کہا:

جی ہاں، میں جس طرح وطن سے دور ہو کر یہاں اجنبیت کی زندگی بسر کر رہا ہوں، لیکن وہ غربت واجنبیت جوان پچاس سالوں میں اپنے کوچ کر جانے والے دوست احباب کے فراق سے اور ان کے چلے جانے کے بعد روتے رہنے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اگر کوئی آدمی یہ خبر دے کہ فلاں جگہ پر ایک عجیب وغریب باغیچہ پایا جاتا ہے، وہاں درختوں پر جو پھل لگتے ہیں ان کی شکل دودھ کے ڈبوں جیسی ہوتی ہے، لیکن دوسرا آدمی انکار کرے اور کہے کہ: نہیں، ایسا باغیچہ سطح زمین پر کہیں نہیں ہو سکتا۔اب پہلا آدمی اپنا دعوی آسانی کے ساتھ ثابت کر سکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس جگہ پر لے جائے اور اسے وہ باغیچہ یا اُس کا کوئی پھل دکھا دے۔لیکن دوسرے یعنی انکار کرنے والے کے لیے اپنا دعوی ثابت کرنا نسبتاً بہت مشکل ہوگا؛ کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ساری زمین کا چکر لگائے اور ہر جگہ کی اچھی طرح چھان بین کرے تاکہ یہ ثابت کر سکے کہ ایسا باغیچہ زمین کے کسی بھی کونے میں نہیں پایا جاتا ہے۔یہی معاملہ ان لوگوں کا ہے جو جنت کے بارے میں خبر دیتے ہیں، یہ لوگ جنت کی سینکڑوں نشانیاں بتاتے ہیں اور اُس کے پھلوں پھولوں کی وضاحت کرتے ہیں۔اور یہ بات معلوم ہے کہ ان سب کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے صرف دو سچے گواہ ہی کافی ہیں۔جبکہ اس کے وجود کا انکار کرنے والوں کی حالت یہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اپنا دعوی صرف اسی صورت میں ثابت کر سکتے ہیں جب وہ یہ کہیں کہ ہم نے اس غیر محدود زمان و مکان کا ہر کونہ کھدرا دیکھ لیا ہے اور ہر گوشے کا بغور جائزہ لے لیا ہے، ہمیں ایسا باغیچہ کہیں نظر نہیں آیا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ چیز ناممکن ہے۔

میرے عام بھائیوں کو عمومی طور پر اور ازراہِ کبر وعناد انکار کرنے والوں کو خصوصی طور پر جان لینا چاہیے کہ ایمان بالآخرت میں ایک عظیم قسم کی قوت اور پختگی پائی جاتی ہے۔مؤلف۔

Marfat.com

سے ملی ہے وہ اس غربت وطن سے کہیں زیادہ غم انگیز اور المناک ہے۔ اور رنج وغم و اجنبیت کے مارے اس پہاڑ پر اس شب دیجور میں اجنبیت کی اس کیفیت میں جس غربت و اجنبیت کی طرف میں بڑھ رہا ہوں وہ اس غربت و اجنبیت سے کہیں زیادہ غم انگیز اور المناک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بڑھاپا مجھے خبر دے رہا ہے کہ اب تمام دنیا سے آخری جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ پس میں اِس اجنبیت در اجنبیت اور غم اندر غم والی کیفیت سے کسی روشنی اور اُمید کی تلاش میں سرگرم ہو گیا۔ اور دم بھر میں ایمان باللہ میری مدد کے لیے لپکا اور اُس نے مجھے ایک ایسا اُنس عطا کر دیا کہ مجھ پر طاری ہونے والی وحشت ہزار گنا دُگنی چوگنی بھی ہو جاتی تو وہ اُنس اُس کے لیے کافی ہو جاتا اور اس کی عطا کردہ تسلی اس گھبراہٹ پر بھاری رہتی۔

جی ہاں، اے عمر رسیدہ خواتین وحضرات! جب ہمارا ایک رحیم خالق ہے تو ہمارے لیے کوئی اجنبیت نہیں ہے۔ جب وہ ہے؛ ہمارے لیے ہر چیز ہے۔ جب وہ ہے تو اس کے فرشتے بھی ہوں گے لہٰذا یہ دنیا خالی نہیں ہے۔

چنانچہ یہ خالی پہاڑ، تہی دامن صحرا اور یہ اُجڑے دیار اللہ کی ذی شعور عبادت گزار مخلوقات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور ان پہاڑوں کے پتھر اور اِن صحراؤں کے درخت اللہ پر ایمان اور اُس ایمان کی روشنی میں کائنات کو دیکھنے کی برکت سے ایسے اُنس ومحبت بھرے ہم سفر بن جاتے ہیں جو زبانِ حال سے ہمارے ساتھ محوِ کلام رہتے ہیں اور ہماری محبت کا دم بھرتے ہیں۔

جی ہاں، اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والے اور گواہی دینے والے دلائل وشواہد اِس کائنات کی موجودات اور اِس عالَم کی کتاب کبیر کے حروف کی تعداد کے برابر ہیں۔ اور اس کی رحمت پر دلالت کرنے والے دلائل وشواہد ذی اَرواح مخلوقات کے اعضاء وجوارح، اور ان کی ان خوراکوں اور اُن نعمتوں کی تعداد میں ہیں جو کہ شفقت ورحمت وعنایت کا وسیلہ بنیں گی۔ یہ تمام دلائل وشواہد ہماری رہنمائی ہمارے رحیم وکریم واَنیس اور محب ومشفق خالق وصانع کے آستانے کی طرف کرتے ہیں۔ اور اس دروازے پر سب سے بڑا سفارشی عجز وضعف ہیں۔ اور عجز وضعف کے ساتھ سب سے زیادہ میل کھانے والا وقت بڑھاپے کا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ بڑھاپے پر ناراضگی کی بجائے رضامندی کا اظہار کیا جائے اور اس کے ساتھ پیار کیا جائے؛ کیونکہ وہ اُس درِعالی پر ہمارا ایسا سفارشی ہے جس کی سفارش قبول ہو گی۔

ساتویں امید

میرے بڑھاپے کے آغاز میں جب ''پرانے سعید'' کی شوریدہ سریاں، سرمستیاں اور ہنسیاں ''نئے سعید'' کی آہ وبکا اور گریہ زاریوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

ان دنوں انقرہ کے ارباب دنیا نے مجھے پرانا سعید سمجھتے ہوئے انقرہ آنے کی دعوت دی، میں نے ان کی دعوت قبول کی اور وہاں چلا گیا۔

Marfat.com

جاتی ہوئی خزاں کے آخری دنوں میں ایک دن میں قلعہ انقرہ کی چوٹی پر چڑھ گیا، جو بیچارہ مجھ سے بھی زیادہ پرانا، بوسیدہ اور فرسودہ ہو چکا تھا، اچانک یہ قلعہ سنگ وخشت کے تاریخی حوادث کا مجسمہ بن کر میری آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ خزاں کے موسم میں سال رواں پر طاری ہونے والا بڑھاپا، میری جوانی کی ڈھلتی چھاؤں، قلعے کی بوسیدگی اور خستہ حالی ،نوع انسانی کی برف کی طرح پگھلتی ہوئی جوانی، دولتِ عالیہ عثمانیہ کا ضعف پیری، خلافت کا دم واپسیں اور تمام دنیا کی سالخوردگی اور عمر رسیدگی سوچوں کے اس دھارے نے میرے فکر ونظر کا رخ کسی اور طرف موڑ دیا، مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ میں نے قلعے کی بلند وبالا چوٹی سے ماضی کی وادیوں کے نشیبوں اور مستقبل کے فرازوں کی طرف نظر دوڑائی، چاروں طرف چھائے ہوئے ان پے در پے بڑھاپوں کی تاریکیوں سے جو قلب وروح پر گھنگھور اندھیرے چھا گئے، میری نظریں ان اندھیروں کے درمیان سے امید، روشنی اور تسلی کی تلاش میں گھومنے لگیں۔ (حاشیہ:۱)

میں نے اس امید اور روشنی کی تلاش میں جب اپنے دائیں جانب یعنی ماضی کی جانب نظر دوڑائی، تو مجھے اس سمت میں دور پرے اپنے آباء واجداد اور میرے ہم جنسوں کا بہت بڑا قبرستان نظر آیا، اس چیز سے مجھے تسلی ہونے کی بجائے میری وحشت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

پھر میں نے اپنے اس درد کے درمان کی تلاش میں بائیں یعنی مستقبل کی طرف دیکھا تو اس سمت میں مجھے اپنا، اپنے ہم نفسوں اور آنے والی نسل کا بہت بڑا اور ظلمت بھرا قبرستان نظر آیا، اس صورت حال نے مجھے انس واطمینان دینے کی بجائے خوف وہراس میں مبتلا کر دیا۔ دائیں بائیں کی سمتوں سے جب میرا دل وحشت اور تشویش سے بھر گیا تو میں نے اپنے حال یعنی موجودہ لمحے کی طرف نظر دوڑائی تو میری تھکی ماندی تاریخی نظروں میں ''آج'' کا دن میرے پریشان حال جسم کے ایسے جنازے کی شکل میں نظر آیا جو موت وحیات کے درمیان بسمل تڑپ رہا ہو، اور یہ منظر ماضی اور مستقبل سے کہیں زیادہ وحشتناک تھا۔

پھر جب میں اس سمت سے بھی مایوس ہوگیا تو میں نے سر کو بلند کر کے اپنی عمر کے درخت کی چوٹی کی طرف دیکھا، تو مجھے اس درخت پر صرف ایک ہی پھل نظر آیا جو میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا، اور وہ تھا میرا جنازہ، تو میں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور اس سمت سے بھی مایوس اور وحشت زدہ سا ہو کر میں نے عمر کے اس درخت کی جڑوں کی طرف نگاہ کی تو میں نے دیکھا کہ وہاں جو مٹی تھی وہ تو میری ہی ہڈیاں اور میرے ہی جسم کی مٹی تھی جو کہ یکجان اور باہم آمیختہ ہو کر دوسری مٹی میں شامل ہو چکی تھی اور جسے لوگ بے نیازی سے روندتے ہوئے گزر رہے تھے۔ اس منظر نے میرے زخموں پر مرہم رکھنے

(حاشیہ:۱) یہ روحانی حالت دل پر مناجات کی صورت میں فارسی زبان میں وارد ہوئی، میں نے اسے جوں کا توں ویسے ہی لکھ دیا جیسے وارد ہوئی تھی، پھر انقرہ سے ''حباب'' نامی مضمون کے ضمن میں طبع ہوگئی (مؤلف)

Marfat.com

کی بجائے میرے دردِ دُروں میں اور اضافہ کر دیا۔

پھر میں نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ یہ فانی دنیا جسے ایک لمحہ بھی قرار نہیں ہے، آہستہ آہستہ ظلماتِ عدم میں لڑھکتی اور تاریکی کی گہری وادیوں میں اترتی چلی جارہی ہے۔ اب میں جو کہ مرہم کی تلاش میں تھا، اس منظر نے مجھے زہر کا ایک اور جام پلا دیا۔ پیچھے کی جانب سے مجھے جب امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی تو میں نے اپنی آنکھیں سامنے کی جانب لگادیں، تب میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں کے سامنے راستے کے عین وسط میں قبر منہ کھولے میرا انتظار کررہی ہے۔ اور قبر کے پیچھے ایک لمبا راستہ ہے جو ابد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس راستے پر تاحدِّ نگاہ انسانوں کے قافلے رواں دواں نظر آرہے ہیں۔ اور یہ کہ شش جہات سے اُمڈ کر آنے والے ان دہشتناک آلام ومصائب سے نپٹنے کے لیے میرے پاس اس کمزور سے جزوی اختیار کے سوا کوئی بھی ایسا سامان نہیں جس کا میں سہارا لے سکوں اور نہ ہی میرے پاس کوئی ایسا ہتھیار ہے جس سے میں ان کا مقابلہ کرسکوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے اور نقصان دہ چیزیں بھی بے حد وحساب ہیں، اور ان سب سے نپٹنے کے لیے میرے پاس انسانی سطح پر صرف ایک ہی ہتھیار ہے، اور وہ ہے یہ ''جزوی اختیار''، اور یہ ہتھیار از حد ناقص، از حد قاصر اور از حد عاجز ہے، یہ کسی چیز کو ایجاد نہیں کرسکتا، کوئی چیز بنا نہیں سکتا، صرف اپنا کام کرسکتا ہے۔ یعنی یہ نہ تو ماضی میں جا کر میرے غموں کو مجھ سے دور کرسکتا ہے، اور نہ ہی اس کے بس میں یہ بات ہے کہ مستقبل میں جا کر اس کی طرف سے وارد ہونے والے خوف مجھ سے دور رکھ سکے، بنابریں مجھے یہ یقین ہو گیا کہ یہ ''جزوی اختیار'' میرے اُن ماضی اور مستقبل کے آلام ومصائب کا مداوا نہیں کرسکتا جو مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

میں ابھی جہاتِ ستّہ کی طرف سے وارد ہونے والے پے در پے وحشت، دہشت، یاس اور ظلمت کے گھیرے میں لاچار ومضطرب کھڑا تھا کہ اچانک قرآنِ معجز بیان نے میری تمام سمتیں روشن کردیں۔ اتنی زیادہ روشن کہ مجھے گھیرے میں لئے ہوئے گھنگھور تاریکیاں اگر سو گنا بھی ہو جاتیں تو ایمان کی یہ روشنیاں انہیں نابود کردیتیں، چنانچہ تمام تاریکیوں اور مصیبتوں کے چھائے ہوئے بادل ایک ایک کرکے تسلی اور امید میں تبدیل ہو گئے اور وحشت و یاس کی جگہ اُنس وآس نے لے لی۔

جی ہاں، ایمان نے ماضی کی شکل وصورت ہی تبدیل کردی، وہ ماضی جو کہ ایک بہت بڑا قبرستان نظر آرہی تھی: اسے ایک پُرنور مجلس اور دوست احباب کا ایک اُنس ومحبت بھرا اجتماع بنا دیا، اور اس حقیقت کو عین الیقین اور حق الیقین کے درجے تک پہنچا دیا۔ پھر ایمان نے عین الیقین کی حد تک یہ بات واشگاف کردی کہ مستقبل جو کہ ہماری غفلت بھری نظروں میں ایک بہت بڑی قبر دکھائی دے رہا ہے، وہ تو رحمانی ضیافت کی ایک دیدہ زیب مجلس ہے جو ابدی سعادت کے محلوں میں تیار کی گئی ہے۔

Marfat.com

پھر ایمان نے حال یعنی وقتِ رواں کے اس تابوت کو بھی پاش پاش کر دیا جو ان غفلت خوردہ نظروں میں تابوت اور جنازے کے شکل میں نظر آ رہا تھا، اور مجھے آگاہی دی کہ امروز تو آنے والے کل کا تجارت گاہ اور خدائے رحمان کا دلپذیر مہمان سرائے ہے۔

پھر ایمان نے علم الیقین کی حد تک میری آنکھوں کے سامنے یہ حقیقت آشکار کی کہ وہ اکیلا پھل جو کہ لاش اور تابوت کی شکل میں عمر کے درخت پر نظر آ رہا ہے وہ ویسے نہیں ہے جیسے کہ غفلت بھری آنکھ سے نظر آ رہا ہے، بلکہ وہ میری حیات جاوید کے لیے نامزد اور ابدی سعادت کی اہلیت رکھنے والی روح کی اپنے قدیم گھونسلے سے اڑان ہے، یعنی میری روح کا پنچھی اپنے پرانے تنگ گھونسلے سے نکل کر ستاروں کی وسیع دنیا کی سیر وسیاحت کے لیے گیا ہے۔

پھر ایمان اپنے اسرار ورموز کے ذریعے وضاحت کرتا ہے کہ میری ہڈیوں کی بوسیدگی اور میری پیدائش کی اولیں خاک، دونوں اتنی حقیر نہیں ہیں کہ پاؤں کے نیچے روندی جاتی رہیں، بلکہ یہ خاک رحمت کا دروازہ اور جنت کے ہال کے پردے ہیں۔

پھر ایمان نے قرآن کریم کے اسرار ورموز کی بدولت مجھے یہ حقیقت دکھائی کہ یہ دنیا جو غافل نظر کی رُو سے لڑھکتی پھسلتی ظلمات عدم میں گم ہو رہی ہے، یہ عدم کے اندھیروں میں نہیں لڑھک رہی ہے _ جیسے کہ سرسری نظر سے گمان ہوتا ہے_ بلکہ دنیا کے تمام حالات واطوار ربانی پیغامات، خدائے صمد کے نامہ ہائے گرامی اور اسمائے حسنیٰ کی وہ انواع واقسام ہیں جنھوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کر لی ہیں، اپنے مقاصد ومعانی آگے منتقل کر دیے ہیں اور اپنے نتائج کائنات میں چھوڑ کر آگے منتقل ہو گئی ہیں۔ اور یوں ایمان نے مجھے علم الیقین کی حد تک دنیا کی ماہیت سے آگاہی دے دی۔

پھر ایمان نے نورِ قرآن کی بدولت مجھ پر یہ راز آشکار کیا کہ وہ قبر جو میرا انتظار کرتے ہوئے مجھے گہری نظر سے گھور رہی ہے وہ صرف ایک کنویں کا دہانہ ہی نہیں ہے بلکہ جہانِ نور کی طرف کھلنے والا ایک دروازہ ہے، اور وہ راستہ جو ابد تک پہنچا رہا ہے اس کا آخری سرا ظلمات اور عدم نہیں ہے بلکہ وہ سیدھا عالمِ نور، عالمِ وجود اور عالمِ سعادتِ ابدی تک پہنچاتا ہے۔ اور یوں یہ تمام احوال میرے درد کا درمان اور میرے زخموں کا مرہم بن گئے اور میرے سامنے اس طرح کھل کر جلوہ گر ہو گئے کہ میں مکمل طور پر مطمئن ہو گیا۔

پھر ایمان اس جزوی اختیار کے تھوڑے سے، کمزور سے اور انتہائی ناتواں حصے کو ایک ایسی دستاویز عطا کر دیتا ہے۔ جس کے طفیل وہ بے شمار دشمنوں اور بے حد وحساب تاریکیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے لامتناہی قدرت کا سہارا پا لیتا ہے اور بیکراں رحمت کے ساتھ جڑ جاتا ہے، بلکہ خود ایمان ہی اس جزوی اختیار کے ہاتھ میں ایک دستاویز بن جاتا ہے۔ پھر یہ جزوی اختیار جو کہ انسانی ہتھیار ہے اگرچہ فی نفسہٖ ناقص، عاجز اور قاصر ہے اسے اگر حق تعالیٰ کے نام سے استعمال کیا

Marfat.com

جائے اور اس کی راہ میں اور اس کے لیے برتا جائے تو ممکن ہے کہ اس ایمان کے طفیل پانچ سو سالہ مسافت جتنی وسیع جنت مل جائے، بالکل ایسے جیسے ایک سپاہی اپنی محدود اور جزوی سی قوت کو اپنے ملک کے نام سے استعمال کرے گا تو وہ اتنے کام سرانجام دے سکے گا جو اس کی شخصی قوت سے ہزاروں گنا زیادہ ہوں گے۔

ایمان جس طرح اس محدود انتخاب کی جزوی طاقت کو ایک دستاویز عطا کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اس جزوی اختیار کی لگامیں اس جسم کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے جو ماضی یا مستقبل میں نفوذ نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ لگامیں قلب اور روح کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ قلب اور روح کی حیات کا دائرہ کار جسم کی طرح صرف زمانہ حال میں منحصر نہیں ہے، بلکہ قلب و روح کی زندگی کے دائرے میں ماضی اور مستقبل کے بے شمار مہ وسال بھی آجاتے ہیں؛ اس لیے یہ جزوی اختیار جزئیت کے دائرے سے نکل کر کلّیت کے دائرے میں آجاتا ہے۔ اور یوں یہ جزوی اختیار جس طرح ایمانی قوت کی برکت سے ظلماتِ غم کو چیرتا ہوا ماضی کی اتھاہ وادیوں میں اتر جاتا ہے، اسی طرح نورِ ایمان کی بدولت آئندہ لاحق ہونے والے ہر قسم کے خوف و ہراس کے پردوں کو ہٹاتا ہوا فضاؤں میں اڑتا اور پرواز کرتا ہوا مستقبل کی چوٹیوں کو زیر کر لیتا ہے۔

پس اے میرے عمر رسیدہ بھائیو اور بہنو! اور میری طرح بڑھاپے کی مشقتوں سے متاثر ہونے والے لوگو! جب تک ہم ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہیں _ اور الحمدللہ کہ ہم ایسے ہی ہیں _ اور ایمان میں بے بہا شیریں، لذیذ، دل پسند اور درخشاں خزانے پنہاں ہیں، اور ہماری پیری اور سالخوردگی ہمیں ان خزانوں سے مزید لطف اندوز ہونے کے لیے پیچھے سے دھکیلتی ہے؛ تو پھر ہمیں اپنے بڑھاپے کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ ہم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اور ایمان سے منور اپنے اس بڑھاپے پر اس کے سپاس گزار رہیں۔

آٹھویں امید

میرے بالوں میں جب کہیں کہیں سفیدی آنی شروع ہوگئی جو کہ بڑھاپے کی علامت ہے، اور پہلی جنگ عظیم کی ہولناکیوں نے اور پھر میرے روس کی قید میں رہنے نے میری زندگی پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے، اتنے گہرے کہ ان سے میرے اندر شباب کی غفلت کی نیند اور بھی گہری ہوگئی۔ اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جب میں قید سے فرار ہو کر استنبول پہنچا تو وہاں میرا فقید المثال قسم کا استقبال کیا گیا، میرا استقبال کرنے والوں میں خلیفۃ المسلمین، شیخ الاسلام، چیف جنرل اور علومِ شرعیہ کے طلبہ شامل تھے۔ اور میں نے جب دیکھا کہ میرا استقبال اتنے زیادہ اعزاز و احترام سے ہوا ہے کہ میں جس کا مستحق نہیں تھا، تو اس تمام صورت حال نے میرے اندر جوانی کی غفلت اور مدہوشی سے بڑھ کر مزید ایک ذہنی کیفیت پیدا کر دی اور مجھے مزید خواب غفلت میں مست کر دیا۔ اس ذہنی سرمستی کی حالت میں اس گمان میں مبتلا ہو گیا کہ یہ دنیا دائمی، پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور میں نے خود کو دیکھا کہ میں حیرت انگیز طور پر دنیا کے ساتھ اس طرح سے چمٹا ہوا

Marfat.com

ہوں کہ جیسے کبھی مروں گا ہی نہیں!

انہیں دنوں رمضان المبارک میں ایک دن میں جامع مسجد بایزید استانبول گیا۔ غرض یہ تھی کہ وہاں مخلص قسم کے قاریوں کی زبان سے قرآن سنوں گا۔ پھر میں نے ان قاری حضرات کی زبان سے قرآنِ معجز بیان کا وہ اعلان سنا جو اس نے پوری قوت اور شدت سے کیا ہے، یعنی اس کا وہ بلند و بالا آسمانی خطاب جو اس نے انسان اور ہر جاندار کی موت اور اس کے زوال کے بارے میں کیا ہے، میں نے سنا وہ کہہ رہا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾

یہ گونج دار اعلان نیند، غفلت اور مدہوشی کے دبیز طبقات کو چیرتا پھاڑتا ہوا کانوں کے پردوں تک نفوذ کر گیا۔ حتیٰ کہ دل کی تہوں میں جا بیٹھا۔

میں جامع مسجد سے نکلا اور چند دن خود کو اس کیفیت میں پایا کہ جیسے میرے اندر مدت سے گھر کر کے بیٹھی ہوئی گہری نیند کے ایک ہولناک آتشیں بگولے کے باقیماندہ آثار میرے سر میں سلگ رہے ہیں، اور میری حالت اس راہ بھٹکے سفینے کی طرح تھی جو مضطرب موجوں کے درمیان سرگرداں بھٹک رہا ہو۔ میری روح اس کے سیاہ گہرے دھوئیں میں جھلسی جا رہی تھی۔ میں جب بھی آئینے کا سامنا کرتا میرے یہ سفید بال مجھ سے مخاطب ہو کر کہتے۔ ہوش کرو! سنبھل جاؤ!!

ان سفید بالوں کے آشکار ہونے اور ان کے مجھے خبردار کرنے کے بعد اور میرے سامنے یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وہ جوانی جس سے میں دھوکہ کھاتا رہا، بلکہ جس کی لذتوں پر میں فریفتہ رہا، وہ جوانی مجھے کہہ رہی ہے: الوداع! اور وہ دنیاوی زندگی جس کی محبت میں میں سرشار و گرفتار رہا، اس زندگی کا چراغ دھیرے دھیرے بجھ رہا ہے۔ اور وہ دنیا جس کے دامن کے ساتھ میں سختی سے چمٹا ہوا تھا بلکہ جس کا میں عاشق و مشتاق تھا، وہ دنیا میرے سامنے آ کر مجھے کہہ رہی ہے: الوداع!! اور مجھے اس بات کا احساس دلا رہی ہے کہ میں اس مہمان سرائے سے عنقریب کوچ کرنے والی ہوں اور اسے یہیں چھوڑ کر جانے والی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ دنیا بارِ دیگر مجھے الوداع کہہ کر کمر باندھے ہوئے چلنے کو تیار کھڑی ہے۔ تب آیت کریمہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں پائی جانے والی شاملیت اور ہمہ گیری سے دل پر اس میں چھپے ہوئے گہرے معنی کا انکشاف ہوا کہ:

تمام نسل انسانی ''نفس واحدہ'' کی طرح ہے اس لیے یہ ضروری ہے، کہ یہ عنقریب مرے گی تا کہ دوبارہ نئے سرے سے زندہ کی جا سکے۔ اور یہ کہ کرۂ ارض بھی اسی طرح ایک ''نفس'' ہی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ بھی موت اور تباہ کاری سے دوچار ہو، تا کہ بقا و دوام کی کیفیت اختیار کر سکے۔ اور یہ کہ خود یہ دنیا بھی ایک نفس ہے اس لیے یہ بھی عنقریب موت سے دوچار ہو کر ختم ہو گی تا کہ دوسری شکل و صورت میں ظہور پذیر ہو سکے۔

Marfat.com

میں نے اپنے اوپر وارد ہونے والی اس کیفیت کے بارے میں غور کیا تو مجھے پتا چلا کہ:

جوانی جو کہ تمام لذتوں اور ذائقوں کا دارومدار ہے، زوال کی طرف بھاگتی چلی جارہی ہے۔ اور اپنی جگہ پر بڑھاپے کو بٹھاتی چلی جارہی ہے۔، بڑھاپا جو کہ تمام غموں اور دکھوں کا سرچشمہ ہے۔ اور یہ کہ یہ ظاہری چمک دمک سے مزین زندگی کوچ کررہی ہے، اور موت جو کہ بظاہر تاریک اور خوفناک نظر آتی ہے اس تیاری میں ہے کہ اس کی جگہ پر آبیٹھے۔

اور مجھے پتا چلا کہ یہ دنیا جو کہ بڑی میٹھی اور غفلت خوردہ لوگوں کی محبوبہ اور معشوقہ ہے، اور جس کے بارے میں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے؛ یہ دنیا تیزی سے فنا زوال کی طرف بھاگی چلی جارہی ہے۔ مجھے یہ سب پتہ چل گیا، غفلت میں مزید گہرا اترنے اور اپنے آپ کو فریب میں رکھنے کے لیے میں نے اپنی نظریں ادھر سے ہٹا کر معاشرتی قدرومنزلت اور تعظیم واجلال کے ذائقے سے شادکام رہنے پر مرکوز رکھیں۔ خاص کر وہ تعظیم وتکریم جس کا مظاہرہ اس وقت ہوا تھا جب استانبول میں میرا والہانہ استقبال کیا گیا تھا۔ اور جس سے میں خودفریبی میں مبتلا ہوگیا تھا، کیونکہ وہ استقبال جس گرمجوشی اور والہانہ پن سے کیا گیا تھا وہ میری طاقت، وسعت اور اندازے سے کہیں آگے تھا، اس لیے میں دھوکے میں آگیا۔ لیکن جلد ہی مجھے پتہ چل گیا کہ یہ سب کچھ میرے ساتھ میرے سامنے کھدی ہوئی قبر کے دروازے تک جائے گا اور وہاں جا کر نیست ہوجائے گا۔

مجھے یہ بھی پتا چلا کہ شہرت وناموری کی خواہش ایک زربفت پردہ ہے جس کے پیچھے بوجھل قسم کی ریاکاری، جامد قسم کا احساسِ برتری اور وقتی اور عارضی سی غفلت چھپی ہوتی ہے، اور یہ چیزیں عاشقانِ شہرت کے لیے ''مثل اعلیٰ'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پس یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ یہ تمام چیزیں جو اب تک مجھے دھوکہ دیتی آئی ہیں مجھے کسی بھی قسم کا سکون نہیں دے سکتی ہیں اور مجھے جیون کے اس اندھیارے پن میں کسی بھی قسم کی کوئی روشنی نہیں مل سکتی ہے۔ میں نے بارِ دگر اپنی اس غفلت سے آخری بار بیدار ہونے کے لیے ''جامع بایزید'' میں انہیں حفاظ کرام سے قرآن کریم سننا شروع کردیا۔ تب میں نے پروردگار کے پاکیزہ اوامر کے جلو میں اس آسمانی رہنمائی کی وہ خوشخبریاں سنیں جن میں وہ کہتی ہیں: ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾

قرآن کریم کے فیضان سے میرے نصیب نے یاوری کی اور میں نے ان چیزوں میں تسلی، راحت ورامش، اور امید اور روشنی کا سراغ لگالیا جو چیزیں پہلے میرے لیے موجب وحشت تھیں اور جن کے ظاہری پہلو سے میں خوف وہراس میں مبتلا ہوگیا تھا، بلکہ پھر میں نے راحت رامش کا سامان انہیں وحشت خیز چیزوں میں پایا۔

اس خالق کریم کا ہزاروں بار شکرادا کرتا ہوں جس نے مجھے یہ توفیق عنایت کی ہے کہ میں خود بیماری کے اندر ہی سے دواء کا سراغ لگالیتا ہوں، میں خود اندھیروں کی تہوں میں روشنیاں ڈھونڈ لیتا ہوں، اور درد والم میں تسلی اور راحت ورامش کا

Marfat.com

راز پا جاتا ہوں۔

سب سے پہلے تو میں نے اس چہرے کو غور سے دیکھا جس کا ہر انسان پر رعب طاری ہے اور جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بہت ہی خوفناک ہے۔ میری مراد اس سے ''موت'' کا چہرہ ہے۔ میں نے قرآن کریم کے نور کی برکت سے یہ پایا کہ موت کا حقیقی چہرہ ایک صاحبِ ایمان انسان کے لیے بہت پرنور اور چمکدار ہے۔ علی الرغم اس کے کہ اس کے اوپر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ کالا، اندھیارا، بدصورت اور دہشتناک ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت ہم نے اپنے بہت سے رسائل اور خاص کر ''آٹھویں مقالے'' اور ''بائیسویں مکتوب'' میں پوری تفصیل سے کی ہے۔ ان مضامین میں اس بات کا اثبات کیا گیا ہے کہ:

موت نہ تو سرے سے نیست و نابود ہو جانے کا نام ہے اور نہ ہی ابدی فراق کا، بلکہ یہ ابدی زندگی کی تمہید اور سرِ آغاز ہے، یہ تو صرف زندگی کی ڈیوٹیوں اور ذمہ داریوں سے سبکدوشی، چھٹی اور استراحت اور استعفےٰ کا نام ہے، یہ تو ان دوست احباب کے ساتھ وصال اور ملاقات کا نام ہے جو یہاں سے کوچ کر کے عالم برزخ کو سدھار گئے ہیں۔ موت انہی جیسی چیزوں کا نام ہے۔ اور یوں ان جیسے حقائق کے مشاہدے سے میں نے موت کا چہرہ انتہائی خوبصورت اور چمکدار پایا۔ بنابریں، میں نے موت کی طرف ڈرتے ڈرتے خوفزدہ ہو کر نہیں بلکہ۔ ایک پہلو سے۔ بڑی اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا اور اسی دوران میں اس مشق میں جانے والے راز سے آگاہ ہوا جو صوفیہ کرام ''رَابِطَۃُ الْمَوْت'' کے نام سے کرتے ہیں۔

پھر میں نے ''عہد شباب'' کے بارے میں غور کیا تو مجھ پہ کھلا کہ یہ جب رخصت ہو جاتا ہے تو سب کو پریشان کر جاتا ہے، اور یہ سب کے سب اُس کے مشتاق بھی ہیں اور اس پر مغرور بھی، لیکن یہ دور غفلت اور گناہوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ میرا عہد شباب بھی ایسے ہی بیتا!! چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس شباب کا اصل چہرہ انتہائی زشت، مکروہ، بدصورت بلکہ مدہوش و سرگرداں ہے، صرف یہ ہے کہ اس پر جو زرنگار کپڑے کا نقاب اور آراستہ پیراستہ زیور ڈال دیا گیا ہے وہ بڑا دلکش اور پر فریب ہے۔ میں اگر اس کی حقیقت تک رسائی نہ کر چکا ہوتا تو مجھے میرا یہ شباب ساری عمر رلاتا اور غم کھلاتا رہتا، حتیٰ کہ اگرچہ مجھے سرمستی و سرخوشی میں گزرے ہوئے ان چند سالوں کی بجائے سو سال کی عمر بھی مل جاتی، تو بھی گزرے ہوئے شباب کا غم برابر لاحق رہتا، جیسے کہ ایک عربی شاعر اپنے گزرے ہوئے شباب پر اندوہناک حسرت کے ساتھ روتا ہوا کہتا ہے:

لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ يَوْمًا

فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيبُ

''اے کاش کسی دن جوانی لوٹ آئے تو میں اسے بتاؤں کہ بڑھاپے نے مجھ پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں''

Marfat.com

جی ہاں! وہ بوڑھے لوگ جو جوانی کے راز اور ماہیت سے آگاہی نہیں رکھتے ہیں وہ اپنا بڑھاپا عہدِ شباب پر روتے اور حسرت بھری آہیں بھرتے ہی گزار دیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ جوانی کی طاقت اور تر و تازگی اور مردانگی جب ایک مومن، مطمئن، عقلمند، پر وقار، روشن ضمیر اور زندہ دل آدمی میں آ جائے اور اس طاقت اور قوت کو عبادت، اعمالِ صالحہ اور اخروی تجارت کے لیے صرف کیا جائے تو یہی طاقت اور قوت بھلائی کی سب سے بڑی طاقت اور دنیا و آخرت کی تجارت کا بہترین وسیلہ اور نیکوکاری کا خوبصورت ترین اور لذیذ ترین ذریعہ بن جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عہد شباب بہت نفیس اور گراں قیمت ہے، یہ اللہ کی ایک عظیم الشان نعمت اور پُر لذت سرخوشی و سرمستی ہے، لیکن اس آدمی کے لیے جو اپنی اسلامی ذمہ داری پہچان گیا اور اس جوانی کے غلط استعمال سے بچ گیا۔ لیکن یہی شباب اگر استقامت سے خالی ہو، عفت اور تقویٰ و طہارت سے مزین نہ ہو، تو پھر اس کے راستے میں ہلاکتیں ہیں؛ کیونکہ جوانی کی خود فریبیاں، بے اعتدالیاں اور ہوس رانیاں انسان کی ابدی سعادت مندی اور اخروی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں، بلکہ بسا اوقات اس کی دنیاوی زندگی کو تباہ کر دیتی ہیں، اور بڑھاپے کے لمبے دورانیے میں ــ اس کے دور جوانی کے چند سالوں میں لطف اندوزیوں کے عوض ــ میں آلام و مصائب کے تلخ ترین گھونٹ پلاتی ہیں۔

جب یہ حقیقت ہے کہ عہد شباب اکثر لوگوں کے حق میں نقصان سے خالی نہیں ہے تو پھر ہم بوڑھوں کا یہ حق بنتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کریں، اس بات پر کہ اس نے ہمیں جوانی کے نقصانات سے بچالیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات تو کبھی بھی ذہن سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ شباب کی لذتیں بھی دوسری چیزوں کی طرح بہر کیف زوال پذیر ہیں، اس لیے اگر عہد شباب کو عبادت اور بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے تو اس کے ایسے ثمرات برآمد ہوں گے جن پر زوال نہیں آئے گا، دوام و بقا کے حامل خلود آشنا ثمرات۔ اور تب یہ شباب اخروی زندگی میں دائمی شباب کے حصول کا وسیلہ بن جائے گا۔

پھر میں نے ''دنیا'' کی طرف دیکھا، دنیا جس کے عشق میں اکثر لوگ پاگل ہوئے جا رہے ہیں، تو مجھے نظر آیا کہ دنیائیں تین قسم کی ہیں اور تینوں کلی طور پر ایک دوسری میں اس طرح سے خلط ملط ہو چکی ہیں کہ ان کا ایک دوسرے سے امتیاز مشکل ہو چکا ہے۔

پہلی قسم: یہ وہ دنیا ہے جس کا رخ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی طرف ہے، اس حیثیت سے یہ وہ آئینہ ہے جس میں سمائے الٰہیہ کا عکس پڑتا ہے۔

دوسری قسم: آخرت رخی دنیا، یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

تیسری قسم: غفلت رخی دنیا، یہ وہ دنیا ہے جو غفلت شعار اہل دنیا کے لیے لہو و لعب کا سامان ہے۔

Marfat.com

اسی طرح میں نے یہ بھی دیکھا کہ اس دنیا میں ہر انسان کی اپنی ایک علیحدہ اور خاص قسم کی بھی بہت بڑی دنیا ہے، اور اس حیثیت سے دنیاؤں کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی انسانوں کی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ہر آدمی کی دنیا اس کی شخصی زندگی کی ساتھ قائم ہے، چنانچہ ایک آدمی کے جسم کی عمارت جب گر جاتی ہے تو اس کی خصوصی دنیا بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی قیامت بھی قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن اکثر لوگ چونکہ اپنی خصوصی دنیا کے اس تیزی کے ساتھ فنا ہونے کا ادراک نہیں کر پاتے ہیں اس لیے وہ اس پر فریفتہ رہتے ہیں اور اپنی اس خاص دنیا کو عام دنیا ہی سمجھتے رہتے ہیں جو انہیں اپنے اردگرد ابھی تک قائم دائم نظر آ رہی ہے۔

میں نے سوچ بچار کے بعد کہا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح میری بھی ایک علیحدہ اور خاص دنیا ہے جو کہ بسرعت منہدم ہو رہی ہے۔ جب ایسا ہی ہے تو پھر میری انتہائی چھوٹی سی عمر میں اس خصوصی دنیا کا کیا فائدہ ہے؟ مجھے قرآن کریم کی روشنی میں اس کا جواب ملا کہ:

یہ دنیا _ میری ہو یا دوسروں کی _ ایک عارضی تجارتی منڈی ہے۔ اور مہمان خانہ ہے جو ہر روز بھرتا اور خالی ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بازار ہے جو سڑک کنارے آنے جانے والوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ یہ اَلْبَارِئُ اور اَلْمُصَوِّرُ ذات کی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ وہ اس میں سے پوری حکمت کے ساتھ جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے باقی رہنے دیتا ہے۔ اس میں آنے والا ہر موسم بہار ایک زرّیں، زرنگار اور مزرکش پیغام اور دعوت نامہ ہے۔ اور اس میں آنے والا موسم گرما ایک دل آویز منظوم قصیدہ ہے۔ یہ آئینے ہیں جن سے ہر آن اُس صانع الجلیل کے اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کا ظہور ہو رہا ہے۔ یہ ایک باغ اور کھیت ہے جس میں آخرت کی فصل لگائی جاتی ہے۔ یہ رحمتِ الٰہیہ کا حسین ترین گلستان ہے۔ یہ ایک عارضی اور وقتی کارخانہ ہے جس میں وہ ربانی خوش تراش لوحیں تیار ہوتی ہیں جو خلود سے متصف ہیں اور عنقریب عالم بقا و دوام میں ظہور پذیر ہوں گی۔ میں نے خالقُ الکریم کا اس بات پر بہت زیادہ شکر ادا کیا کہ اس نے یہ دنیا اس شکل و صورت پر بنائی ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہے، اور وہ یہ کہ انسان جو اس محبت سے نوازا گیا ہے جس کا رُخ دنیا کے اُن دو خوبصورت حقیقی چہروں کی طرف ہے جو کہ اپنا رخ اسمائے حسنیٰ اور آخرت کی طرف کیے ہوئے ہیں، وہ جب اس محبت کو صحیح موقع محل پر استعمال نہیں کرے گا تو اس کا تیر بھٹک جائے گا اور نشانے پر نہیں لگے گا، اور تب وہ اس محبت کو اِس دنیا کے اس چہرے کے لیے صرف کر دے گا جو کہ فنا پذیر، بدصورت اور غفلت بھرا اور نقصان دہ ہے، اس کے اس چہرے پر یہ حدیث عین بعین صادق آتی ہے:

﴿حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ﴾

Marfat.com

سوائے میرے بوڑھے بھائی بہنوں!

یہ حقیقت میں نے نورِ قرآن، اپنے بڑھاپے کی یاددہانی اور اس نور کی بدولت پائی جو ایمان نے میری بصیرت کو عطا کیا ہے، اور اس حقیقت کا اثبات میں بہت سے رسائل میں مضبوط قسم کے دلائل کے ساتھ کر چکا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہی حقیقت میرا حقیقی اطمینان، میری مضبوط امید، اور میری درخشاں روشنی ہے، چنانچہ میں بڑھاپے پر راضی ہو گیا اور جوانی کے رخصت ہو جانے پر خوش ہو گیا۔

اس لیے اے میرے بوڑھے بھائیو! اپنے اس بڑھاپے پر افسردہ ہونے اور رونے کی بجائے اللہ کا شکر ادا کرو اس کی حمد بیان کرو۔ تمہارے ہاتھ جب اس طرح کی درخشاں حقیقت لگ گئی ہے اور تم اس طرح کے ایمان سے بہرہ ور ہو تو پھر تمہیں نہیں بلکہ ان غافلوں اور گمراہوں کو رونا چاہیے جو اس ایمان اور حقیقت سے محروم ہیں۔

نویں اُمید:

میں پہلی جنگ عظیم میں روس کے شمال مشرق کے ایک دور دراز ''کوستورما'' نامی قصبے میں قید تھا۔ وہاں مشہور دریائے ''وولگا'' کے کنارے پر تاتاریوں کی ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ میں ساتھیوں کے درمیان ہوتا ہوا بھی قید و بند کی پابندیوں سے تنگ پڑ جاتا تھا اور گوشۂ تنہائی کی تلاش میں تھا، لیکن اجازت کے بغیر قید خانے سے باہر جا کر ادھر ادھر گھوم پھر نہیں سکتا تھا پھر بعد میں کچھ تاتاریوں نے میری ذمہ داری اور کفالت قبول کر لی اور مجھے اُس دریائے ''وولگا'' کے کنارے والی اُس مسجد میں رہنے کی اجازت مل گئی، اب میں اس مسجد میں تنہا رہنے لگا۔ موسم بہار قریب آ چکا تھا۔ اور شمال کے اس علاقے کی راتیں بہت طویل ہونے کی وجہ سے میں اکثر راتیں جاگ کر گزارتا تھا۔ چنانچہ اجنبیت کی تاریکیوں میں اور ان تیرہ و تار سیاہ راتوں میں فراق کا احساس دلانے والی ہوا کی سنسناہٹ، بارش کے مہین قطروں کی ٹپاٹپ سے پیدا ہونے والی حزن خیز آواز اور دریائے ''وولگا'' کی غم انگیز لہروں نے مجھے وقتی طور پر غفلت کی نیند سے بیدار کیے رکھا۔ میں اگرچہ اپنے آپ کو اتنا بوڑھا نہیں سمجھتا تھا، تاہم عالمی جنگ کو دیکھنے والا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ وہ دن گویا کہ آیتِ کریمہ: ﴿يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا﴾ میں پائے جانے والے راز کی منہ بولتی تصویر تھے۔ وہ دن چونکہ بچوں کو بھی بوڑھا کر دینے والے تھے، اس لیے میں خود کو اسی سال کا بوڑھا محسوس کر رہا تھا جبکہ میری عمر اس وقت صرف چالیس سال تھی۔ چنانچہ ان طویل تاریک راتوں، غمگین اجنبیت اور پریشان کن صورتِ حال میں مجھ پر زندگی اور وطن سے مایوسی طاری ہو گئی اور میری نظر اپنی عجز و درماندگی اور تنہائی پر چلی گئی اور یوں اُمید ٹوٹ گئی۔ کچھ ایسے ہی حالات تھے جن سے میں دوچار تھا کہ اچانک قرآن کی بارگاہ سے مدد آئی اور میری زبان ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ دہرانے لگی اور میرے دل نے روتے ہوئے کہا:

غریبم، بے کسم، ضعیفم، ناتوانم

Marfat.com

الامان گویم، عفو جویم، مدد خواهمز در گاهت الٰہی

(میں اجنبی ہوں، بے کس ہوں، کمزور ہوں، ناتواں ہوں۔

الٰہی! میں تیری بارگاہ سے امان چاہتا ہوں، معافی چاہتا ہوں اور مدد کا خواستگار ہوں۔)

میری رُوح نے بھی میرے وطن کے پرانے احباب کو یاد کیا اور اس اجنبیت کے عالم میں مجھ پر موت کا خیال طاری ہو گیا۔ اور میں نیازی مصری کی طرح یہ کہنے لگا:

دُنیا غمِندَن گی چُوبیُو قُلغَۂ قناد آچُوب

شوق اَیلۂ ہر دم اچُوبچاغیرِ رِم دوست دوست

(میں غم دنیا سے گزر گیا اور فقر و حرماں نصیبی کے لیے پر کھول کر

ہمہ وقت فرطِ اشتیاق سے دوست دوست پکارتا ہوا اڑتا پھرتا ہوں)۔

چنانچہ میری رُوح احباب کو تلاش کر رہی تھی۔

مختصر یہ کہ میرا ضعف و عجز اس غموں بھری طویل، نازک اور اجنبیت و فراق والی رات میں اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر پرانے سفارشی اور وسیلہ بن گئے چنانچہ میں اب تک حیران ہوں کہ میں چند ہی دنوں کے بعد اکیلا ہی غیر متوقع طور پر وہاں سے فرار ہو گیا۔ اور یہ مسافت اتنی زیادہ تھی کہ پیدل چلنے کی صورت میں ایک سال میں طے ہوتی اس پر مزید یہ کہ میں روسی زبان سے بالکل نا آشنا تھا، لیکن میں اپنے ضعف و عجز پر مہربان ہو جانے والی عنایتِ الٰہیہ سے ان تمام مشکلات سے انتہائی معجزانہ طریقے سے نجات پا گیا۔ چنانچہ میں وہاں سے ''وارشوا'' اور ''آسٹریا'' کی طرف سے ہو کر چلتا ہوا ''استنبول'' پہنچ گیا، اور یوں میں اس قید و بند سے انتہائی غیر معمولی آسانی کے ساتھ نجات پا گیا۔ اور یہ طویل فراری والی سیاحت میں نے جس سہولت اور سہج پن سے پوری کی وہ رُوسی زبان پر عبور رکھنے والے بہادر ترین اور ذہین ترین لوگوں کو بھی نصیب نہ ہوئی ہو گی۔

لیکن ''دریائے وولگا'' کے کنارے مسجد میں گزاری ہوئی اُس رات میں وارد ہونے والی کیفیت نے میرے دل میں یہ فیصلہ ڈالا کہ:

''میں اپنی بقیہ عمر غاروں میں بسر کر دوں گا۔ اِن لوگوں کے ساتھ جو میل ملاپ رکھ لیا ہے وہی کافی ہے۔ میں جب بالآخر قبر میں اکیلا ہی جاؤں گا تو پھر مجھے ابھی سے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے تاکہ تنہائی کی عادت پڑ جائے اور اُس سے اُنس پیدا ہو جائے''۔

لیکن افسوس کہ استنبول میں مخلص دوست احباب کی کثرت، استنبول کی آراستہ پیراستہ دنیاوی زندگی، اور خاص کر میری

Marfat.com

حیثیت سے بڑھ کر میری طرف رُخ کر لینے والی شان وشوکت اور شہرت وناموری جیسی لاحاصل چیزوں نے مجھے یہ قرار دادوقتی طور پر فراموش کرادی گویا کہ اجنبیت کی وہ رات میری چشمِ حیات کی سیاہی تھی، ایک روشنی بخش سیاہی۔ اور استنبول کا سفید چمکدار دن میری چشمِ حیات کی سفیدی تھی، ایک تاریک سفیدی۔ اس لیے یہ آنکھ آگے کی جانب نہ دیکھ سکی اور ایک دفعہ پھر گہری نیند سوگئی۔ تا آنکہ پیر جیلانی نے اسے دوسال کے بعد اپنی کتاب ''فتوح الغیب'' کے ذریعے کھول دیا۔

پس اے معمّر خواتین وحضرات! یادرکھو کہ بڑھاپے میں ضعف وعجز اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کو جذب کرنے کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔ اور جیسے کہ بہت سے واقعات میں مَیں نے خود اپنی ذات میں مشاہدہ کیا اسی طرح سطحِ زمین میں پائی جانے والی رحمت کی جلوہ طرازیاں بھی اِس حقیقت پر انتہائی واضح طور پر دلالت کرتی ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام جانداروں میں زیادہ عاجز، درماندہ اور لاچار چھوٹے بچے ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ رحمت کی جلوہ گریوں کے روشن ترین مظہر ہیں۔ اور رحمت کی یہ جلوہ گری درخت کی چوٹی پر بنے ہوئے گھونسلے میں پڑے ہوئے بچے کی ماں کو ایک اطاعت گزار سپاہی کی طرح استعمال کرتی ہے، چناچہ اس کی ماں اُسے رزق مہیا کرنے کے لیے اِدھراُدھر بھاگتی پھرتی ہے۔ اور یہ سارا کرشمہ اس کی عاجزی ودرماندگی کا ہے۔ لیکن جونہی اس چھوٹے سے بچے کے پر مضبوط ہوتے ہیں اور وہ اپنی عاجزی ودرماندگی کو بھول جاتا ہے، اس کی ماں اُسے کہتی ہے: جا اور اپنا رزق تلاش کر۔ اور پھر اس کے بعد اُس کی طرف سے بے پرواہو جاتی ہے۔

رحمت کا یہ راز جس طرح چھوٹے بچوں کے بارے میں چلتا ہے، اسی طرح ان بوڑھوں کے لیے بھی چلتا ہے جو ضعف وعجز کی جہت سے بچوں جیسے ہو گئے ہیں۔

میرے بہت سے تجربات ہیں جو مجھے مکمل اطمینان دیتے ہیں کہ جس طرح بچوں کو اُن کا رزق اُن کی عاجزی کی وجہ سے پستانوں کے پائپوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، اِسی طرح معصوم اہلِ ایمان بوڑھوں کو اُن کا رزق برکت کی صورت میں مہیا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی بھی گھر کی برکت کا اصل ستون اس گھر کے معمّر لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہ اس گھر کو آلام ومصائب سے بچانے والے اُس گھر کے جھکی کمر والے ہی معصوم معمّر خواتین وحضرات ہیں۔ اس حقیقت کا اثبات حدیث شریف کے اِس جزء سے ہوتی ہے: "لَوْ لَا الشُّيُوْخُ الرُّكَّعُ لَصُبَّ عَلَيْكُمُ الْبَلَاءُ صَبًّا" مطلب یہ کہ اگر تمہارے یہ جھکی کمروں والے بوڑھے نہ ہوئے تو آلام ومصائب تم پر سیلاب کی طرح اُمڈ آتے۔

تو جب ضعف وعجز رحمتِ الٰہیہ کو جذب کرنے کا اتنا بڑا وسیلہ ہے، اور جب قرآن حکیم اولاد کو بوڑھے والدین کے ساتھ آیت کریمہ: ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ کے ذریعے پانچ پہلوؤں

Marfat.com

سے معجزانہ انداز میں شفقت اور احترام کے سلوک کی تعلیم دیتا ہے، اور جب دینِ اسلام اس کی تلقین کرتا ہے اور جب انسان کی فطرت عمر رسیدہ لوگوں کے ساتھ احترام اور رحمدلی کے رویے کا تقاضا کرتی ہے، تو پھر یاد رکھو کہ ہم بوڑھے لوگ ہمہ وقت جوانی کی ترنگوں سے اُٹھنے والے ان عارضی مادی ذائقوں کی بجائے انسانی فطرت اور عنایتِ الٰہیہ کی حرمت ورحمت سے وارد ہونے والے بڑی اہمیت کے حامل دائمی، معنوی اور روحانی ذائقوں سے نہال ہو رہے ہیں، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس بڑھاپے کے بدلے میں اگر ہمیں سو جوانیاں بھی مل جائیں تو وہ جوانیاں لینے کی خواہش یا کوشش نہ کریں۔

جی ہاں، میں خود تمہیں اِس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ اگر مجھے "پرانے سعید" کے عہد شباب کے دس سال دے دیے جائیں تو میں اُن کے بدلے میں اپنے اس "نئے سعید" کے بڑھاپے کا ایک سال بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ میں اپنے بڑھاپے پر بالکل راضی ہوں اس لیے تمہیں بھی اپنے بڑھاپے پر راضی ہو جانا چاہیے۔

دسویں اُمید:

قید سے لوٹنے کے بعد استنبول میں رہائش پذیر ہوا تو سال دو سال کے لیے مجھ پر پھر سے غفلت کا غلبہ ہو گیا۔ وہاں کی سیاسی فضا نے مجھے تفکر فی النفس کا موقع نہ دیا اور میرے فکر و نظر میں انتشار پیدا کر دیا۔

ایک دن میں استنبول میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے پاس گہری وادی پر جھانکنے والی ایک بلند جگہ پر بیٹھا ہوا آفاق پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ اچانک مجھ پر ایک خیالی سی حالت طاری ہو گئی، مجھے ایسے لگا جیسے کہ میری خصوصی دنیا مر رہی ہے اور اُس کی روح ایک طرف سے قبض ہوتی جا رہی ہے۔ تو میں نے کہا: کیا میرے ذہن میں خیالات کی یہ لہر قبرستان کے پتھروں پر لکھی ہوئی ان تحریروں سے اُٹھ رہی ہے؟ چنانچہ میں نے نظر کو ادھر سے ہٹایا اور دور آفاق کی بجائے نگاہ کو قبرستان پر مرکوز کر لیا، تو میرے دل میں یہ خیال اُبھرا:

اِس قبرستان میں سو استنبول پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک استنبول سو مرتبہ خالی ہو کر اس جگہ میں سما چکا ہے۔ تو جس حاکمِ قدیر نے استنبول کے باسیوں کو یہاں سو مرتبہ دفن کر دیا ہے، تُو اُس کے حکم سے یہ چیز باہر نہیں ہے، اس لیے تُو بھی لامحالہ یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔

میں اس ہولناک خیال کو اپنے ساتھ لیے اِس مرتبہ بھی جامع سلطان ایوب کے اُس چھوٹے سے کمرے میں چلا گیا جہاں پہلے بھی بسا اوقات آتا رہتا تھا۔ اور میں نے سوچا کہ میں تین جہتوں سے ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہوں: میں جس طرح اس چھوٹے سے کمرے میں ایک مسافر ہوں اِسی طرح استنبول میں مسافر ہوں، اور اس دنیا میں بھی مسافر ہوں۔ اور مسافر کو چاہیے کہ اُسے اپنے راستے کی فکر دامن گیر رہے، کیونکہ جیسے میں عنقریب کمرے سے نکل جاؤں گا، اسی طرح کسی دن استنبول سے نکل جاؤں گا اور اسی طرح کسی دن دنیا سے بھی نکل جاؤں گا۔

Marfat.com

اور یوں اس حالت میں میرے قلب و دماغ پر ایک المناک اور فراق بھری حزن خیز حالت طاری ہوگئی؛ کیونکہ میں صرف ایک دو دوستوں کو نہیں بلکہ استنبول میں بسنے والے اپنے ہزاروں محبوب دوستوں کو داغ فراق دے کر جانے والا ہوں ،صرف یہی نہیں بلکہ اپنے محبوب شہر استنبول کو چھوڑنے والا ہوں۔ اور اس دنیا میں پائے جانے والے اپنے لاکھوں احباب سے جُدا ہونے والا ہوں، جیسے کہ خود اس دنیا سے بھی جدا ہونے والا ہوں جس دنیا میں میں اُلجھ گیا ہوں اور جس کی محبت میں گرفتار ہوں۔

اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں میں ایک دفعہ پھر میں قبرستان کی اُسی اُونچی جگہ پر چلا گیا۔ میں کبھی کبھار عبرت پذیری کے لیے سینما چلا جایا کرتا تھا۔ اسی بنا پر میں نے دیکھا کہ استنبول کے باسی مجھے اُس لمحے میں چلتے پھرتے جنازے نظر آرہے تھے، بالکل ایسے کہ جیسے مرے ہوئے لوگ سینما سکرین پر بعینہٖ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں کہ وہ ماضی کے سالوں کو حاضر میں لے آتے ہیں۔ تو میرے خیال نے مجھ سے کہا: اس قبرستان میں مدفون لوگوں میں سے کچھ لوگ اگر سینما سکرین پر چلتے پھرتے نظر آسکتے ہیں، تو پھر وہ جو اس قبرستان میں مستقبل میں داخل ہوں گے ان کے بارے میں یہ سوچو کہ گویا وہ اس میں داخل ہو چکے ہیں۔ بس یوں سمجھ کہ وہ چلتے پھرتے جنازے ہیں۔

پھر اچانک یہ غم آلود حالت قرآنِ حکیم کے نُور اور حضرت غوثِ اعظم شیخ جیلانی کی رہنمائی سے مستی و سرور میں بدل گئی، اور وہ اس طرح کہ قرآن کریم سے وارد ہونے والے نور نے مجھے اس غمگین حالت کے مقابلے میں یاد دلایا کہ:

روس کے شمال مشرقی قصبے ''کوستورما'' میں قید کے دوران تمہارے ایک یا دو آفیسر دوست تھے، اور تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ تمہارے یہ دوست بہر صورت استنبول واپس جائیں اگر کوئی آپ سے یہ پوچھتا کہ: تُم استنبول جانا چاہتے ہو یا یہیں رہنا چاہتے ہو؟ تو اگر تم میں ذرہ برابر بھی عقل ہوتی تو پوری خوشی سے استنبول جانا قبول کرتے؛ کیونکہ تمہارے ایک ہزار ایک دوستوں میں سے نو سو ننانوے دوست استنبول میں رہتے ہیں، اس جگہ پر تو صرف ایک دو ہی ہیں اور وہ بھی عنقریب استنبول چلے جائیں گے۔ اس بنا پر استنبول جانا تمہارے لیے غمناک فراق یا المناک افتراق نہیں ہوگا۔ اور تُم واقعتاً یہاں آبھی چکے ہو، کیا تُم خوش نہیں ہو؟ تم دشمن کے علاقے کی انتہائی طویل اور تاریک راتوں سے اور اُن کی انتہائی تند و تیز سردی سے نجات پا چکے ہو اور جنت نظیر شہر استنبول میں آچکے ہو۔ بعینہٖ اسی طرح تمہارے بچپن سے لے کر اب تک کے ننانوے فیصد دوست احباب اُس قبرستان کی طرف کوچ کر گئے ہیں جس نے تمہیں مبتلائے دہشت کر دیا ہے، اور اس دنیا میں اب تمہارے ایک دو دوست رہ گئے ہیں، اور وہ بھی عنقریب یہاں پہنچ جائیں گے۔ پس اس دنیا میں تمہاری موت فراق نہیں بلکہ وصال اور ان دوست احباب کے ساتھ ملاقات کا نام ہے۔

(حاشیہ:۱) یہ حقیقت کا تمام رسائل میں عمومی طور پر اور دسویں اور انتیسویں مقالے میں خصوصی طور پر دو ضرب دو چار کی طرح ثابت کر دی گئی ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

جی ہاں! مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ، یعنی وہ باقی رہنے والی روحیں اپنی مٹی کے نیچے دبی ہوئی پرانی رہائش گاہوں کو چھوڑ چکی ہیں اب اُن میں سے کچھ تو ستاروں میں چہل قدمی کر رہی ہیں۔اور کچھ برزخ کے مختلف طبقات میں۔

جی ہاں؛ قرآن وایمان نے اس حقیقت کو اتنی قطعی صورت میں ثابت کیا ہے کہ جو شخص قلب وروح سے بالکل ہی محروم نہ ہو گیا ہو، یا اس کا دل گمراہی میں بالکل ہی غرق نہ ہو گیا ہو، وہ اس پر ضرور بہ ضرور ایسے ایمان لائے گا جیسے کہ یہ اس کے لیے آنکھوں دیکھی بات ہو؛ کیونکہ وہ صانعِ کریم ورحیم جس نے اس دُنیا کو اسی طرح اپنے انواع واقسام کے لامحدود لطف واحسان سے مزیّن کیا ہے۔اور جو اسی طرح اپنی معزز و مشفق ربوبیت کا اظہار کرتا ہے اور بیجوں جیسی معمولی اور بے قیمت چیزوں کی نگرانی ونگہبانی کرتا ہے، وہ اس انسان کو معدوم نہیں کرے گا جو کہ اس کی تمام مصنوعات کے مابین ایک کامل ترین، جامع ترین اور اہم ترین صنعت ہے۔اور اُسے _ جیسے کہ بظاہر واضح طور پر نظر آتا ہے _ اُسے یونہی بغیر رحمت کے اور بغیر کسی عاقبت وانجام کے آخری طور پر فنا کر کے مٹا نہیں ڈالے گا۔ بلکہ وہ خالقُ الرحیم اپنی اس محبوب صنعت کو وقتی طور پر اس مٹی کے نیچے کاشت کر دے گا جو کہ رحمت کا دروازہ ہے، تا کہ وہ آخرت کی زندگی میں اپنے پھل دے سکے، بالکل ایسے جیسے کہ ایک کسان بیجوں کو مٹی میں بو دیتا ہے (حاشیہ:۱)

اس قرآنی یاددہانی کے بعد یہ قبرستان مجھے استنبول سے زیادہ مانوس ہو گیا، اور خلوت نشینی وعُزلت گزینی، جلوت اور میل جول کی زندگی سے اچھی محسوس ہوئی۔چنانچہ مجھے بحرِ فاسفورس کے درے پر ''صاری یر'' نامی جگہ پر ایک خلوت خانہ مل گیا۔ وہاں غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''فتوح الغیب'' کے ذریعے میرے طبیب ومرشد بن گئے۔اور امام ربانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب ''مکتوبات'' کے ذریعے میرے لیے ایک مشفق اور مؤنس استاد کا رُوپ دھار گئے۔

تب مجھے بڑھاپے میں داخل ہو جانے، جدید تہذیب کی لذتوں سے پہلو تہی کرنے اور اجتماعی زندگی کے مظاہر سے کنارہ کش رہنے میں بڑی خوشی محسوس ہوئی۔اور اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

بس اے میری طرح بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے والو! اور بڑھاپے کی آگاہیوں اور خبرداریوں کی وجہ سے موت کو بہت زیادہ یاد کرنے والو! ہمیں قرآن کے عطا کردہ نورِ ایمان کی رُو سے بڑھاپے، موت اور مرض کو ایک اچھی چیز سمجھنا چاہیے، بلکہ قرآن کے عطا کردہ نورِ ایمان کی رُو سے ہمیں ان پر ایک لحاظ سے خوش ہونا چاہیے۔جب ہمارے پاس ایمان جیسی بے حد قیمتی نعمت موجود ہے تو پھر بڑھاپا بھی اچھا ہے، بیماری بھی اچھی ہے اور موت بھی لذیذ ہے۔بُری چیز اگر کوئی ہے تو وہ گناہ ہے، رذالت ہے، بدعت ہے اور ضلالت ہے۔

(حاشیہ:۱) یہ حقیقت کا تمام رسائل میں عمومی طور پر اور دسویں اور انتیسویں مقالے میں خصوصی طور پر دوضرب دو چار کی طرح ثابت کردی گئی ہے۔مؤلف۔

Marfat.com

گیارہویں اُمید:

قید سے واپس آنے کے بعد میں اور بھتیجا عبد الرحمانؒ (حاشیہ:۱) استنبول میں واقع ''چاملجہ'' نامی ٹیلے پر ایک محل میں اکٹھے رہتے تھے۔ اُن دنوں میں مَیں جس طرح کی زندگی گزار رہا تھا اُسے دنیاوی نقطۂ نظر سے ہم جیسے لوگوں کے لیے پُر سعادت مثالی زندگی کہا جا سکتا ہے؛ اور وہ اس لیے کہ ایک تو میں قید سے نجات پا گیا تھا، پھر دار الحکمۃ الاسلامیۃ میں مجھے اپنے علمی ذوق کے مطابق نشر و اشاعت کے اعلیٰ پیمانے کے وسائل میسّر تھے، پھر عزت و عظمت اور شہرت و ناموری جو مجھے مل رہی تھی وہ میری توقعات سے کہیں بڑھ کر تھی، پھر میں استنبول کے خوبصورت ترین مقام ''چاملجہ'' میں رہائش پذیر تھا جہاں میری حاجات و ضروریات کا ہر سامان وافر مقدار میں موجود تھا، اور پھر یہ کہ میرے ساتھ میرا مرحوم بھتیجا عبد الرحمان رہائش پذیر تھا جو کہ انتہائی ذہین تھا اور جو میرے لیے ایک جان نثار شاگرد، فرمان بردار خدمتگار، کاتب اور معنوی بیٹے کی حیثیت رکھتا تھا پس انہی دنوں میں جب میں خود کو دنیا کا سب سے بڑا سعادت مند انسان سمجھتا تھا، اچانک ایک دن میری نظر آئینے پر پڑی تو دیکھا کہ سر اور داڑھی میں چند سفید بال چمک رہے تھے۔ اور پھر اچانک وہ روحانی تنبیہ جو قید کے دوران کوستورما میں وولگا کے کنارے والی مسجد میں ہوئی تھی، پھر سے بیدار ہونا شروع ہو گئی تو میں نے اس روحانی تنبیہ کی تاثیر سے ان حالات و اسباب کا گہری نظر سے کھوج لگانا شروع کر دیا جنہیں میں دنیا کی سعادت مندی کا دارومدار سمجھتا تھا اور جن کے ساتھ میں دلی طور پر وابستہ ہو گیا تھا۔ تب گہری نظر سے دیکھنے کے بعد جو سبب بھی سامنے آیا اتنا فاسد، ردّی اور پُر فریب تھا کہ کسی بھی طرح دل لگانے کے قابل نہیں تھا مزید یہ کہ انہی دنوں میں ایک ایسے دوست کی طرف سے بے وفائی کا رویّہ سامنے آیا جسے میں اپنا بہترین دوست سمجھتا تھا اور جس کی طرف سے کسی ایسے رویّے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بنا پر دُنیا کی طرف سے ایک وحشت سی پیدا ہو گئی۔ میں نے اپنے دل سے کہا: کیا خیال ہے، میں مکمل طور پر دھوکے میں ہوں؛ کیونکہ حقیقت کی نظر سے دیکھنے پر ہماری جس حالت پر سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے دنیا ہماری اس حالت پر رشک کرتی ہے؟ یا پھر یہ تمام لوگ پاگل ہو گئے ہیں؟ یا میں پاگل پن کے راستے پر گامزن ہوں جو دنیا کے اِن طلب گاروں کو پاگل سمجھ رہا ہوں؟ صورتِ حال جو بھی ہو، بہر کیف میں نے بڑھاپے کی عطا کردہ بیداری کی برکت سے پہلے تو اُن فانی اَشیاء کے فنا و زوال کا مشاہدہ کر لیا جن کے ساتھ میں مضبوط تعلق رکھے ہوا تھا۔ پھر میں نے اپنی ذات کی طرف بھی نظر دوڑائی تو اسے انتہائی عاجز و درماندہ پایا۔ بقا کی طالب اور بقا کے وہم کی وجہ سے فانی چیزوں میں مبتلا میری روح نے پوری قوت کے ساتھ کہا: میں جب جسمانی طور پر فنا پذیر ہوں تو پھر ان فانی اشیاء کی طرف

(حاشیہ:۱) عبد الرحمان بن عبد اللہ استاد نورسیؒ کے بھتیجے تھے۔ 1903ء میں نُورس میں پیدا ہوئے اور 1928ء کو فوت ہوئے۔ انقرہ میں ذوالفضل نامی بستی میں دفن ہیں اُنہوں نے 1918ء استاد نورسی کی سوانح عمری لکھی جو مطبوع ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

سے مجھے کون سی بھلائی کی اُمید ہوسکتی ہے: اگر میں عاجز ہوں تو پھر ان عاجزوں سے میں کیا توقع رکھ سکتی ہوں؟۔ اس لہٰذا ایک ایسی قدیرِ اَزلی اور باقی سرمدی ہستی ضرور ہے، جس کے پاس میری بیماری کی دوا ہے، اور یوں میں نے تلاش شروع کر دی۔ چنانچہ اس وقت میں نے سب سے پہلے تو اپنے حاصل کیے ہوئے سابقہ علم کی طرف مراجعت کی اور اس سے اُمید اور تسلّی کا سامان ڈھونڈنے لگا۔ اور میں اُن دنوں اپنی فاش غلطی سے یہ سمجھتا تھا کہ فلسفی علوم انسانی فکر و بصیرت کی روشنی کا دارو مدار، تہذیب و ثقافت کا محور اور ہمہ جہتی تکمیل کا سرچشمہ ہیں، اس لیے میں اب تک اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ اِن فلسفی علوم سے سیر ہوتا رہا۔ لیکن افسوس کہ ان فلسفیانہ مسائل نے میری روح کو آلودہ کر دیا اور میری روحانی ترقی کے آگے رکاوٹ بن گئے۔

پھر اچانک قرآنِ حکیم کی مقدس حکمت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم سے میری مدد کو پہنچی اور اُس نے فلسفی مسائل کی میل کچیل کو دھو کر صاف کر دیا جیسے کہ ہم نے بہت سے رسائل میں واضح کیا ہے۔

اُن میں سے ایک یہ کہ اِن فلسفیانہ علوم سے پھوٹنے والی رُوحانی تاریکیاں میری رُوح کو کائنات میں غرق کر رہی تھیں، چنانچہ میں جس طرف بھی نگاہ کر کے اُس سے روشنی طلب کرتا، مجھے ان مسائل میں نہ تو روشنی کی کوئی کرن نظر آتی اور نہ ہی شرحِ صدر ہوتا، بلکہ مجھے اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوتا۔ تا آنکہ قرآنِ حکیم سے وارد ہونے والی اور ﴿لاَ اِلٰــــهَ اِلاَّ هُـــوَ﴾ کے جملے کی تلقین کرنے والی توحید نے ان تمام تاریکیوں کو ایسے تتر بتر کر دیا جیسے چمکدار روشنی کا ایک کوندا تاریکیوں کو بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔ اور یوں میں نے سکھ کا سانس لیا۔ لیکن نفس اور شیطان نے اہلِ ضلالت اور احباب فلسفہ سے سیکھے ہوئے اپنے اُس درس و تلقین پر اعتماد کیا اور عقل و قلب پر یلغار کر دی، لیکن اس یلغار کے جلو میں نفسیاتی مناظروں کے میدان میں جیت بالآخر دل کی ہوئی۔ وللہ الحمد۔ ان میں سے کچھ مناظروں کا ذکر چونکہ بہت سے رسائل میں آ چکا ہے اس لیے یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ البتہ اس مقام پر دِل کی ہزاروں جیتوں میں سے صرف ایک جیت کا اظہار کرنے کے لیے میں اُن ہزاروں دلائل میں سے صرف ایک کی وضاحت کروں گا تا کہ یہ اُن عمر رسیدہ لوگوں کی رُوحوں کی صفائی ستھرائی کا کام دے جو اپنے عہدِ شباب میں کچھ ایسے مسائل کے ساتھ اپنے ضمیروں کو آلودہ، اپنے دلوں کو بیمار اور اپنی رُوحوں کو میلا کر چکے ہیں جن میں سے بعض مسائل سراپا گمراہی اور بعض بالکل عبث اور بے کار ہیں، اور جنہیں وہ اجنبی حکمت اور تمدّنی علوم کا نام دیتے ہیں تا کہ وہ توحید کے حق میں نفس اور شیطان کے شر سے نجات پا جائیں۔

مناظرے کی کیفیت کچھ یوں ہے:

میرے نفس نے فلسفی علوم کی وکالت کرتے ہوئے کہا:

''کائنات میں پائی جانے والی جتنی بھی چیزیں ہیں وہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے موجودات میں عمل دخل رکھتی ہیں، پس

Marfat.com

یہاں ہر چیز کا رُخ کسی نہ کسی سبب کی طرف ہے اور وہ اُس سے صادر ہوئی ہے، چنانچہ پھل کو درخت سے اور دانے کو مٹی سے طلب کرنا چاہیے۔تو پھر ایسے میں اللہ سے مانگنے اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لیے اس کے آگے گریہ زاری کرنے کا کیا مطلب ہے؟

تو قرآنِ کریم کے نُور سے توحید کا راز کچھ اس طرح منکشف ہوا:

''میرے دل نے میرے فلسفی نفس سے کہا: چھوٹی سے چھوٹی چیز بڑی سے بڑی چیز کی طرح براہِ راست خالقِ کائنات کی قدرت سے صادر ہوتی ہے اور اس کے خزانے سے نمودار ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ کسی اور صورت میں نہیں ہوسکتی، اسباب تو صرف پردہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسی مخلوق جسے ہم اپنے حساب سے حقیر ترین اور کم ترین سمجھتے ہوں ممکن ہے کہ وہ تخلیق وصنعت کے اعتبار سے بڑوں سے بھی بڑی ہو! چنانچہ مکھی اگر صنعت کے لحاظ سے مرغی سے بڑھ کر نہیں ہے تو اُس سے کم بھی نہیں ہے، اس بنا پر یا تو چھوٹے بڑے کے درمیان کوئی بھی فرق کیے بغیر یا تو سب کی تخلیق کی نسبت مادی اسباب کی طرف کر دی جائے اور یا پھر سب کی نسبت ایک اکیلی ذات کی طرف کر دی جائے۔ پہلی صورت محال دَر محال ہے اور دوسری صورت واجب اور ضروری ہے؛ کیونکہ: ان تمام چیزوں کی نسبت اگر ایک ذات یعنی قدیرِ اَزلی کی طرف کی جائے، اور جب ساری موجودات کا انتظام اور ان میں پائی جانے والی حکمتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، جب ہر چیز کی مقدار کا تعیّن اس کے علم میں ہے اور جب لا انتہا مصنوعات ومخلوقات مشاہدے کے مطابق انتہائی سہولت کے ساتھ ہمہ وقت وجود میں آرہی ہیں وہ قدیرُ العلیم لامحدود قدرت کا مالک ہے جیسے کہ ہم نے بہت سے رسائل میں وضاحت کی ہے اور اسے خاص کر بیسویں مکتوب میں اور تیسویں لمعے کے آخر میں غیر محدود قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ وہ ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کے امر کے ساتھ پلک جھپکنے میں ہر چیز پیدا کر لیتا ہے۔تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس خارقِ عادت سہولت اور غیر معمولی آسانی کا سرچشمہ وہی علمی احاطہ اور قدرت کی عظمت ہی ہے۔

مثال کے طور پر: ایک ایسی کتاب جو کہ آنکھوں سے نظر نہ آنے والی روشنائی سے لکھی گئی ہو، اس کی لکھائی کو ظاہر کرنے کے لیے اس پر کوئی کیمیائی مادہ مَل دیا جائے، تو وہ کتاب دفعتاً اپنے تمام نقوش اس طرح سے اُبھار کر واضح کر دے گی کہ ہر آنکھ کو پکار پکار کر کہے گی کہ مجھے پڑھو۔ بالکل اسی طرح اس قدیرِ اَزلی کے ہمہ گیر علم میں ہر چیز کی مخصوص صورت ایک معیّن مقدار سے متعیّن ہوتی ہے، چنانچہ وہ قدیرِ مطلق اُس علمی ماہیت پر انتہائی سہولت اور آسانی کے ساتھ اپنی اُس قوّت کو مَل دیتا ہے جو کہ اس کی قدرت کی ایک چھوٹی سی تجلّی ہے، بالکل اس کیمیائی مادے کی طرح جو تحریر پر مَل دیا جاتا ہے، اور ''کن فیکون'' کے امر سے اور اپنی غیر محدود قدرت اور اپنے نافذ ہو جانے والے ارادے سے اس چیز کو ایک خارجی وجود عطا کر

Marfat.com

دیتا ہے اور اسے آنکھوں کے سامنے عیاں کر دیتا ہے اور اپنی حکمت کے نقوش کا مطالعہ کرواتا ہے۔ لیکن اگر ان تمام اشیاء کی نسبت بیک وقت اُس قدیرِ ازلی اور بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیم کی طرف نہ کی جائے تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ مکھی کے سائز کی کسی چھوٹی سی چیز کے بدن میں دنیا کی وہ اکثر انواع واقسام مخصوص میزان کے ساتھ جمع ہو جائیں جن کا اس کے ساتھ تعلق ہے، اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے جب اس مکھی کے جسم میں کام کرنے والے تمام ذرّات اس مکھی کی تخلیق کا راز اور اُس کے کمال صنعت میں پائی جانے والی دقیق ترین تفاصیل کے متعلق پورا پورا علم رکھتے ہوں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی اور طبعی اسباب بالبداہت اور تمام اہلِ عقل کے بالاتفاق عدم سے کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے ہیں لہٰذا اگر اُن کے لیے کسی چیز کو ایجاد کرنا ممکن ہو تو وہ چیزوں کو اکٹھا کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور جب یہ کام اکٹھا کرنے سے ہی ہوتا ہے تو پھر ذی حیات میں سے جو بھی ہو اس میں اکثر عناصر وانواع کے نمونے کچھ اس طرح پائے جاتے ہیں کہ گویا وہ کائنات کا خلاصہ اور اس کی گٹھلی ہے، تو اس صورت میں یہ لازم ہے کہ یہ اسباب ایک باریک چھلنی کے ذریعے پورے درخت کو چھان کر ایک گٹھلی اور پوری روئے زمین کو چھان کر ایک ذی حیات کو لے کر اور اس کو حسّاس پیمانوں کے ساتھ ماپ تول کر اکٹھا کر لیں۔ اور طبعی اسباب چونکہ جاہل و جامد ہیں، اُن کے پاس کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کسی منصوبے، پلان، فہرست، پیمانے یا راستے کی کوئی تدبیر کر سکیں اور یوں آنے والے ذرّات کو اُن پیمانوں کے مطابق پگھلا کر معنوی سانچے میں ڈھال دیں تا کہ وہ ذرّات بکھر نہ جائیں اور ان کا نظام خراب نہ ہو جائے۔ جبکہ یہ بات تو عقل واحتمال وامکان سے بالکل بعید ہے کہ کسی جاندار کو ایک منظّم بدن عطا کر دیا جائے اور سیلاب کی طرح رواں دواں ذرّات کو اُوپر نیچے بغیر تفرّق وانتشار کے نظم وترتیب کے ساتھ اور بغیر کسی سانچے اور مقدار کے ایک بلاک کی طرح رکھ دیا جائے۔ اور اِن ذرّات کو غیر محدود اور بے شمار شکلوں اور مقداروں کے مابین کسی خاص مقدار اور معیّن شکل میں کھڑا کر دیا جائے؛ کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ ہر چیز کی شکل وحیثیت لامحدود جہتوں اور طرزوں کی حامل ہو! پس جو دل کی بینائی سے محروم نہ ہو گیا ہو اُسے یہ چیز بہر صورت نظر آ جائے گی۔

جی ہاں، اگر تمام کے تمام مادی اسباب اکٹھے ہو جائیں اور وہ بااختیار بھی ہوں، تو بھی وہ اس مذکورہ حقیقت کی بنا پر اور آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے مخصوص میزان کے ساتھ صرف ایک مکھی کا بدن اور اس بدن کے آلات واعضاء کو اِدھر اُدھر سے اکٹھا کر کے یکجا نہیں کر سکتے۔ اور اگر ـ بالفرض ـ ایسا کر بھی لیں تو نہیں ان کی معین مقدار میں ٹھہرا نہیں سکتے اور اگر ایسا کر بھی لیں تو اس بدن میں پے در پے نو بہ نو آنے والے اور اس میں مصروفِ عمل رہنے والے ذرّات کو منظّم صورت میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں۔ تو اس سے بداہتاً پتا چلا کہ اسباب ان چیزوں کے مالک ہرگز نہیں ہیں۔ اور یہ کہ اِن کا حقیقی مالک اسباب کے علاوہ کوئی اور ہستی ہے۔

Marfat.com

جی ہاں، ان کا ایک ایسا حقیقی مالک ہے جو کہ تمام سطح زمین پر تمام جانداروں کو اتنی آسانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے جیسے کہ ایک مکھی کو زندہ کرنا ہو۔ اور ایک مکمل موسم بہار کو اتنی سہولت کے ساتھ ظہور میں لے آتا ہے جیسے کہ وہ صرف ایک پھول کا معاملہ ہو۔ آیت کریمہ: ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ میں یہی راز پایا جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اِدھر اُدھر سے اکٹھا کرنے کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ ﴿كُنْ فَيَكُونُ﴾ کے امر کا مالک ہے۔ اور وہ ہر موسمِ گل میں موسم گل کی لامحدود موجودات کے عنصری مواد کے علاوہ ان موجودات کے لامحدود صفات واشکال اور ان کے ساتھ مناسبت رکھنے والے حالات پیدا کرتا ہے۔ اِس لیے بھی اس کے علم میں ہر چیز کا منصوبہ، اس کا اندازہ اور ماپ تول، اس کی فہرست اور اُس کا راستہ متعین ہے۔ اور اِس لیے بھی کہ تمام ذرات اس کے علم اور اُس کی قدرت کے دائرے میں حرکت کرتے ہیں۔ اس بنا پر وہ ہر چیز کو پلک جھپکنے میں انتہائی آسانی کے ساتھ اس طرح ایجاد کرتا ہے کہ وہ ذرّہ برابر بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتی۔ چنانچہ جس طرح یہ سیارے اُس کا ایک فرمانبردار لشکر ہیں، اسی طرح یہ ذرے بھی اُس کے منجملہ لشکروں میں سے ایک لشکر کا حکم رکھتے ہیں۔ پس جب یہ موجودات اس اَزلی قدرت کے بھروسے پر محوِ حرکت اور اس علم اَزلی کے دساتیر وقوانین کے مطابق مصروف عمل ہیں، تو پھر یہ آثار اس قدرت کے حساب سے وجود میں آتے ہیں، تو پھر یہ آثار اپنے بے قیمت اور چھوٹے چھوٹے ہونے کی وجہ سے چھوٹے اور انہیں اہمیت نہ دینے کی وجہ سے غیر اہم نہیں بن جائیں گے؛ کیونکہ ایک مچھر اس قوت کی طرف منسوب ہونے کی برکت سے نمرود کو قتل کرسکتا ہے۔ ایک چیونٹی فرعون کا محل برباد کردیتی ہے اور صنوبر کا ذرّے برابر کا بیج اپنے کندھے پر صنوبر کا پہاڑ جیسا ضخیم درخت اٹھائے ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم نے دیگر بہت سے رسائل میں ثابت کیا ہے کہ ایک سپاہی کی جب شاہی فوج میں ملازم ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی طرف نسبت ہو جاتی ہے تو وہ اپنی طاقت سے ہزار گنا زیادہ طاقت کا مظہر بن جاتا ہے، جیسے کہ مثال کے طور پر وہ کسی دوسرے مخالف بادشاہ کو گرفتار بھی کرلیتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز اس ازلی قدرت کی طرف منسوب ہو جانے کے طفیل طبعی اسباب سے ہزار گنا زیادہ صنعت وحرفت کے معجزات کا مظہر بن جاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ:

آخری درجے کی صنعت وکاریگری اور سہولت وآسانی کے ساتھ وجود میں آنے والی کسی بھی چیز کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک قدیر ازلی اور صاحبِ علم محیط ہستی کا شاہکار ہے وگرنہ اس کا وجود میں آنا لاکھ بار محال ہے بلکہ وہ دائرہ اِمکان سے خارج اور دائرۂ امتناع میں داخل ہو جائے گی، ممکن کی صورت سے نکل جائے گی اور ممتنع کی ماہیت میں داخل ہو جائے گی، بلکہ کوئی بھی چیز وجود میں آئے گی ہی نہیں بلکہ اس کا وجود میں آنا بالکل ہی محال ہوگا۔

پس میرا نفس جو کہ اہلِ ضلالت اور اصحاب فلسفہ کا وکیل اور وقتی طور پر شیطان بن چکا تھا اُسے اس انتہائی واضح، انتہائی

Marfat.com

مضبوط اور انتہائی گہری دلیل و برہان نے خاموش کر دیا، اور یوں وہ _ وللہ الحمد_ ایمانِ کامل کی دولت سے بہرہ ور ہو گیا۔

اور اُس نے کہا:

جی ہاں! ضرور بالضرور میرا کوئی اس طرح کا پروردگار اور خالق ہونا چاہیے جو کہ میرے دل کے چھوٹے سے چھوٹے خیالات اور مخفی سے مخفی اُمید و آہ و زاری کو جانتا ہو، جو بے پایاں قدرت کا مالک ہو کہ میری روح کی پوشیدہ ترین حاجات و ضروریات کو پورا کرے، اور اس دنیا کو کسی اور دنیا کا رُوپ دے دے، اور مجھے ابدی سعادت سے ہمکنار کرنے کے لیے اس بھاری بھر کم دنیا کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر اس کی جگہ پر آخرت کی بنیاد رکھ دے۔ جو ایسی قدرت کا مالک ہو جو مکھی کو ایسے ہی پیدا کر لے جیسے آسمانوں کو ایجاد کرتی ہے اور جو سورج کو آسمان کے چہرے میں ایسے مضبوط کر کے جڑ دے کہ جیسے وہ اُس کی آنکھ ہو، بالکل ایسے جیسے کہ وہ ایک ذرّے کو میری آنکھ کی پُتلی میں ٹھہراتی ہے۔ وگرنہ جو مکھی پیدا نہیں کر سکتا وہ میرے دل کے خیالات میں دخل اندازی نہیں کر سکتا اور میری رُوح کی آہ و پکار کو نہیں سُن سکتا، اور جو آسمانوں کو پیدا نہیں کر سکتا وہ مجھے ابدی سعادت سے ہمکنار نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے میرا پروردگار وہ ہے جو میرے دل کے خیالات و تصوّرات کی اصلاح کرتا ہے اور جو دنیا کو آخرت میں ایسے ہی تبدیل کرتا ہے جیسے کہ فضا کو بادلوں سے بھر کے ایک گھنٹے میں خالی کر دے جو جنّت بناتا ہے اور اس کا دروازہ میرے لیے کھول کر مجھے کہتا ہے: اس میں داخل ہو جا۔

پس اے میرے وہ معمّر بھائیو جنہوں نے اپنی عمروں کا کچھ حصہ میری طرح بدبختی سے بے نور اجنبی فلسفی علوم میں صرف کر دیا ہے۔ قرآن کی زبان پر جاری ہونے والے اس مقدّس دائمی منشور ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ سے یہ بات سمجھ لو کہ یہ ایک ایسا قدسی، قوی اور حقیقی رکنِ ایمان ہے جو کسی بھی جہت سے کبھی بھی متزلزل نہیں ہوتا۔ بدلتا نہیں اور پارہ پارہ نہیں ہوتا!!! اور وہ تمام معنوی تاریکیوں کو تتّر بتّر کر دیتا ہے اور تمام معنوی زخموں کا مداوا کرتا ہے۔

اس طویل واقعے کو اپنے بڑھاپے کی اُمید کے ابواب میں درج کرنا میرے اختیار سے نہیں تھا اور نہ ہی میں ایسا کرنا چاہتا تھا، بلکہ میں اس سے احتراز کرتا تھا اور کہتا تھا کہ: یہ اُکتاہٹ پیدا کرتا ہے۔ لیکن اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ: یہ مجھ سے میری بے اختیاری سے لکھوایا گیا ہے۔ بہرکیف ہم اپنے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

اپنے سر اور داڑھی میں چند سفید بال دیکھنے کے بعد اور ایک وفادار دوست کی طرف سے بے وفائی کا رویّہ دیکھنے کے بعد استنبول میں جب ظاہری چمک دمک اور زیب و زینت والی زندگی کے ذائقوں سے میرا دل اُچاٹ ہو گیا تو میرا نفس اِن ظاہری ذائقوں کی بجائے جن پر وہ فریفتہ ہو چکا تھا معنوی ذائقوں کی طلب میں لگ گیا، اور اس بڑھاپے میں _ جو اہلِ غفلت کو ٹھنڈا، بوجھل اور ناخوب نظر آتا ہے _ اُس بڑھاپے میں اُس نے نُور اور تسلّی کا سامان طلب کیا تو میں نے توحید کے نور میں اور۔ ﴿لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ﴾ میں ان بے حقیقت، بے انجام اور بے ذوق دنیاوی ذائقوں کے عوض میں بہترین،

Marfat.com

دائمی اور حقیقی ایمانی ذائقوں سے بہرہ یاب ہوا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اور اس بات پر اس کا ہزاروں بار شکر کہ اِس طرح وہ بڑھاپا جو کہ اہلِ غفلت کی نظر میں باردا ور ثقیل نظر آتا ہے، وہ مجھے توحید کے نُور کی برکت سے روشن تر، گرم تر اور خفیف تر نظر آیا ہے۔

پس اے معمر خواتین وحضرات! تمہارے پاس اگر ایمان ہے، اور تمہارے پاس اگر نماز اور آہ وزاری ہے جو کہ ایمان کو بڑھاتی اور روشن کرتی ہیں، تو پھر تم اپنے بڑھاپے کو اس نظر سے دیکھ سکتے ہو کہ یہ ایک ابدی جوانی ہے؛ کیونکہ اِس کے ذریعے تم ابدی جوانی کما سکتے ہو۔ رہا وہ بڑھاپا جو کہ حقیقتاً المناک، تاریک، خبیث، ثقیل اور بارد ہے، تو وہ اہل ضلالت کا بڑھاپا ہے، بلکہ ان کی جوانی بھی اِسی طرح کی ہے۔ پس انہیں رونا چاہیے اور کہنا چاہیے: ہائے افسوس۔ ہائے حسرت!

لیکن تم اے ایمان سے بہرہ ور محترم بوڑھو! تمہیں یہ کہتے ہوئے اللہ کا شکرادا کرنا چاہیے: الحمد للہ علی کل حال۔

بارہویں اُمید:

میں جن دنوں ''اسپارٹا'' کے گاؤں ''بارلا'' میں پُر مشقت قید وبند کی وجہ سے جسے جلاوطنی کا نام دیا گیا تھا_ بالکل اجنبی، تنہا اور بے یارومددگار تھا، اور میل جول اور خط وکتابت سے روک دیا گیا۔ اجنبیت، بڑھاپے اور بیماری کی اس حالت میں انتہائی مضطرب تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی کمال رحمت کے ساتھ احسان فرمایا اور مجھے میری تسلی کے لیے قرآن حکیم کے اسرار ونکات سے پھوٹنے والے نور سے نہال کردیا۔ چنانچہ میں اس نور کی برکت سے اپنی اس دُکھ بھری غمناک حالت کو بھولنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ اور اس نور کی برکت سے اپنے وطن، دوست احباب اور قرابت داروں کو بھول جانے کے قابل ہوگیا، لیکن وائے حسرت کہ اُن میں سے ایک شخص کو نہ بھول سکا، اور وہ تھا میرا بھتیجا بلکہ میرا معنوی بیٹا، مخلص شاگرد اور بہادر اور جانباز دوست مرحوم عبدالرحمان، وہ چھ سات سال پہلے مجھ سے بچھڑ چکا تھا، اُسے میرے ٹھکانے کا بھی پتا نہیں تھا کہ وہ میری خدمت کے لیے اور تسلی کے لیے بھاگ دوڑ کرتا، اور میں بھی اس کے حالات سے لاعلم تھا کہ اس کے ساتھ خط وکتابت کرتا اور اس کے ساتھ اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتا اور اسے اپنے دکھ درد میں شریک کرتا۔

جی ہاں، میں خاص کر اپنے اس بڑھاپے میں اپنے اُس سچے فدائی عبدالرحمان جیسے کسی آدمی کا سخت محتاج تھا۔ اور پھر ایک دن اچانک کسی نے مجھے ایک خط دیا، میں نے خط کو کھول کر دیکھا تو وہ تمام کا تمام ''عبدالرحمان'' کی شخصیت پر دلالت کر رہا تھا۔ اس خط کا کچھ حصہ ستائیسویں مکتوب کے بعض فقروں کے مابین کچھ اس طرح سے درج کردیا گیا ہے کہ واضح طور پر تین کرامتوں کو آشکار کرتا ہے۔ مجھے اس خط نے بہت رُلایا تھا اور ابھی تک رُلا رہا ہے مرحوم عبدالرحمان اپنے اُس خط میں پوری صدق دلی، اخلاص اور سنجیدگی سے کہتا تھا کہ: اُس کا دل دنیا کے ذائقوں سے اُچاٹ ہو چکا ہے، اور اس کی سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ وہ مجھ تک پہنچ جائے اور میرے بڑھاپے میں میری اسی طرح خدمت کرے جس طرح میں نے اُس

Marfat.com

کی جوانی میں تربیت کی تھی، اور یہ کہ قرآنی اَسرار کو نشر کرنے میں وہ اپنے مضبوط قلم کے ساتھ میری مدد کرے جو اس دُنیا میں میرا حقیقی وظیفہ ہے۔ حتیٰ کہ اُس نے اپنے اس خط میں یہاں تک لکھا تھا کہ: آپ مجھے بیس رسائل بھیج دیں تا کہ میں ان میں سے ہر ایک کے بیس تیس نسخے لکھ لوں اور لکھوا لوں۔ چنانچہ اس کے اس خط نے مجھے اس دنیا کے بارے میں ایک مضبوط اُمید سے ہمکنار کر دیا اور یوں میں مشقت بھری قید، تنہائی، اجنبیت اور بڑھاپے کو یہ کہتا ہوا بھول گیا کہ: مجھے اپنا وہ غیر معمولی ذہانت کا مالک اور بہادر اور وفادار شاگرد مل گیا۔ وہ میرے حقیقی بیٹے سے بھی بڑھ کر گہرے تعلق اور دوستی کے ساتھ میری خدمت کرے گا۔ یہ خط لکھنے سے پہلے اُس کے ہاتھ دسویں مقالے کا ایک نسخہ لگ گیا تھا جس میں ایمان بالآخرت کے موضوع پر بحث کی گئی ہے اور جسے میں نے طبع کرا دیا تھا، اس مقالے نے اُس کے ان تمام معنوی زخموں کا مداوا کر دیا جو کہ اُسے اِن چھ سات سالوں میں لگے تھے۔ اُس نے یہ رسالہ اپنے ہاتھوں سے کچھ ایسے مضبوط اور تابدار ایمان کے ساتھ لکھا کہ جیسے وہ اپنی اجل کا منتظر تھا۔

اب ایک دو مہینے بعد عین اس وقت جب کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب میں عبدالرحمان کی وجہ سے سعادت بھری زندگی گزاروں گا۔ واحسرتا! کہ اچانک مجھے اس کی وفات کی خبر مل گئی۔ اس خبر نے مجھے کچھ اس طرح ہلا کر رکھ دیا کہ پانچ سال ہو گئے ہیں لیکن اس کی تاثیر باقی ہے، اور اس نے مجھے اس پُر مشقت قید و بند، تنہائی، اجنبیت، بڑھاپے اور بیماری سے دس گنا زیادہ غم، رقت اور فراق سے دوچار کر دیا جس میں مَیں اُس وقت مبتلا تھا۔

میں کہا کرتا تھا: میری اپنی خصوصی دنیا آدھی تو میری والدہ مرحومہ کی وفات کے ساتھ مر گئی تھی، اور بقیہ آدھی جو بچ گئی تھی وہ عبدالرحمان کی وفات کے ساتھ مر گئی ہے، اور یوں میرا تعلق دنیا سے کلّی طور پر کٹ ہو گیا۔؛ کیونکہ اگر وہ دنیا میں رہتا تو دنیا میں میرے اُخروی وظیفے کے لیے ایک قوی وسیلہ بن جاتا۔ میرے بعد میرا بہترین جانشین اور قائم مقام ہوتا اور اس دنیا میں میرا جانباز ساتھی اور تسلی کا دارومدار ہوتا اور رسائل نور کا ایمان دار محافظ اور میرا ذہین ترین مخاطب شاگرد ہوتا۔

جی ہاں، اس طرح کے لوگوں کا ضائع ہو جانا انسانیت کے نقطۂ نظر سے میرے جیسے بہت سے لوگوں کا دل جلاتا رہتا ہے۔ اور میں اگرچہ بظاہر صبر کرنے کی پوری کوشش کرتا تھا لیکن میری رُوح میں آندھیاں چل رہی تھیں، چنانچہ اگر قرآن کے نور سے وارد ہونے والی تسلّی کبھی کبھی مجھے سکون نہ بخشتی تو صبر کرنا کبھی ممکن نہ ہوتا۔ میں اُن دنوں میں ''بارلا'' کی طرف وادیوں اور پہاڑوں میں اکیلا ہی گھومنے پھرنے کے لیے نکل جایا کرتا تھا اور خالی جگہوں میں بیٹھ جایا کرتا تھا، چنانچہ ان غمگین تاثرات کے درمیان جب بھی میرے خیال پر سینما کی فلم کی طرح اس سعادت مند زندگی کی تختیاں گردش کرتیں جو کہ میں نے ماضی میں اپنے عبدالرحمان جیسے سچے طالب علموں کے ساتھ گزاری تھیں، تو اجنبیت اور بڑھاپے سے جنم لینے والی سرعتِ تاثر مجھ سے میری تابِ مقاومت چھین لیتی۔ تب اچانک مجھ پر آیت کریمہ: ﴿ کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

Marfat.com

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ کے راز کا انکشاف ہوا۔ اور اُس نے میری زبان پر ''یا باقی أنت الباقی ،یا باقی أنت الباقی'' کا ورد جاری کرادیا اور اس سے مجھے حقیقی تسلی کا سامان فراہم کر دیا۔

جی ہاں، میں نے خود کو اس غمگین حالت میں اور اُس خالی وادی میں اس مقدس آیت کے راز کی رُو سے تین بہت بڑے جنازوں کے سر پر دیکھا، جیسے کہ میں نے ''مرقاۃُ السنة'' نامی رسالے میں اشارہ کیا ہے۔

پہلا جنازہ: اُن پچپن سعیدوں کا جنازہ جو میری اوائل عمری سے لے کر میرے پچپن سال کے ہونے تک مر گئے۔ چنانچہ میں نے اپنے نفس کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر کے سرہانے رکھے جانے والے پتھر کا روپ دھار چکا تھا۔

دوسرا جنازہ: نوعِ انسان کے ہم جنسوں کا بہت بڑا جنازہ جو کہ زمانۂ آدم سے لے کر تا اِیں دم مر گئے ہیں اور زمانۂ ماضی میں دفن ہو گئے ہیں۔ تو میں نے اپنے آپ کو چیونٹی جیسے ایک چھوٹے سے جاندار کی طرح دیکھا جو کہ اِس دور کی سطح پر رینگ رہا تھا جو کہ ماضی کی قبر میں دفن ہو چکے بہت بڑے جنازے کے سرہانے رکھے ہوئے پتھر کا حکم رکھتا ہے۔

تیسرا جنازہ: اِس دنیا کا جنازہ۔ میری آنکھوں کے سامنے اس آیت کے راز کی رُو سے اِس ضخیم دنیا کی موت مجسّم ہو کر کھڑی ہوگئی، ایسے جیسے کہ یہ رواں دواں دنیا اس سطحِ زمین پر ہر سال انسان کی طرح مرتی ہے۔ تب اس عالم میں آیتِ کریمہ: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ اشاری معنی کے ساتھ ایک مدھم نہ ہونے والی روشنی اور حقیقی تسلی کے ذریعے میری مدد کی اور عبدالرحمان کی وفات کی وجہ سے جنم لینے والے غم و اندوہ کو پراگندہ کر کے رکھ دیا۔

جی ہاں، اِس آیت کریمہ نے مجھے اس بات کا علم دیا کہ جب اللہ موجود ہے تو پھر وہ ہر چیز کا بدل ہے، اور جب وہ باقی رہنے والا ہے تو پھر وہ بہر کیف کافی ہے، چنانچہ اُس کی عنایت کا صرف ایک جلوہ ہی تمام دنیا کے قائم مقام ہے۔ اور اُس کے نور کی ایک جھلک مذکورہ تینوں جنازوں کو ایک معنوی زندگی عطا کر دیتی ہے، اور اس چیز کو واضح طور پر آشکار کر دیتی ہے کہ وہ جنازے نہیں ہیں بلکہ کچھ ملازم ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری کر لی ہیں اور دوسرے جہانوں کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ اس راز کی وضاحت چونکہ تیرہویں لمعے میں گزر چکی ہے اس لیے اُسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ البتہ اس مقام پر صرف یہ کہوں گا کہ: یا باقی أنت الباقی یا باقی أنت الباقی '' کے دُہرے جملے کے وِرد نے جو کہ آیتِ کریمہ: ﴿كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ کے معنی و مفہوم پر مشتمل ہے، مجھے اس انتہائی غمگین اور المناک حالت سے بچا لیا، اور وہ اس طرح کہ: میں نے پہلی مرتبہ: یا باقی انت الباقی کہا تو اس سے دنیا اور اس میں پائے جانے والے عبدالرحمان جیسے گہرے تعلق والے لامحدود دوست احباب کے فراق و زوال سے لگنے والے چرکوں کے لیے عمل جراحی جیسے مداوے کا آغاز ہو گیا۔ اور دوسرے ''یا باقی أنت الباقی '' کا تکرار ان تمام معنوی زخموں کے لیے علاج اور تریاق بن گیا، اور اس کا

Marfat.com

مطلب ہے: تُو باقی رہنے والا ہے جو چلتا ہے اسے چلنے دے؛ کیونکہ تو کافی ہے۔ اور جب تو باقی ہے تو پھر زائل ہو جانے والی ہر چیز کے مقابلے میں تیری رحمت کی ایک جھلک ہی کافی ہے اور جب تُو موجود ہے تو پھر اس شخص کے لیے ہر چیز موجود ہے جو کہ تیرے وجود کی طرف اپنے ایمان بھرے انتساب کا علم رکھتا ہے اور جو رازِ اسلام کی روشنی میں عمل کرتا ہے۔ اور فنا و زوال و موت و عدم جو ہیں وہ حجاب، تجدُّد اور مختلف منازل میں چلنے کا نام ہوں گے۔ میں نے اس بارے میں غور کیا تو وہ دہشت ناک، سیاہ ترین، المناک غمگین اور تپش و فراق سے بھرپور رُوحانی حالت تمام تر ایک اُنس بھری روشن ترین پُر لذت اور نشاط و سرور والی حالت میں تبدیل ہوگئی۔ تب میری زبان، میرے دل بلکہ میرے بدن کے تمام ذرّات نے زبانِ حال سے کہا: الحمدللہ۔

اور اس رحمت کی ہزاروں جلوہ گریوں میں سے ایک یہ تھی کہ میں اس غم انگیز وادی سے اور اُن حُزن خیز حالات سے واپس ''بارلا'' لوٹ آیا وہاں میں نے دیکھا کہ ''قُولہ اُونلی'' نامی گاؤں سے ایک نوجوان آیا ہوا ہے جس کا نام مصطفیٰ ہے اور وہ وضو اور نماز سے متعلقہ کچھ فقہی مسائل پر میرے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہے میری روح نے اس نوجوان کی رُوح میں پائے جانے والے اخلاص اور مستقبل میں رسائل نور کے لیے سرانجام دی جانے والی خدمت کو _ واقعہ میں آنے سے پہلے _ بھانپ لیا اور بنابریں اُسے قبول کر لیا (حاشیہ:۱) یاد رہے کہ میں ان دنوں مہمانوں کا استقبال نہیں کرتا تھا (حاشیہ:۲)

پھر کچھ دیر بعد یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کو میرے لیے عبدالرحمان کا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے جو کہ مکمل طور پر ایک حقیقی وارث کی ذمہ داری نبھائے گا اور میرے بعد رسائل نور کی خدمت کے لیے میرا بہترین خلیفہ بنے گا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کچھ اس طرح کہہ رہا تھا: میں نے (حاشیہ:۳)

(حاشیہ:۱) مصطفیٰ نامی اس نوجوان کا چھوٹا _ بھائی جس کا نام ''علی'' تھا، اُس نے اپنے پاکیزہ قلم کے ساتھ رسائل نور کے سات سو سے زائد نسخے لکھ کر اور کئی عدد عبدالرحمانوں کی تربیت کر کے یہ بات ثابت کر دی کہ وہ واقعتاً عبدالرحمان ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) جی ہاں، اس نوجوان نے یہ واضح کر دیا کہ وہ صرف قابلِ قبول ہی نہیں بلکہ استقبال کے قابل بھی تھا۔

(حاشیہ:۳) میں اپنے استاد کے اس حکم کی تصدیق کے لیے کہ مصطفیٰ رسائل نور کا پہلا طالب علم ہے جو کہ استقبال کا اہل ہے، میں یہ واقعہ بیان کر رہا ہوں: یوم عرفہ سے پہلے والے دن میں اور اُستاد سیر و گردش کے لیے نکلنا چاہتے تھے اور اس غرض کے لیے اُنہوں نے مجھے گھوڑا تیار کرنے کے لیے بھیجا۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ دروازہ لگانے کے لیے کمرے سے نہ اُتریں میں خود ہی لگا کر لکڑیوں کے اوپر سے کود کر نکل جاؤں گا۔ لیکن اُنہوں نے اُتر کر چٹخنی لگا دی اور لیٹنے کے لیے اُوپر کمرے میں چلے گئے۔ اس کے بعد حاجی عثمان کے ہمراہ ''قولہ اُونلی'' والا مصطفیٰ آ گیا۔ اُن دنوں اُستاد ایک آدمی کو بھی قبول نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ دو آدمیوں کو ایک ساتھ قبول کر لیں۔ چنانچہ انہیں واپس کر دینا ضروری تھا۔ لیکن یہ مصطفیٰ حاجی عثمان کے ساتھ استاد کے دروازے پر آیا ہی تھا کہ گویا دروازے نے ازخود اس کا زبان حال سے یہ کہتے ہوئے استقبال کیا: میرا استاد تو تیرا استقبال نہیں کرے گا اس لیے میں تیرے لیے خود ہی کھل جاتا ہوں۔ اور پھر بند دروازہ اس کے لیے کھل گیا، جی ہاں، استاد نے جو مصطفیٰ کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ استقبال و قبول کا حق دار ہے، بالکل حق ہے۔ جیسے کہ مستقبل نے اس چیز کو واضح طور پر آشکار کر دیا اور خود ان کے گھر کے دروازے نے بھی اس کی گواہی دے دی۔ خسرو۔ ''جی ہاں، خسرو نے جو کچھ لکھا ہے سچ ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ میرے گھر کے دروازے نے میری بجائے مصطفیٰ کا استقبال کیا اور اُسے قبول کیا تھا۔ سعید نورسی

Marfat.com

تجھ سے ایک عبدالرحمان لے لیا ہے لیکن عنقریب تجھے اس کے بدلے میں اِس مصطفیٰ جیسے تیس عبدالرحمان دُوں گا جو کہ اُس کی جگہ پر اس دینی خدمت میں تیرے جاں نثار ساتھیوں بھائیوں معنوی بیٹوں، بھتیجوں اور شاگردوں کا کردار ادا کریں گے۔

جی ہاں، للہ الحمد کہ اُس نے مجھے تیس عبدالرحمان عطا کیے۔ تب میں نے اپنے رونے والے دل سے کہا: تُو نے جب یہ ایک مثال دیکھ لی ہے اور اُس نے اس کے ذریعے تیرے اہم معنوی زخموں کا مداوا کر دیا ہے، تو پھر تجھے اس بات کا اطمینان ہو جانا چاہیے کہ وہ تیرے تمام تکلیف دہ زخموں کا مداوا کر دے گا۔

پس اے وہ تمام معمر بھائیو اور بہنو جو کہ جوانی میں اپنی محبوب اولاد یا محبوب رشتہ داروں سے محروم ہو گئے اور جن کے سر پر اُن کی پشتوں پر لدے ہوئے بڑھاپے کے بوجھ کے ساتھ ساتھ ان کے فراق کا بھاری بوجھ آ پڑا، اب تم یہ بات تو سمجھ ہی گئے ہو کہ میری حالت تمہارے حالات سے کہیں زیادہ گھمبیر تھی۔ تو جب آیتِ کریمہ نے اس کا مداوا کر دیا اور اُس کو شفا دے دی تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ قرآن حکیم کی مقدس فارمیسی میں ایسی دوائیں موجود ہیں جو تمہاری تمام بیماریوں کو شفا دیتی ہیں۔ اس لیے اگر تم ایمان کے ساتھ اُس کی طرف رجوع کرو گے اور عبادت کے ساتھ اُن دوائیوں کو استعمال کرو گے تو تمہاری پشتوں پر اور تمہارے سروں پر لدے ہوئے بڑھاپے کے اور ہموم وغموم کے یہ بھاری بوجھ انتہائی طور پر ہلکے ہو جائیں گے۔

اس بحث کو طویل تر لکھنے میں راز یہ ہے کہ مرحوم عبدالرحمان کے حق میں زیادہ سے زیادہ دعائے رحمت کی جائے، اس لیے تمہیں اس کے طویل تر ہونے کی وجہ سے اُکتانا نہیں چاہیے اور یہ جو میں نے اپنے المناک زخموں کا اظہار ایسے دردناک انداز سے کیا ہے کہ جس سے تمہارے دکھوں دردوں میں اضافہ ہو جائے اور تمہیں وحشت ونفرت میں مبتلا کر دے۔ اس سے یہ اعلان کرنا مقصود ہے کہ قرآنِ حکیم کے مقدس تریاق میں ایک غیر معمولی علاج اور تابناک نور پایا جاتا ہے۔

تیرہویں اُمید: (حاشیہ:۱)

اس امید میں مَیں اپنی سوانح حیات سے ایک اہم لوح کے متعلق بحث کروں گا۔ بنا بریں یہ بہر کیف کچھ طویل ہو گی۔ اس لیے میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اکتاہٹ یا ناراضگی کا اظہار نہیں کریں گے۔

اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں مَیں جب روس کی قید سے آزاد ہوا تو دینی خدمت کے جذبے نے مجھے دو، تین سال استنبول میں ''دار الحکمة'' میں ٹھہرا لیا۔ پھر قرآنِ حکیم کی راہنمائی، حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی

(حاشیہ:۱) مدرسے کا وہ واقعہ جو اس تیرھویں اُمید میں ذکر کیا گیا ہے تیرہ برس پہلے رونما ہوا تھا۔ یہ ایک لطیف توافق ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

خصوصی توجہ اور بڑھاپے کے مجھے بیدار کر دینے کی وجہ سے استنبول کی تمدّنی زندگی سے اُکتاہٹ اور اس معاشرے کی جگمگاتی زندگی سے کراہت پیدا ہوگئی چنانچہ اشتیاقِ وطن کا احساس جسے ''مرض تعلّق'' کہا جاتا ہے_ مجھے وطن کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: اگر مجھے مرنا ہی ہے تو پھر وطن میں مرنا چاہیے۔ چنانچہ میں ''وان'' شہر کی طرف چلا آیا اور وہاں سب سے پہلے ''خور خور'' نامی اپنے مدرسے کی زیارت کے لیے گیا دیکھا تو ارمنوں نے اُسے بھی رُوسی قبضے کے دوران ''وان'' کے دوسرے گھروں کی طرح جلا دیا تھا۔ میرا یہ مدرسہ وان کے قلعے کے نیچے اور اس مشہور قلعے کے بالکل متصل تھا جو کہ پہاڑ جیسی ایک چٹان کے مشابہ تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے میرے اُن طالب علموں کے خیالات گھومنے لگے جو اس مدرسے میں میرے بھائی دوست اور مُونس وغمخوار تھے جسے میں سات آٹھ سال پہلے چھوڑ کر گیا تھا، ان جانباز ساتھیوں میں سے کچھ تو حقیقی شہادت کی موت سے سرفراز ہو چکے تھے اور کچھ اس مصیبت کی وجہ سے معنوی شہادت کا درجہ پا چکے تھے۔ میں بے قابو ہو کر رو دیا پھر میں قلعے کی اُس چوٹی پر چڑھ گیا جو میرے مدرسے سے دو مناروں جتنی بلند تھی اور مدرسے پہ جھانکتی تھی اور اس پر بیٹھ کر سوچ میں پڑ گیا تب میں خیال ہی خیال میں سات آٹھ سال پیچھے چلا گیا۔ میرا خیال بڑا مضبوط تھا اِس لیے وہ چندے مجھے اُس دور میں لے کر گھومتا رہا، اور آس پاس کوئی تھا بھی نہیں جو مجھے اس خیال سے روک لیتا اور مجھے اُس دور سے باہر کھینچ لاتا، کیونکہ میں وہاں بالکل الگ تھلگ تھا۔ میں نے اپنی آنکھ کھول کر اپنی نظر ان سات آٹھ سالوں میں گھمائی پھرائی تو دیکھا کہ اُن سات آٹھ سالوں میں پوری ایک صدی کے برابر کی ہولناک تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ تو میں نے دیکھا کہ قلعے کے نیچے، شہر کے اندر میرے مدرسے کے اردگرد والی تمام جگہ جلائی جا چکی ہے اور اُسے آخری حد تک تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ میں نے اِس منظر کو انتہائی غمگین آنکھوں سے دیکھا۔ مجھے ایسے لگا کہ جیسے اس جگہ پہلی بار دیکھنے کے بعد دوسری دفعہ دیکھنے کے لیے میں دو سو سال کے بعد دنیا میں آیا ہوں۔ ان اجڑے دیار کے اکثر باسی میرے دوست تھے، اور ان میں سے اکثر اجنبی علاقوں میں بکھر گئے تھے اور دیارِ غیر میں فوت ہو گئے تھے رحمۃ اللہ علیہم میں نے یہ بھی دیکھا کہ ''وان'' میں مسلمانوں کے تمام تر گھر منہدم کر دیے گئے تھے صرف ارمنوں کے گھر بچے تھے۔ اس پر میرے دل کی گہرائیوں سے ہُوک اُٹھی اور مجھ پر اِس قدر رقت طاری ہوگئی کہ اگر میری ایک ہزار آنکھیں بھی ہوتیں تو ایک ساتھ رو پڑتیں۔ میرا خیال یہ تھا کہ میں دیارِ غیر سے اپنے وطن واپس آ گیا ہوں اور اس طرح غربت و اجنبیت سے نجات پا گیا ہوں، لیکن افسوس کہ اپنے وطن میں مجھے خوفناک ترین اجنبیت سے پالا پڑا اور میں نے دیکھا کہ عبدالرحمان_ جس کا ذکر بارہویں اُمید میں ہوا ہے_ جیسے میرے سینکڑوں دوست احباب اور شاگرد جن کا میری روح کے ساتھ گہرا تعلق تھا قبروں میں جا چکے ہیں اور ان کے گھر برباد ہو چکے ہیں۔ میرے ذہن میں بہت دیر پہلے سے کسی کہنے والے کا یہ فقرہ تھا جس کا معنی مکمل طور پر نہیں کھلتا تھا لیکن اب اس غمگین تختی کے سامنے اس کا معنی کھل کر سامنے آ گیا:

Marfat.com

لو لا مفارقة الأحباب ما وجدتْ

لها المنايا الى أرواحنا سبلا

مطلب یہ ہے کہ اگر دوست احباب سے بچھڑنا مقدر نہ ہوتو موت کو ہماری رُوحوں کے قبض کرنے کے لیے کوئی راستہ نہ مل سکے۔گویا کہ انسان کو جو چیز سب سے زیادہ مرگ آشنا کرتی ہے وہ ہے پیاروں کی جدائی۔

جی ہاں، مجھے کسی بھی حالت نے کبھی اس طرح جلایا یا رُلایا نہ ہوگا۔چنانچہ اگر قرآن اور ایمان کی جانب سے مدد نہ آتی تو یہ غم، یہ افسردگی، آزردگی اور پریشانی مجھ پر اتنی گہری تاثیر چھوڑتی کہ میرے جسم سے میری رُوح کو ہی نکال دیتی۔

قدیم دور میں شعراء جب کبھی مرورِ زمانہ سے برباد ہوجانے والے دیار ومنازل کے کھنڈرات میں اپنے دوست احباب کے ساتھ اکٹھے ہوتے تو اپنے شعروں میں ان کھنڈرات پر رویا کرتے تھے۔اور میں تو اپنی آنکھوں کے ساتھ ان اُجڑے دیار کی ایک ایسی لوح بھی دیکھ چکا تھا جو کہیں زیادہ گہرے فراق کا نمونہ تھی پس میری روح اور میرے دل نے میری آنکھ کی معاونت کی اور یہ سب اس آدمی کے غم کے ساتھ رو پڑے جس کا دو سو سال کے بعد اپنے محبوب دوستوں کی رہائش گاہوں سے گزر ہوا ہے۔تب میری زندگی کے صفحات پھر سے زندہ ہوگئے، اور اس زندگی کے تمام لذیذ صفحات سینما کی فلم کی طرح یکے بعد دیگرے میرے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے جس خوبصورت اور مسرور کن زندگی کے تقریباً بیس سال میں نے اپنے قیمتی طالب علموں کے ساتھ درس وتدریس میں گزارے تھے۔جب میری آنکھوں کے سامنے گھومنے والی یہ جگہیں جن کے آثار اب مٹ چکے ہیں، یہ تمام جگہیں آباد، پُررونق، فرحت بخش اور مسرور کن تھیں۔پھر یہ سب نظارے مرگئے اور نظروں سے اوجھل ہوگئے۔تب مجھے اہلِ دنیا کی حالت پر تعجب ہوا کہ کس طرح وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں؟ کیونکہ یہ حالت بداہتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دنیا تمام کی تمام فانی ہے اور انسان اس میں ایک مسافر ہے اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اہلِ حقیقت جو ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ: دُنیا غدّار ہے، مکار ہے اور بُری ہے اس لیے اس سے دھوکہ مت کھاؤ، ان کا یہ بات کہنا کتنا سچ ہے یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔پھر یہ بھی کہ جس طرح ایک انسان کا اپنے جسم اور اپنے گھر کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اسی طرح مجھے یہ بھی یقین ہوگیا کہ اس کا اپنے قصبے، اپنی مملکت بلکہ اپنی دنیا کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے، چنانچہ میں جب اپنے بدن کے حساب سے اپنی ان دو آنکھوں کے ساتھ ضعفِ پیری کی وجہ سے رورہا تھا، میرا دل یہ چاہتا تھا کہ میں فقط اپنے جسم کے بوڑھے ہوجانے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وفات کی وجہ سے دس آنکھوں کے ساتھ روؤں۔اور اپنے پیارے وطن کی آدھی وفات پر مجھے سو آنکھوں کے ساتھ رونے کی ضرورت تھی۔

ایک حدیث میں ہے: ایک فرشتہ ہر روز صبح کے وقت یہ آواز دیتا ہے کہ:

لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

Marfat.com

یعنی وہ یہ کہتا ہے: تم دنیا میں مرنے کے لیے پیدا ہوتے ہو اور مرنے کے لیے آتے ہو اور عمارتیں ویرانی کے لیے بناتے ہو۔ چنانچہ یہ حقیقت میں اپنے کانوں کے ساتھ نہیں اپنی آنکھوں کے ساتھ سُن رہا تھا۔ جی ہاں، اس حالت نے جس طرح مجھے اُس وقت رُلایا تھا، اب دس برس ہونے کو ہیں جب کبھی میرا خیال بھی اس حالت کی راہوں پر گامزن ہوتا ہے، رو پڑتا ہے۔

جی ہاں، ہزاروں سال پرانے اس بوڑھے قلعے کی چوٹی پر بنی ہوئی اِن عمارتوں کی ویرانی اور اس کے نیچے بسنے والے شہر پر اَسّی سالوں جیسے آٹھ سالوں میں طاری ہو جانے والی پیری اور کہنگی، اور اس کے دامن میں بنے ہوئے میرے دوست احباب سے معمور مدرسے کی وفات۔

یہ سب چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سلطنتِ عثمانیہ میں پائے جانے والے تمام مدارس کی وفات ہوگئی ہے۔ اور ''وان'' کا ضخیم قلعہ جو کہ ایک چٹان کی طرح ہے، ان مدرسوں کی عظیم وفات معنوی جنازے کی عظمت کی طرف اشارہ کرنے والا ایک قبر کا پتھر بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے لگا جیسے کہ میرے وہ مرحوم شاگرد جو کہ آٹھ سال پہلے میرے ساتھ اس مدرسے میں تھے، وہ سب میرے ساتھ مل کر رو رہے ہیں بلکہ اس شہر کی منہدم دیواریں اور اس کے ادھر اُدھر بکھرے ہوئے پتھر میرے ساتھ رو رہے ہیں، اور ایسے لگا جیسے کہ خود مدرسہ بھی رو رہا ہے۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ اپنے ہی وطن میں پیش آنے والی اجنبیت میری برداشت سے باہر ہو رہی ہے، چنانچہ میں نے سوچا کہ: اب یا تو یہ لازم ہوگیا ہے کہ میں قبر میں ان کے ہاں چلا جاؤں، اور یا پھر سب سے علیحدہ ہو کر کسی غار میں جا بیٹھوں اور اپنی اجل کا انتظار کروں۔ اور میں نے دل میں کہا: اِس دنیا میں اگر اس طرح کے ناقابلِ مقاومت ناقابلِ صبر اور ناقابل برداشت فراق کے دل سوز مناظر پائے جاتے ہیں، تو پھر زندگی کے مقابلے میں موت کا پلڑا بہر کیف بھاری رہے گا اور زندگی کی یہ بوجھل حالت اتنی بلاخیز ہے کہ برداشت سے باہر ہے۔ تب میں نے اُن تمام سمتوں میں نظر دوڑائی جنہیں شش جہات کہا جاتا ہے۔ تو وہ سب سمتیں مجھے تاریک نظر آئیں، اور اس تاثر کی شدت سے جنم لینے والی غفلت نے مجھے دنیا کا رُوپ اس طرح کا دکھایا کہ وہ انتہائی خوفناک، دہشت خیز، خالی خالی اور چٹیل سی ہے، اور منہدم ہو کر میرے سر پر گر رہی ہے۔ اور اس دوران میری رُوح دشمنوں کی شکل اختیار کر جانے والے ان لامحدود مصائب کے مقابلے میں کسی نقطۂ استناد کی متلاشی تھی، روح ابد تک پھیل جانے والی لامحدود اُمیدوں کو سکون دینے والے کسی نقطۂ استمداد کی طلب میں تھی، اور فراق وافتراق اور تباہی اور موت سے جنم لینے والے لامحدود غم واندوہ کے مقابلے میں تسلّی کی منتظر تھی۔ اچانک قرآنِ معجز بیان کی آیتِ کریمہ: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ☆ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) الحدید:1-2

Marfat.com

کی حقیقت جلوہ گر ہوئی اور اس نے مجھے اس رقت خیز غم اور دہشت سے بچالیا اور میری آنکھیں کھول دیں۔تب میں نے دیکھا کہ درختوں کی چوٹیوں پر لگے ہوئے پھول مجھے مسکرا کر دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: صرف ان مٹے ہوئے نشانات کے پاس ہی کھڑے نہ رہو ہماری طرف بھی غور سے دیکھو۔ اِس آیت کی حقیقت مجھے کچھ اسی طرح متنبہ کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی: ایک خود ساختہ مکتوب کا مٹ جانا جو کہ صحرائے ''وان'' کے ایک صفحے میں چند مسافروں کے ہاتھوں لکھا گیا تھا اور جو ''وان'' کی صورت اختیار کر گیا تھا، اور جو روسی قبضے کے دہشتناک سیلاب کی مصیبت میں بہہ گیا ہے۔آپ اُس مکتوب کے مِٹ جانے کا اتنا گہرا اثر کیوں لے رہے ہیں؟ اُس نقاش ازلی، مالک حقیقی اور چیز کے اصلی پروردگار اور مالک کی طرف دیکھو؛ کیونکہ اُس کے مکتوبات ''وان'' کے صفحے میں کمال زیب و زینت کے ساتھ لکھے جا رہے ہیں اور یہ کیفیت جو آپ نے دیکھی ہے ہمیشہ یونہی چلتی رہے گی۔اور آپ کا ان جگہوں کو خالی، ویران اور سنسان سمجھ کر ان پر رونا دھونا اور واویلا کرنا دراصل ان کے مالکِ حقیقی سے غافل ہو جانے، انسان کو مسافر نہ سمجھنے اور غلطی سے اس وہم میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے ہے کہ انسان مالک ہے۔لیکن اس غلطی سے اور اس دل سوز حالت سے حقیقت کا ایک دروازہ کھل گیا اور نفس اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے مکمل طور پر آمادہ ہو گیا۔

جی ہاں، جس طرح لوہے کو آگ میں داخل کیا جاتا ہے تاکہ وہ نرم ہو جائے اور کوئی مفید خوبصورت شکل اختیار کر جائے، اسی طرح یہ غمگین حالت اور خوفناک کیفیت آگ کی صورت اختیار کر گئیں اور میرے نفس کو نرم بنا گئیں اور قرآنِ معجز بیاں نے اُسے مذکورہ آیت کے ذریعے ایمانی حقائق کا دیدار کرا دیا اور اسے مکمل طور پر یہ فیض قبول کرنے کے قابل بنا دیا۔

جی ہاں، للہ الحمد، کہ اس آیت کی حقیقت نے رُوح وقلب کو ایمان کے فیض سے ایک ایسا نقطۂ استناد اور مرکز عطا کر دیا جو کہ ہر انسان کے ایمان کی قوت کے حساب سے آشکار ہوتا رہتا ہے، اور وہ اس طرح کہ اُسے ایمان باللہ کی دولت سے مالا مال کر کے ایک ایسی قوّت عطا کر دیتی ہے جس سے وہ ایسی مصیبتوں کا مقابلہ کر سکتی ہے جو اس حالت سے سو درجے زیادہ نقصان دہ اور ہولناک ہیں، جیسے کہ اس حقیقت کا اثبات ہم نے بیسویں مکتوب جیسے رسائل میں بالکل قطعی طریقے سے کر دیا ہے۔اور اس حقیقت نے اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ ہر چیز اس مملکت کے مالک کے امر کی مسخّر اور تابع فرمان ہے، وہ مالک حقیقی جو کہ تمہارا خالق ہے۔اور یہ کہ ہر شے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے، تمہارے لیے اس کی طرف منسوب ہو جانا ہی کافی ہے۔

پس جب میں نے اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس پر توکل کر لیا تو اُن تمام چیزوں نے اپنی دشمنی کو ترک کر دیا جنہوں نے دشمنوں کا رُوپ دھار لیا تھا۔اور غمگین اور رُلا دینے والے حالات مجھے مسرُور کرنے لگے۔اسی طرح اس حقیقت نے مجھے

Marfat.com

ایمان بالآخرت سے وارد ہونے والے نور کے فیض سے لامحدود اُمیدوں کے مقابلے میں ایک نقطۂ استمداد عطا کر دیا اس طرح کہ وہ صرف یہی نہیں کہ وہ میرے ان چھوٹے چھوٹے فنا پذیر اور کم عمر کے دنیاوی احباب کے روابط کے لیے اور ان سے وابستہ امیدوں کے لیے کافی ہوگا بلکہ سعادتِ ابدی، عالمِ بقا اور ابدُ الآباد میں پائی جانے والی لامحدود طویل امیدوں کے لیے بھی کافی ہوگا، جیسے کہ ہم نے بہت سے رسائل میں قطعی دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے اِس بات کا ادراک ہو جائے کہ وہ ایمان کا سہارا لیتا ہوا اُس رحمان و رحیم کی رحمت کی طرف منسوب ہے جس نے اپنے بندوں کے لیے اُن کی ابدی رہائش گاہوں میں لامحدود زمانوں میں اپنی لامحدود نعمتوں کے ساتھ آٹھ دائمی جنتوں کو بھر دیا ہے اور پھر ان جنتوں کو اپنی رحمت کی ایک تجلّی کے بعد ہر موسمِ بہار میں بہار کے اس دسترخوان کو اپنی ایجاد کردہ انوکھی اور لذت بھری نعمتوں سے آراستہ کر کے ان بندوں کے لیے پیش کر دیا اور انہیں بطورِ غذا کھلا دیا تاکہ وہ اپنے اس سطحِ زمین کے عارضی مہمان خانے میں اپنے ان مہمانوں کو گھڑی دو گھڑی کے لیے لطف اندوز کرے۔ پس جس شخص کو اس بات کا ادراک ہو جائے گا وہ ایک ایسا نقطۂ استمداد پالے گا جس کا کمترین درجہ ان لامحدود ابدی اُمیدوں آرزؤں کو بڑھاتا اور انہیں دوام دیتا ہے۔

اِسی طرح _ اس آیت کی حقیقت کے ذریعے _ ایمان کی روشنی سے وارد ہونے والا نور اس تابناک صورت میں جلوہ گر ہوا کہ اُس نے تاریک شش جہات کو روزِ روشن کی طرح منوّر کر دیا؛ کیونکہ اس نُور نے میری حالتِ گریہ کو اور میرے اس مدرسے میں اور اس شہر میں رہنے والے طالب علموں اور پیاروں کے چلے جانے کے بعد پیچھے رہ جانے کی حالت کو کچھ اس طرح منوّر کر دیا کہ مجھے اس بات پر متنبہ کر دیا کہ: جس عالم کی طرف تیرے دوست احباب کوچ کر کے گئے ہیں وہ تاریک نہیں ہے، انہوں نے تو صرف اپنی جگہیں تبدیل کی ہیں اور عنقریب تم اکٹھے ہو جاؤ گے۔ اس نور نے مجھے کچھ اسی طرح متنبہ کیا، اور میرے رونے دھونے کو کلّی طور پر ختم کر دیا۔ اور اس نے مجھے یہ بات بھی سمجھا دی کہ مجھے دنیا میں بہت جلد ایسے لوگ مل جائیں گے جو ان جیسے اور ان کے قائم مقام ہوں گے۔

جی ہاں: للہ الحمد کہ اس نے ''وان'' کا فوت شدہ مدرسہ ''اسپارٹا'' کے مدرسے کی صورت میں زندہ کر دیا، اور اُن اَحباب کو معنوی طور پر ایسے احباب وطلاب کی صورت میں زندہ کر دیا جو کہ تعداد اور قیمت میں ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

اسی طرح اُس نور نے مجھے اس بات کی بھی جانکاری دی کہ یہ دنیا فارغ، خالی اور سنسان نہیں۔ جبکہ میں اسے غلطی سے ایک ایسی مملکت کا روپ دے چکا تھا جو مٹ کر نابود ہوگئی ہے۔ یہ مٹی نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مالکِ حقیقی انسانی ہاتھوں کی بنی ہوئی ان عارضی لوحوں کو اپنی حکمت کے تقاضے کے تحت دیگر لوحوں میں تبدیل کرتا ہے اور اپنے مکتوبات کی تجدید کرتا ہے۔ تو جس طرح کسی درخت کے بعض پھل جب توڑ لیے جائیں تو اُن کی جگہ دوسرے پھل آجاتے ہیں، اِسی طرح نوع

Marfat.com

بشر میں پایا جانے والا یہ زوال وفراق بھی تجدّد ہے احباب کی عدم موجودگی سے جنم لینے والا المناک غم نہیں بلکہ ایمان کے نقطۂ نظر سے یہ ایک ایسا تجدّد ہے جو ایک لذیذ غم پیدا کرتا ہے، یہ لذیذ غم ایک ایسے فراق سے پیدا ہوتا ہے جس کی بنیاد کسی دوسری عمدہ اور نفیس جگہ میں وصال پر رکھی گئی ہے۔

اسی طرح اُس نور نے کائنات کے چہرے کو منوّر کر دیا، وہ چہرہ جو کہ اس دہشتناک حالت میں کسی وجہ سے تاریک نظر آتا تھا۔اس وقت میں نے اس کیفیت پر اللہ کا شکرادا کرنا چاہا تو یہ عربی فقرہ وارد ہوا اور اس نے اس حقیقت کی مکمل تصویر کھینچ دی، اور وہ اس طرح کہ میں نے کہا:" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ الْمُصَوِّرِ مَايُتَوَهَّمُ اَجَانِبُ اَعْدَاءً اَمْوَاتًا مُوحِشِيْنَ أَيْتَامًا بَاكِيْنَ أَوِدَّاءَ وَأَحْيَاءَ مُؤْنِسِيْنَ مُرَخِّصِيْنَ مَسْرُوْرِيْنَ ذَاكِرِيْنَ مُسَبِّحِيْنَ "اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوفناک لوح جس نے میرے غافل نفس کو اس شدید حالت کی تاثیر سے جنم لینے والی غفلت کی وجہ سے اس وہم میں مبتلا کر دیا تھا کہ کائنات کی موجودات کی ایک قسم دشمن اور اجنبی ہے (حاشیہ:۱)، اور ایک قسم ہولناک جنازوں پر مشتمل ہے، کچھ اِن میں سے روتے بلکتے یتیم ہیں۔ میں نے ایمان کے نور سے عین الیقین کے طور پر دیکھ لیا کہ جو لوگ اجنبی اور دشمن نظر آرہے ہیں وہ بھائی اور دوست ہیں، اور وہ ہولناک جنازے جو ہیں اُن میں سے کچھ تو جاندار مانوس ہیں اور بعض ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور میں نے ایمان کے نور کی برکت سے دیکھا کہ رونے چلاّنے والے یتیموں کی نوحہ گریاں دراصل ذکر وتسبیح کے زمرے ہیں۔ اس لیے میں اللہ خالق الجلیل کی لامحدود تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے وہ ایمان بخش دیا جو کہ ان لامحدود نعمتوں کا سرچشمہ ہے۔ الحمد لله علی نور الایمان تمام موجودات کے حالات کی زبانوں کے ساتھ اور ان میں سے ہر ایک کے حالات کی زبانوں کے ساتھ اس طرح کہ میرا حق تو یہ بنتا ہے کہ میں اپنی نیت اور تصور میں اس دنیا میں _ اور اپنی خصوصی دنیا میں جو کہ اس کے برابر ہے _ پائی جانے والی ان تمام موجودات کو اللہ کی حمد وتسبیح میں استعمال کروں۔ اسی طرح زندگی کے وہ ذائقے جو کہ عدم کے درجے میں جا گرے ہیں، اور وہ اُمیدیں آرزوئیں جو کہ کلی طور پر خشک ہو کر سوکھ چکی ہیں، اور میری ذات کے ساتھ تعلق رکھنے والی وہ لذتیں اور نعمتیں جو کہ اس غفلت بھری ہولناک حالت کی وجہ سے ایک تنگ سے دائرے میں سکڑ کر رہ گئی ہیں بلکہ ہلاک ہو چکی ہیں۔ ایمان کے نور نے اُس تنگ دائرے کو اچانک میرے دل کے اردگرد وسیع تر کر دیا، اتنا وسیع کہ اس نے کائنات کو اپنے اندر سمو لیا۔ اور اس نور نے دارِ دنیا و دارِ آخرت کو "خورخور" کے مدرسے کے باغیچے میں سوکھ جانے والی اور لذت کھودینے والی نعمتوں کے بدلے میں دنیا اور آخرت اور رحمت کے دو دسترخوانوں کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نور نے انسان کے سمع و بصر و قلب جیسے دس نہیں بلکہ سینکڑوں اعضاء وحواس کو تبدیل کر کے انہیں لمبے لمبے ہاتھوں کا روپ دے دیا ہے جو رحمان کی نعمتوں سے بھرے ہوئے ان دسترخوانوں کی طرف دراز ہو رہے ہیں اور ہر مومن

(حاشیہ:۱) جیسے زلزلہ آندھی، طوفان، طاعون اور آگ وغیرہ۔ مؤلف۔

Marfat.com

کے درجے کے مطابق ہر طرف سے نعمتوں کو اکٹھا کرتے چلے جار ہے ہیں۔ پس اس بلند حقیقت کو بیان، اور اس بے شمار نعمتوں کے مقابلہ میں شکر کیلئے میں نے اسوقت اسطرح کہا تھا: " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نُورِ الْإِيْمَانِ الْمُصَوِّرِ لِلدَّارَيْنِ، سُفْرَتَيْنِ مَمْلُوْءَ تَيْنِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالرَّحْمَةِ، لِكُلِّ مُؤْمِنٍ حَقًّا يَسْتَفِيْدُ مِنْهُمَا بِحَوَاسِهِ الْكَثِيْرَةِ الْمُنْكَشِفَةِ بِاِذْنِ خَالِقِهٖ" یعنی میں اپنے اُس خالق کی تعریف کرتا ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے میرے وجود کے تمام ذرّات سمیت دنیا کی وسعت کے برابر_ بشرطیکہ میں خود ایسا کر سکوں_ وہ ایمان عطا کر دیا ہے جو مجھے اپنے نور کی نعمت سے یہ دکھاتا ہے کہ دنیا اور آخرت نعمتوں اور رحمتوں سے بھرے ہوئے ہیں، اور جو حقیقی مومنوں کے نورِ ایمان کی طفیل منکشف اور نورِ اسلام کی برکت سے منبسط تمام حواس کے ہاتھوں سے ان دونوں عظیم الشان دستر خوانوں سے فائدہ اُٹھانے کی ضمانت دیتا ہے۔

ایمان جب اس دنیا میں اس قسم کی عظیم الشان تاثیریں چھوڑتا ہے تو پھر یہ بات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ عنقریب دارالبقا میں بھی اس کے بڑے عظیم الشان ثمرات وفیوضات ہوں گے۔ اتنے عظیم الشان کہ اس دنیا میں پائی جانے والی عقل کے ساتھ نہ تو اُن کا احاطہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ زبان وبیان کی گرفت میں آسکتے ہیں۔

پس اے وہ سالخوردہ بھائیو اور بہنو جو کہ اس بڑھاپے کی وجہ سے میری طرح بہت سے احباب کی جدائی کے صدمات سے دوچار ہیں! میرا خیال ہے کہ تم میں سے سب سے زیادہ بوڑھا اگرچہ عمر میں مجھ سے بڑا ہے، لیکن میں معنوی طور پر اس سے زیادہ بوڑھا ہوں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ: میری فطرت میں اپنے ابنائے جنس کے لیے رقتِ قلبی اور ہمدردی و دردمندی کے جذبات واحساسات بہت زیادہ رکھ دیے گئے ہیں اس لیے اس شفقت ومہربانی کی وجہ سے مجھے_ اپنے دکھوں کے علاوہ_ اپنے ہزاروں بھائیوں کے دکھوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسی بنا پر میں ایسے بوڑھا لگتا ہوں جیسے کہ کئی سو سال جی چکا ہوں۔ لیکن تم لوگوں نے جدائی کے کیسے بھی صدمے کیوں نہ اُٹھائے ہوں بہر کیف تمہارا واسطہ ایسے دکھوں سے کبھی نہ پڑا ہوگا جو میں نے جھیلے ہیں۔ میرا نہ تو کوئی بیٹا ہے کہ صرف اُس کی فکر دامن گیر رہے، اس لیے میں اس شفقت اور خود میں پائے جانے والے دُکھ درد کو بہت زیادہ محسوس کرنے والے اس فطری جذبے کی وجہ سے مسلمانوں کے ہزاروں بیٹوں، بلکہ معصوم حیوانات کے لیے دکھ درد اور رقتِ قلبی کا احساس رکھتا ہوں۔ اور میرا کوئی خاص گھر بھی نہیں ہے کہ اپنی ساری سوچ فکر اس میں منحصر کرلوں، بلکہ اسلامی غیرت کے نقطۂ نظر سے میرا تعلق اس وطن اور عالم اسلام کے براعظم کے ساتھ ایسے ہی ہے جیسے اپنے گھر کے ساتھ ہوتا ہے، اِس لیے میں ان دونوں بڑے گھروں میں رہنے والے اپنے دین کے بیٹوں کے دکھوں سے دکھی ہوتا ہوں اور ان کی جدائی کا غم اُٹھاتا ہوں۔

لیکن ایمان کا نور مجھے اپنے بڑھاپے اور جدائی کے مصائب وآلام سے جنم لینے والے تمام تاثرات کے لیے کافی

Marfat.com

ہو گیا۔ اُس نے مجھے ختم نہ ہونے والی تسلی، نہ بجھنے والی روشنی اور کبھی نہ ٹوٹنے والی آس اور ایک غیر منقطع اُمید عطا کر دی۔

پس اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایمان تمہارے لیے بڑھاپے سے جنم لینے والے دکھوں، دردوں، غفلتوں اور دیگر ظلمات و اثرات کے لیے کافی ہے۔ اور وہ وحشت خیز، بے نور اور تاریک بڑھاپا کہ جس میں روشنی اور تسلی نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور المناک اور دہشت خیز فراق کہ جس میں سکون نامی کوئی چیز نہیں۔ ایسا بڑھاپا اور ایسا فراق صرف اہلِ ضلالت وحماقت کا ہوتا ہے۔ اور وہ ایمان، اُمید، روشنی اور تسلی عطا کرتا ہے، اُس کا ذائقہ اور احساس صرف اُس کی تاثیروں سے ہوتا ہے، یعنی وہ ایسا طور طریقہ اپنائے جو شعور وادراک میں رہے اور اسلام کے مطابق اور بڑھاپے کے شایانِ شان عبادت کرے۔ جوانوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے تکلف میں نہ پڑے اور اُن کی سرمستیوں میں ڈوب کر اپنے بڑھاپے کو بھول نہ جائے۔ اور اس مفہوم میں وارد ہونے والی اس حدیث شریف کو یاد رکھو: " خَيْرُ شَبَابِكُمْ مَنْ تَشَبَّهَ بِكُهُولِكُمْ وَ شَرُّ كُهُولِكُمْ مَنْ تَشَبَّهَ بِشَبَابِكُمْ اَوْ كَمَا قَالَ ﷺ۔" مطلب یہ ہے کہ: تمہارے بہترین جوان وہ ہیں جو سکون، وقار اور عصیان کاریوں سے بچ کر رہنے میں بوڑھوں کے مشابہ ہیں۔ اور تمہارے بدترین بوڑھے وہ ہیں جو سفاہت وحماقت میں اور غفلت میں غرق ہو جانے میں جوانوں جیسا بننے کا تکلف کرتے ہیں۔

پس اے میرے عمر رسیدہ بھائیو اور بہنو! ایک حدیث میں کچھ اس طرح وارد ہوا ہے: ایک ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچا ہوا مومن جب اللہ کے دربار میں دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو رحمت الٰہیہ کو وہ ہاتھ خالی واپس کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ رحمتِ الٰہیہ جب تمہارا اس قدر احترام کرتی ہے تو تم بھی اس کے اس احترام کا اپنی عبودیت کے ساتھ احترام کرو۔

چودھویں اُمید:

چوتھی شعاع جو کہ آیتِ کریمہ: " حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ " کی تفسیر ہے، اس کے آغاز میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اہلِ دنیا نے ایک دور میں مجھے ہر چیز سے محروم کر دیا جس کی وجہ سے میں پانچ قسم کی اجنبیتوں سے دوچار ہو گیا۔ اُس وقت سب سے پہلے میرا دھیان اپنے دل کی طرف گیا اور پھر میں نے اپنی روح کو ٹٹولا، لیکن اس "انقباض" سے جنم لینے والی غفلت کی وجہ سے میرا دھیان "رسائل نور" کے تسلی بخش اور مددگار انوار کی طرف نہ جا سکا۔ قلب و روح کو ٹٹولنے سے مجھے پتا چلا کہ مجھ پر بقا کا انتہائی مضبوط عشق، وجود کی انتہائی شدید محبت، زندگی کا بہت زیادہ اشتیاق، غیر محدود عجز اور لا انتہا فقر بُری طرح غالب آ چکا ہے، حالانکہ ایک دہشت ناک فنا، اس بقا کو بُجھا دینے کے درپے ہے۔ میں نے اپنی اس حالت پر ایک دل جلے شاعر کی طرح کہا:

دل بقاسی، حق فنا سی ایستدی ملکِ تنم

Marfat.com

بِر دوا سِز در ده دو شدم، آه که لقمان بے خبر

اور نا اُمید سا ہو کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ تب اچانک آیتِ کریمہ: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ نے میری مدد کی اور مجھے کہا: مجھے پورے غور و فکر کے ساتھ پڑھو، چنانچہ میں نے اسے ایک دن میں پانچ سو مرتبہ پڑھا، اور جب بھی پڑھتا تھا اس کے انوار ہویدا ہوتے تھے، چنانچہ مجھ پر اُس کے بہت سے قیمتی انوار میں سے فقط علم الیقین کے ساتھ نہیں، بلکہ عین الیقین کے ساتھ نو عدد ''حسبی'' مراتب کا انکشاف ہو گیا۔

پہلا ''حسبی'' نوری مرتبہ:

میرے اندر جو بقا کا عشق پایا جاتا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ مجھ میں ''بقا'' موجود ہے بلکہ اس لیے کہ میری ماہیت میں اُس جلیلِ کامل؛ صاحبِ کمالِ مطلق اور ۔ بغیر کسی سبب کے ۔ بذاتہ محبوب ہستی کے اسمائے گرامی میں سے کسی اسم کی تجلّی کا پرتو پایا جاتا ہے، لیکن ہُوا یہ کہ اپنا رُخ اُس کاملِ مطلق اور اس کے کمال اور اس کی بقا کی طرف رکھنے والی میری فطری محبت غفلت کے سبب اپنے راستے سے بھٹک گئی اور سائے کے ساتھ چمٹ گئی اور آئینے کی بقا کے ساتھ عشق کر بیٹھی۔ تب آیت کریمہ: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ نے آ کر پردہ اُٹھا دیا، اور میں نے حق الیقین کے طور پر دیکھ لیا، محسوس کر لیا اور چکھ لیا کہ:

بقا کی لذت و سعادت بعینہٖ بلکہ اس سے بھی افضل ترین اور کامل ترین صورت میں اس باقی رہنے والی اور کامل ہستی کی بقا میں، میرے اس یقین میں، اس ایمان میں اور اس تصدیق میں موجود ہے کہ وہ میرا پروردگار ہے اور میرا اللہ ہے۔ اس چیز کے دلائل وضاحت کے ساتھ ''حسبی نامی'' رسالے میں بارہ عدد براہین کے ساتھ اور انتہائی گہرے اور دقیق ایمانی شعور کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

دوسرا ''حسبی'' نوری مرتبہ

فطرت میں پائی جانے والی بے حد عاجزی و درماندگی کے ساتھ ساتھ بڑھاپے، اجنبیت، تنہائی اور ہر اس چیز سے محروم ہو جانے کی حالت میں اہلِ دنیا نے مجھ پہ جب اپنی سازشوں اور جاسوسیوں کا دھاوا بول دیا تو میں نے اپنے دل میں کہا؛ ایک پورا لشکر ایک اکیلے مریض، کمزور اور ہاتھ بندھے انسان پر حملہ آور ہو چکا ہے۔ کیا میرا کوئی نقطہ استناد اور جائے اعتماد نہیں ہے؟ تب میں نے آیتِ کریمہ: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کی طرف رجوع کیا☆ تو اس آیت نے مجھے یہ بتایا کہ؛ تُو ایمان کی دستاویز کے ذریعے ایک ایسے قدیرِ مطلق سلطان کی طرف منسوب ہے جو کمال انتظام کے ساتھ سطح زمین پر ہر موسمِ گل میں چار لاکھ قوموں اور اُمتوں سے تشکیل پائے ہوئے حیوانات و نباتات کے لشکروں کو اُن کے تمام آلات و اعضاء مہیا کرنے کے ساتھ ان تمام حیوانات کے تمام عظیم لشکروں کو اور ان میں سرِ فہرست انسان کو تمام انواع و

Marfat.com

اقسام کے کھانوں پر مشتمل رزق اُن رحمانی خلاصہ جات کی صورت میں کمال انتظام کے ساتھ مہیا کرتا ہے جنہیں بیج اور گٹھلیاں کہا جاتا ہے۔ گوشت، چینی اور دیگر کھانوں کے خلاصہ جات کی طرح نہیں جن کا انکشاف ان آخری زمانوں میں شہری لوگوں نے کیا ہے بلکہ ان شہری خلاصہ جات سے سو درجے زیادہ کامل ہیں پھر وہ انہیں ایسے غلافوں میں لپیٹ دیتا ہے جو اُن کے پکنے، پھلنے پھولنے اور نشوونما پانے کے لیے سازگار ہوتے ہیں اور انہیں چھوٹی چھوٹی ڈبیوں اور چھوٹے چھوٹے صندوقوں میں بند کر کے محفوظ کر دیتا ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے صندوق امرِ کُن میں پائے جانے والے کاف ونون، کے کارخانے میں انتہائی سُرعت اور انتہائی سہولت کے ساتھ تیار کیے جاتے ہیں چنانچہ قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

پس اگر تیرے پاس ایمان کی طرف منسوب ہو جانے کی ٹکٹ کی طفیل اس طرح کا نقطۂ استناد موجود ہے تو پھر تُو ایک غیر محدود قوت اور قدرت کا سہارا لے سکتا ہے۔ میں آیتِ کریمہ سے یہ درس حاصل کرتے ہوئے ایک ایسی معنوی قوت کا مالک بن گیا جس سے مجھے محسوس ہوا کہ میں فقط اپنے موجودہ دشمنوں کو ہی نہیں بلکہ سارے جہاں کو چیلنج کر سکتا ہوں۔ تب میں نے اپنی رُوح کی گہرائیوں سے کہا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

تیسرا ''حسبی'' نوری مرتبہ

مجھ پر جب بیماریوں کی گلوگری رنگارنگ کی غربت واجنبیت اور انواع واقسام کے مظالم کا سلسلہ شدید تر ہو گیا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے تعلقات دنیا سے کٹ رہے ہیں اور ایمان میری یہ رہنمائی کر رہا ہے کہ تو کسی دیگر ابدی دنیا کے لیے اور ہمیشہ رہنے والی مملکت اور دائمی سعادت کے لیے نامزد ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس دوران میں نے ہر اُس چیز کو خیر آباد کہہ دیا جس سے حسرت ٹپکتی ہو اور وہ مجھے ہائے وائے اور اُف اُف کرنے پر مجبور کر سکتی ہو۔ اور اس کی بجائے میں نے ہر اُس چیز کو اپنا لیا جو خیر و برکت اور فرح وسرور کی خوشخبری دیتی ہو اور مجھے دائمی حمد وثنا میں مصروف رکھتی ہو۔

لیکن یہ غرض وغایت جو کہ خیال کی غرض وغایت ہے، روح کا ہدف ہے اور فطرت کا نتیجہ ہے۔ ایسی غرض وغایت کا مستحق ہونا صرف اس قدیرِ مطلق کی غیر محدود قدرت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ جو کہ اپنی مخلوقات کے قول وفعل کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام اعمال واحوال وحرکات وسکنات کا علم رکھتا ہو اور انہیں ریکارڈ میں رکھتا ہو۔ وہ قدیرِ مطلق جس نے اس عاجز اور چھوٹی سی نوعِ انسانی کو اپنا مخاطب اور خلیل بنایا ہے اور اسے تمام مخلوقات سے بلند مقام عطا کیا ہے۔ اور ایسی غرض وغایت صرف اسی صورت میں محقق ہو گی کہ جب وہ انسان کو غیر معمولی اہتمام بخشے اور اس کے ساتھ انتہائی لطف وعنائت کا برتاؤ کرے۔

میں جب ان دو نقطوں یعنی غیر محدود قدرت کی فعالیت اور بظاہر بے قیمت نظر آنے والے انسان کی حقیقی قدر و قیمت

Marfat.com

اور اہمیت کے بارے میں غور کر رہا تھا، تو اس وقت مجھے ان دو لفظوں کے بارے میں ایسی وضاحت کی طلب ہوئی جس سے ایمان آشکار اور دل مطمئن ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اس ضمن میں بھی اسی آیتِ کریمہ کی طرف رجوع کیا تو اُس نے مجھے حکم دے کر کہا ''حسبنا'' میں پائی جانے والی ضمیر ''نا'' میں غور کرو اور سنو وہ کون ہیں جو تمہارے ساتھ مل کر زبانِ حال و زبانِ قال سے کہتے ہیں: ''حسبنا''؟ پس میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ غیر محدود پرندے اور اڑنے والے چھوٹے چھوٹے حشرات اور بے حساب حیوانات اور غیر محدود نباتات اور بے شمار درخت میری ہی طرح زبان حال کے ساتھ معنوی طور پر ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کے معنی کو یاد کر رہے ہیں اور یہ معنی ہر کسی کو یاد کروا رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ باور کرا رہے ہیں کہ ان کا ایک ایسا کفیل ہے جو ان کی زندگی کی تمام شرائط کی کفالت کرتا ہے۔ اور ایک قدرت ہے جو کہ ہر دور میں اور خاص کر موسمِ گل میں انتہائی کثرت اور سہولت کے ساتھ انتہائی وسیع دائرے میں بغیر خطا و نقصان والتباس کے پرندوں کی لاکھوں انواع، حیوانات کی لاکھوں اجناس، نباتات کی لاکھوں اقسام اور درختوں کی لاکھوں اصناف پیدا کرتی ہے، اور انہیں باہم مشابہت رکھنے والے متحدّ المواد انڈوں سے، باہم مماثلت رکھنے والے قطروں سے، ہم جنس دانوں سے اور ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھنے والی گٹھلیوں سے پیدا کرتی ہے۔ اور ان چیزوں کو وہ ہماری آنکھوں کے سامنے اس حالت میں پیدا کرتا ہے کہ وہ انتہائی مزیّن، موزوں، ایک دوسرے سے مختلف، جدا جدا اور امتیازی حیثیات کی مالک ہوتی ہیں۔ پس میں اس سے یہ بات سمجھ گیا کہ وہ ان چیزوں کو، باہم متحد، متشابہ، باہم متداخل حالت میں اور اسی طرح حشمت، عظمت اور قدرت کے دائرے میں ایک ہی طرز پر پیدا کر کے ہمیں اپنی وحدت اور اَحدیت کا دیدار کراتا ہے۔ اور ہمیں اس بات کی جانکاری دیتا ہے کہ خلّاقیت کا یہ تصرّف اور ربوبیت کا یہ فعل جو کہ اس طرح کے غیر محدود معجزات کو نمایاں کر رہے ہیں، ان دونوں میں اشتراک اور مداخلت ممکن نہیں۔

پس جو شخص میری انسانی ماہیت کو اور ذاتی شناخت کو سمجھنا چاہتا ہے _ جیسے کہ ہر مومن کی کوئی ماہیت اور شناخت ہوتی ہے _ اور جو مجھے سمجھ کر میرے جیسا ہونا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ﴿حسبنا﴾ میں پائی جانے والی جمع کی ضمیر ''نا'' کے اندر پائی جانے والی ضمیر ''اَنا'' میں غور کرے، جس کا مطلب ہے میری ذات۔ اور پھر یہ بات سمجھ جائے کہ دوسرے کسی بھی مومن کے وجود کی طرح میرا وجود کیا ہے جو کہ فقیر حقیر اور بے قیمت نظر آتا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ اللہ کی معرفت کیا ہے؟ اس کے ساتھ محبت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اِس سے سبق حاصل کر لے۔

چوتھا ''حسبی'' نوری مرتبہ

بڑھاپے، اجنبیت، بیماری اور بے بسی و بے کسی جیسے دیگر عوارض جنہوں نے میرے بدن کو ہلا کر رکھ دیا تھا، مجھے اتفاق سے یہ ان دنوں پیش آئے جن دنوں مجھ پر غفلت کا دور دورہ تھا، چنانچہ انہوں نے مجھے المناک گھبراہٹ میں ڈال دیا، اس

Marfat.com

طرح کہ میرا وہ وجود جس کا میں گرویدہ ہوں اور جس کے ساتھ میرا گہرا تعلق ہے، میرا وہ وجود بلکہ تمام مخلوقات کا وجود عدم کی طرف چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ مجھے اس سے بہت زیادہ دکھ محسوس ہوا اور میں نے دوبارہ ''حسبی'' والی اسی آیت کی طرف رجوع کیا تو اُس نے مجھے کہا: میرے معنی میں غور کرو اور اسے ایمان کی دوربین سے دیکھو۔ میں نے اُس کی طرف نظر کی تو ایمان کی آنکھ سے دیکھا کہ:

میرا یہ وجود جو کہ تمام مومنوں کے وجود کی طرح ایک چھوٹے سے ذرّے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، ایک غیر محدود وجود کا آئینہ اور انتہائی خوشی و شادمانی کے ساتھ کسی وجود کی غیر محدود انواع کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ اور میرا یہ وجود ایک کلمۂ حکمت ہے جو کہ وجود کی ایسی متعدد انواع کو جنم دیتا ہے جو اس وجود سے بہت زیادہ بیش قیمت اور باقی رہنے والی ہیں۔

اور مجھے اس بات کا بھی علم الیقین ہو گیا کہ اس وجود کا صانع کی طرف منسوب ہونے کی جہت سے ایک لمحے کے لیے زندگی گزارنا ایک ابدی وجود کی بلند ترین قدر و قیمت کا حامل ہونا ہے، کیونکہ مجھے ایمانی شعور کے ذریعے اس بات کا علم ہو گیا کہ میرا یہ وجود'' واجبُ الوجود '' کا ایک نشان، اس کی صنعتگری اور اس کا ایک جلوہ ہے، تو اس وقت میں انواع و اقسام کے ہجر و فراق کے لامحدود آلام و مصائب سے اور وحشتناک اوہام سے نجات پا گیا۔ اور مجھے اس بات کا بھی علم ہو گیا کہ ایک عارضی فراق کی تہ میں اُن تمام موجودات کے ساتھ دائمی وصال پایا جاتا ہے جن کے ساتھ مجھے محبت ہے اور جن کے ساتھ میں موجودات _ اور خاص کر ان میں سے ذی حیات _ کے ساتھ تعلق رکھنے والے اسمائے الٰہیہ کی تعداد کے برابر اخوت کے بندھنوں کے سبب سے مناسبت رکھتا ہوں۔ تب میرا یہ وجود ہر مومن کے وجود کی طرح کسی بھی فراق کے بغیر ایمان اور اس میں پائے جانے والے انتساب کے طفیل وجود کے لامحدود انوار کے ذریعے کامیاب ہو جائے گا۔ پس میرا وجود اگر چلا بھی جائے تو بھی ایسے ہی مسرور ہوگا کہ گویا وہ بنفسہٖ کلی طور پر موجود ہے۔؛ کیونکہ وجود کی وہ انواع اُس کے پیچھے باقی رہیں گی۔

الحاصل: موت فراق نہیں ہے، تبدیلِ مکان ہے، وصال اور ابدی پھل پیدا کرنے کا نام ہے۔

پانچواں ''حسبی'' نوری مرتبہ

پھر مجھ پر ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ میری زندگی بہت ہی ثقیل شرائط کے تحت متزلزل تھی۔ چنانچہ ان حالات نے میری توجہ اپنی زندگی اور اپنی عمر کو ذرا دقیق نظری سے دیکھنے کی طرف کر دی۔ تو میں نے دیکھا کہ: میری عمر بھاگتی جا رہی ہے اور آخرت تک جا پہنچی ہے، اور میری زندگی سختیوں کے نیچے دبی ہوئی بجھنے کے قریب جا پہنچی ہے۔ لیکن زندگی کے اہم ترین وظائف، اُس کی عظیم الشان امتیازی خصوصیات اور اس کے بیش قیمت فوائد کو جن کی وضاحت اسمِ گرامی ''الحیّ'' کے

Marfat.com

بارے میں بحث کرتے ہوئے بیان کی گئی ہے، ان کا تعلق اس کے بہت جلد بجھ جانے کے ساتھ نہیں بلکہ وہ ایک طویل زندگی کے شایانِ شان ہیں۔ اس چیز کا تصور میں نے پورے غم واندوہ کے ساتھ کیا۔ پس میں نے پھر آیت کریمہ: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کی طرف رجوع کیا جو کہ میری اُستاد ہے، تو اُس نے مجھے کہا: زندگی کی طرف اُس ''الحی القیوم'' کے زاویے سے دیکھو جس نے تجھے زندگی ہبہ کی ہے۔ میں نے زندگی کی طرف اس نظر سے دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ: اگر زندگی کے ایک چہرے کا رُخ میری طرف ہے تو اُس کے سو چہروں کا رُخ ''الحی القیوم'' کی طرف ہے۔ اس کا ایک نتیجہ اگر میری طرف لوٹتا ہے تو ایک ہزار نتیجے خالق کی طرف لوٹتے ہیں۔ بنابریں، اللہ کی رضامندی میں ایک آن میں صَرف ہونے والا زندگی کا صرف ایک لمحہ ہی کافی ہے۔ اس لیے لمبے زمانے کی کوئی ضرورت نہیں اس حقیقت کی وضاحت ''چوتھی شعاع'' میں چار مسائل کی صورت میں کی جائے گی۔ پس جو لوگ مردہ نہیں ہیں، یا زندہ رہنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ زندگی کی ماہیت وحقیقت اور اس کے حقیقی حقوق ان چار مسائل میں تلاش کریں۔ اُسے حاصل کریں۔ اور زندگی سے ہمکنار ہو جائیں۔

ان کا خلاصہ یہ ہے کہ: زندگی کی نظر جب ''الحی القیوم'' پر ہو گی اور ایمان زندگی کے لیے زندگی اور رُوح کا رُوپ دھار جائے گا، تب زندگی بقا سے ہمکنار ہو جائے گی اور بقا بدوش ثمرات عطا کرے گی۔ پھر یہ اتنی بلندیوں پر پہنچ جائے گی کہ سرمدیت کی تجلی حاصل کرلے گی۔ تب عمر کے چھوٹے یا لمبے ہونے کی طرف نہیں دیکھا جائے گا۔

چھٹا ''حسبی'' نوری مرتبہ

میرے خصوصی ہجر و فراق کو یاد دلانے والے بڑھاپے کے سبب اور عمومی ہجر و فراق کے وقت دنیا کی ویرانی و بربادی کی خبر دینے والے آخری زمانے کے حادثات و واقعات کے دوران، اور میری عمر کے آخری حصے میں میری غیر معمولی حساسیت کی وجہ سے، جب میری فطرت میں پائے جانے والے کمالات کے گرویدہ احساسات اور حسن و جمال کے عشق کا انکشاف ہوا، تو میں نے غیر معمولی تاثیر و شعور کی بنا پر دیکھا کہ: دائمی طور پر تباہ و برباد کرنے والے زوال و فنا، اور ہمیشہ جدائی ڈال دینے والی موت اور عدم اس خوبصورت دنیا کو اور ان پیاری مخلوقات کو زیر و زبر کرتے رہتے ہیں، اسے پارہ پارہ کر دیتے ہیں اور ان کی خوبصورتیوں کو انتہائی بدصورت طریقے سے خراب کر دیتے ہیں۔ مجھے اس صورت حال پر جب بہت زیادہ دُکھ ہوا اور میری فطرت میں پایا جانے والا مجازی عشق، اس صورتِ حال پر بھڑک اُٹھا اور اس نے پوری شدت سے اس کا انکار کر دیا تو میں نے تسلی کا کوئی وسیلہ پانے کے لیے پھر اسی ''حسبی'' والی آیتِ کریمہ کی طرف رجوع کیا، تو اُس نے مجھ سے کہا: مجھے پڑھو اور میرے معنی میں غور کرو۔ چنانچہ میں سورۂ نور کی آیت ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ کی رصدگاہ میں داخل ہو گیا اور وہاں میں نے ایمان کی دوربین سے حسبی والی آیت کے بعید ترین طبقات

Marfat.com

کی طرف اور شعورِ ایمان کے مائکروسکوپ سے اس کے دقیق ترین اسرار کی طرف نظر دوڑائی تو دیکھا کہ: جس طرح آئینے، کانچ کے ٹکڑے، شفاف اشیاء حتی کہ بلبلے سورج کی روشنی کے مخفی اور مختلف قسم کے جمال کو اور اس کے سات رنگوں کے گوناگوں محاسن کو ظاہر کرتے ہیں اور اپنے نئے نئے پن کے ساتھ اس حسن و جمال کو نت نیا رکھتے اور اسے حرکت میں رکھتے ہیں۔ اور اپنی قابلیتوں اور مختلف شکستگیوں کے ذریعے سوچ، اس کی روشنی اور اس کے سات رنگوں کے مخفی محاسن کا بہت خوبصورت اظہار کرتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح یہ پاکیزہ مصنوعات، پیاری پیاری مخلوقات اور خوبصورت موجودات بغیر کسی وقفے کے آتی جاتی ہیں تا کہ اُس آفتابِ ازل و ابد جمیل و جلیل ہستی کے قُدسی جمال اور اس کے لا انتہا اَسمائے حسنیٰ کے سرمدی محاسن کے آئینے بن جائیں اور یوں اُن کی تجلیاں ہمہ وقت نو بہ نو ہیں۔ اور ان موجودات میں جو محاسن اور جو حسن و جمال کے مظاہر پائے جاتے ہیں وہ ان کی ملکیت نہیں بلکہ وہ ایک منزّہ اور مجرّد حسن کی تجلیات، لمعات، علامات اور اشارات ہیں، وہ حسنِ مجرّد ہمیشہ تجلّیاں بکھیرتا ہے اور ان تجلیات کے ذریعے اپنا مشاہدہ کروانا چاہتا ہے۔ اور یہ ایک مقدس سرمدی جمال کی تجلیات ہیں جو ہمیشہ ظہور چاہتا ہے۔ رسائل نور میں اس حقیقت کے بہت سے قوی دلائل کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے۔ اور خاص کر اس رسالے میں جس کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے: اس مقام پر ہم انتہائی مختصر اور معقول صورت میں تین براہین کا ذکر کریں گے۔ (حاشیہ:۱) چنانچہ ذوقِ سلیم رکھنے والے لوگوں میں سے جو بھی اس رسالے کو دیکھتا ہے حیرت زدہ رہ جاتا ہے، بلکہ وہ بذاتِ خود استفادہ کرنے کے بعد لازماً دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور خاص کر دوسری برہان جس میں مذکورہ پانچ نقاط کی وضاحت کی گئی ہے۔ پس جس کی عقل فاسد اور قلب زنگ آلود نہ ہو گیا ہو، وہ ان نقاط کو سراہتے ہوئے، ان کی قدر کرتے ہوئے، ان کی دادِ تحسین دیتے ہوئے اور ان کو درست قرار دیتے ہوئے بہر کیف کہے گا: ماشاء الله ۔۔۔ تبارک الله ۔۔۔ اور اپنے اس وجود کو جو بظاہر فقیر اور حقیر نظر آ رہا ہے بلند سمجھے گا اور اس بات کا ادراک کر لے گا کہ اس کا وجود ایک خارقِ عادت معجزہ ہے۔ اور وہ اس بات کی تصدیق کرے گا۔

پندرہویں اُمید (حاشیہ:۲)

میں جن دنوں ''امیر داغ'' میں رہائش کے لیے مجبور تھا اور اپنے کمرے میں قیدِ تنہائی سے دوچار تھا، حکومت کی طرف سے کڑی نگرانی، جاسوسی اور بے جا تشدّد کی وجہ سے بڑے دُکھ سہتا تھا، جس کی وجہ سے میں زندگی سے بیزار ہو گیا اور مجھے...

(حاشیہ:۱) اس سے مراد چوتھی شعاع کا چھٹا نوری مرتبہ ہے۔ مترجم۔

(حاشیہ:۲) رسائل نور کی تالیف کی مُدت آج سے تین سال قبل ختم ہو گئی تھی۔ اس مقام پر پندرہویں اُمید اس لیے لکھی گئی ہے تا کہ وہ ''بوڑھوں کے نام پیغام'' والے اس لمعے کی مستقبل میں تکمیل کے لیے کسی طالب نور کے لیے مصدر اور مأخذ کا کام دے سکے۔ مؤلف۔

Marfat.com

جیل سے نکلنے کا افسوس ہونے لگا: اور دل وجان سے ''دنیزلی'' کی جیل کی تمنا کرنے لگا اور قبر میں جانے کی آرزو میں رہنے لگا۔ چنانچہ اس دوران جب میں اس بات کا عزم کر چکا تھا کہ اب یا قبر میں جاؤں گا یا جیل میں؛ کیونکہ قبر اور جیل اس طرح کی زندگی سے کہیں بہترین ہیں۔ کہ اچانک عنایتِ الٰہیہ میری مدد کے لیے لپکتی ہوئی آئی، چنانچہ مجھے ایک رونیو مشین مل گئی جو کہ انہی دنوں میں ''مدرسة الزهرا'' کے ان طالب علموں کی وساطت سے ملی کہ خود جن کی قلمیں ہی رونیو مشین کی طرح ہیں۔ اس مشین کے ذریعے رسائل نور کے قیمتی مجموعے کے ایک ہی قلم کے ساتھ یکبارگی پانچ سو نسخے نکلنے لگے، تب عنایتِ الٰہیہ ظہور میں آنے والی رسائل نور کی ان فتوحات کی وجہ سے مجھے قلق واضطراب سے بھری زندگی سے پیار ہونے لگا اور میں اللہ کا بے شمار شکر ادا کرنے لگا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد رسائل نور کے خفیہ دشمنوں کے لیے یہ فتوحات ناقابل برداشت ہوگئیں، چنانچہ اُنہوں نے حکومت کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا۔

اور یوں زندگی ایک بار پھر بوجھل ہونا شروع ہوگئی۔ پھر اچانک عنایتِ الٰہیہ ایک دفعہ پھر جلوہ گر ہوئی۔ اور وہ اس طرح کہ حکومت کے اُن ذمہ داروں نے ـ جو کہ رسائل نور کے بہت زیادہ محتاج ہیں ـ اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی خاطر اُن رسائل کا پورے غور وفکر اور اہتمام کے ساتھ مطالعہ شروع کر دیا جن پر پابندی لگ چکی تھی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسائلِ نور نے اُن کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور یوں اُن کے ناقدانہ رویّے کی بجائے قدر دارانہ رویے کی بنا پر نوری مدارس کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ اور اس طرح اس رویے کے نتیجے میں جو نفع ظہور میں آیا وہ ہمیں پہنچنے والے مادی نقصان سے سو درجے زیادہ تھا اور ہمارا قلق واضطراب بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

پھر خفیہ منافق دشمنوں نے حکومت کی نظر میری ذات کی طرف پھیر دی اور اسے میری سابقہ سیاسی زندگی کی طرف متوجہ کر دیا اور عدلیہ، ایجوکیشن اتھارٹی، پولیس اور وزارتِ داخلہ کے محکموں میں شکوک واوہام پھیلا دیے اور کمیونزم اور دیگر مختلف سیاسی پارٹیوں کے پردے میں کام کرنے والے قانون شکن ہنگامہ پرداز شورش پسندوں کے ہوا دینے کی وجہ سے یہ دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ بنا بریں، حکومت نے ہم پر سختیاں کیں اور ہمیں گرفتار کر لیا۔ اور رسائل نور کے جتنے نسخے اُن کے ہاتھ لگے انہیں ضبط کر لیا۔ اس سے طلاب نور کی سرگرمیوں میں تعطل آ گیا۔

اور کچھ ذمہ دار سرکاری ملازموں نے یہاں تک کیا کہ میری شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کچھ ایسے عجیب وغریب قسم کے پروپیگنڈے کیے اور ایسی ایسی افتراپردازیاں کیں کہ جنہیں کوئی بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، لیکن وہ ناکام رہے اور کسی کو بھی قائل نہ کر سکے۔ پھر بایں ہمہ اُنہوں نے مجھے شدید ترین سردی کے دنوں میں انتہائی کمزور دلیلوں کے بل پر گرفتار کر کے مجھے اکیلے کو دو دن کے لیے ایک بہت بڑے لیکن انتہائی ٹھنڈے کمرے میں ڈال دیا جہاں آگ جلانے کے لیے

(حاشیہ: ا) اس سے مراد آفیون کی جیل سے جہاں استاد نورسی 1948 میں قید رہے۔ مترجم۔

Marfat.com

کوئی انگیٹھی بھی نہیں تھی حالانکہ میرے متعلق سب کو پتا تھا کہ میں اپنے چھوٹے سے کمرے میں دن میں کئی بار آگ سلگاتا تھا اور میرے کمرے میں آگ کا انتظام ہمیشہ رہتا تھا، کیونکہ میں ضعف پیری اور بیماری کی وجہ سے سردی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پھر عین اُس وقت جبکہ میں شدید ذہنی انقباض کی وجہ سے بے قرار اور سردی کی وجہ سے لاحق ہو جانے والے بخار سے دو چار تھا، عنایتِ الٰہیہ سے اچانک میرے دل میں ایک حقیقت کا انکشاف ہو گیا، اور مجھے روحانی طور پر کہا گیا کہ:

تو نے جیل کو ''مدرسۂ یوسفیہ'' کا نام دے دیا ہے۔ اِسی طرح ''دنیزلی'' کی جیل میں تم پر جو ایک وسیع حلقے میں انوار کی فتوحات ہوئی ہیں اور وہاں قیدیوں نے ان انوار سے جو فائدہ اٹھایا ہے اور اس طرح وہاں آپ لوگوں کو جو خوشیاں اور روحانی فوائد حاصل ہوئے ہیں، وہ اِس شدت اور انقباض سے ہزار درجے زیادہ ہیں۔ ان روحانی فوائد نے تمہیں شکوہ شکایت کی بجائے شکر و سپاس کا موقع فراہم کر دیا ہے اور تمہاری قید اور تنگی کی ہر گھڑی کو عبادت کی دس گھڑیوں جیسا بنا دیا ہے۔ اور ان فانی گھڑیوں کو باقی رہنے والی گھڑیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور اس تیسرے مدرسہ یوسفیہ (حاشیہ:۱) میں ان مصیبت زدہ لوگوں نے ان انوار سے جو فائدہ اٹھایا اور حوصلہ پایا ہے، وہ تمہارے اس ٹھنڈے اور بوجھل انقباض کو گرما دے گا اور اسے خوشیوں میں تبدیل کر دے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور وہ لوگ جن پر تم ناراض ہو رہے ہو اور غصہ کھا رہے ہو، وہ لوگ جو تم پر ظلم کر رہے ہیں وہ لوگ اگر فریب خوردہ ہیں تو ظلم و ستم کا یہ ارتکاب وہ بے علمی اور لاشعوری کی وجہ سے کر رہے ہیں، بنا بریں ان پر غصہ کھانا اور ان سے ناراض ہونا مناسب نہیں۔ اور اگر وہ تم پر ظلم و ستم جان بوجھ کر اور اہلِ ضلالت کو خوش کرنے کے لیے ڈھا رہے ہیں، تو پھر وہ عنقریب قبر جیسی تنہائی کی جیل میں جانے والے ہیں بہت جلد ہمیشہ کے لیے معدوم کر دینے والی موت کے ہاتھوں دائمی عذاب سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اور تو ان کے اس ظلم و ستم کی وجہ سے ثواب کمائے گا، معنوی لذتوں سے ہمکنار ہوگا، فنا پذیر گھڑیوں کو بقا پذیر بنا لے گا اور علم و دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ ادا کرنے کا موقع پا لے گا۔ میری روح کو کچھ اسی طرح کی آگاہی ملی۔ تب میں نے پوری قوّت کے ساتھ کہا: الحمد للہ۔ اور مجھے انسانیت کے ناطے سے ان ظالموں کے رویے پر دکھ ہوا۔ چنانچہ میں نے ان کے حق میں دعا کی اور کہا: اے اللہ انہیں ٹھیک کر دے۔

میں نے وزارت داخلہ کو جو تحریری معلومات پہنچائی ہیں ان میں یہ بات دس پہلوؤں سے ثابت کر دی ہے کہ اِن دنوں میں پیش آنے والا یہ حادثہ غیر قانونی ہے، اور یہ کہ قانون کے نام پر سرگرم عمل یہ قانون شکن ظالم لوگ ہی اصلی مجرم ہیں: ان لوگوں نے ایسے بودے دلائل و وسائل اور افترا پردازیوں کا سہارا لیا ہے جو سامعین کو ہنساتے اور حقیقت پسند منصف مزاج لوگوں کو رُلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اہلِ انصاف کے سامنے یہ بات واضح کر دی ہے کہ حق اور قانون کی روشنی میں انہیں

Marfat.com

ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس کے سہارے وہ رسائل نور سے تعرّض کر سکیں یا طلاب نور کو نقصان پہنچا سکیں۔اور یوں وہ پاگل پن کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

مثال کے طور پر: ہماری جاسوسی کرنے والے سرکاری ملازموں کے ہاتھ ہمارے خلاف جب کوئی چیز نہ لگی تو انہوں نے مندرجہ ذیل رپورٹ تیار کی: ''سعید کا ایک خادم شراب کی دکان سے شراب خرید کر اُس کے ہاں لے کر گیا ہے''۔لیکن انہیں اس رپورٹ کی تصدیق کرنے والا کوئی نہ ملا۔پھر انہوں نے ایک مسکین سے نشئی آدمی کو گرفتار کر لیا اور اسے ڈرا دھمکا کر اس رپورٹ پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔لیکن اس نے کہا: توبہ توبہ، اس عجیب وغریب جھوٹ پر کون دستخط کرے گا؟ چنانچہ انہوں نے مجبور ہو کر وہ رپورٹ چاک کر دی۔

دوسری مثال:

ایک آدمی نے _جسے میں نہ جانتا تھا اور نہ ہی اب جانتا ہوں_ مجھے سیر وگردش کے لیے اپنا گھوڑا دیا۔میں ان دنوں بیماری کی وجہ سے گرمیوں کے اکثر دنوں میں ہوا خوری کے لیے گھنٹہ دو گھنٹے چلا پھرا کرتا تھا۔میں نے اس تانگے گھوڑے والے کو اجرت نقدی میں دینے کی بجائے پچاس لیروں کی کتابیں دینے کا وعدہ کیا تھا اس سے غرض یہ تھی کہ میرا اصول بھی نہ ٹوٹے اور مجھے کسی کے زیرِ بارِ احسان بھی نہ ہونا پڑے۔اب اس کام میں کسی بھی طرح کے نقصان کا کوئی احتمال ہے؟ لیکن اس کے باوجود عدلیہ، سیکورٹی اور پولیس نے حتیٰ کہ خود گورنر نے مجھ سے پچاس بار پوچھا کہ وہ گھوڑا کس کا تھا؟ جیسے کہ یہ کوئی بہت بڑا سیاسی واقعہ ہو جس سے نقضِ امن کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو! اور پھر ان لایعنی سوالات کے سلسلے کو ختم کرنے کے لیے ایک آدمی نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ وہ گھوڑا میرا تھا اور دوسرے نے کہا کہ تانگہ میرا تھا۔تو پولیس نے میرے ساتھ ان دونوں کو بھی قید کر لیا۔پس نمونے کی ان دو مثالوں جیسے واقعات پر ہم ان کی بچگانہ حرکتوں سے محظوظ ہوتے رہے اور ہنستے ہوئے روتے رہے۔اور ہمیں اس بات کا پتا چل گیا کہ جو بھی رسائلِ نور اور طلاب نور کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتا ہے، جگ ہنسائی کا باعث بن جاتا ہے۔

ان مثالوں سے متعلقہ ایک لطیف مکالمہ: میری گرفتاری کے وارنٹ میں میرا جرم امنِ عامہ میں خلل اندازی بتایا گیا تھا۔میں نے وارنٹ دیکھنے سے قبل پبلک پراسیکیوٹر سے کہا: کل رات میں نے تمہاری غیبت کی تھی، اور وہ اس طرح کہ: میں نے مدیرُ الامن کی طرف سے آنے والے تفتیشی آفیسر سے تین بار کہا تھا: ''اگر میں نے اس وطن میں ایک ہزار تفتیشی آفیسروں اور ایک ہزار مدیروں کے برابر امن عام کی خدمت نہ کی ہو تو اللہ مجھ پر اپنا قہر نازل کرے۔''

پھر وہ وقت جبکہ مجھے راحت ورامش، سردی سے بچاؤ اور دنیا کے ہموم وغموم سے دور رہنے کی سخت ضرورت تھی، میرا دل ان لوگوں کے خلاف غیر معمولی غیظ وغضب سے بھر گیا جنہوں نے مجھے اس شدید سردی کے موسم میں گرفتار کیا اور مجھے ایک

Marfat.com

شہر سے دوسرے شہر در بدر ہونے کے، قید تنہائی کے، پابندِ سلاسل ہونے کے اور مجھے برداشت سے زیادہ سختی سہنے کے عذاب سے دوچار کیا اور جن کے رویّے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر اور کسی مقصد کے لیے کیا جارہا ہے۔ لیکن عنایتِ الٰہیہ نے میری مدد کی اور میرا دل اس معنی پر متنبہ ہوگیا کہ:

یہ لوگ جو تجھ پر واضح ظلم کر رہے ہیں اُس میں تقدیرِ الٰہی کا بہت بڑا حصہ ہے جو کہ عدل محض ہے، اور تیرا وہ رزق جو کہ اس قید خانے میں ہے، اُسی نے تجھے یہاں بلایا ہے، اس لیے اس کا استقبال تسلیم و رضا کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔

پھر اس میں ربانی حکمت اور رحمت کا بھی ایک بہت بڑا حصہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس جیل کے قیدیوں کو روشن کرنا، انہیں تسلی دینا اور تمہیں ثواب کا حق دار بنانا۔ اس لیے اس نصیبے پر صبر کے ساتھ ساتھ ہزاروں بار شکر کرنا ضروری ہے۔

پھر اس میں تمہارے نفس کا بھی حصہ ہے، کیونکہ وہ کچھ ایسی غلطیاں بھی کرتا ہے جو تیرے علم میں نہیں ہوتیں ہیں، اس لیے اس حصّے کے مقابلے میں تیرے لیے یہ ضروری ہے کہ تو اپنے نفس کو توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ یہ کہے کہ: تو اس طمانچے کا حق دار تھا۔

پھر اس میں تیرے خُفیہ دشمنوں کا بھی حصہ ہے، کہ انہوں نے بعض سادہ لوح اور فریب خوردہ ملازموں کو اپنی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے اس ظلم وستم پر آمادہ کیا۔ لیکن رسائل نور نے اپنے دہشت خیز معنوی طمانچوں کے ذریعے ان منافقوں سے پورا پورا انتقام لے لیا ہے۔ ان لوگوں کے حصے کے مقابلے میں اتنا ہی کافی ہے۔

رہا آخری حصہ جو کہ اُن سرکاری ملازموں کا ہے جو اس ظلم میں بالفعل واسطہ بنے ہیں، تو اُس کے بارے میں اعلیٰ ظرفی کا تقاضا یہ ہے کہ تو ان لوگوں کو ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ کے دستور کو سامنے رکھ کر معاف کر دے؛ کیونکہ انہوں نے جب تنقید و اعتراض کے نقطۂ نظر سے رسائل نور کا مطالعہ کیا تو ایمان کی جہت سے بلاشبہ اُن سے فائدہ اٹھالیا۔ پس اس حقیقی تنبیہ کی وجہ سے میں نے اس نئے مدرسۂ یوسفیہ میں شکر و شادمانی کے ساتھ رہنے اور اپنے مخالفین کے ساتھ تعاون کرنے کی خاطر ایک ایسے جرم کے ارتکاب کا فیصلہ کرلیا۔ جو مُوجبِ نقصان نہیں بلکہ مُوجبِ جزا تھا۔

پھر میرے جیسا انسان جس کا کسی چیز کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، جو پچھتر سال کا ہوگیا ہو اور اس کے پیارے دوست احباب میں سے دنیا میں پچھتر میں سے صرف پانچ رہ گئے ہوں، اور جس کے بہت سے ایسے بھائی اور وارث ہوں جو میری ایک زبان کے بدلے ہزاروں زبانوں کے ساتھ ایمان کی خدمت کررہے ہیں۔ اور رسائل نور کے ستر ہزار نسخے آزادی کے ساتھ نوری خدمت ادا کررہے ہیں۔ پھر یہ قید خانہ باہر کی فضا سے کہیں زیادہ راحت بخش اور سود مند ہے جس میں بظاہر تو آزادی ہے لیکن وہ آزادی کسی قسم کے بے جا تحکم و تسلط کے نیچے دبی ہوئی ہے؛ کیونکہ جیل میں وہ دوسرے سینکڑوں قیدیوں کے ساتھ جیلر یا انچارج جیسے فقط ایک دو شخص کی طرف سے عاید کیے گئے مبنی بر مصلحت حقیقی تحکم و تسلّط کو برداشت

Marfat.com

کرنے پر مجبور ہوتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں قید خانے سے باہر اُس اکیلے کو سینکڑوں ملازموں کے تحکمات سہنے پڑتے ہیں اور پھر یہ ہے کہ جیل میں اُسے ان سینکڑوں حقیقی تحکمات کے مقابلے میں بہت سے دوستوں کی طرف سے برادرانہ تسلّی اور لطف وکرم کے برتاؤ کا سامنا رہتا ہے۔

پھر اسلام اور انسانی فطرت کا اِس حالت کو پہنچے ہوئے بوڑھے لوگوں کے لیے رحمدلانہ شفقت کا رویہ مشقت کو رحمت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ان سب وجوہات کی بنا پر جیل میں رہنے پر راضی ہو گیا۔

مجھے جب اس تیسری عدالت میں لایا گیا تو ضعف ومرض وپیری کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکنے کی وجہ سے میں عدالت سے باہر رکھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اچانک ایک جج آیا اور غضب ناک ہو کر تحقیر آمیز لہجے میں بولا: یہ کھڑے ہو کر انتظار کیوں نہیں کرتا؟

بوڑھوں کے حق میں اس بے رحمانہ رویے کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک جمِ غفیر ہماری طرف شفقت، اخوت اور رحمت بھرے جذبات کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور ہمارے اردگرد جمع ہو چکا ہے اور کوئی ان کو منتشر نہ کر سکا۔ تب اچانک دل میں دو حقیقتیں وارد ہوئیں:

پہلی حقیقت

میرے اور نور کے مخفی دشمنوں نے بعض سادہ لوح سرکاری افسروں کو اس گماں میں مبتلا ہو کر غافل کر دیا اور انہیں اس جیسا توہین آمیز رویہ اختیار کرنے پر اُبھارا۔ ان کا گمان یہ تھا کہ عوام کی میری طرف بڑھتی ہوئی توجہ ٹوٹے گی تو نور کے سامنے کھلتے ہوئے راستے بند ہو جائیں گے؛ وہ توجہ جو میں نے کبھی طلب ہی نہیں کی۔ اس سے غرض صرف یہ تھی کہ عوام کی نظر میں میری شخصیت مجروح ہو جائے۔ تب اس حالت کے مقابلے میں عنایتِ الٰہیہ نے کہا: اُس ایک آدمی کی اہانت کے مقابلے میں ان سینکڑوں لوگوں کی طرف دیکھ، کہ یہ لوگ رسائل نور کی ایمان کے سلسلے میں خدمات کے اعتراف میں اکرامِ الٰہی سے اس اہانت خیز سلوک کے مقابلے میں تمہارے ساتھ مشفقانہ انداز میں غمگساری اور دلی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے تمہارا استقبال کرتے اور تمہیں داد دینے کے لیے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ دوسرے دن جب میں مجسٹریٹ کے کمرے میں پبلک پراسیکیوٹر کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا تو اس کمال تعلق کی وجہ سے حکومت کے چیمبر اور عدالت کی کھڑکیوں کے سامنے ایک ہزار کے لگ بھگ لوگ جمع ہو گئے۔ ان کی حالت سے نظر آ رہا تھا کہ وہ زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ: ان لوگوں پر تشدد نہ کرو۔ پولیس انہیں منتشر نہیں کر پا رہی تھی۔ تب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ: یہ لوگ اس مُہلک دور میں پوری تسلی، نہ بجھنے والے نور، مضبوط قسم کے ایمان اور سعادت ابدی کے لیے سچی بشارت کے فطری طور پر متلاشی اور طلب گار ہیں۔ اور یہ بات سُن چکے ہیں کہ اُن کی مطلوبہ چیز رسائل نور میں پائی جاتی ہے۔ اسی بنا پر وہ میری بے قیمت شخصیت

Marfat.com

طرف توجہ کا میری حد سے کہیں بڑھ کر اظہار کر رہے ہیں۔

دوسری حقیقت:

میرے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ چند فریب خوردہ لوگوں کی طرف سے امن عامہ میں خلل ڈالنے کے الزام میں جو عامۃ الناس کی توجہ تم سے دُور ہٹانے کی کوشش کی گئی اور تمہارے ساتھ جو توہین آمیز رویے کو روا رکھا گیا ہے۔ اُس کے مقابلے میں اہلِ حقیقت اور آئندہ نسلوں کی جانب سے تمہارے لیے دادِ تحسین بھی موجود ہے۔

جی ہاں، کمیونزم کے پردے میں امنِ عامہ کو تاراج کرنے کے لیے جوانارکی اور دہشت گردی پھیلائی جا رہی ہے، رسائلِ نور اور طلّاب نور اس کے مقابلے میں امن وسلامتی کو رواج دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور اپنے تحقیقی ایمان کے بل پر اس وطن کو ہر طرف سے اس ہولناک فساد سے بچاتے ہیں اور اس فساد کے زور کو توڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین یا چار عدالتیں جن کا رسائلِ نور کے ساتھ تعلق ہے، انہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملا جو امنِ عامہ میں خلل اندازی کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اور ان سابقہ بیس سالوں میں دس صوبوں کی پولیس نے بھی ایسا کوئی مقدمہ درج نہیں کیا حالانکہ طلّاب نور ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ تین صوبوں کی پولیس نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: طلّابِ نور ایک معنوی پولیس کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ امنِ عامہ کی حفاظت کے سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ اور رسائلِ نور کو تحقیقی ایمان کے ساتھ پڑھنے والے ہر قاری کی سوچ فکر میں ایک محافظ ونگران بٹھا دیتے ہیں، اور یوں امنِ عامہ کے تحفظ کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ''دنیزلی'' کی جیل اس صورتِ حال کی ایک بہترین مثال ہے، اور وہ اس طرح کہ اس جیل کے دوسو سے زائد قیدی اس جیل میں رسائل نور اور ان قیدیوں کے لیے لکھے گئے ''رسالہ ثمرہ'' کے داخل ہونے کی وجہ سے تین چار مہینوں میں ہی غیر معمولی طور پر سدھر گئے اور مطیع ومتدیّن بن گئے، اس حد تک کہ تین چار آدمیوں کا قاتل اب کھٹمل کو مارنے سے بھی ڈرتا تھا۔ اور اس طرح وہ وطن کے لیے صرف غیر مضر ہی نہیں بلکہ ایک نفع بخش مہربان کارکن بن گیا۔

سرکاری ملازم اس صورت حال کو بڑی حیرت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کچھ نوجوانوں نے تو سزا کا فیصلہ سننے سے پہلے یہاں تک کہہ دیا کہ: اگر نوری طلبہ جیل میں گئے تو ہم اپنے خلاف فیصلہ صادر کروانے اور سزا پانے کی کوشش کریں گے تاکہ ان کے ساتھ رہ کر ان کے درس سنیں گے اور اپنی اصلاح کر کے اِن جیسے ہو جائیں گے۔

پس وہ لوگ ایسی ماہیت کے حامل طلّابِ نور کو نقضِ امن کا الزام دیتے ہیں وہ بہرکیف یا تو خود فریب خوردہ ہیں اور یا پھر انہیں بہت بُرے طریقے سے دھوکہ دے دیا گیا ہے، اور یا پھر وہ شعوری یا لاشعوری طور پر انارکی اور بدامنی کی راہ میں حکومت کو غافل رکھنا چاہتے ہیں۔ اور یوں ہمیں نیست ونابود کرنے کے لیے مصروفِ تگ ودو ہیں۔

Marfat.com

پس ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں:

جب موت کو قتل نہیں کیا جا سکتا: قبر کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا اور اِس دنیا کے مہمان خانے میں موجود مسافر قافلہ در قافلہ انتہائی سرعت اور پریشانی کے ساتھ تہِ خاک داخل ہو کر غائب ہو رہے ہیں۔ تو بلاشبہ ہم عنقریب ایک دوسرے سے بچھڑنے ہی والے ہیں، اور تم لوگ اپنے اس ظلم وستم کی ہولناک سزا پانے والے ہو، اور کم از کم یہ ہے کہ تم ابدی طور پر نیست و نابود کر دینے والی سولی پر چڑھو گے جو کہ مظلوم اہل ایمان کے لیے کارہائے زندگی سے سبکدوشی کا ٹکٹ ہے۔ اور وہ فانی ذائقے جو تم نے اس دنیا میں سدا بیٹھ رہنے کے وہم میں چکھے ہیں، وہ تمام ذائقے ہمیشہ رہنے والے المناک آلام ومصائب میں تبدیل ہو جائیں گے۔

افسوس کہ ہمارے مخفی منافق دشمن بسا اوقات اسلام کی اُس حقیقت کو ''طریقت'' کا نام دے دیتے ہیں جس کی حفاظت اس دین دار قوم کے اولیاء کے مرتبے کے کروڑوں شہیدوں اور بہادر غازیوں کی تلواروں اور خون سے کی گئی ہے۔ اور اس ''طریقت'' کے مشرب کا ـ جو کہ اُس آفتاب کی ایک شعاع ہے ـ اظہار وہ ایسے کرتے ہیں کہ جیسے وہ عین آفتاب ہی ہے۔ اور یوں وہ اس سے بعض سادہ لوح سطحی قسم کے سرکاری ملازموں اور افسروں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور قرآن کی حقیقت اور ایمان کے حقائق کے لیے انتہائی مؤثر صورت میں کام کرنے والے نوری طلبہ کو ''اہلِ طریقت'' اور ''سیاسی جمعیت'' کا نام دیتے ہیں اور اس طریقے سے وہ ـ افسوس ہے کہ ـ ان سرکاری افسروں کو ہمارے خلاف اُبھارنا چاہتے ہیں۔ پس ہم اِن سے اور ان کی باتوں پر کان لگانے والوں سے اپنی وہی بات کہیں گے جو ہم نے ''دنیزلی'' کی عدل پرور عدالت میں کہی تھی:

''ہمارے سر بھی اس مقدس حقیقت پر فدا ہو جانے چاہئیں جن پر کروڑوں سر فدا ہو چکے ہیں۔ اگر تم تمام دنیا کو ہمارے سروں پر شعلہ زن کر دو تو قرآن کی حقیقت پر فدا ہونے والے یہ سر اپنا اسلحہ الحاد و زندقہ کے سپرد کریں گے نہ ہی اپنے قدسی وظیفے سے پیچھے ہٹیں گے۔ انشاءاللہ۔''

پس میں اپنے اِس بڑھاپے کے ایک شدید ترین سال کے بدلے میں اپنی جوانی کی خوشیوں بھرے دس سال بھی لینے کو تیار نہیں ہوں، صرف قرآن اور ایمان کی طرف سے ان پاکیزہ تسلیوں کی وجہ سے جو میرے بڑھاپے کی تنگیوں تکلیفوں میں میری مدد کو آئیں، اور خاص کر اس حالت میں جبکہ ایک توبہ کرنے والے اور جیل میں فرض نمازیں ادا کرنے والے کی ایک گھڑی عبادت میں گزاری گئی دس گھڑیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اور ظلم وجبر کے زیرِ سایہ بیماری میں گزرنے والا ایک فانی دن ثواب کے نقطۂ نظر سے عمرِ باقی کے دس دنوں کا حکم لے لیتا ہے۔ اور یوں اس زاویے سے بڑھاپا اور جیل دونوں ہی میرے جیسے ان لوگوں کے لیے شکر کا وسیلہ بن جاتے ہیں جو قبر کے دروازے پر اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس معنوی تنبیہ سے میں نے یہی کچھ سیکھا اور پروردگار کا بے حد وحساب شکر ادا کیا۔ اور میں اپنے بڑھاپے پر خوش اور اس جیل کی

Marfat.com

زندگی پر راضی ہو گیا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر ٹھہرتی نہیں اور بسرعت گزرتی جارہی ہے۔ پس اگر فرح ولذت کے ساتھ گزرے گی تو بصد افسوس کہ فانی ہو کر زائل ہو جائے گی؛ کیونکہ لذت کا زوال درد والم ہے۔ اور اگر غفلت کے ساتھ ناشکری کی حالت میں گزرے گی تو جاتی ہوئی اپنی جگہ پر کچھ گناہ چھوڑ کر جائے گی۔ اور اگر یہ عمر جیل میں اور محنت مشقت کے ساتھ گزرے تو پھر بقا بدوش بن جائے گی اور اپنے نفع بخش ثمرات کے ذریعے ایک سدا باقی رہنے والی عمر کے حصول کا ذریعہ اور سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گی اور جیل جانے کا سبب بنے والی غلطیوں کو دھوڈالے گی؛ کیونکہ اس صورت میں وہ عبادت کی ایک قسم شمار ہوگی، اور اس لیے بھی کہ درد والم کے زوال میں ایک معنوی لذت ہے۔ پس اس زاویۂ نگاہ سے فرائض ادا کرنے والے قیدیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبر کے ساتھ ساتھ شکر ادا کرتے رہیں۔

سولہویں اُمید

بڑھاپے کے ایک دور میں میں ''اسکی شہر'' میں سزا کا ایک سال پورا کر لینے کے بعد جب جیل سے نکلا تو انہوں نے مجھے ''قسطمونی'' (حاشیہ:۱) میں جلا وطن کر دیا۔ اور وہاں دو تین مہینے تک پولیس چوکی میں بطورِ مہمان ٹھہرائے رکھا۔ یہ بات تو کسی سے مخفی نہیں کہ میرے جیسا گوشہ نشیں آدمی جو اپنے سچے دوستوں کی ملاقات سے بھی گھبراتا ہے اور اپنے معمول کے خاص لباس کو چھوڑ کر قومی لباس نہیں پہن سکتا (حاشیہ:۲) ایسا آدمی اس طرح کی جگہوں پر کیسی اذیت ناک حالت سے دوچار رہتا ہے!

پھر عین اس وقت جبکہ نا اُمیدی مجھے چاروں طرف سے گھیر چکی تھی، اچانک عنایتِ الٰہیہ میرے بڑھاپے کی مدد کو آئی اور وہاں کے افسروں سمیت تمام سپاہی سچے دوستوں جیسے بن گئے اور انہوں نے کسی بھی وقت میرے سر پر ہیٹ رکھنے کے بارے میں اصرار نہ کیا۔ اور میں جب بھی چاہتا تو وہ میرے خادموں کی طرح سیر و سیاحت کے لیے مجھے شہر کے باہر لے جاتے۔

پھر میں قسطمونی کے اُس نوری مدرسہ میں چلا گیا جو اس پولیس چوکی کے بالکل سامنے تھا۔ اور وہاں رسائل نور کی تالیف میں لگ گیا۔ اور فیضی، امین، حلمی، صادق، لطیف اور صلاح الدین جیسے نور کے ہیرو ان رسائل کو نقل ونشر کرنے کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ اور یوں اُنہوں نے مجھے تابناک صورت میں ان قیمتی علمی مذاکرات کا نظارہ کرا دیا جو میں اپنے پرانے طلبہ کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ پھر ہمارے خفیہ دشمنوں نے کچھ سرکاری افسروں کو اور کچھ برخود غلط علماء ومشائخ کو ہمارے خلاف

(حاشیہ:۱) شمالی ترکی کا ایک شہر جس میں استاد نورسی کو 1936 میں جلاوطن کیا گیا۔ وہاں آپ پولیس چوکی کے بالمقابل ایک کمرے میں جبری اقامت کے تحت نظر بند رہے۔ یہاں سے آپ کو 1943 میں دنیزلی کی فوجداری عدالت میں لایا گیا۔ مترجم۔

(حاشیہ:۲) یہ ان دنوں کی بات ہے جب ترکی میں قانونی طور پر ہیٹ اور یورپی لباس پہننا لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ مترجم۔

Marfat.com

بھڑکا دیا، اور اس طرح وہ ہمیں اور پانچ چھ صوبوں سے آئے ہوئے طلاب کو اس مدرسۂ یوسفیہ یعنی ''دنیزلی'' کی جیل میں ڈالنے کا وسیلہ بن گئے۔

اس سولھویں امید کی تفاصیل وہ خطوط ہیں جو میں نے خفیہ طور پر ''قسطمونی'' سے ارسال کیے اور ان چھوٹے چھوٹے خطوط کے ضمن میں مندرج ہیں جو میں نے ''دنیزلی'' کی جیل سے خفیہ طور پر اپنے بھائیوں کو لکھے اسی طرح اُن کی تفاصیل دنیزلی کی عدالت کو دیے گئے دفاعی بیان میں آئے گی۔ اس اُمید کی وضاحت پوری آب وتاب کے ساتھ چونکہ اُن رسائل میں آگئی ہے، اس لیے ہم ان ملحقات کا اور ان دفاعی بیانات کا حوالہ کافی سمجھتے ہیں اور یہاں ہم ان کی طرف ایک مختصر سا اشارہ کرتے ہیں:

میں نے رسائلِ نور کے کچھ خاص الخاص اور اہم مجموعے، اور خاص کر ''سفیان'' اور رسائلِ نور کی کرامات کے بارے میں بحث کرنے والے رسائل کو لکڑیوں اور کوئلے کے ڈھیر کے نیچے چھپا دیا تھا، تاکہ انہیں میری وفات کے بعد اور یا پھر اس وقت شائع کر دیا جائے جب حکمران اپنی عقلوں کا صحیح استعمال کر کے حقیقت کو سننا شروع کر دیں گے۔ میں اس ضمن میں بالکل مطمئن تھا کہ اچانک ایک دن تفتیشی ٹیم اور پبلک پراسیکیوٹر کے اسسٹنٹ نے میرے گھر پر چھاپا مارا اور ان تمام چھپائے ہوئے اہم رسائل کو لکڑیوں کے نیچے سے ڈھونڈ نکالا اور مجھے گرفتار کر کے صوبہ ''اسپارٹا'' کی جیل میں بھیج دیا حالانکہ میری صحت بہت خراب تھی۔ میں رسائل نور پر نازل ہوئے والے اس نقصان پر بڑا دکھی، فکرمند اور غمگین تھا کہ اچانک عنایت الٰہیہ ہماری مدد کے لیے آئی اور حکومت کے کارندوں نے اُن اہم مخفی رسائل کو پڑھنا شروع کر دیا جنہیں پڑھنے کی انہیں بہت زیادہ ضرورت تھی۔ ان رسائل کو انہوں نے ایسے پورے اہتمام اور غور وفکر کے ساتھ پڑھا کہ سرکاری محکمے نوری مدارس کا منظر پیش کرنے لگے۔ ان لوگوں نے ان رسائل کو پڑھا تو تنقید کی نیت سے تھا لیکن ان کی یہ تنقید داد و تحسین میں بدل گئی۔ حتیٰ کہ دنیزلی میں بہت سے سرکاری وغیر سرکاری لوگوں نے ہمارا مطبوعہ رسالہ ''الآیۃ الکبریٰ'' ہماری لاعلمی میں بڑے راز دارانہ اور غیر معمولی طریقے سے پڑھا اور اس کی برکت سے اپنا ایمان مضبوط کر لیا۔ اور یوں انہوں نے ہماری اس جیل والی مصیبت کو کالعدم بنا دیا۔

پھر انہوں نے ہمیں ''دنیزلی'' کی جیل میں منتقل کر دیا اور وہاں مجھے بالکل اکیلے کو ایک انتہائی ٹھنڈے، گیلے اور بدبودار کمرے میں دھکیل دیا۔ پھر عین اُس وقت جبکہ میں بڑھاپے، بیماری، میری وجہ سے مصیبت میں پڑ جانے والے اپنے معصوم بھائیوں کی وجہ سے ہونے والے دکھ درد کی وجہ سے اور رسائلِ نور پر پابندی لگ جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے قلق وانقباض کے درمیان کانپ رہا تھا۔ اچانک عنایتِ الٰہیہ ہماری مدد کو پہنچی اور اُس نے اس بڑی جیل کو مدرسۂ نور میں تبدیل کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جیل واقعتاً مدرسۂ یوسفیہ ہے۔ چنانچہ مدرسۃ الزہراء کے شہسواروں کے الماسی قلموں کے

Marfat.com

ذریعے رسائلِ نور پھیلنا شروع ہو گئے۔حتیٰ کہ نور کے ایک ہیرو نے اِن بھاری شرطوں کے باوجود تین چار مہینوں میں میرے ''رسالۃ الثمرہ ''اور'' رسالۃ الدفاع '' کے بیس سے زیادہ نسخے لکھ ڈالے۔اور جیل کے اندر اور باہر ہماری فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔اور عنایتِ الٰہیہ نے اس مصیبت میں ہمارے نقصان کو عظیم الشان منافع میں اور ہمارے انقباض کو خوشیوں میں تبدیل کر دیا اور ایک بار پھر فرمانِ گرامی: ﴿عَسٰی أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ﴾ میں پائے جانے والے راز کو آشکار کر دیا۔

پھر درجۂ اول کی ماہر کمیٹی نے کچھ غلط سلط اور سطحی قسم کی رپورٹوں پر اعتماد کر کے ہمیں شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور وزیرِ تعلیم نے ہم پر سخت حملہ کیا اور ہمارے خلاف بیان جاری کر دیا۔ہمیں بعض ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو ختم کرنے کی تگ ودو بھی کر رہے ہیں۔

تب عنایتِ ربانیہ نے ہماری مدد کی اور وہ اس طرح کہ عین اس وقت جبکہ ہم ''انقرہ'' کے ماہر تجزیہ نگاروں کی طرف سے شدید ترین تنقید کے منتظر تھے، اچانک دیکھا کہ ان کی طرف سے آنے والی رپورٹیں دادو تحسین پر مشتمل ہیں، اس حد تک کہ انہیں رسائلِ نور کے پانچ صندوقوں میں پانچ یا دس غلطیاں مل سکیں۔لیکن ہم نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ وہ نقطے جن میں ان لوگوں کو غلطیاں نظر آئی ہیں وہ عین حقیقت ہیں،اور جن چیزوں کو ان لوگوں نے بھول چوک یا غلطی کہا ہے اُن میں انہیں خود غلطی لگی ہے۔جیسے کہ ہم نے ان کی پانچ صفحات پر مشتمل رپورٹ میں یہ پانچ یا دس غلطیاں ثابت کر کے بھی دکھا دیں۔

پھر وہ سات سرکاری محکمے جن کی طرف'' الثمرۃ و الدفاع ''نامی رسائل بھیجے گئے تھے،اور اسی طرح وزارت قانون کی طرف بھیجے گئے وہ تمام رسائلِ نور،اور خاص کر وہ خصوصی رسائل جن میں جرح وتنقید کے چہرے پر طمانچے رسید کیے گئے تھے،عین وہ وقت جبکہ ہم ان سب کی طرف سے شدید دھمکی آمیز احکام کے منتظر تھے۔انہوں نے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچایا اور ہمارے ساتھ صلح وآشتی والا برتاؤ کیا، بالکل اس خط کی طرح جو ہمیں وزیرِ اعظم نے لکھا اور جو نرم لہجے میں ہمارے لیے تسلی اور خیر سگالی کے پیغام پر مشتمل تھا۔اس چیز نے یہ بات قطعی طور پر ثابت کر دی کہ رسائلِ نور کے حقائق عنایتِ الٰہیہ کے کرامت سے ان پر غالب آ چکے ہیں اور ان سے اپنا لوہا اس طرح سے منوا چکے ہیں وہ انہیں پڑھتے ہیں اور اُن سے راہنمائی لیتے ہیں۔ان رسائل نے ان وسیع سرکاری حلقوں کو ایک قسم کے نوری مدارس بنا دیا ہے اور بہت سے متردّد ومتحیر لوگوں کے ایمان کو بچانے کا باعث بن چکے ہیں اور یوں ہمارے انقباض اور دل گرفتگی سے سوگنا زیادہ شادمانیوں اور معنوی فوائد کو جنم دے چکے ہیں۔

پھر ہمارے خفیہ دشمنوں نے میرے کھانے میں زہر ملا دیا اور میری بجائے رسائلِ نور کا مرحوم شہید ہیرو'' حافظ علی''

ہسپتال داخل ہو گئے اور وہاں سے میری بجائے عالمِ برزخ کو سدھار گئے۔ اِس حادثے نے نا اُمیدی کی حالت میں ہمیں بہت زیادہ رُلایا۔

میں نے اس مصیبت کے نازل ہونے سے پہلے قسطمونی کے پہاڑ پر چلّا چلّا کر بار بار کہا تھا: اے میرے بھائیو! گھوڑے کو گوشت اور شیر کو گھاس نہ ڈالو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو ہر رسالہ نہ دو، تاکہ وہ ہم پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ تو حافظ علی نے جو اس وقت سات دنوں کی پیدل مسافت پر تھا_ عین اُسی وقت جیسے کہ وہ اپنے معنوی ٹیلی فون کے ذریعے سُن رہا ہو_ مجھے لکھا: جی ہاں استاد جی! رسائلِ نور کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ یہ گھوڑے کو گوشت اور شیر کو گھاس نہیں ڈالتے ہیں بلکہ گھاس گھوڑے کو اور گوشت شیر کو ڈالتے ہیں۔ حتیٰ کہ شیر جیسے اس عالم کو ''اخلاص'' نامی رسالہ دیا گیا اور ٹھیک سات دن کے بعد ہمیں اس کا یہ خط ملا ہم نے حساب لگایا تو پتا چلا کہ اس نے یہ عجیب وغریب عبارت عین اُسی وقت لکھی تھی جس وقت میں اسے قسطمونی کے پہاڑ پر دہرا رہا تھا۔

اب عین اُس وقت جب رسائل نور کے اس معنوی شہسوار کی وفات ہمیں رُلا رہی تھی، خفیہ منافق اپنی سازشوں کے ذریعے کوششوں میں مصروف تھے، اور مجھے یہ دھڑ کا لگا ہوا تھا کہ اب زہر خورانی کی وجہ سے مجھے سرکاری طور پر ہسپتال میں داخل ہونے کے لیے مجبور کر دیا جائے گا۔ اچانک عنایتِ الٰہیہ نے ہماری دستگیری کی، چنانچہ مخلص بھائیوں کی دعاؤں سے زہر کے مہلک اثرات ختم ہو گئے اور مضبوط علامات کے ذریعے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ہمارا وہ شہید ہیرو اپنی قبر میں رسائل نور کے ساتھ ہی مشغول ہے اور اس نے رسائل کی روشنی میں فرشتوں کے سوالوں کے جواب دے دیے ہیں۔ اور ''دنیزلی'' کا ہیرو حسن فیضی عنقریب شہید مرحوم کی طرح رسائل نور کے لیے کام کرے گا اور وہ اور اس کے ساتھی خفیہ طور پر رسائل کی خدمت کریں گے۔ اور ہمارے دشمنوں نے بھی ہماری رہائی کا مطالبہ کر دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیدیوں نے دیکھتے ہی دیکھتے رسائل نور کے ساتھ صلح کر لی ہے اور طلاب نور نے جیل کے اُس تنگ و تاریک کونے کو اصحابِ کہف کی غار میں اور پرانے دور کے گوشہ نشینوں کی غاروں میں تبدیل کر دیا ہے اور پوری دلجمعی کے ساتھ رسائل کی کتابت اور نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔ ان تمام حالات کے ذریعے عنایتِ ربانیہ نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہماری مدد میں ہے۔

میرے دل میں یہ بات آئی کہ جب امام اعظم ابو حنیفہؒ جیسے ائمۂ مجتہدین پابند سلاسل ہوئے، امام احمد بن حنبلؒ جیسے عظیم مجاہد قرآن کے صرف ایک مسئلے کی وجہ سے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے اور وہ کوئی بھی شکوہ کیے بغیر کمال صبر کے ساتھ ثابت قدم رہے اور اپنے موقف سے یک سرِ مُو پیچھے نہ ہٹے۔ اور بہت سے متبحّر ائمۂ کرام تم سے کہیں زیادہ مصائب سے دوچار ہوئے لیکن وہ کمال صبر کے ساتھ شکر گزار اور غیر متزلزل رہے۔ تو پھر تمہارا حق یہی بنتا ہے کہ تم قرآن کے متعدد حقائق کی خاطر اس تھوڑی مشقت کو جھیلنے پر اور اس پر بہت سے ثواب کا حق دار ہونے پر ہزاروں مرتبہ شکر ادا کرو۔

Marfat.com

جی ہاں، میں اختصار کے ساتھ انسانی ظلم کی تاریکیوں میں چمکنے والی عنایت ربانی کی ایک تجلی کا ذکر کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ: میں جب بیس سال کا تھا تکرار کے ساتھ یہ بات کہا کرتا تھا کہ میں انسانی معاشرے کی اس زندگی کو خیر آباد کہہ کر آخر عمر میں پرانے زمانے کے تارک الدنیا زاہدوں کی طرح کسی پہاڑ کی غار میں گوشہ نشیں ہو جاؤں گا۔ اسی طرح پہلی جنگ عظیم میں جب میں شمال مشرق میں قید تھا، اس وقت میں نے یہ پختہ عزم کر لیا تھا کہ آج کے بعد میں بقیہ تمام عمر غاروں میں گزاردوں گا اور معاشرتی اور سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤں گا۔ جتنی دخل اندازی ہو چکی وہ کافی ہے۔ میں اسی طرح کہا کرتا تھا۔ تب عنایتِ ربانی اور عدلِ تقدیری میرے بڑھاپے پر ترس کھا کر جلوہ گر ہوئے اور انہوں نے میرے تصوراتی غاروں کو میرے عزم اور مقصد سے کہیں بہتر طریقے سے خلوت خانوں کا، تنہائی وعزلت کے گوشوں کا اور قید خانوں کا روپ دے دیا اور ہمیں یوسفی مدارس اور خلوت خانے عطا کر دیے جو پہاڑوں میں گوشہ گیر ہو کر زہد وریاضت کرنے والوں کے غاروں سے بہتر ہیں۔ تاکہ ہمارا وقت ضائع نہ ہو۔ اور وہ اس طرح کہ ہمارے ان غاروں میں اخروی فوائد اور ایمان و قرآن کے حقائق کے لیے مجاہدانہ خدمت بھی موجود ہے حتی کہ میں نے تو اپنے بھائیوں کی بریت اور آزادی کے بعد یہ عزم کر لیا تھا کہ جرم کا اقرار کرلوں اور جیل میں ہی رہوں اور خسرو فیضی جیسے مجرّد لوگ بھی میرے ساتھ ہی رہیں اور کسی حیلے وسیلے خانۂ تنہائی میں رہوں تا کہ میں لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھ سکوں اپنا وقت بے جا تصنع، تفاخر اور غیر ضروری صحبتوں میں نہ گزاردوں۔ لیکن ہمارا رزق اور اللہ کی تقدیر ہمیں کشاں کشاں کسی اور زاویے میں لے گئے اور ہم سے اس تیسرے یوسفی مدرسے میں ایسی خدمت لے لی گئی جو ہماری طاقت اور اختیار سے یقیناً باہر تھی، صرف اس لیے کہ ﴿عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ میں، اور ''اَلْخَيْرُ فِي مَا اخْتَارَهُ اللّٰهُ'' میں پائے جانے والے راز کی رُو سے ہم سے ایمان کی خدمت زیادہ سے زیادہ لی جائے اور میرے بڑھاپے پر نظرِ رحمت رہے۔

جی ہاں، عنایتِ الٰہیہ میرے اُس عہد شباب کے خصوصی غاروں کو میرے بڑھاپے پر ترس کھا کر قیدِ تنہائی کی منزلوں میں تبدیل کر دیا جس سے عہد شباب کے کوئی مضبوط مخفی دشمن نہیں تھے۔ تبدیلی کے اس عمل میں نوری خدمت کے حق میں تین اہم حکمتیں اور فائدے ہیں۔

پہلی حکمت اور فائدہ:

اس دور میں طلاب نور کا ایسا اجتماع جو کسی بھی ایذا رسانی سے خالی ہو، صرف ''مدرسۂ یوسفیہ'' میں ہی ممکن ہے۔ جیل سے باہر کوئی ملاقات یا ہم نشینی ایک تو شک وشبہات کا باعث بنے گی اور مزید اس پر اخراجات بھی زیادہ اُٹھیں گے۔ جبکہ اِدھر حالت یہ ہے کہ کچھ لوگ صرف چالیس پچاس لیرے خرچ کر کے میری زیادہ سے زیادہ بیس منٹ تک کی ملاقات کے لیے آجاتے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بغیر ملاقات کے ہی واپس لوٹ جاتے۔ پس میں صرف اپنے وفادار بھائیوں کو

Marfat.com

قریب سے دیکھنے کے لیے_ جیل کی مشقت کو بہ طیب خاطر برداشت بلکہ قبول کرتا ہوں۔ اس لیے جیل ہمارے لیے ایک بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے۔

دُوسری حکمت اور فائدہ:

رسائلِ نور کے ذریعے ایمان کی خدمت سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ جابجا اس کا اعلان واظہار کیا جائے اور اس کے ضرورت مند جہاں بھی ہیں اُن کی توجہ اس طرف کرائی جائے۔ اس زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو ہمارا جیل میں جانا اُن کی توجہ کو اِس طرف مبذول کرنے کا باعث ہے، اور اس طرح اعلان واظہار کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اور یوں ان رسائل کا سامنا جب پرلے درجے کے ضدی اور ہٹ دھرم اور بہت زیادہ ضرورت مند لوگوں سے ہوتا ہے تو ان کی ضد ٹوٹ جاتی ہے اور وہ ان کی طفیل اپنا ایمان بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور خطرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور یوں نوری مدارس پھیلتے جاتے ہیں۔

تیسری حکمت اور فائدہ:

وہ طلابِ نور جو جیل میں داخل ہوئے ہیں، ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اخلاص وجاں سپاری کا درس لیتے ہیں، اس لیے اس کے بعد وہ نوری خدمات کے سلسلے میں دنیاوی منافعوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

جی ہاں، ان لوگوں نے اپنی آنکھوں کے ساتھ، اور بہت سی علامات کے ذریعے مدرسۂ یوسفیہ میں رہ کر ہر شدت اور مشقت کے جلو میں اِن سے دس گنا بلکہ سوگنا زیادہ خوبصورت نتائج، مادی ومعنوی فوائد اور ایمان کی خالص اور وسیع ترین خدمات کا مشاہدہ کرلیا ہے۔ اس لیے یہ مکمل اخلاص کی توفیق سے نوازے جاتے ہیں اور یوں معمولی منافعوں کے پیچھے نہیں لپکتے ہیں۔

اور جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، تو اگرچہ ان خلوت خانوں میں ایک مخصوص قسم کی لطافت اور غم انگیز کیفیت پائی جاتی ہے لیکن اس چیز میں میرے لیے ایک قسم کی لذت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ:

مجھے ان میں عین بعین اپنے علاقے کے اپنی جوانی کے دور کے پرانے مدارس کی کیفیت نظر آتی ہے، اور وہ اس طرح کہ ہمارے مشرقی بعض مدرسوں کے طالب علموں کے لیے کھانا باہر سے آتا تھا اور بعض مدرسے کے اندر پکاتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ خلوت خانے اور کئی جہتوں سے ان مدارس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اور میں جب بھی ان لذیذ حسرتوں پر نظر کرتا ہوں خیال ہی خیال میں اس لذیذ دور اور پرانی جوانی کی طرف لوٹ جاتا ہوں اور بڑھاپے کے حالات کو بھول جاتا ہوں۔

Marfat.com

اس مقام پر دل میں دو نقطے وارد ہوئے:

پہلا یہ کہ میں حرف شکایت زبان پر لائے بغیر جب صبر کا دامن تھام کر شکر بجالاتا ہوں، حالانکہ میں تو اپنی ذاتی مشقت برداشت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اُن بھائیوں کے آلام و مصائب برداشت کرتا ہوں جو میری وجہ سے اس مشقت میں پڑے ہیں۔ چنانچہ میں دوسرے قیدیوں سے دس درجے بلکہ تیس درجے زیادہ مشقت اٹھاتا ہوں۔ اس لیے ان مضبوط اور بہادر قیدیوں کو میرے جیسے معمر اور ضعیف آدمی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔

دوسرا نقطہ یہ کہ:

ہمارے کچھ قیدی بھائی جب قید و بند کی صعوبتوں کا شکوہ نہیں کرتے، حالانکہ وہ ایک گھڑی کی لذت کی پاداش میں یہاں پانچ یا دس سال سے رہ رہے ہیں۔ تو طلاب نور پر یہ لازم ہے کہ وہ ایمان کی خدمت کی راہ میں ایک یا دو بلکہ سو مہینوں کی قید سے حاصل ہونے والی مشقت پر بھی شکایت نہ کریں؛ کیونکہ وہ ہزاروں سالوں تک باقی رہ جانے والی سینکڑوں لذتیں اور سعادتیں سمیٹ رہے ہیں۔ ان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے نو وارد قیدی بھائیوں سے پیچھے نہ رہیں۔

سعید نورسی

Marfat.com

چھبیسویں لمعے کی ذیلی بحث

''مکتوبات'' نامی مجموعے کا اکیسواں مکتوب ہے

Marfat.com

ستائیسواں لمعہ

اُسکی شہر کے محکموں کے دفاع پر مشتمل ہے، اس رسالہ کی ایک قسم تکثیر نامی لمعات کے مجموعہ میں اور ایک قسم سیرت ذاتی نامی مجموعہ میں درج کر دی گئی ہے۔

Marfat.com

چوتھا اشارہ:

اسمِ فرد کا عظیم ترین جلوہ سورج کیطرح ظاہر ہونے کیساتھ ساتھ، وجوب کے درجہ میں معقولیت اور آسانی کیساتھ قبول کیا جاتا ہے۔

رسائل نور کے اُجزاء میں ایسی بہت سی براہین تفصیل سے بیان کی گئی ہیں جو اِس بات کا اثبات کرتی ہیں کہ اس جلوے کا مخالف اور متضاد شرک آخری درجے کی حد تک مشکل اور انتہائی درجے میں بعید از عقل ہے، بلکہ محال اور ممتنع کا درجہ رکھتا ہے۔

ان نقاط کی تفصیلات تو ہم ان دلائل کے حوالے کرتے ہیں، البتہ اس مقام پر ان میں سے صرف تین نقاط پر روشنی ڈالیں گے۔

پہلا نقطہ

ہم نے دسویں اور انتیسویں مقالے کے آخر میں اجمال کے ساتھ اور بیسویں مکتوب کے آخر میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ: اُس ''فَرْدُ الْاَحَدُ'' ذات کے لیے کسی بڑی سے بڑی چیز کو ایجاد کرنا کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی طرح بالکل آسان ہے، چنانچہ وہ ایک پورے موسم بہار کو ایک پھول کی طرح آسانی کے ساتھ پیدا کر لیتا ہے۔ اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ہر موسمِ گل میں بڑی آسانی کے ساتھ حشر کی ہزاروں مثالیں برپا کر دیتا ہے، اور بڑی آسانی کے ساتھ ایک بہت بڑے درخت کا ایک چھوٹے سے پھل کی طرح بندوبست کرتا ہے۔

پس اگر یہ چیز متعدد اسباب کے کھاتے میں ڈال دی جائے تو ہر پھل ایک پورے درخت کی مقدار میں مشکل اور گراں ہو جائے گا اور ہر پھول ایک پورے موسم بہار کی طرح دشوار ہو جائے گا!

جی ہاں، جس طرح اگر کسی فوج کا عسکری ساز و سامان ایک ہی قائد کے حکم سے کسی ایک ہی کارخانے میں تیار کیا جائے تو پوری فوج کا ساز و سامان ایک سپاہی کے ساز و سامان کی طرح انتہائی آسانی کے ساتھ تیار ہو جائے گا، لیکن اگر ہر سپاہی کا سامان مختلف کارخانوں میں تیار کیا جائے اور اس کا عسکری ادارہ وحدت سے نکل کر کثرت میں داخل ہو جائے تو اس وقت ہر فرد کے لیے تمام فوج کے برابر کارخانے درکار ہوں گے۔ بعینہٖ اسی طرح اگر ہر چیز کی نسبت اگر ''فَرْدُ الْاَحَدُ'' ذکی طرف کر دی جائے تو پھر ہر نوع کے لامحدود افراد فردِ واحد کی طرح آسان ہو جاتے ہیں اور اگر اس کی نسبت اسباب کی طرف کر دی جائے تو پھر ہر فرد اُس نوع کی طرح مشکل اور دشوار ہو جائے گا۔

وحدت اور فردیت کے ذریعے ہر چیز اس ذاتِ واحد کی طرف منسوب ہوتی اور اس پر بھروسا کرتی ہے۔ اور یہ بھروسا اور انتساب اس چیز کے لیے غیر محدود قدرت اور قوّت کا باعث بن جاتے ہیں۔ تب ایک چھوٹی سی چیز اس انتساب و

Marfat.com

استناد کی قوّت کی طفیل اپنی شخصی قوّت سے ہزار درجے بڑھ کر کام کرتی ہے اور عظیم الشان نتائج پیدا کرتی ہے۔

اور اگر کوئی چیز اس قوّت کی مالک فَــرْدُ الْاَحَــدْ ذات پر بھروسا نہ کرے اور اس کی طرف منسوب ہونے سے محروم رہے تو وہ اپنی شخصی قوّت کے حساب سے چھوٹے چھوٹے کام کرے گی اور اُس کا نتیجہ اُس قوّت کے حساب سے سکڑتا جائے گا۔

مثال کے طور پر: ایک طاقتور اور بہادر انسان جو ریگولر فوجی نہیں ہے اپنا ساز و سامان اور اپنے ذخیرے کو مجبوراً اپنے ہمراہ رکھتا اور اُسے اپنی کمر پر اُٹھائے رکھتا ہے اور اس طرح وہ وقتی طور پر اپنے دس دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے؛ کیونکہ اس کی ذاتی قوّت کی تاثیر اتنی سی ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی فوجی ہونے کی حیثیت سے اپنی نسبت ایک کمانڈر جنرل کی طرف کرلے اور اس پر مکمل اعتماد کرلے تو اس کی یہ نسبت اور اس کا یہ اعتماد نہ ختم ہونے والی قوت اور سدا لبریز خزانے میں تبدیل ہو جائے گا، اور یوں وہ اپنی قوّت کے چشموں کو اور اخراجات کے ذخیروں کو اپنے ہمراہ اُٹھائے رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا اور اس طرح وہ اس انتساب کی قوّت کی بدولت مغلوب دشمن کے فیلڈ مارشل کو ہزاروں سپاہیوں سمیت گرفتار کر سکتا ہے۔

تو اس سے پتا چلا کہ وحدت اور فردیت میں اس انتساب کی قوّت کی بدولت ایک چیونٹی فرعون پر، مچھر نمرود پر اور ایک مائکروب کسی سرکش اور جابر قسم کے انسان پر غالب آسکتا ہے۔ جیسے کہ چنے کے حجم کی ایک گٹھلی بھی اپنے کندھے پر صنوبر کا پہاڑ جیسا بلند و بالا درخت اُٹھا سکتی ہے۔

جی ہاں، ایک عظیم الشان قائد ایک سپاہی کی مدد کے لیے ایک لشکر بھیج سکتا ہے اور اس کے پیچھے مزید کُمک بھی اکٹھی کرسکتا ہے، اور اس طرح وہ سپاہی اس جہت سے اپنے قائد کے نام کے بل پر عظیم الشان اعمال کا مظہر بن جاتا ہے اور ایک ایسی معنوی قوّت حاصل کرلیتا ہے کہ گویا اس کے پیچھے معنوی طور پر ایک بڑا لشکر موجود ہے۔

اسی طرح وہ سلطانِ اَزلی اپنے فرد اور اَحد ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا، بالفرض اگر ضرورت پڑ جائے تو وہ ہر چیز کی مدد کے لیے تمام اشیاء کو بھیجتا ہے اور ضرورت پڑنے پر ہر شے کے پیچھے کائنات کی فوج کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ لیکن ضرورت کسی بھی جہت سے قطعاً پیش نہیں آتی ہے۔ اور ہر چیز کائنات کی مقدار کے برابر ایک عظیم الشان قوت کا سہارا لے لیتی ہے اور اگر بالفرضِ ضرورت پڑے تو تمام اشیاء ہر شے کے مقابلے میں اس منفرد قائد کی قوّت کا رُوپ دھار جاتی ہیں۔ اور اگر ''فردیت'' نہ ہو تو ہر چیز اس تمام قوّت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور عدم کے مرتبے میں جا گرے۔ اور یوں اس کے نتائج بھی عدم کے مرتبے میں جا گریں گے۔

پس اِن چھوٹی چھوٹی اور بے قیمت چیزوں سے برآمد ہونے والے یہ بہت سے خارقِ عادت نتائج جن کا مشاہدہ

Marfat.com

ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں، یہ بالبداہت ''فردیت'' اور ''احدیت'' پر دلالت کرتے ہیں۔ وگرنہ یہ نہ ہوتے تو ہر چیز کے آثار و نتائج و ثمرات خود اُس چیز کے مادے اور اس کی قیمت کی طرح چھوٹے پڑ جاتے اور وہ عدم کے درجے میں جا گرتے۔ اور یہ قیمتی چیزیں جن کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں یہ اتنی زیادہ اور وافر مقدار میں اور انتہائی درجے میں ارزاں نظر نہ ہوتیں تو وہ تربوز یا انار جو ہم چالیس روپے میں خرید سکتے ہیں ہوسکتا ہے کہ چالیس ہزار میں بھی نہ خرید سکتے۔

جی ہاں، دنیا میں یہ جو آسانی، ارزانی، فراوانی پائی جاتی ہے اس کا سرچشمہ وحدت ہے اور یہ فردیّت کی گواہی دیتی ہے۔

دوسرا نقطہ

موجودات کی تخلیق دو طرح سے ہوتی ہے:

الف: عدم سے وجود میں لانا۔ اسے اِبداع اور اختراع کہا جاتا ہے۔

ب: پہلے سے پائے جانے والے عناصر اور دیگر اشیاء کو جمع کر کے اور انہیں ترکیب دے کر کسی چیز کو وجود میں لانا۔ اسے انشاء اور ترکیب کہا جاتا ہے۔ پس اگر یہ تخلیق فردیت کے جلوے اور احدیت کے راز کے حساب سے ہوگی تو غیر محدود قسم کی سہولت بلکہ درجہ وجوب تک پہنچی ہوئی ہوگی اور آسانی کا باعث بنے گی۔ اور اگر اس کی نسبت فردیت کی طرف نہ کی جائے تو غیر محدود درجے کی مشکل اور نامعقول ہوگی، بلکہ امتناع کے درجے تک پہنچی ہوئی دشواری کا باعث ہوگی۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اس کائنات میں موجودات کا بغیر کسی تکلیف کے انتہائی درجے کی سہولت اور آسانی کے ساتھ غایت درجے کی مکمل صورت کے ساتھ وجود میں آجانا بالبداہت فردیت کے جلوے پر دلالت کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ ہر چیز اس خالقُ الفرد ذوالجلال کی بلاواسطہ بنائی ہوئی ہے۔

جی ہاں، اَشیاء کی نسبت اگر فَرْدُ الْاَحَد ذات کی طرف کردی جائے تو وہ انہیں اپنی اُس غیر محدود قدرت کے ذریعے پلک جھپکنے میں عدم سے وجود میں لے آتی ہے جس کی عظمت اُس کے آثار و مظاہر کے ذریعے سمجھ میں آتی ہے۔ اور وہ اپنے لاانتہا ہمہ گیر علم کے ذریعے ہر چیز کے لیے ایک معنوی قالب جیسی مقدار معیّن کرتی ہے۔

پس جس طرح ایک منظم لشکر کے اطاعت گزار سپاہی اپنے قائد کے حکم کے تحت اور اس کے اپنے علم کے مطابق ترتیب دیے ہوئے منصوبے کی روشنی میں اپنی اپنی جگہوں پر دوڑے چلے آتے ہیں اسی طرح اوامرِ ربانیہ کی اطاعت کرنے والے یہ ذرات ہیں، یہ ذرات قدرتِ ربانیہ کے بَل پر۔ پوری سہولت کے ساتھ۔ کھینچ کر لائے جاتے ہیں تاکہ اللہ کے ازلی علم میں موجود منصوبے کے تحت آکر اپنی اپنی جگہیں سنبھال لیں۔ حتیٰ کہ اگر ان ذرات کو مختلف اطراف سے جمع کرنا ضروری ٹھہرے تو علمِ الٰہی کے ہمہ گیر قانون کے ساتھ وابستہ اور قدرتِ الٰہیہ کے دساتیر کے ساتھ بندھے ہوئے یہ تمام

Marfat.com

ذرات ایک منظم لشکر کے مطیع و فرمانبردار سپاہیوں کا روپ دھار جاتے ہیں اور اس قانون کے بل پر اور قدرت کی ہانک پکار کے ذریعے ہر چیز کے ذرات تیز رفتاری سے آتے ہوئے اس علمی قالب اور تقدیری مقدار میں گھری ہوئی اُس چیز میں اپنی اپنی جگہ سنبھالنے کے لیے ٹھہر جاتے ہیں اور اُس وجود کی تشکیل کرتے ہیں۔

بلکہ وہ تمام موجودات اور تمام اشیاء جن کی صورتیں اور ماہیتیں اُس فردِ واحد کے اَزلی علم میں موجود ہیں، قدرت ان اَشیاء و موجودات کو انتہائی سہولت اور آسانی کے ساتھ خارجی وجود پہنا دیتی ہے اور یوں اُنہیں عالمِ معنی سے عالمِ ظہور میں لے آتی ہے اور اُنہیں آنکھوں کے سامنے نمایاں کر دیتی ہے۔ بالکل ایسے جیسے شیشے میں پایا جانے والا عکس کیمرے کے ذریعے ٹریسنگ پیپر پر خارجی وجود پہن لیتا ہے۔ یا پھر جیسے کسی کاغذ پر لکھی ہوئی مخفی تحریر اُس پر کوئی کیمیاوی مادہ مَل دینے سے نمایاں ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر تخلیق کے اس عمل کی نسبت فردِ واحد کی طرف نہ کی جائے تو پھر ایک مکھی کے بدن کی تخلیق کے لیے تمام عناصر اور سطح زمین ضروری ہے، بلکہ ضروری ہے کہ کسی حساس میزان کے ساتھ ان تمام عناصر کی چھان بین کی جائے اور انہیں جانچا پرکھا جائے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس بدن کے خصوصی ذرّات کو اکٹھا کیا جائے اس صورت میں اِن ذرّات کو ان کے اس مصنوعی بدن میں نظم و ضبط کے ساتھ ٹھہرانے کے لیے کسی مادی قالب بلکہ اس کے اعضاء کے برابر مادی قالبوں کی ضرورت ہے، اور اسی طرح معنوی جہانوں سے کسی مخصوص میزان کے ساتھ اس وجود میں پائے جانے والے حواس و روح جیسے باریک، دقیق اور معنوی لطائف کا جمع کرنا بھی لازم آجاتا ہے۔

پس اس صورت میں ایک مکھی کو وجود میں لانا کائنات کو وجود میں لانے کے برابر مشکل ہے، اور یہ مشکل سو گنا مشکل در مشکل اور محال در محال ہو جاتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ دین اور سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ: خالقٌ فردٌ کے سوا کوئی بھی چیز عدم اور نیستی سے پیدا نہیں کر سکتی ہے۔ بات جب ایسے ہی ہے تو پھر ایجاد کا معاملہ اگر اسباب اور طبیعت کے حوالے کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز کو بہت سی چیزوں کو اکٹھا کر کے وجود دیا جائے۔

تیسرا نقطہ

دوسرے رسائل میں بیان کی گئی دو، تین تمثیلات کو ہم اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں جو اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اگر تمام اشیاء کی نسبت فردِ واحد ذات کی طرف کر دی جائے تو ایک شے کی طرح آسان ہو جائیں گی لیکن اگر اُن کی نسبت اسباب اور نیچر کی طرف کر دی جائے تو ایک شے کا وجود تمام اشیاء کی مقدار میں مشکل ہو جاتا ہے۔

پہلی تمثیل

اگر ایک ہزار فوجیوں کی ادارت، کار پردازی اور تدبیر ایک آفیسر کے سپرد کر دی جائے اور ایک سپاہی کی نسبت دس

Marfat.com

افسروں کی ادارت کے سپرد کر دی جائے تو اس ایک سپاہی کی ادارت ایک دستے کی ادارت سے دس گنا زیادہ مشکلات کا باعث بنے گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر حکم چلانے والے ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بنیں گے اس لیے وہ سپاہی ان کے باہمی اختلافات کی وجہ سے راحت کا منہ کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ اسی طرح ایک دستے سے حاصل ہونے والے نتیجے اور مطلوبہ کیفیت کو اگر ایک آفیسر کے حوالے کر دیا جائے تو وہ نتیجہ اور کیفیت بغیر کسی تکلیف کے بالکل آسانی کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر اس کیفیت اور نتیجے کے حصول کو ایسے افراد پر محمول کر دیا جائے جن کا اُس پتے میں کوئی رئیس، قائد اور رہنما نہ ہو تو پھر اس مطلوبہ کیفیت کے متحد ہونے کی وجہ سے بہت مشکلات اور دوڑ دھوپ کے بعد بھی ایک ناقص سی صورت کے علاوہ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

دوسری تمثیل

اگر ''ایا صوفیہ'' جیسی جامع مسجد کے قبے میں کسی پتھر کو نصب کر کے اُسے ہوا میں روک رکھنے کا کام کسی ماہر معمار کے سپرد کر دیا جائے تو وہ یہ کام بڑی آسانی کے ساتھ سرانجام دے لے گا۔ لیکن اگر اُس کی اس بناوٹ کا کام اُس قبے کے پتھروں کے سپرد کر دیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ہر پتھر ایک ہی وقت میں تمام پتھروں پر حاکم بھی ہو اور اُن کا محکوم بھی، تا کہ ہر پتھر اپنا سر دوسرے کے سر پر رکھ کر سہارا لے سکے اور قبّہ ہوا میں ٹھہر سکے۔

اب جہاں ایک ماہر کاریگر تھوڑی سی کوشش صَرف کر کے یہ کام کر لیتا ہے وہاں سینکڑوں پتھر سینکڑوں گنا زیادہ محنت کر کے بھی مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔

تیسری تمثیل

مثال کے طور پر فردِ واحد کا ایک مأمور اور سپاہی ہونے کیوجہ سے، صرف وہ اکیلا سپاہی جب ''اکیلی ذات'' کی طرف سے صادر ہونے والے حکم کو پاتا ہے تو اس کے نتیجے میں موسموں کا حصول، گردش لیل ونہار، آسمانوں میں عظیم الشان حرکات کا ظہور اور سینما کے منظروں کی طرح آسمان کے مناظر کی تبدیلی جیسے نتائج کو حاصل کرنے کے لیے زمین جیسا ایک سپاہی ایک ہی ذات کے ایک ہی حکم کو لے کر اس وظیفے کی خوشی میں جذب وکیف کے ذریعے مجذوب مولوی کی طرح دو حرکتوں کے ذریعے رقص وسماع میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور یوں ایک ملازم ان تمام عظیم الشان نتائج کے حصول وظہور کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

تو گویا کہ ایک سپاہی سطح کائنات پر ایک پوری فوج کے نقل وحرکت کی قیادت کرتا ہے۔

لیکن اگر اس عمل کی نسبت اس ''اکیلی ذات'' کی طرف نہ کی جائے جس کی اُلوہیت کی حاکمیت اور جس کی ربوبیت کی سلطنت تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور جس کا حکم اور امر تمام موجودات میں نافذ ہے تو پھر ان نتائج کا حاصل

Marfat.com

ہونا ممکن نہیں، الّا یہ کہ زمین سے یہ ہزاروں گنا بڑے لاکھوں کُرے ان نتائج، اس آسمانی نقل و حرکت اور زمینی موسموں کے حصول کے لیے ہر سال اور ہر چوبیس گھنٹوں میں ایک لمبی مدت کی مسافت میں لاکھوں سال تک چلتے رہیں۔

پس زمین جیسے ایک ہی ملازم کے مجذوب مرید رومی کی طرح اپنے محور و مدار کے اُوپر دو حرکتوں کے ذریعے حاصل ہونے والے عظیم الشان نتائج اس بات کی ایک مثال ہے کہ وحدت میں کس درجہ سہولت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح کے نتائج کا حصول اس حرکت سے لاکھوں گنا زیادہ مشکل اور بے شمار لمبے راستوں کے ذریعے ان نتائج کا حاصل کر لینا کتنا مشکل بلکہ محال ہے اور یہ چیز شرک اور کفر کی راہ میں پائے جانے والے محالات اور باطل اُمور کی ایک مثال ہے۔

اور اب ذرا اس مثال کی روشنی میں اسباب کے منعقد اور نیچر کے پجاریوں کو دیکھو، اور وہ اس طرح کہ: ایک صانع اپنی غیر معمولی صنعت کے ذریعے انتہائی منظم صورت میں ایک کارخانے کی یا ایک گھر کی مشینیں اور اس کے پہیے تیار کرتا ہے۔ اور ایک عالی شان محل کے اور ایک مکمل کتاب کے اجزاء کو تیار کرتا ہے لیکن پھر ان اجزاء کو اور ان پہیوں کو ترکیب نہیں دیتا اور انہیں سہولت کے ساتھ استعمال نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر جزء کو اور ہر پہیے کو حتی کہ کاغذ اور قلم کو بہت زیادہ اخراجات صرف کر کے ہر پہیئے کو ایک خارق عادت قسم کی مشین بنا دیتا ہے تاکہ وہ اجزاء اور وہ پہیئے کسی کاریگر کے بغیر ہی از خود کام کرتے رہیں، کارخانہ خود چیزیں بناتا جائے محل خود تعمیر ہوتا جائے گھڑی خود بخود دبنتی جائے اور چلتی رہے اور کتاب خود بخود لکھی جاتی رہے۔ اور اپنی تمام مہارت اور صنعت گری ان اجزاء اور ان پہیوں کے حوالے کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے ان تمام آثار و کمالات اور فنی محاسن کے اظہار کا وسیلہ بن جائیں جن آثار و کمالات کی وہ بہت زیادہ تشہیر کرنا چاہتا ہے۔

اس سے آپ یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ اس طرح کا گمان کتنی بڑی جہالت اور بعید از عقل بات ہے!!!

بعینہٖ اسی طرح جو لوگ ایجاد کی نسبت اسباب اور نیچر کی طرف کرتے ہیں وہ دُگنی جہالت کی دلدل میں جا گرتے ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسباب اور نیچر پر بھی ایک منظم قسم کی صنعگری کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی دیگر مخلوقات کی طرح مصنوع ہی ہے پس جس نے اسے اس طرح سے پیدا کیا ہے وہ اس کے نتائج بھی بناتا ہے اور انہیں ظاہر بھی کرتا ہے جو گٹھلی بناتا ہے وہ اس پر درخت بناتا ہے اور جو درخت بناتا ہے وہ اس پر پھل بھی بناتا ہے۔

لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر دیگر اسباب اور نیچر کی دیگر اقسام کی ایجاد کے لیے مزید منظم اسباب کی اور نیچروں کی ضرورت پڑے گی۔ اور چلتے چلتے اس سے موہُومات کے ایک بے معنی، ناممکن اور غیر متناہی سلسلے کے وجود کو لازماً قبول کرنا پڑے گا۔ اور یہ چیز جہالت کی ایک عجیب ترین قسم ہے!!!

پانچواں اشارہ

ہم یہ بات بہت سی جگہوں پر قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ حاکمیت کی خصوصیت کی اہم بنیاد ''استقلال و

Marfat.com

انفرادیت'' ہے، اِس حد تک کہ اس عاجز انسان میں پایا جانے والا حاکمیت کا کمزور سا سایہ بھی اپنے استقلال کی حفاظت کی خاطر کسی بھی دوسرے کی دخل اندازی کو پوری شدت کے ساتھ ردّ کر دیتا ہے اور اپنے کام میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ بہت سے بادشاہوں نے اس دخل اندازی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے معصوم بیٹوں اور محبوب بھائیوں تک کو بڑی بے رحمی سے ذبح تک کر دیا ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ حقیقی حاکمیت کی بنیادی اساس، اس کا دائمی تقاضا اور اس کا علیحدہ نہ ہونے والا لازمہ'' استقلال وانفرادیت اور ردِّ مداخلت'' ہے۔ اور اسی اہم اساسی خصوصیت کی بنا پر حاکمیتِ الٰہیہ مُطلق ربوبیت کے درجے میں شرک واشتراک اور غیر کی مداخلت کو انتہائی شدت کے ساتھ ردّ کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن معجز بیان توحید کے مسئلے کو انتہائی حرارت اور شدّت اور بہت زیادہ تکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے اور شرک واشتراک کو بڑی سنگین دھمکیوں کے ساتھ ردّ کرتا ہے۔

پس حاکمیتِ الٰہیہ ربوبیت کے درجے میں قطعی طور پر توحید اور وحدت کا تقاضا کرتی ہے اور ان کے ایک مضبوط محرک اور شدید قسم کے تقاضے کا اظہار کرتی ہے۔

اِسی طرح کائنات میں، مجموعی کائنات سے لے کر، نجوم وکواکب سے لے کر نباتات وحیوانات ومعدنیات تک، حتی کہ جزئیات وافراد وذرّات تک پایا جانے والا یہ انتہائی درجے کا کامل ترین نظم وضبط اور یہ انتہائی درجے کی خوبصورت ترین ہم آہنگی بھی اس فردیت اور وحدت پر ایک ایسے شاہدِ عدل اور روشن دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں کسی بھی جہت سے قطعی طور پر کسی بھی طرح کے شبہے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی دوسرے کی دخل اندازی کا شائبہ تک بھی ہوتا تو کائنات کا یہ انتہائی قسم کا حساس نظام وانتظام وتوازن بگڑ جاتا اور اس میں بگاڑ کے آثار واضح طور پر نظر آتے اور ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے کائنات کے اِس کامل ومکمل خارقِ عادت نظام میں خلل آجاتا اور خرابی کا دور دورہ ہوتا۔ جبکہ ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ﴾ کی دلیل سے ذرّوں سے لے کر سیاروں تک اور فرش سے لے کر عرش تک کسی بھی جہت سے قطعی طور پر کوئی بھی کمی، نقصان یا تشویش نظر نہیں آتی ہے۔ اسی بنا پر کائنات کا نظام مخلوقات کا انتظام اور موجودات کا یہ توازن اسم گرامی ''فَـرْدٌ'' کے عظیم ترین جلوے پر دلالت کرتا ہے اور وحدت کی گواہی دیتا ہے، اسی طرح احدیت کے جلوے کی رُو سے سب سے چھوٹی مخلوق کائنات کا ایک چھوٹا سا ماڈل اور اُس کی ایک چھوٹی سی فہرست کی طرح ہے اسی بنا پر اس ایک زندہ مخلوق کا مالک ہونا صرف اُسی کے لیے ممکن ہے جو اپنے قبضۂ تصرف کے ذریعے تمام کائنات کا مالک ہو۔ اور چونکہ ایک گٹھلی تخلیق کے لحاظ سے کسی درخت سے پیچھے نہیں ہے، اور ایک درخت تخلیق کی رُو سے ایک چھوٹی سی کائنات کا حکم رکھتا ہے، اور ہر ذی حیات مخلوق ایک جہان اور چھوٹی سی کائنات کا حکم رکھتی ہے، اِس لیے احدیت کے راز کا یہ جلوہ شرک واشتراک کو محال کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔

Marfat.com

پس اس راز کی رُو سے یہ کائنات فقط کوئی ایسا ''کُل'' نہیں ہے جو اجزاء میں تقسیم نہ ہوتا ہو، بلکہ یہ اپنی ماہیت کے لحاظ سے ایک ایسی ''کُلّی'' ہے جو متعدّد ہاتھوں کو قبول نہیں کرتی اور اس کا انقسام واشتراک اور تجزیہ ممکن نہیں اس بنا پر اس میں پایا جانے والا ہر جزء ایک جزئی کا حکم رکھتا ہے اور اس کا ایک فرد ہے اور وہ ''کُل'' بھی ''کُلّی'' کے حکم میں ہوگا اس لیے اس میں کسی بھی جہت سے اشتراک قطعی طور ممکن نہیں۔

پس اسم گرامی ''فَرْدٌ'' کا یہ عظیم جلوہ احدیت کے اس راز کی رُو سے توحید کی حقیقت کا بداہت کے درجے میں اثبات کرتا ہے۔

جی ہاں، کائنات کی انواع واقسام کے باہم دیگر متداخل ہونے، ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے اور ہر ایک کی ذمہ داری کے رُخ کے سب کی طرف ہونے کی کیفیت نے جس طرح کائنات کو ربوبیت اور ایجاد کے لحاظ سے تجزیہ قبول نہ کرنے والے ایک کُل کی صورت دے دی ہے، اسی طرح کائنات میں جاری وساری عمومی اور ہمہ گیر افعال بھی ایک دوسرے میں متداخل ہونے کے لحاظ سے، یعنی مثال کے طور پر زندگی عطا کرنے والے فعل میں عین اسی وقت میں پرورش کرنے اور رزق مہیا کرنے کے افعال نظر آ رہے ہیں۔ اور پرورش کرنے اور زندگی دینے کے افعال میں، اسی وقت میں اس ذی حیات کے جسم کی تنظیم وتجہیز کے افعال کا بھی مشاہدہ ہو رہا ہے، اور اس پرورش کرنے، زندگی دینے اور تنظیم وتجہیز کے افعال میں اسی وقت شکل وصورت دینے، تربیت اور تدبیر کے احوال دیکھے جا رہے ہیں۔ اور اسی طرح عمومی اور ہمہ گیر افعال کے باہم متداخل ہونے اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے اور روشنی میں پائے جانے والے سات رنگوں کی طرح ایک دوسرے میں گھلے ملے ہونے، بلکہ ایک ہی ہونے کے لحاظ سے اور ان افعال میں سے ہر ایک فعل ماہیت کے لحاظ سے وحدت میں اکثر موجودات کا احاطہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا فاعل ایک اکیلی تنہا ذات ہے۔ اور ان افعال میں سے ہر ایک فعل کے تمام کائنات پر غلبے اور دوسرے افعال کے ساتھ تعاون کارانہ اتحاد نے جس طرح کائنات کو ایک ناقابلِ تقسیم کل بنا دیا ہے اسی طرح ہر ذی حیات نے کائنات کا ایک بیج، فہرست اور نمونہ ہونے کی وجہ سے کائنات کو ربوبیت کے نقطۂ نظر سے ایک ایسی کلی بنا دیا ہے جس کی تقسیم اور تجزیہ ناممکن اور محال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کائنات ایک ایسا کل ہے کہ اس کے ایک جزء کا رب ہونا، پورے کل کے رب ہونے پر موقوف ہے۔ اور ایک ایسی کلی ہے کہ جس کا ہر جزء ایک فرد کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ کسی ایک فرد سے اپنی ربوبیت تسلیم کروانا اُس کلی کے تمام افراد کو مسخر کر کے ہی ممکن ہے۔

چھٹا اشارہ

فردیتِ ربّانیہ اور وحدتِ الٰہیہ تمام کمالات کا دارومدار اور اُن کی بنیاد ہے۔ اور تخلیق کائنات میں رکھی گئی

Marfat.com

مقاصد اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے، اسی طرح یہ ہر ذی شعور اور ذی عقول اور خاص کر انسان کی خواہشات وضروریات کے حصول کا بھی سرچشمہ اور واحد وسیلہ ہے۔ چنانچہ اگر "فردیت" نہ ہوتی تو نوعِ بشر کی تمام اُمیدیں، آرزوئیں اور اس کے تمام مطالب ومقاصد کا شعلہ بجھ جاتا۔ اور تخلیقِ کائنات کے نتائج عدم کے مرتبے میں جا گرتے اور ان کا عدم بہت سے ثابت شدہ اکثر کمالات کے منعدم ہونے کا وسیلہ بن جاتا۔

مثال کے طور پر: انسان کے اندر بقا ودوام کی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی گہری، مضبوط اور غیر متزلزل اُمید خواہش اور آرزو پائی جاتی ہے۔ اب جو فردیت کے راز کی رُو سے اپنے قبضۂ تصرّف میں تمام کائنات کو تھامے ہوئے ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ گھر کا ایک دروازہ بند کر کے دوسرا کھول دینے کی طرح بڑی آسانی کے ساتھ اس دنیا کا دروازہ بند کر کے آخرت کا دروازہ کھول دیتا ہے، وہی اُسے اس کی مطلوبہ چیز دے کر اُس کی اِس خواہش وآرزو کو پورا کر سکتا ہے اور انسان کی چاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی اور ابد تک چلتی گئی اِس آرزو جیسی ہزاروں آرزوئیں رازِ فردیت اور حقیقتِ توحید کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔ اور اگر فردیت نہ ہوتی تو یہ آرزوئیں بھی نہ ہوتیں اور بانجھ ہی رہ جاتیں، اور اگر تمام کائنات میں وحدت کے ذریعے دفعتاً تصرّف کرنے والا منفرد اور یگانہ متصرّف نہ ہوتا تو یہ مطالب ومقاصد حاصل نہ ہوتے، اور اگر حاصل ہو جاتے تو از بس ناقص رہ جاتے۔

پس یہی وہ عظیم الشان راز ہے جس کی وجہ سے قرآن معجز بیان توحید اور فردیت کا درس بہت زیادہ تکرار کے ساتھ ایک علوی شیرینی اور قوی حرارت کے ساتھ دیتا ہے۔ اور انبیاء واصفیاء واولیاء سب کے سب کلمۂ توحید ﴿لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ میں اپنا بلند ترین ذوق اور انتہائی درجے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ساتواں اشارہ

حضرت محمد ﷺ جو کہ اس حقیقی توحید کا درس دیتے ہیں، اُس کا اِثبات کرتے ہیں اور اس کا اُس کے تمام مراتب سمیت کامل ترین صورت میں اعلان واظہار کرتے ہیں، اس سے اُن کی رسالت توحید کی طرح قطعی درجے میں لازمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ توحید جو کہ دائرۂ الوجوب کے حقائق میں سے سب سے عظیم حقیقت ہے، یہ رسول ﷺ جب

(حاشیہ: ا) حتیٰ کہ خود توحید جمال وکمال الٰہی کی ایک واضح ترین برہان اور تابندہ ترین دلیل ہے، کیونکہ جب پتا چل جائے کہ کائنات کا صانع ایک اور اکیلا ہے، تب وجود میں نظر آنے والے جمال وکمال کی تمام انواع وکمال کے بارے میں یہ معرفت حاصل ہو جائے گی کہ یہ کمالِ مقدس اور جمالِ منزّہ کے واحد الاحد صانع کے کمالِ مقدس کی انواع واقسام اور جمالِ منزّہ کے طور طریقے اور انداز ہیں۔ لیکن اگر اس یگانہ ویکتا صانع کی پہچان نہ ہونے پائے تو ان کمالات وجمال کی گوناگوں انواع واقسام کو بے شعور اسباب اور عاجز مخلوقات کے کھاتے میں ڈال دیا جائے گا۔ تب عقلِ بشری ان سرمدی جمال وکمال کے خزانوں کے سامنے حیران رہ جائے گی؛ کیونکہ اس صورت میں ان ابدی خزانوں کی چابی گنوا بیٹھتی ہے۔ مؤلف

Marfat.com

اُس توحید کا درس دیتے ہیں تو پھر یہ کہنا صحیح ہے کہ: وہ تمام دلائل و براہین جو کہ توحید کا اثبات کرتے ہیں وہ دلائل و براہین ضمناً آپ ﷺ کی رسالت آپ ﷺ کے وظیفے کی حقانیت کا اور آپ ﷺ کے دعوے کی صداقت کا بھی قطعی طور پر اثبات کرتے ہیں۔

جی ہاں، ایسی رسالت جو کہ ان جیسے ہزار ہا بلند حقائق پر مشتمل فردیت اور وحدانیت کا کما حقہ انکشاف کرتی اور اس کا درس دیتی ہے، ایسی رسالت اس توحید و فردیت کا لازمی اور قطعی تقاضا ہے۔ اور یہ دونوں بہرحال اس رسالت کا تقاضا کرتی ہیں۔

پس ہم ان بہت سے اسباب و دلائل میں سے بطور مثال تین اسباب بیان کریں گے جو آپ ﷺ کی اس معنوی شخصیت کی قدر و قیمت اور بلند مرتبے کی گواہی دیتے ہیں جس نے اُس وظیفے کو مکمل طور پر ادا کیا۔ وہ اسباب و دلائل اس بات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ وہ معنوی شخصیت ہی اس کائنات کا آفتاب ہے۔

پہلی دلیل

"السبب کالفاعل میں پائے جانے والے راز کی رُو سے تمام اُمت ہر زمانے میں جو بھی نیکیاں کرتی ہے، ان تمام نیکیوں جیسی نیکیاں آپ ﷺ کی نیکیوں کے صحیفے میں چلی جاتی ہیں۔ اسی طرح جتنے بھی درود تمام اُمت آپ ﷺ پر ہر روز بھیجتی ہے، یہ تمام غیر محدود دعائیں قطعی طور پر قبول ہو جانے کی جہت سے ایک ایسے مقام اور مرتبے کی مقتضی ہیں جن کے تصور سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپ ﷺ کی معنوی شخصیت اس تمام کائنات کا معنوی سورج ہیں۔

دُوسری دلیل

عالمِ اسلام کے عظیم الشان چھتنار درخت کا سرچشمہ، گٹھلی، زندگی اور دار و مدار یعنی ماہیت محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام نے غیر معمولی صلاحیتوں، استعدادوں اور قابلیتوں کے ذریعے عالمِ اسلام کی روحانیات کی تشکیل کرنے والے قدسی کلمات و تسبیحات و عبادات کو سب سے پہلے ان کے تمام معانی کے ساتھ خود چکھا اور ادا کیا اور ان کے ذریعے روحانی ترقیوں کی بلندیوں پر پہنچے۔

پس ذرا ان صلاحیتوں اور قابلیتوں کا تصور کرو ان سے جنم لینے والی روحانی ترقیوں کا سامنے رکھ کر تصور کرو گے تو تمہاری سمجھ میں یہ بات آجائے گی عبودیت محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام کی ولایت جو کہ حبیبیت کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے تمام ولایتوں سے کتنی زیادہ بلند ہے!

ایک دن مجھ پر، ایک نماز میں ایک تسبیح کے وہ معانی کھلے جو صحابہ کرامؓ کے فہم و ادراک کے قریب تر تھے، تو مجھے ان کی اہمیت ایک مہینے کی عبادت کے برابر معلوم ہوئی۔ اور اس سے مجھے صحابہ کرام کی عالی شان قدر و قیمت کا بھی پتا چلا۔ اور اس

Marfat.com

بات کا بھی پتا چلا کہ وہ نور اور وہ فیض جو ان کلمات سے اسلام کے ابتدائی دور میں جاری ہوتا تھا اُس کی کچھ اور ہی امتیازی خصوصیات تھیں۔ اور یہ کہ ان کلمات کی تجدّد پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اور ہی طرح کی لطافت اور تر و تازگی ہے جو کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، کم ہو جاتی ہے اور حجابِ غفلت کے پیچھے چلی جاتی ہے۔

پس ذاتِ محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کلمات کو اُن کی تر و تازگی کی حالت میں ان کے حقیقی سرچشمے یعنی مقدس ذات سے بالکل جدید حالت میں حاصل کیا تھا اور انہیں اپنی غیر معمولی استعداد کے ساتھ چُوس کر اپنی ذات میں جذب کر لیا تھا۔

پس اس راز کی رُو سے آپ ﷺ ایک ہی تسبیح سے وہی فیض حاصل کر سکتے تھے جو دوسرے لوگ ایک سال میں کرتے ہیں۔

اس نقطے کی روشنی میں آپ کمالات کے اُن غیر محدود اور لا انتہا مراتب کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جن سے ذات محمدی ﷺ ہمکنار ہوئی۔

تیسری دلیل

اس کائنات میں خالقِ کائنات کے تمام مقاصد کا اہم ترین دار و مدار نوعِ انسان ہے۔

اور تمام سبحانی مخاطبات کا سب سے زیادہ صاحبِ علم مخاطَب نوعِ بشر ہے اسی وجہ سے الخالق الفرد ذُوالجلال نے اس نوع کی ترجمانی کرنے کے لیے بلکہ عمومی کائنات کی ترجمانی کے لیے اپنے کلام کا مخاطب اس نوع کے اس فرد کو بنایا جو اپنے اعمال و آثار کی وجہ سے سب سے زیادہ مشہور و معروف، کامل ترین، جلیل القدر اور معزز تھا، اور وہ ہیں محمد ﷺ۔

پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے آپ ﷺ کو لامحدود کمالات سے نواز کر اپنے لامحدود فیضان کا مظہر بنا دیا ہے۔

ان تین نقاط جیسے اور بھی بہت سے نقاط ہیں جو قطعی طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی معنوی شخصیت جس طرح کائنات کے لیے ایک معنوی سورج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ شخصیت کائنات نامی اِس قرآن کبیر کی ایک آیتِ کُبریٰ ہے، اس فرقانِ اعظم کا اسمِ اعظم اور اسمِ گرامی ''فرد'' کے عظیم ترین جلوے کا ایک آئینہ ہے۔

پس ہماری اُس ''فرد اَحد صمد'' ذات سے یہ آرزو ہے کہ وہ اپنی لا انتہا رحمت کے خزانے سے محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کائنات کے تمام ذرّات کو تمام زمانوں کے تمام منٹوں کے سیکنڈوں میں ضرب دے کر جو حاصل ضرب ہو اس کی تعداد میں درود و سلام بھیجے۔

﴿سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ﴾

Marfat.com

تیسویں لمعے کا پانچواں نقطہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَانْظُرْ اِلٰى آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا، اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

''اَسکی شہر'' کی جیل میں شوال کے مہینے میں میری عقل پر دور دراز سے اِس پہلی آیتِ عظمٰی کا اور اس دوسری آیتِ کبریٰ کا ایک نکتہ آشکار ہوا۔ اور یہ نکتہ اسمِ گرامی ''الحی'' کے جلوے کے ہمراہ آشکار ہوا جو کہ اِسمِ اَعظم ہے، یا اسمِ اعظم کی دو روشنیوں میں سے ایک روشنی ہے، یا اس کے اَنوارِ ستہ میں سے ایک نور ہے۔ لیکن ہم اس وقت وہ نکتہ قیدِ تحریر میں نہ لا سکے اور فوری طور پر اس قدسی پرندے کا شکار نہ کر سکے۔ اُس نکتے کو تو جتنا دور ہونا تھا ہو گیا، لیکن اب کم از کم یہ ہے کہ ہم اختصار کے ساتھ اس حقیقتِ کبریٰ اور اُس نورِ اَعظم کی بعض شعاعوں کو کچھ رمزوں کی صورت میں آشکار کریں گے۔

پہلی رمز

زندگی جو کہ اسم گرامی ''الحی'' اور ''المحی'' کی عظیم ترین تجلّی ہے، یہ زندگی کیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ اور اس کا وظیفہ کیا ہے؟

اس کا ایک فہرست کے ساتھ مِلتا جُلتا جواب یہ ہے کہ:

زندگی اس کائنات کی اہم ترین غرض وغایت ہے۔

اس کا عظیم ترین نتیجہ ہے۔

اس کی تابندہ ترین روشنی ہے۔

اس کا لطیف ترین خمیر ہے۔

اس سے ٹپکا ہوا صاف ترین جوہر ہے۔

اس کا کامل ترین پھل ہے۔

اس کا بلند ترین کمال ہے۔

اس کا خوبصورت ترین جمال ہے۔

اس کی مزیّن ترین زینت ہے۔

اس کی وحدت کا راز ہے۔

Marfat.com

اس کے اتحاد کا رابطہ ہے۔

اس کے کمالات کا منبع ومصدر ہے۔

خارقِ عادت صنعت و ماہیت کے لحاظ سے اس کی عجیب ترین ذی روح مخلوق ہے۔

اس کی ایک ایسی معجزانہ حقیقت ہے جو چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کو ایک پورے جہان کا حکم عطا کر دیتی ہے۔

قدرت کا ایک ایسا عجیب وغریب معجزہ ہے جو ایک چھوٹے سے جاندار کو ایک چھوٹا سا جہان بنا دیتا ہے اور اسے اکثر موجودات کے ساتھ مناسبت رکھنے والا بنا دیتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ اس جاندار کو اِس عظیم الشان کائنات کی ایک فہرست کی صورت میں ظاہر کرتا ہے، اور یوں ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ کائنات کو اس چھوٹے سے جاندار میں بسانے کا وسیلہ بن رہا ہو۔

یہ ایک ایسی خارقِ عادت اور غیر معمولی صنعتِ الٰہیہ ہے جو ایک جزء کو ایک بہت بڑے ''کل'' کے برابر بڑا کر دیتی ہے، اور کائنات کو ایک ایسے ''کل'' اور ''کلی'' کے حکم میں ظاہر کرتی ہے جو ربوبیت میں تجزیہ، اشتراک اور انقسام قبول نہیں کرتے ہیں یہ کائنات کی ماہیات کے ضمن میں الحیّ القیوم ذات کے واجبُ الوجود ہونے پر اس کی وحدت پر اور اس کی احدیت کی گواہی دینے والی قطعی ترین، روشن ترین اور سب سے بڑی برہان ہے۔

یہ مصنوعاتِ الٰہیہ کے مابین صنعتِ ربانیہ کے معانی پر سب سے زیادہ دلالت کرنے والا، مخفی ترین اور تابندہ ترین نقش ہے۔

یہ رحمت الٰہیہ کی ایک لطیف، رقیق، دقیق تجلی ہے جو تمام موجودات کو اپنی خادم بنا لیتی ہے۔

یہ شئوونِ الٰہیہ کو منعکس کرنے والا ایک انتہائی قسم کا جامع ترین آئینہ ہے۔

یہ ربانی تخلیق کا ایک بہت بڑا اعجوبہ ہے جو حس، سمع اور بصر جیسے تمام حواس کا مصدر و منبع اور الرحمان، الرزاق، الرحیم، الکریم اور الحکیم جیسے اکثر اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کا جامع ہے اور رزق وحکمت وغایت ورحمت جیسے بہت سے حقائق کو اپنے تابع کر کے رکھتا ہے۔

یہ اس کائنات کے کارخانے میں صاف کرنے والی ایک عظیم ترین مشین ہے جو اشیائے کائنات کو ہمہ وقت ہر طرف سے پاک صاف رکھتی ہے، انہیں ترقی دیتی ہے اور روشن رکھتی ہے۔ گویا کہ یہ جسم جو زندگی کا گھونسلا ہے، ذرّات کے قافلوں کا ایک مہمان خانہ، مدرسہ اور کیمپ ہے جس میں اُنہیں اُن کی ذمہ داریوں کی ٹریننگ دی جاتی ہے، انہیں ان کی ذمہ داریاں بتائی جاتی ہیں اور انہیں روشنی دی جاتی ہے۔

اور گویا یہ زندگی ایک مشین ہے جس کے ذریعے ''الحیّ المحی'' ذات اس تاریک اور سفلی دنیاوی عالم کو لطافت بخشتی ہے، اسے منوّر کرتی ہے اور اُسے ایک قسم کی بقا مہیا کرتی ہے۔

Marfat.com

پھر زندگی کے دونوں چہرے یعنی ملک ملکوت کسی بھی میل کچیل سے پاک صاف اور تابناک اور کسی بھی کمی کوتاہی سے بلند ہیں۔اسی بنا پر زندگی کی تخلیق ایسے امتیازی انداز سے ہوتی ہے کہ اس میں دوسری چیزوں کی طرح ظاہری اسباب کو قدرت کے تصرّفات کے آگے حجاب نہیں بنایا گیا ہے؛ تاکہ یہ بات آشکار ہو جائے کہ یہ ربّانی قدرت کے ہاتھ سے اَزخود بغیر کسی واسطے کے اور بغیر کسی حجاب سے صادر ہوتی ہے۔

پھر زندگی کی حقیقت ایمان کے ارکانِ ستہ پر نظر رکھتی ہے اور رمزی اور معنوی طور پر اس کا دارِ آخرت کا اور اس کی بقا بدوش زندگی کا تقاضا کرتی ہے۔

فرشتوں کے وجود کا تقاضا کرتی ہے۔اور ایمان کے تمام ارکان کی طرف مضبوط نظر سے دیکھتی ہے اور ان کا تقاضا کرتی ہے۔

پھر جس طرح زندگی ایک صاف شفاف ترین جوہر ہے جو تمام کائنات سے ٹپکا ہے اسی طرح یہ ایک عظیم ترین راز ہے جو کائنات میں پائے جانے والے شکر، عبادت، حمد اور محبت جیسے الٰہی مقاصد اور تخلیقِ کائنات کے اہم نتائج کو آشکار کرتا ہے۔

پس زندگی کے ان مذکورہ بیش قیمت اور اہم ترین انتیس خواص کو اور ان کے عظیم الشان عمومی اور بلند وظائف کو نگاہ میں رکھو، پھر ان میں غور کرو اور اسم گرامی ''محی'' کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ اسم گرامی ''حیّ'' کتنی اہمیت کا حامل اسم اعظم ہے!

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ زندگی جب کائنات کا سب سے بڑا نتیجہ اور اس کی سب سے بڑی غایت اور بیش قیمت پھل ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس زندگی کا بھی کائنات کے برابر کوئی عظیم الشان نتیجہ اور بہت بڑی غرض و غایت ہو؛ کیونکہ جیسے درخت کا نتیجہ اس کا پھل ہے ویسے ہی پھل کا نتیجہ بھی اس پھل کی گٹھلی سے برآمد ہونے والا درخت ہے۔

جی ہاں، اس زندگی کی غرض و غایت اور اس کا نتیجہ ابدی زندگی ہے، تو اس کا پھل اس ''حیّ اور محی ذات'' کا شکر، عبادت، حمد اور محبت ہے جس نے زندگی ہبہ کی ہے۔یہ شکر و محبت اور حمد و عبادت جس طرح زندگی کا پھل ہے اسی طرح یہ کائنات کی غرض و غایت بھی ہے۔

پس اس سے یہ بات سمجھ جاؤ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں: ''اس زندگی کی غرض و غایت صرف عیش خوشی، راحت و رامش، غفلت بھری لذّت پرستی اور شہوت رانی کا لطف اُٹھانا ہے''۔

وہ لوگ بدترین جہالت کے ساتھ منکرانہ بلکہ کافرانہ طور پر زندگی کی انتہائی قیمتی نعمت، شعور کے تحفے اور عقل کے احسان کا استخفاف اور تحقیر و ناقدری کر کے ایک خوفناک کفران نعمت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

دُوسری رمز

زندگی جو کہ اسمِ گرامی ''حیّ'' کی عظیم ترین تجلّی اور اسمِ گرامی ''مُحی'' کی تجلّیات میں سے ایک لطیف تجلّی ہے، اس کے

Marfat.com

تمام مراتب کو اور اُن تمام اوصاف و وظائف کو جن کی فہرست پہلی رمز میں ذکر ہوئی ہے، وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے لیے خود ان اوصاف کی تعداد میں رسائل تالیف کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہم ان کی بعض تفصیلات کو رسائل نور کے حوالے کرتے ہیں؛ کیونکہ بعض اوصاف و مراتب کی وضاحت رسائلِ نور میں کردی گئی ہے اس لیے اس مقام پر ہم اُن میں سے بعض کی طرف مختصر سا اشارہ کریں گے۔

اور وہ یوں ہے کہ: زندگی کے انتیسویں خاصے میں کہا گیا ہے:

''زندگی کے دونوں چہرے یعنی ملک وملکوت کسی بھی میل کچیل سے پاک صاف اور تابناک اور کسی بھی کمی کوتاہی سے بلند ہیں۔ اسی وجہ سے اس میں دوسری چیزوں کی طرح ظاہری اسباب کو قدرتِ ربّانیہ کے تصرّفات کے آگے حجاب نہیں بنایا گیا ہے''۔

جی ہاں، اس خاصیت کا راز یہ ہے کہ: اگرچہ کائنات کی ہر چیز میں حسن و جمال اور خیر پائی جاتی ہے اور شرّ و بدصورتی ایسی قیاسی وحدت اور انتہائی جزوی چیز ہے کہ حسن و جمال کے مراتب اور اس کے حقائق کے تعدّد کے اظہار کے لیے شرّ سراپا خیر بن جاتی ہے اور بدصورتی حسن و جمال کا روپ دھار جاتی ہے۔ لیکن ظاہری اسباب مقدّس اور منزّہ قدرت کے تصرّفات کے آگے حجاب بنا دیے گئے ہیں تاکہ ذی شعور کی ظاہری نظر میں نظر آنے والی ظاہری بدصورتی، برائی، اور آلام و مصائب سے جنم لینے والا غصہ، ناراضگی اور شکایات کا رخ براہِ راست حیّ وقیوم ذات کی طرف نہ ہو جائے، اور اس لیے بھی کہ قدرت جب اُن چیزوں میں براہِ راست تصرف کرتی ہے جو عقل کی ظاہری نظر میں بدصورت اور خسیس نظر آتی ہیں، تو قدرت کا یہ تصرّف اس کی عزت اور وقار کے منافی نہ ہو جائے۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ اسباب ذاتی طور پر کوئی چیز پیدا نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ تو قدرت کی عزّت، اُس کی قدسیت اور پاکیزگی کی حفاظت کے لیے بنائے گئے ہیں، اور اس لیے بھی کہ یہ باطل اعتراضات و شکایات کا نشانہ بنے رہیں جیسے کہ بائیسویں مقالے کے دوسرے مقام کے مقدمے میں بیان کیا گیا ہے کہ عزرائیلؑ نے روحوں کے قبض کرنے والی اپنی ڈیوٹی کے بارے میں اللہ سے سرگوشی کی اور کہا: تیرے بندے مجھ سے ناراض ہوں گے، تو انہیں جواب میں کہا گیا: ''میں تمہاری ڈیوٹی اور مرنے والوں کے درمیان بیماریوں اور مصیبتوں کا پردہ رکھ دوں گا، اس طرح وہ اپنے اعتراضات و شکایات کے تیر تیری طرف پھینکنے کی بجائے ان پردوں کی طرف پھینکیں گے پس اس سرگوشی کے راز کی رُو سے۔ عزرائیلؑ کو پردہ بنا دیا ہے اسی طرح ظاہری اسباب کو عزرائیلؑ کے لیے پردہ بنا دیا گیا ہے، تاکہ یہ سمجھیں کہ اہلِ ایمان کے لیے موت و وفات کا چہرہ بہت خوبصورت ہے، لیکن اس خدشے کے تحت کہ اس خوبصورت چہرے کو نہ دیکھ سکنے والے اور اس میں پائی جانے والی رحمت کے جلوے کو سمجھ نہ سکنے والے لوگوں کے شکووں اور شکایتوں کا رُخ ذاتِ حیّ قیّوم کی طرف ہو جائے گا؛

Marfat.com

اُس نے عزرائیلؑ کو پردہ بنادیا، اور اسی طرح ظاہری اسباب کو عزرائیلؑ کے لیے پردہ بنادیا۔

جی ہاں، بلاشبہ عزت اور عظمت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسباب _ عقل کی نظر میں _ دستِ قدرت کے لیے پردہ بن جائیں، لیکن وحدت اور جلال کا تقاضا یہ ہے کہ اسباب حقیقی تاثیر سے اپنے ہاتھ کھینچ لیں۔

لیکن زندگی میں بدصورتی اور برائی جیسی کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو قدرت کی عزت وقدسیّت کے منافی ہو، جیسے کہ اس میں ایسا مواد بھی نہیں پایا جاتا جو اعتراض اور شکایت کا باعث بنتا ہو؛ کیونکہ زندگی کے دونوں چہرے، ظاہر اور باطن اور ملک وملکوت میں کوئی میل کچیل اور کمی کوتاہی نہیں ہے۔ اسی بنا پر خود زندگی کو بغیر کسی حجاب کے براہِ راست حی وقیوم ذات کے زندگی دینے والے اور دوبارہ اُٹھانے والے اسم کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

پھر نور، وجود اور ایجاد بھی زندگی کی طرح ہی ہیں، چنانچہ یہ بھی بغیر کسی واسطے اور حجاب کے خالقِ ذُوالجلال کی طرف دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بارش بھی چونکہ زندگی اور رحمت کی ایک قسم ہے اس لیے اس کے نزول کے وقت کو کسی باضابطہ قانون کے تابع نہیں رکھا گیا ہے۔ تاکہ ہاتھ طلبِ رحمت کے لیے حاجت کے تمام اوقات میں بابِ الٰہی کی طرف اُٹھتے رہیں۔ لیکن اگر بارش طلوعِ شمس کی طرح کسی قانون کے تابع ہوتی تو پھر یہ زندگی سے بھرپور نعمت کو ہمہ وقت اُمید لگا کر طلب نہ کیا جاتا۔

تیسری رمز

زندگی کی انتیسویں خاصیت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: زندگی کائنات کا نتیجہ ہے، جیسے کہ شکر وعبادت جو کہ زندگی کے نتیجے ہیں، تخلیقِ کائنات کا سبب، اس کی علتِ غائی اور مطلوبہ نتیجہ ہے۔

جی ہاں، اس کائنات کا '' الحیّ القیوم '' صانع جب ذی حیات مخلوق کو اپنی ذات کا تعارف کراتا ہے اور اپنی لاتعداد اور غیر محدود نعمتوں کے ذریعے اپنی ذات کو اُن کے لیے محبوب بناتا ہے تو اُن سے ان نعمتوں کے مقابلے میں یہ چاہتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کے مقابلے میں اس کا شکر ادا کریں، اور اس کی محبت کے مقابلے میں اس کے ساتھ محبت کریں، اس کی قیمتی مصنوعات کے مقابلے میں اس کی مدح وثنا کریں اور اُس کے ربانی اوامر کے مقابلے میں اس کی اطاعت وعبودیت کا دم بھریں۔

پس ربوبیت کا یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر شکر وعبودیت تمام ذی حیات کی اور ان کی اتباع میں تمام کائنات کی اہم غرض وغایت ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ معجز بیان بہت زیادہ شیرینی، شدّت اور حرارت کے ساتھ شکر اور عبادت کی طرف کھینچتا ہے، اور بہت زیادہ تکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص، شکر اُسی کے لائق ہے اور حمد وثناء اسی کے لیے خاص ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آیات جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ زندگی کو اس کے تمام حالات وکیفیات

Marfat.com

سمیت تھامے ہوئے ہے، جیسے فرمانِ گرامی: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اور فرمان گرامی: ﴿هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ اور فرمان گرامی: ﴿فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ایسی تمام آیات بہت زیادہ صراحت کے ساتھ اسباب و وسائط کی نفی کرتی ہیں اور زندگی اپنی باگ ڈور کو پورے اعتماد کے ساتھ "الحیّ القیوم" کے ہاتھ میں تھما دیتی ہے، تاکہ یہ بتائے کہ اِس شکر اور عبادت کا بغیر کسی واسطے کے اپنے حقیقی مالک تک پہنچنا بہت ضروری ہے۔

جی ہاں، قرآن کریم ﴿هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾، ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾ اور ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا﴾ جیسی آیات کے ذریعے بتاتا ہے کہ زندگی جو کہ شکر و امتنان کی طرف بُلاتی ہے اور حمد و ثنا اور محبت کے جذبات کو تحریک دیتی ہے، اس زندگی کے بعد رزق، شفا اور بارش جیسی چیزیں جو کہ شکر کا وسیلہ بنتی ہیں، یہ بھی بغیر کسی واسطے کے الرزّاق اور الشافی کے شکر کا باعث ہیں۔ اور یہ کہ اسباب و وسائط حجاب ہیں، اسی لیے ﴿هُوَ الَّذِي﴾ اور ﴿هُوَ الرَّزَّاقُ﴾ کے لفظ کا ذکر کیا جو نحو کے قائدے کے مطابق حصر اور تخصیص کی علامت ہے اور ایسا یہ بتانے کے لیے کیا کہ رزق شفا اور بارش بغیر کسی پردے کے "الحیّ القیوم" کی جانب سے آتے ہیں، اس کی قدرت کے ساتھ خاص ہیں اور اس کی قدرت میں منحصر ہیں اور وہ شافی حقیقی صرف وہی ہے جس نے ان دواؤں میں یہ خواص رکھ دیے ہیں اور ان میں تاثیر پیدا کر دی ہے۔

چوتھی رمز

زندگی کی اٹھائیسویں خصوصیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندگی ایمان کے ارکانِ ستّہ (اللہ، ملائکہ، کتابیں، رسول، قیامت اور تقدیر پر ایمان) کا اثبات کرتی ہے، اس کی توجہ انہیں کی طرف ہے اور یہ انہیں کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہے۔

جی ہاں، جب "حیات" ہی وہ حکمت ہے جو تخلیق کائنات کے پس منظر میں کارفرما ہے اور یہ حیات ہی اس کائنات کا اہم ترین نتیجہ اور اس کا خلاصہ اور ماحصل ہے، تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بلند و بالا حقیقت اس فانی، چھوٹی سی، ناقص اور الم خیز و رنج انگیز دنیاوی زندگی میں کسی بھی طور منحصر نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ "زندگی" کے درخت کی غرض و غایت، اس کا نتیجہ اور اُس کا پھل ـ جس کی عظمت و ماہیت کی وضاحت اُس کی انتیسویں خاصیت کے تحت ہو چکی ہے ـ صرف اور صرف حیاتِ ابدی، حیاتِ اُخروی اور وہ زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والے دارِ سعادت میں اپنے شجر و حجر اور آب و خاک سمیت زندگی سے بہرہ ور ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تمام ذی شعور اور خاص کر انسان میں پایا جانے والا یہ متنوع اور فراواں آلات و ادوات سے تیار کیا گیا زندگی کا یہ درخت بے پھل، بے کار، بے فائدہ اور بے حقیقت رہ جائے اور انسان زندگی کی سعادت مندی کے لحاظ

Marfat.com

سے بدبخت، بدنصیب، ذلیل اور چڑیا سے بھی بیس درجے نیچے رہے، حالانکہ یہ بطورِ مثال حالات کے اور سرمایۂ حیات کے لحاظ سے ایک بلند ترین مخلوق، تمام ذی حیات سے زیادہ معزز اور چڑیا سے بیس درجے بلند مخلوق ہے۔ بلکہ عقل جو کہ ایک قیمتی ترین نعمت ہے، یہ نعمت اس وقت انسان کے لیے بلائے بے درماں اور مصیبتِ کبریٰ کا روپ دھار جائے گی جب انسان گزشتہ ہموم وغموم اور آئندہ پیش آنے والے خطرات کے خوف میں مبتلا رہے گا اور یوں وہ ایک لذت کی پاکیزگی اور شفافیت کو نوقسم کے رنج والم سے مکدّر کر کے اپنے دل کو ہمیشہ مبتلائے عذاب رکھے گا! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چیز سو فیصد ناممکن اور باطل ہے۔

پس اس سے یہ پتا چلا کہ دنیاوی زندگی ایمان کے ایک رُکن ''ایمان بالآخرت'' کا قطعی اِثبات کرتی ہے اور وہ اس طرح کہ یہ زندگی ہر موسم بہار میں حشر کے تین لاکھ سے زائد نمونے ہماری آنکھوں کے سامنے آشکار کر دیتی ہے۔

سو اب تم خود ہی بتاؤ کہ وہ صاحبِ قدرت پروردگار جو تمہاری زندگی سے تعلق رکھنے والی تمام لازمی ضرورتیں تیار کرتا ہے اور ان سے متعلق تمام ساز و سامان مہیا کرتا ہے خواہ ان کا تعلق تمہارے جسم کے ساتھ ہے، تمہارے باغیچے کے ساتھ ہے یا پھر تمہارے شہر کے ساتھ، اس تمام ساز و سامان کو تیار کر کے انتہائی حکمت، عنایت اور رحمت کے ساتھ بھیج دیتا ہے، اس ضمن میں وہ یہاں تک جانتا ہے کہ تمہارے معدے کو کون سی ایسی غذا کی ضرورت ہے جو تمہاری گزر بسر اور بقا کی کفالت کر سکے اور وہ معدے کی اس خاص جزوی دعا کو بھی سنتا ہے جو وہ رزق کے لیے مانگتا ہے اور پھر معدے کے اطمینان کے لیے بے شمار لذت بھرے کھانے فراہم کر کے یہ چیز ظاہر بھی کرتا ہے کہ اس نے یہ دعا قبول کر لی ہے۔ اب خود ہی کہو کہ ایسی صاحبِ قدرت اور صاحب تدبیر ہستی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ تمہیں پہچان نہ پائے؟ تجھے دیکھے نہ اور چشم پوشی اختیار کیے رکھے؟ اور انسان کی سب سے بڑی غرض وغایت یعنی حیاتِ جاوید اور بقائے دوام کے لیے ضروری اور مطلوبہ اسباب مہیا نہ کرے؟ اس کی سب سے اہم اور سب سے عام پکار یعنی بقا و خلود کا جواب نہ دے؟ اور دوسری زندگی، حیاتِ آخرت اور جنت ایجاد کر کے اس کی دعا کو قبولیت سے نہ نوازے؟ اس انسان کی پکار نہ سنے جو کہ کائنات کی بلند ترین مخلوق بلکہ زمین کا بادشاہ اور اس کا حاصل ہے۔ وہ عمومی اور طاقتور پکار جو کہ دل کی گہرائیوں سے صادر ہوتی ہے۔ اور جو کہ عرش وفرش پر لرزہ طاری کر دیتی ہے! تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ چھوٹے سے معدے کی تو سنے لیکن دل کی گہرائیوں سے صادر ہونے والی اور عرش و فرش پر لرزہ طاری کرنے والی عمومی آواز کو نہ سنے اور اسے معدے جتنی اہمیت بھی نہ دے اور یوں وہ اس انسان کو راضی نہ کرے؟ اور اس طرح سے وہ اپنی حکمتِ کاملہ اور رحمتِ مطلقہ کو انکار کی بھینٹ چڑھا دے؟ ہرگز نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہزار بار ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔

کیا اس بات کا تصوّر ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی کے ادنیٰ ترین جزء کی پست ترین آواز سُن لے، اس کی شکایت پر کان

Marfat.com

دھرے، اس کی شکایت دور کرے، اس کی داد رسی کرے، اس پر مہربانی کرے، کامل نظرِ عنایت سے، مکمل توجہ اور رُو رِعایت سے، آخری درجے کے اہتمام کے ساتھ کائنات کی بڑی سے بڑی مخلوق کو اس کے لیے مسخر اور اس کے ماتحت کر کے اسے درجہ بدرجہ پروان چڑھائے اور تکمیل تک پہنچائے، لیکن پھر عظیم ترین، بلند ترین، لطیف ترین اور پائندہ ترین زندگی کی آسمانی گرج جیسی آواز نہ سنے؟ اور کیا یہ بات معقول ہوسکتی ہے کہ وہ اس کی اہم دعا یعنی بقا و دوام کی دعا کی طرف توجہ نہ دے اور اس کی گریہ زاری، اس کی امید اور اس کی وسیلہ جوئی کی طرف دھیان نہ دے؟ اور اس معاملے میں وہ اس آدمی کا سا برتاؤ کرے جو ایک سپاہی کو تو پورے اہتمام کے ساتھ ساز و سامان دے کر تیار کرے لیکن اپنے وفادار لشکر جرار کو نظر انداز کیے رکھے!! اور وہ ہستی جو ایک ذرّے کو تو دیکھ لے لیکن سورج کو نہ دیکھ سکے! یا پھر وہ ہستی جو مکھی کی بھنبھناہٹ تو سن لے لیکن بادلوں کی گرج نہ سُن سکے؟ پناہ بخدا! لاکھوں بار پناہ بخدا!! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

اور کیا عقل یہ بات کسی بھی پہلو سے قبول کرسکتی ہے کہ وہ قادر و حکیم، وسیع رحمت، بلند محبت اور ہمہ گیر شفقت کی مالک ہستی جو کہ اپنی پیداوار کو بہت زیادہ پسند کرتی ہے اور اس پیداوار کے توسط سے اپنی ذات کی محبت اپنی مخلوقات کے دل میں ڈالتی ہے اور جو اپنے چاہنے والوں کے ساتھ ٹوٹ کر شدت سے محبت کرتی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہستی اُس مخلوق کی زندگی کو فنا کر دے جو اس کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتی ہے اور وہ خود محبوب بھی ہے، اس قابل ہے کہ اُس کے ساتھ محبت کی جائے اور فطری طور پر اپنے خالق کی پرستش کرتی ہے؟

اور کیا عقل یہ بات قبول کرسکتی ہے کہ وہ جوہرِ حیات اور خلاصہء کائنات اور روحِ موجودات کو ابدی موت اور آخری عدم کے ذریعے فنا کر دے! اور اپنے دوستوں اور محبّوں کے درمیان جفا کاری اور ناسازگاری کی فضا پیدا کر کے انہیں مبتلائے آلام کر دے اور اس طرح اپنی رحمت کے راز اور محبت کے نور کو انکار کی بھینٹ چڑھا دے! ہزار بار حاشا و کلا! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ پس وہ جمالِ مطلق جس نے اپنی جلوہ گری سے اس کون و مکان کو زیب و زینت بخشی ہے اور وہ رحمتِ مطلقہ جس نے تمام مخلوقات کو سرسبز و شاداب اور آراستہ پیراستہ کیا ہے، بلاشک ایسا حسن و جمال اور ایسی رحمت اس مطلق قباحت، مطلق ظلم اور مطلق قساوت سے قطعی طور پر پاک اور بہت دور ہیں۔

نتیجہ کلام:

اس دنیا میں جب زندگی ہے، یہ بات ضروری ہے کہ وہ لوگ جو زندگی کا راز سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کا استعمال بُرے طریقے سے نہیں کرتے ہیں، وہ لوگ بہر صورت باقی رہنے والی جنت میں باقی رہنے والی زندگی سے ہمکنار ہوں گے۔ ہمارا یہ ایمان ہے۔

پھر سطحِ زمین پر چمکنے والی چیزوں کو دیکھو اور سطحِ سمندر پر اٹھنے والی جھاگ اور بلبلوں پر غور کرو، ریگستان کا ہر ذرہ اور

Marfat.com

پانی کا ہر بلبلہ ایک مستقل سورج کا منظر پیش کر رہا ہے لیکن بلبلوں کے غائب ہوتے ہی ان پر منعکس ہونے والی تمام روشنی اور تابندگی و درخشندگی گم ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز ہمیں اس حقیقت کی خبر دیتی ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہونے والے یہ ہزاروں سورج صرف خیالی تھے جو کہ ایک ہی بلند و بالا سورج کی تجلّی کا انعکاس تھے اور یہ نظر آنے والے ہزاروں سورج اپنی اپنی زبان میں ہمیں یہ پیغام دے جاتے ہیں اور سب اپنی نورانی انگلیوں کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں کہ ایک حقیقی سورج موجود ہے۔ زمین کی سطح پر اور سمندر کے پانی میں ذی حیات کے قدرتِ الٰہیہ کے طفیل اور ''الحی القیوم'' کے اسم گرامی ''المُحی'' کی بدولت چمکنے دمکنے اور ''یا حیّ'' کا ورد کرنے کے بعد اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ چھوڑنے کی غرض سے پردۂ غیب کے پیچھے چھپ جانے کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح کا ہے، کہ یہ سب حیاتِ سرمدی اور الحی القیوم سبحانہ وتعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کی شہادتیں اور اشارے ہیں۔

اسی طرح وہ تمام دلائل جو اُس علمِ اِلٰہی پر دلالت کرتے ہیں جس کے آثار موجودات کے نظم وضبط میں نظر آ رہے ہیں، وہ تمام براہین جو اُس قدرت کا اثبات کرتے ہیں جو کائنات میں تصرّف کناں ہے، وہ تمام دلائل جو کون ومکان کی تدبیر و تنظیم اور اُس ارادے اور مشیت کا اثبات کرتے ہیں جو کون ومکان کی تدبیر و تنظیم پر غالب اور اس میں عمل دخل رکھتی ہے اور وہ تمام نشانات اور معجزات جو اُن نبوّتوں کا اثبات کرتے ہیں جو کلام ربانی اور وحیٔ الٰہی کا دار ومدار ہیں۔ یہ تمام دلائل جو کہ اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر ''صفاتِ سبعہ'' (حاشیہ:۱) پر دلالت کرتے اور ان کی گواہی دیتے ہیں، یہ تمام دلائل بالاتفاق ''الحیّ القیّوم'' کی حیات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی گواہی دیتے ہیں؛ کیونکہ اگر کسی چیز میں دیکھنے کی صلاحیت ہو تو وہ لازمی طور پر زندہ ہوگی۔ اور اگر اس میں سماعت پائی جائے گی تو یہ بھی اس کی زندگی کی علامت ہوگی، اگر اس میں کلام یعنی بات کرنے کی قوت پائی جائے گی تو یہ چیز بھی اس میں زندگی کے وجود کا اشارہ دے رہی ہوگی، اگر وہ چیز اختیار وارادہ کی مالک ہوگی تو یہ چیز بھی زندگی ہی کا مظہر ہوگی۔ بالکل اسی طرح یہ غیر محدود اور بے حد وحساب قدرت، ہمہ گیر ارادہ، احاطہ کُناں علم جیسی تمام جلیل القدر صفات جن کے آثار کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں اور جن کے حقیقی وجود کا علم ہمیں بالکل بدیہی طور پر ہو رہا ہے، یہ تمام صفات ''الحیّ القیوم'' کی حیات اور اس کے واجب الوجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی اس حیاتِ سرمدی کی گواہی دے رہی ہیں جس کے سائے سے یہ تمام کائنات منوّر ہے اور جس کے ایک جلوے سے تمام دارِ آخرت اپنے ذروں کے ساتھ زندگی سے جگمگا رہا ہے۔

اور اسی طرح زندگی ایمان کے رُکن ''ایمان بالملائکہ'' کو دیکھتی ہے، اور رمزی طور پر اُس کا اثبات کرتی ہے؛ کیونکہ جب کائنات کا اہم ترین نتیجہ زندگی ہے، اور جس چیز کا سب سے زیادہ پھیلاؤ ہو رہا ہے اُس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے کثرت کے ساتھ نسخے چھاپے جا رہے ہیں، اور اُس کے پے در پے آنے جانے والے قافلوں یعنی ذی حیات

(حاشیہ:۱) صفاتِ سبعہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ سات صفات مراد ہیں: حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ مترجم۔

Marfat.com

کی آمدورفت سے یہ کارواں سرائے آباد ہے اور جب انواع واقسام کی ذی حیات مخلوقات سے یہ کرۂ ارض اس قدر بھرا ہوا ہے، اور انواع واقسام کی ذی حیات مخلوقات کی دائمی تجدید وتکثیر کی حکمت کے پیش نظر یہ سرائے ہمہ وقت بھرتی اور خالی ہوتی رہتی ہے۔ اور کم ترین، خسیس ترین اور خراب ترین مواد سے بھی جاندار کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں۔ حتّی کہ یہ کرۂ ارض اُن جانداروں کے لیے محشرِ مخلوقات بن چکا ہے۔

اور جب عقل وشعور جو کہ زندگی سے کشید کیا ہوا صاف ترین خلاصہ ہے، اور رُوح جو کہ اس زندگی کا ثابت و برقرار رہنے والا لطیف ترین جوہر ہے؛ اس کرۂ ارض میں اس کثرت کے ساتھ پیدا کیا جا رہا ہے کہ گویا کرۂ ارض کو عقل، شعور اور روحوں کے ذریعے زندگی دے کر شاد آباد کر دیا گیا ہے۔

اور اجرامِ سماوی جو کہ زمین سے زیادہ لطیف، نورانی، بڑے اور اہم ہیں؛ قطعی طور پر ناممکن ہے کہ وہ مردہ، جامد، زندگی اور شعور سے محروم ہوں!

تو اس سے پتا چلا کہ رازِ حیات کی رُو سے آسمانوں میں ایسے باشندے بہر کیف موجود ہیں جو اُن آسمانوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، وہاں کے ماحول کے ساتھ ہم آہنگ ہیں، ذی شعور ہیں، زندگی سے بہرہ ور ہیں، الٰہی خطابات سے بہرہ ور ہوتے ہیں، آسمانوں کی تخلیق کے نتیجے کا اعلان واظہار کرتے ہیں، آسمانوں کو اور شموس ونجوم کو آباد کرتے ہیں اور انہیں زندگی سے بھری ہوئی کیفیت سے بہرہ یاب رکھتے ہیں۔ اور وہ فرشتے ہیں۔

اسی طرح زندگی کی ماہیت میں پایا جانے والا راز ''ایمان بالرسل'' کو دیکھتا ہے اور رمزی طور پر اس کا اثبات کرتا ہے۔

جی ہاں، جب یہ بات حقیقت ہے کہ کون ومکاں کی تخلیق زندگی کے لیے ہوئی ہے، اور یہ کہ حیات ''الحیّ القیوم'' ہستی کی سب سے بڑی تجلّی، کامل ترین نقش اور حسین ترین صنعت گری ہے اور اس کی حیاتِ جاوداں اپنا کشف واظہار پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے کرتی ہے، کہ اگر یہ ''پیغمبر'' اور ''کتابیں'' نہ ہوتیں تو اُس ازلی اور ابدی حیات کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہ ہوتا، اب جس طرح ایک فرد کے بولنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ شخص زندہ اور زندگی سے بھرپور ہے، اسی طرح انبیاء ورسل اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ ہستی جو کائنات کے مستور پردوں کے پیچھے سے ان پیغمبروں کے ساتھ ہمکلام ہوئی ہے اور جس نے اپنے الفاظ وکلمات کے ذریعے اپنے احکام نازل کیے ہیں، وہ ایک زندہ وجاوید ہستی ہے، اب اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات میں پائی جانے والی زندگی اس ''ازلی زندہ ہستی'' اور اس کے واجبُ الوجود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے کہ حیاتِ ازلی کی شعاعوں اور تجلیوں کی نظر اور رُخ اور گہرا ربط ''اِرسالِ رسل'' اور ''اِنزالِ کتب'' جیسے ارکان ایمان کے ساتھ ہے جن کا اثبات ان سے رمزی طور پر ہوتا ہے اور خاص کر جب ''رسالتِ محمدی ﷺ'' ''وحی قرآنی''؛ زندگی کی روح اور اُس کی عقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جا

Marfat.com

سکتی ہے کہ ان کی حقانیت خود زندگی کے وجود کی طرح قطعی اور یقینی ہے۔

جی ہاں، جس طرح زندگی اس کون ومکان سے کشید کیا ہوا ایک خلاصہ اور جوہر ہے اور شعور اور حس بھی زندگی کا خلاصہ ہے، اور عقل بھی شعور اور حس سے کشید کیا گیا ایک خلاصہ ہے، اور روح بھی زندگی کا ایک خالص اور صاف جوہر اور ایک مستقل وجود ہے؛ اسی طرح مادی اور روحانی حیاتِ محمدی ﷺ بھی کائنات کی زندگی اور روح سے کشید کیے ہوئے جوہر کا جوہر ہے۔ اور رسالتِ محمدی ﷺ بھی کائنات کی حس اور شعور اور عقل سے کشید کیا ہوا سب سے صاف جوہر ہے، بلکہ مادی اور روحانی حیاتِ محمدی ﷺ اپنے آثار کی شہادت کی رُو سے کائنات کی زندگی کی زندگی ہے۔ اور رسالتِ محمدی ﷺ کائنات کے شعور کا شعور اور نور ہے۔ اور وحی قرآنی بھی اپنے زندہ حقائق کی شہادت کی رو سے کائنات کی زندگی کی روح اور اُس کے شعور کی عقل ہے۔

بنابریں، رسالت محمدی ﷺ کا نور کائنات کو چھوڑ کر چلا گیا تو کون ومکان پر موت طاری ہو جائے گی اور موجودات کی گہما گہمی مرگ آشنا ہو جائے گی۔ اور اگر قرآن کون ومکاں کو چھوڑ کر غائب ہو گیا تو کرۂ ارض حواس باختہ ہو جائے گا، اپنی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور شعور سے بیگانہ ہو جائے گا۔ اور پھر اسی بیخودی اور حیرانی کے عالم میں فضا میں کسی سیارے سے جانکرائے گا۔ اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

زندگی اسی طرح رکنِ ایمانی ''تقدیر'' کو دیکھتی ہے، اس پر دلالت کرتی ہے اور رمزی طریقے سے اس کا اثبات کرتی ہے؛ کیونکہ جب زندگی عالم شہادت کی روشنی ہے اور اس نے اس پر غلبہ حاصل کر رکھا اور اسے گھیر رکھا ہے؛ اور یہ زندگی وجود کا حاصل، اس کی غرض وغایت؛ خالقِ کائنات کی تجلیات کا جامع ترین عکّاس آئینہ ہے؛ اور ربانی کارگزاریوں کی مکمل ترین فہرست اور نمونہ ہے _ اگر تشبیہ دینے میں کوئی حرج نہ ہوتو _ یہ کائنات ایسے ہے جیسے مالک کی تمام کاروائیوں اور کارگزاریوں کا پروگرام ہو۔ اب اس راز کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ عالمِ غیب کا وجود ہو۔ اس سے مراد ماضی بھی ہے اور مستقبل بھی، یعنی نظر نہ آنے والی مخلوقات _ چاہے ان کا تعلق ماضی سے ہو چاہے مستقبل سے _ یہ غیبی کائنات پورے نظم و ضبط میں ہو، معلوم ومشہود ہو، متعین ہو اور تکوینی اوامر واحکام کے لیے آمادۂ اطاعت ہو، یعنی گویا کہ وہ جہاں ایک معنوی زندگی ہے، اُس کی مثال درخت کے اصلی بیج، اس کی جڑوں، اس کی گٹھلیوں اور اس کی چوٹی پر لگنے والے پھلوں کی سی ہے، یہ پھل مختلف قسم کی امتیازی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، بالکل ایسے جیسے خود درخت مختلف قسم کی ساخت اور امتیازی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ کبھی یہ بیج ایسے قوانینِ حیات کے حامل ہوتے ہیں جو درخت کے قوانینِ حیات سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور دقیق ہوتے ہیں۔

تو جس طرح وہ بیج اور جڑیں جو گزشتہ خزاں سے بچ رہے ہیں اور جو رواں موسم بہار میں بھی بچ رہیں گے، جس طرح

Marfat.com

یہ تمام بیج اور جڑیں نورِ حیات کی حامل اور قوانین حیات کے مطابق چلتی ہیں اور جس طرح موجودہ موسم بہار زندگی سے معمور ہے، یہی حال کائنات کے درخت کا اس کی ہر ٹہنی اور ہر شاخ اور برگ و بار کا ہے، اس کا ماضی بھی ہے اور مستقبل بھی، اس کے گزشتہ اور آئندہ اوضاع واطوار اور ادوار کی باہم دیگر پیوستہ ایک زنجیر ہے، ان میں سے ہر نوع اور اس کا ہر جزء انفرادی طور پر مختلف مراحل کے لحاظ سے علمِ الٰہی میں متعدد وجود رکھتا ہے اور اس طرح سے وہ علمی وجود کا ایک سلسلہ تشکیل دیتا ہے، (یعنی اس کے وجود کے تمام مراحل کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے) اور یہ علمی وجود جو کہ خارجی وجود کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، عمومی زندگی کی معنوی تجلی کا مظہر ہے۔ اِس حیثیت سے زندگی کے تمام منصوبہ جات تقدیر کی اُن زندہ اور پُر مغز الواح سے اخذ کیے جاتے ہیں۔

جی ہاں، عالم اَرواح _ جو کہ عالم غیب کی ایک قسم ہے _ کا روحوں سے پُر ہونا جو کہ حیات کا مادہ، اس کا سرچشمہ اور اُس کا اصل جوہر اور بنیاد ہے۔ اُس عالم کا بھی لازمی تقاضا یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل _ جو کہ عالم الغیب کی دو قسمیں ہیں _ جلوہ ہائے حیات سے مزیّن ہوں۔ اور اسی طرح علمی وجود میں اس کے اَوضاع واطوار میں مکمل نظم وضبط اور بھرپور ہم آہنگی، اس کے نتائج وثمرات اور اس کے ترتیب وار مراحلِ حیات اِس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہ علمی وجود ایک قسم کی معنوی حیات کا مظہر ہے۔

جی ہاں، زندگی کی اس طرح کی جلوہ گریاں جو کہ حیاتِ ازلی کے سورج کی ضیاباریاں ہیں، صرف عالمِ شہادت، اس موجودہ زمانے اور اس خارجی وجود میں ہی منحصر نہیں ہوسکتی ہیں، بلکہ ہر جہان اپنی قابلیت کے حساب سے اس روشنی کے جلوے کا مظہر ہے، اور کائنات اپنے تمام جہانوں سمیت اس جلوے کی بدولت اندہ اور روشن ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا _ جیسے کہ چشمِ ضلالت کو نظر آتا ہے _ تو ہر عالم اس وقتی، عارضی اور ظاہری دنیا کے نیچے دبے ہوئے ایک ہولناک اور پرخوف جنازے اور ظلمت بھرے کھنڈرات کی صورت اختیار کر جاتا!

اس طریقے سے زندگی کا راز سمجھ جانے سے تقدیر پر ایمان کا رُکن پوری وضاحت سے سمجھ میں آجاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے، یعنی جس طرح عالمِ شہادت اور نظر آنے والی اشیاء کی زندگی کا بھرپور اظہار ان میں پائے جانے والے نظم وضبط، ترتیب اور ان کے نتائج وثمرات سے ہوتا ہے، اسی طرح عالمِ غیب میں سے شمار کی جانے والی ماضی اور مستقبل کی مخلوقات کا بھی زندگی سے بھرپور ایک معنوی وجود اور روح سے بہرہ وَر ایک ایسا علمی ثبوت ہے کہ اس معنوی زندگی کا اثر قضاء وقدر کی لوح کی وساطت سے مقدرات اور منصوبہ جات کے نام سے نظر آجاتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہی صورتِ حال گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کی ہے، جو کہ عالمِ غیب یعنی نظر نہ آنے والی دنیا کی مخلوقات شمار ہوتی ہیں، جو معنوی یعنی غیر مادی اور غیر محسوس وجود اور معنوی حیات کی حامل ہیں، لیکن ان کا وجود علمی طور پر ثابت اور روح کا حامل ہے، اس معنوی حیات کے

Marfat.com

آثار کا ظہور و نمود لوحِ تقدیر کی وساطت سے ہوتا ہے، قضا و قدر کی اس لوح پر زندگی کے تمام مراحل سے متعلق لکھی ہوئی تحریروں کے مطابق جو کچھ ظہور میں آتا ہے اسے عالمِ ظہور یا عالمِ شہادت میں مقدرات یعنی فیصلوں، اندازوں اور منصوبہ بندیوں کا نام دیا جاتا ہے۔

پانچویں رمز

زندگی کی سولہویں خصوصیت میں کہا گیا ہے کہ:

زندگی جب کسی چیز میں داخل ہوتی ہے تو اس چیز کو ایک جہان کا رُوپ دے دیتی ہے، چنانچہ وہ ایک جُزء کو ''کُل'' جیسی اور ایک جزئی کو ''کُلّی'' جیسی جامعیت عطا کر دیتی ہے۔

جی ہاں، زندگی ایک ایسی جامعیت کی حامل ہے کہ گویا وہ احدیت کا ہمہ گیر آئینہ ہے جو اپنی ذات میں ان تمام اسمائے حسنیٰ کا اظہار کرتا ہے جو تمام کائنات پر تجلیاں بکھیر رہے ہیں۔

اور زندگی جب کسی جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو اُسے ایک عالَمِ صغیر کا رُوپ دے دیتی ہے، گویا کہ وہ کائنات کے درخت کی گٹھلی کی ایک قسم بن جاتی ہے جس کے اندر اس درخت کی ایک قسم کی فہرست رکھ دی گئی ہے۔ پس جس طرح یہ گٹھلی ایک ایسی قدرت کا نقش ہے جو اس کے درخت کو پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی طرح جس نے چھوٹے سے چھوٹے جاندار کو پیدا کیا ہے وہ قطعی طور پر تمام کائنات کا خالق ہے۔

پس یہ زندگی اپنی اس جامعیت کے ساتھ اپنی ذات میں احدیّت کے مخفی ترین راز کو آشکار کرتی ہے، یعنی جس طرح یہ عظیم الشان سورج اپنی روشنی، اپنے عکس اور سات رنگوں کے ساتھ سورج کا سامنا کرنے والے پانی کے ہر قطرے میں اور کانچ کے ہر ٹکڑے میں پایا جاتا ہے، اسی طرح ہر جاندار میں کائنات کا احاطہ کرنے والے اسماء و صفاتِ الٰہیہ کی تجلیات بیک وقت جلوہ گر ہیں۔ پس اسی زاویے سے زندگی نے کائنات کو ربوبیت اور ایجاد کی رُو سے ایک ایسا ''کُل'' بنا دیا ہے جو تقسیم نہیں ہوتا اور اجزاء میں نہیں بٹتا، بلکہ ایک ایسی ''کُلّی'' بنا دیا ہے جس کا مشترک ہونا اور اجزاء میں تقسیم ہونا خارج اَز اِمکان ہے۔

جی ہاں، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اُس کی تمہارے چہرے پر لگی ہوئی مُہر بالبداہت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس نے ہی تمام نوعِ انسان کو پیدا کیا ہے؛ کیونکہ انسانیت کی ماہیت ایک ہے اور ناقابلِ تقسیم ہے۔ اسی طرح کائنات کے اجزاء زندگی کی وساطت سے اُس کے اقرار کا حکم لے لیتے ہیں اور خود کائنات ایک نوع کا حکم لے لیتی ہے اور یوں اپنی مجموعی حالت میں احدیّت کی چھاپ کو نمایاں کر دیتی ہے، اسی طرح یہ احدیت کی اُس چھاپ کو اور صمدیت کی اس مہر کو اس کی ہر جزئی میں بھی نمایاں کر دیتی ہے اور شرک اور اشتراک کو ہر طرف سے دور بھگا دیتی ہے۔

Marfat.com

اسی طرح زندگی میں صنعتِ ربانیہ کے کچھ اس طرح کے عجیب وغریب، خارقِ عادت اور غیر معمولی قسم کے معجزات پائے جاتے ہیں کہ کوئی شخص اور کوئی قدرت جو تمام کائنات کو پیدا نہیں کرسکتی وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے جاندار کو بھی پیدا نہیں کرسکتی۔

جی ہاں، وہ قلم جو صنوبر کے گرانڈیل درخت کی فہرست اور اس کے تمام منصوبہ جات اس کے ایک چھوٹے سے بیج میں ایسے ہی لکھ دیتا ہے جیسے کہ چنے کے ایک چھوٹے سے دانے میں قرآن کریم لکھ دیا جاتا ہے، وہی قلم ہے جس نے آسمانوں کو ستاروں کے ساتھ لکھا ہے۔

جی ہاں، جس نے شہد کی مکھی کے چھوٹے سے سر میں ایک ایسی استعداد، قابلیت اور مشینری نصب کردی ہے جس سے وہ گلزارِ کائنات میں پائے جانے والے پھولوں کی پہچان کرتی ہے اور ان میں بہت سی انواع واقسام کے ساتھ ربط وضبط رکھتی ہے اور رحمت کے تحفوں میں سے شہد جیسا تحفہ لاتی ہے اور اس کے ذریعے_ جس نے شہد کی اس مکھی کو پیدا کیا ہے کائنات کا خالق وہی ہے_

الحاصل:

جس طرح زندگی کائنات کے چہرے پر توحید کے سکّوں میں سے ایک چمکدار سِکہّ ہے۔اور ہر ذی روح اپنی زندگی کی رُو سے اَحدیّت کا ایک سِکہّ ہے۔اور زندگی کے افراد میں سے ہر فرد میں پائے جانے والی صنعت کا نقش صمدیت کی مُہر ہے اور یہ تمام افراد اپنی زندگی کے ذریعے اس کائنات کی کتاب پر اُس ذاتِ حیّ قیوم اور واحدِ اُحد کے نام تمام ذی حیات کی تعداد کے برابر مہریں لگا رہے ہیں۔

پس اِن میں سے ہر ایک اس کتاب میں توحید کا ایک تابندہ نقش ہے، احدیت کی مہریں ہیں اور صمدیت کے سکے اور ٹھپے ہیں اسی طرح، زندگی کی مانند ہر ذی حیات کائنات کی اس کتاب میں جیسے وحدانیت کا ایک سکّہ ہے اسی طرح ان میں سے ہر ایک کے چہرے اور پیشانی پر احدیت کی ایک مہر لگی ہوئی ہے۔

جیسے زندگی اپنی جزئیات کی تعداد میں اور ذی حیات اپنے افراد کی تعداد میں اس حیّ قیوم کی وحدت پر شہادت دینے والے دستخط اور مہریں ہیں، اسی طرح فعلِ ''احیاء'' اپنے افراد کی تعداد میں توحید پر دستخط کرتا اور مہریں لگاتا ہے۔

مثال کے طور پر: زمین کو زندہ کرنا جو کہ فعلِ ''احیاء'' کے افراد میں سے ایک فرد ہے، یہ توحید کی ایک سورج کی طرح جگمگاتی گواہی ہے؛ کیونکہ تین لاکھ انواع میں سے ہر نوع کے لامحدود افراد بغیر کسی نقص وخطا کے انتہائی منظم، مکمل، مجتمع اور باہم متداخل زندگی سے بہرہ ور ہوتی ہے۔

جی ہاں، جو ایک فعل کے ساتھ اس طرح غیر محدود منظّم افعال سرانجام دیتا ہے، بلاشبہ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے،

Marfat.com

وہی حی قیوم ہے جو تمام ذی حیات کو زندگی دیتا ہے، اور واحدِ اَحد ہے جو جس کی ربوبیت میں اشتراک ممکن نہیں۔

اس مقام پر ہم نے زندگی کے خصائص مختصر طور پر لکھ دیے ہیں۔ مزید خصائص کی تفصیلات کے لیے ہم رسائل نور کی طرف رجوع کے لیے کہتے ہیں اور کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔

خاتمہ

اسمِ اَعظم ہر ایک کے لیے ایک نہیں ہوتا؛ بلکہ مختلف اور متباین ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر: حضرت علیؓ کے ہاں اسم اعظم چھ اسماء ہیں، اور وہ یہ ہیں: فرد، حیّ، قیوم، حکم، عدل، قدوس۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں دو اسم ہیں، اور وہ ہیں: حکم، عدل ۔۔۔۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہاں ایک ہی اسم ہے، اور وہ ہے: یا حیّ اور امام ربانی مجدد الف ثانی کے لیے القیوم ہے۔ اسی طرح بہت سے یگانۂ روزگار حضرات نے کچھ دیگر اسماء کو اسمِ اعظم سمجھا ہے۔

یہ ''پانچواں نکتہ'' چونکہ خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کے اسمِ گرامی ''الحی'' کے بارے میں ہے۔ اور رسولِ اعظم ﷺ نے اپنی ''الجوشن الکبیر'' نامی مناجات میں اللہ تعالیٰ کی عالی شان اور انتہائی جامع قسم کی معرفت کو آشکار کیا ہے؛ اس لیے ہم اس مقام پر گواہ، دلیل، حجت، تبرک، مقبول دعا کے لیے اور اس رسالے کے حسنِ اختتام کے لیے اس مناجات کا ایک آدھ پیرا اس مقام پر لکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم خیالی طور پر اس زمانے میں چلے جاتے ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر آمین کہتے ہیں اور صدائے محمدی پر بعینہ اسی مناجات کو دہراتے ہیں:

يَاحَيُّ قَبْلَ كُلِّ حَيٍّ	يَاحَيُّ بَعْدَ كُلِّ حَيٍّ
يَاحَيُّ الَّذِىْ لَيْسَ كَمِثْلِهِ حَيٌّ	يَاحَيُّ الَّذِىْ لَا يُشْبِهُهُ شَىْءٌ
يَاحَيُّ الَّذِىْ لَا يَحْتَاجُ اِلَى حَيٍّ	يَاحَيُّ الَّذِىْ لَا يُشَارِكُهُ حَيٌّ
يَاحَيُّ الَّذِىْ يُمِيتُ كُلَّ حَيٍّ	يَاحَيُّ الَّذِىْ يَرْزُقُ كُلَّ حَيٍّ
يَاحَيُّ الَّذِىْ يُحْيِ الْمَوْتَى	يَاحَيُّ الَّذِىْ لَا يَمُوتُ
سُبْحَانَكَ يَالَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ	اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ نَجِّنَا مِنَ النَّارِ

آمین۔ آمین۔ آمین

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

Marfat.com

چھٹا نکتہ

اسم گرامی القیوم کی طرف دیکھتا ہے۔

جس طرح اسمِ گرامی ''الحی'' کا خلاصہ ''چشمہ نور'' نامی رسالے کا ضمیمہ بن گیا ہے، اسی طرح اسمِ قیوم کو بھی تیسویں مقالے کا ضمیمہ بنانا مناسب سمجھا گیا۔

اعتذار۔اسم گرامی ''القیوم'' کی تجلیٔ اعظم کے ساتھ تعلق رکھنے والے، روئے حیات پر تیرنے والے اور وجود کی گہرائیوں میں غوطہ زن یہ اہم ترین مسائل دل پر کسی منظم صورت میں یکے بعد دیگرے وارد نہیں ہوئے، بلکہ مختلف لمعات کی صورت میں دل پر وارد ہوئے ہیں اس کے الفاظ وعبارات میں خلل اور بہت سی کوتاہیاں موجود ہیں؛ کیونکہ یہ مضمون انتہائی جلدی میں سپردِ قلم کیے گئے پراگندہ مسودے کی صورت میں پڑا رہا اس لیے دقیق نظری سے تصحیح کی منزل سے نہ گزر سکا۔اس لیے ان مسائل کے حُسن وجمال کے پیشِ نظر میری کمیوں کوتاہیوں سے درگزر کرنا۔

تنبیہ: اسمِ اعظم کے ساتھ تعلق رکھنے والے نکتے چونکہ بڑی عظیم الشان صورت میں وسیع وعریض اور انتہائی زیادہ گہرے ہیں، اور خاص کروہ مسائل جو اسمِ گرامی ''القیوم'' کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور بالخصوص پہلی شعاع (حاشیہ:۱) کا رُخ مادّہ پرستوں کی طرف ہونے کی وجہ سے، نسبتاً زیادہ دقیق ہے، لہٰذا ہر کوئی اُس کے ہر مسئلے کو ہر لحاظ سے نہیں سمجھ سکتا ہے، البتہ ہر آدمی ہر مسئلے میں سے کسی حد تک حصہ بقدرِ جثہ پا سکتا ہے۔

عقل کو یہ چیز زیب نہیں دیتی کہ وہ اس معنوی باغیچے سے یہ کہتی ہوئی منہ موڑ لے کہ: میں اس کے تمام پھل نہیں توڑ سکتی؛ کیونکہ ''جو سارا نہ ملے وہ سارا چھوڑا نہیں جاتا'' کے قاعدے کی رُو سے انسان جو کچھ بھی توڑے گا وہ اس کے لیے نفع ہی ہوگا۔

اسمِ اعظم کے ساتھ تعلق رکھنے والے مسائل میں سے کچھ تو اتنے وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا، اور کچھ اتنے دقیق ہیں کہ عقل ان کا ادراک نہیں کرسکتی، خاص کر اسم گرامی ''الحی اور القیوم'' اور خاص کر ''الحی'' میں پائے جانے والے ارکانِ ایمان کے اسرار ورموز، اور خاص کر حیات میں جو قضا وقدر کے اشارے پائے جاتے ہیں۔اور اسم گرامی ''القیوم'' سے متعلق لکھے جانے والے مضمون کی شعاعِ اوّل ہر ایک کی سوچ فکر ان کا ادراک تو نہیں کرسکتی تاہم وہ حرمان نصیب بھی نہیں ہوتا، بلکہ یہ چیز بہر کیف اُس کے ایمان کو مضبوط کرے گی؛ کیونکہ ایمان جو کہ ابدی سعادت کی کنجی ہے، ایک انتہائی قیمتی چیز ہے۔اور بے شک ایمان کی ذرّے برابر کی قوّت ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: ''ایمان کے ایک چھوٹے سے مسئلے کا انکشاف میری نظر میں سینکڑوں اَذواق وکرامات پر فوقیت رکھتا ہے۔''

(حاشیہ:۱) اس رسالے کو پڑھنے والا اگر سائنسی علوم پر وسیع نظر نہیں رکھتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اس شعاع کو نہ پڑھے، یا آخر میں پڑھے اور آغاز دوسری شعاع سے کرے۔مؤلف۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿لَهٗ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّاهُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ (حاشیہ:۴)

ذوالقعدہ کے مہینے میں جبکہ میں ''اسکی شہر'' کی جیل میں تھا، میری عقل میں قیومیتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ کرنے، ان جیسی آیات کا ایک نکتہ اور اسمِ گرامی ''القیوم'' کی تجلّیات میں سے ایک تجلّی کا ظہور ہوا، ''القیوم'' جو کہ اِسمِ اعظم ہے، یا اسمِ اعظم کی دو تابانیوں میں سے دوسری تابانی ہے۔ یا اُس کے انوارِ ستہ میں سے ایک نُور ہے۔ میں اس نورِ اعظم کو مکمل طور پر بیان نہیں کرسکتا کیونکہ اسکی شہر کی جیل کے اندر حالات میرے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن کم از کم یہ تو ضرور کریں گے کہ پہلے اسمائے خمسہ کی طرح اختصار کے ساتھ پانچ شعاعوں کی صورت میں اس نورِ اعظم یعنی اسم گرامی ''القیوم'' کی طرف اشارہ کریں گے؛ بالکل اسی انداز میں جو ہم نے پہلے پانچ اسماء کے بارے میں اختیار کیا ہے؛ کیونکہ حضرت علیؓ نے انہیں اسمِ اعظم کا درجہ دیا ہے، جیسے کہ اس کی وضاحت اُنہوں نے اپنے قصیدے ''ارجوزۃ'' میں سکینہ کے نام سے کی ہے، اور اپنے جلجلوتیہ نامی قصیدے میں بھی اِسے اسمائے حسنٰی کے ساتھ اہم ترین اسمِ اعظم شمار کیا ہے اور ان اسماء کی کھوج کے دوران کراماتی انداز میں ہمیں تسلّی مہیّا کی ہے۔

پہلی شعاع

بے شک اس کائنات کا خالقِ ذوالجلال ''قیوم'' ہے یعنی وہ بذاتہ باقی اور قائم دائم ہے۔ اور وجود میں بقیہ تمام اشیاء اس کے ساتھ قائم دائم اور باقی رہتی ہیں اور اس کے ذریعے بقا پاتی ہیں۔ پس اگر قیومیت کی یہ نسبت ایک لمحے کے لیے بھی کائنات سے کٹ جائے تو کائنات مِٹ جائے گی۔

پھر وہ ذاتِ ذوالجلال اپنی قیومیت کے ساتھ ساتھ ''لیس کمثلہ شیء'' سے متصف ہے، جسے قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اُس کی ذات وصفات اور اس کے افعال میں اس کی کوئی نظیر نہیں، اس کی مثل ممکن نہیں، اس کی کوئی شبیہ نہیں اور اس کا شریک ممکن نہیں۔

جی ہاں، وہ ذاتِ اقدس جو تمام کائنات کو اس کی تمام شئون وکیفیات سمیت اپنے قبضۂ قدرت میں لے کر ایک گھر

(حاشیہ:۲) الزمر:63 (حاشیہ:۱) یٰس:83 (حاشیہ:۳) الحجر:21 (حاشیہ:۴) ھود:56

Marfat.com

اور ایک محل کی طرح کمال انتظام کے ساتھ اس کی تدبیر وتربیت اور انتظام وانصرام کرتی ہے، ایسی ایک ذاتِ اقدس کا مثل ومثیل وشبیہ وشریک نہیں ہوسکتا اور ہونا محال ہے۔

جی ہاں، وہ ذات جس کے لیے ستاروں کو ایجاد کرنا ذرّات کے ایجاد کرنے کی طرح آسان ہو؛ جو اپنی قدرت کے سامنے بڑی سے بڑی چیز کو چھوٹی سے چھوٹی چیز کی طرح مسخر کر لیتی ہو، جس کے لیے کوئی بھی چیز کسی بھی چیز کے لیے اور کوئی بھی کام کسی کام کے آگے قطعاً رکاوٹ نہ بنتا ہو؛ جس کی نظر میں غیر محدود افراد فردِ واحد کی طرح حاضر رہتے ہوں؛ جو تمام آوازوں کو دفعتاً سن لیتا ہو؛ جو غیر محدود حاجات وضروریات کو دفعتاً پورا کر دیتا ہو؛ اور کائنات کی موجودات میں پائے جانے والے تمام انتظامات ومیزانات کی گواہی کے ذریعے کوئی بھی چیز کسی بھی حالت میں جس کے دائرۂ مشیئت وارادے سے باہر نہ ہو؛ اور جو کسی بھی مکان میں نہ پائے جانے کے باوجود ہر ایک جگہ میں اپنے علم وقدرت کے ذریعے موجود ہو؛ اور ہر چیز سے انتہائی دور ہونے کے باوصف اس کے بے انتہا قریب ہوسکنے والی ایک ذات حیّ قیوم وذوالجلال کا یقیناً کسی بھی لحاظ سے کوئی مثیل، نظیر، شریک، وزیر، ضد اور ند نہیں ہوسکتا اور ہونا محال ہے۔ البتہ اس کے مقدس شئون ومعاملات کو صرف مثال اور تمثیل کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ اور رسائل نور میں پائی جانے والی تمام تمثیلات وتشبیہات اسی قسم کی مثال اور تمثیل کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

اب کچھ گمراہ لوگوں نے اُس بے مثال، واجبُ الوجود، مادے سے مجرد، مکان سے پاک، جس کا کسی بھی جہت سے تجزیہ وتقسیم سے دوچار ہونا محال ہے۔ جس کا تغیر وتبدّل سے متاثر ہونا ممتنع ہے جس کا عجز واحتیاج خارج از امکان ہے۔ اُس مقدس ذات کے صفحات میں اور موجودات کے طبقات پر منعکس ہونے والے بعض جلووں کو عین ذات سمجھ لیا ہے، بنابریں اُنہوں نے اُلوہیت کے بعض احکام کی نسبت اُس کی بعض مخلوقات کی طرف کردی ہے، چنانچہ وہ اس ذاتِ ذوالجلال کے بعض آثار کی نسبت نیچر کی طرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ رسائل نور میں یہ بات جابجا قطعی براہین کے ساتھ ثابت کر دی گئی ہے کہ: نیچر الٰہی صنعت ہے، صانع نہیں؛ ایک ربانی کتاب ہے، کاتب نہیں؛ ایک نقش ہے، نقّاش نہیں؛ ایک رجسٹر ہے، رجسٹرار نہیں؛ ایک قانون ہے، قدرت نہیں؛ ایک پیمانہ ہے، منبع ومصدر نہیں؛ ایک منفعل ہے، فاعل نہیں؛ ایک نظام ہے، ناظم نہیں؛ ایک فطری شریعت ہے، شارع نہیں۔

اس لیے اگر بفرضِ محال کسی چھوٹی سے چھوٹی زندہ مخلوق کو نیچر کے حوالے کر دیا جائے اور کہا جائے کہ اس بنی ہوئی چیز کو بناؤ تو یہ کام کرنے کے لیے وہ بہر طور اس چھوٹی سی زندہ مخلوق کے اعضاء کی تعداد میں سانچے بلکہ آلات اور کل پُرزے تیار کرے گی۔ جیسے کہ رسائلِ نور میں بہت سے مقامات پر قطعی دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح کچھ وہ گمراہ لوگ جنہیں ''مادہ پرست'' کہا جاتا ہے انہیں ذرّوں میں پائے جانے والے منظم تحولات میں

Marfat.com

پائے جانے والی الٰہی خلاّقیت اور ربانی قدرت کی سب سے بڑی تجلّی کا شعور تو ہو جاتا ہے لیکن انہیں اس تجلّی کے سرچشمے کا علم نہیں ہوتا اور وہ یہ چیز سمجھ نہیں پاتے کہ قدرتِ صمدانیہ کی تجلّی سے وارد ہونے والی اِس قوّتِ عامہ کا انتظام وانصرام کہاں سے کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ مادہ اور قوّت دونوں کو اَزلی سمجھ بیٹھے اور آثارِ الٰہیہ کی نسبت ذرّات اور اُن کی حرکات کی طرف کرنے لگے۔

سبحان اللہ! کیا انسان اس انتہا درجے کی جہالت میں بھی گر سکتا ہے کہ مکان سے منزہ ہونے کے باوجود ہر جگہ میں ہر چیز کی ایجاد کے دوران ہر چیز کو دیکھنے، اسے جاننے اور اس کا انتظام کرنے کی کیفیت کے ساتھ سرانجام دینے والی ذات کے افعال وآثار کی نسبت جامد، اندھے، بے شعور، بے ارادہ، بے میزان اور اتفاقات کی آندھیوں میں سرگرداں ذروں کی طرف اور ان کی حرکات کی طرف کرنا کس قدر جاہلانہ اور بے ہودہ سوچ ہے، جس کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہے اُسے سمجھ جانا چاہیے۔

جی ہاں، ان لوگوں نے وحدتِ مطلقہ سے اعراض کیا ہے اس لیے وہ غیر محدود اور لاانتہا قسم کی کثرت میں جا گرے، یعنی یہ کہ وہ چونکہ صرف ایک معبود کو قبول نہیں کرتے اِس لیے لامحدود معبودوں کو قبول کرنے کے لیے مجبور ہو گئے مطلب یہ کہ وہ اپنی فاسد عقلوں میں اَزلیت اور خالقیت کے لیے توسیع نہیں کرتے جو کہ فقط اُس اکیلی ذاتِ اقدس کی ذاتی صفتیں اور لازمۂ ذات ہیں، اسی وجہ سے وہ اپنے مسلک کے مطابق ان لاتعداد اور لاانتہا جامد ذرّات کی اَزلیت بلکہ اُن کی اُلوہیت کو قبول کرنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ پس آؤ اور دیکھو کہ یہ لوگ کس آخری درجے کی بدترین جہالت میں گرفتار ہیں!۔

جی ہاں، بلاشبہ ذرّات میں پائی جانے والے جلوے نے اُس واجب الوجود کی طاقت قدرت اور امر کے ساتھ ذرّات کے اس گروہ کو ایک ہیبت خیز منظم لشکر کا رُوپ دے دیا ہے۔ پس اگر اس کمانڈر جنرل کا امر اور قدرت ایک لمحے کے لیے بھی پیچھے رہ جائیں تو یہ بہت سے جاہل و جامد گروہ انار کی کا رُوپ دھار جائیں گے، بلکہ مکمل طور پر فنا ہو جائیں گے۔

اسی طرح بعض لوگ جو گویا کہ بڑے دور اندیش نظر آتے ہیں وہ اس سے بھی بڑی جہالت کی بنا پر ایتھر کے مادے کو صانع کی ربوبیت کی تجلّی کو منعکس کرنے کی وجہ سے سرچشمہ اور فاعل سمجھتے ہیں۔ ایتھر کا مادہ جو کہ صانعِ ذُوالجلال کی کاروائیوں کا رقیق، لطیف، نازک، فرمانبردار اور مسخّر صحیفہ ہے، اُس کے اوامر واحکام کو نقل کرنے والا وسیلہ ہے، اس کے تصرّفات کے لیے باریک پردہ ہے، اس کے لیے لطیف سیاہی ہے، اس کی مصنوعات کا خمیر ہے۔ اور اُس کے دانوں کے لیے کھیتی ہے۔

Marfat.com

بلاشبہ یہ عجیب جہالت غیر محدود محالات کو مستلزم ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایتھر کا یہ مادہ ذرّات کے اس مادے سے کہیں زیادہ لطیف ہے جس کی وجہ سے یہ مادہ پرست گمراہی کے کیچڑ میں غرق ہو چکے ہیں۔ اور ''ہیولیٰ'' (حاشیہ:۱) سے کہیں زیادہ کثیف ہے جس میں قدیم حکماء و فلاسفہ سرگرداں رہے ہیں۔ اور وہ ایک جامد، بے ارادہ، بے اختیار اور بے شعور مادہ ہے۔ جسے منتقل کرنے کی ذمہ داری نبھانے اور انفعال کی خاصیت کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

اور ان افعال و آثار کو اس مادے کے ان ذرات کی طرف منسوب کر دینا جو خود ذرات سے زیادہ چھوٹے ہیں۔ ایسا کرنا بلاشبہ خود ایتھر کے ذرّات کی تعداد کے برابر کا جرم اور فحش غلطی ہے۔

جی ہاں، موجودات میں نظر آنے والا یہ ایجاد کا فعل ایک ایسی کیفیت کا حامل ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ورود ایک ایسی صاحب اقتدار و اختیار ہستی کی طرف سے ہوا ہے کہ ہنگام ایجاد اکثر اشیاء بلکہ تمام کائنات اور خاص کر جاندار اشیاء جس کی نگاہ میں ہیں؟ اور جو اُس چیز کے ساتھ تعلق رکھنے والی تمام اشیاء کا علم رکھتی ہے، اور پھر اُس چیز کو اُس کی عین مطابق جگہ پر رکھتی ہے اور اس جگہ پر اس کے بقا کی ضمن دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ فعل کسی بھی جہت سے ان ہمہ گیریت سے عاری مادی اسباب کا کارنامہ نہیں ہوسکتا ہے۔

جی ہاں، قیومیت کے راز کی رُو سے ایک چھوٹے سے چھوٹا ایجادی فعل بھی ایک ایسے عظیم ترین راز پر مشتمل ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ فعل بھی تمام کائنات کے خالق کا ہی کارنامہ ہے۔

جی ہاں، ایک فعل جو مثال کے طور پر شہد کی مکھی کی تخلیق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے دو جہتوں سے خالقِ کائنات کے ساتھ اپنی خصوصیت کو دکھاتا ہے۔

پہلی جہت

شہد کی اس مکھی کا اپنی جیسی دوسری مکھیوں کی طرح تمام زمین میں ایک ہی وقت میں ایک وہی کام سرانجام دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جزوی اور خصوصی کام اسی کام کا ایک حصہ ہے جو پوری روئے زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ جو اس عظیم الشان اور وسیع و عریض کام کا فاعل اور مالک ہے اِس جزوی کام کا مالک اور فاعل بھی وہی ہے۔

دوسری جہت

ہمارے سامنے اس چلتی پھرتی شہد کی مکھی کی تخلیق کے ساتھ تعلق رکھنے والے اس جزوی فعل کا فاعل بننے کے لیے

(حاشیہ:۱) ہیولیٰ (HYLE)۔ یونانی الاصل لفظ ہے اسے مادۂ اُولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اِس اصطلاح کا واضع ارسطو ہے۔ ارسطو اور اس کے ہمنوا فلاسفہ کے نزدیک ہیولیٰ اس چیز کو کہتے ہیں جو صورت کو قبول کر لے۔ اور یہ قوت محض ہے، لیکن اس کے ساتھ صورت لگ جائے تو قوت سے فعل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ المعجم الفلسفی ۔ مترجم۔

Marfat.com

ضروری ہے کہ وہ فاعل اتنے عظیم اقتدار و اختیار کا مالک ہو کہ اُس مکھی کے تمام آلات و اعضاء اس کے علم میں ہوں کائنات کے ساتھ اس کے تعلقات کے بارے میں جانتا ہو اور اس کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والی تمام شروط کے بارے میں آگاہی رکھتا ہو۔ اسی بنا پر یہ ضروری ٹھہرا کہ اس جزئی فعل کو صرف وہی ہستی سرانجام دے سکتی ہے جو اپنا حکم اکثر کائنات پر لاگو کر سکتی ہو۔ تو پتا چلا کہ ایک چھوٹے سے چھوٹا کام بھی دو جہتوں سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اُسی ہستی کے ساتھ خاص ہے جو ہر چیز کو پیدا کرنے والی ہے۔

لیکن جو چیز اکثر و بیشتر انسان کو حیران و متنبہ کرتی ہے یہ ہے کہ: ازلیت اور سرمدیت جو کہ اُلوہیت کی خاص ترین خاصیت اور ذاتِ اقدس کی لازم ترین صفت ہے؛ وہ ذات اقدس جو کہ وجود میں قوی ترین مرتبے کی مالک ہے، اور وہ مرتبہ ہے ''وجوب''۔

اور جو وجود میں ثابت ترین درجے کی مالک ہے، اور وہ ہے ''مادہ سے مجرد ہونا''۔

اور جو زوال سے بعید ترین طور طریقے کی مالک ہے، اور وہ ہے ''مکان سے پاک ہونا''۔

اور جو وجود کی تغیر اور عدم سے سالم ترین اور پاک ترین رہنے والی صفت کی مالک ہے، اور وہ ہے ''وحدت''

اور ایک عجیب ترین بات جو انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈالتی، اسے قلق و اضطراب سے دوچار کرتی اور اس کی آنکھیں کھولتی اور اسے بیدار کرتی ہے، یہ ہے کہ ازلیت اور سرمدیت کی صفت کو اثیر، ذرّات اور ان جیسے دوسرے مادی مواد کی طرف منسوب کر دیا جائے جو کہ وجود کا ضعیف ترین مرتبہ ہے، دقیق ترین درجہ ہے، تغیر و تحول کے اطوار کا سب سے زیادہ حامل ہے، مکان میں سب سے زیادہ منتشر ہونے والا اور لامحدود کثرت کا مالک ہے۔

پس اس مواد کی طرف ازلیت کی نسبت کرنا، اسے ازلی تصور کرنا اور بعض آثارِ الٰہیہ کے اس سے نشو و نما پانے کے وہم میں مبتلا ہونا یہ سوچ فکر بالکل باطل ہے، حقیقت کے منافی ہے، خلافِ واقعہ ہے، اور عقل سے بعید ہے۔ اس حقیقت کا اثبات ہم رسائلِ نور کے متعدد اجزاء میں قطعی براہین کے ساتھ کر چکے ہیں۔

دوسری شعاع: دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مسئلہ

اسمِ قیّوم کی ایک بڑی تجلی کی طرف اشارہ کرنے والی ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

﴿مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّاهُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾

﴿لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

یہ اور ان جیسی دوسری آیات ایک بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کا ایک پہلو یہ ہے کہ:

Marfat.com

اس کائنات میں اجرامِ سماویہ کا قیام اور اُن کا بقا و دوام ''قیّومیّت'' کے راز کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ تجلّی اگر ایک منٹ کے لیے بھی اپنا چہرہ ان اجرام کی طرف سے پھیر لے تو یہ لاکھوں کُرے جن میں سے بعض زمین سے ہزار گنا زیادہ بڑے ہیں، فضائے بیکراں میں بکھر جائیں، ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر اور عدم کی وادی میں گر جاتے۔

مثال کے طور پر: جو ہوا میں ـ جہازوں کی طرح ـ ہزاروں ضخیم محلوں کو تھامے ہوئے ہے اور انہیں ہوا میں کمال انتظام کے ساتھ رواں دواں رکھتا ہے، اُس کی قیّومیّت کی قدرت کا اندازہ جس طرح ہوا میں تیرتے پھرتے اِن محلوں اور ان کے استحکام، انتظام و دوام سے لگایا جا سکتا ہے، اسی طرح اُس ذاتِ قیّومِ ذُوالجلال کا ایتھر میں پائے جانے والے غیر محدود اجرامِ سماویہ کو آخری درجے کے انتظام و میزان میں قیام بقا و دوام عطا کرنا، ان لاکھوں ضخیم کُروں کو جن میں سے بعض کُرے کرۂ ارض سے ہزار گنا بڑے ہیں اور بعض لاکھوں گنا بڑے ہیں، ان کُروں کو فضا میں بغیر کسی ستون اور سہارے کے تھام کر رکھنا اور اس کے ساتھ ساتھ ہر کُرے کے ذمے کوئی نہ کوئی ڈیوٹی لگانا، اور ان کُروں کو ﴿کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ کی طرف سے صادر ہونے والے اوامر کا ایک ہیبت خیز لشکر کی طرح مطیع و فرمانبردار بنا دینا جس طرح اسمِ قیوم کی ایک ہمہ گیر تجلّی کے لیے پیمانے کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح وجود رکھنے والی ہر چیز کے ذرّات بھی ستاروں کی طرح ''قیومیت'' کے راز کے ساتھ قائم ہیں اور اسی راز کے ذریعے بقا و دوام پاتے ہیں۔

جی ہاں، کسی بھی جاندار کے جسم میں ذرّات کا تمام اعضاء میں ہر عضو کی شکل و صورت کے مطابق جمع ہو جانا، پھر اُن کا متفرق نہ ہونا، اور اُن کا سیلِ رواں کی طرح بہنے والے عناصر کی تیز آندھیوں میں انتہائی منظّم صورت میں اپنی کیفیات کی حفاظت کرنا اور خود کو بکھرنے اور پراگندہ ہونے سے بچانا۔ بالکل بدیہی بات ہے کہ یہ سب کچھ اَز خود نہیں بلکہ رازِ قیّومیت کے ذریعے انجام پاتا ہے۔

پس جس طرح ان جانداروں کی اور اِن مرکبات کی بقا سطحِ زمین پر اور ستاروں کی گردش فضا میں رازِ ''قیّومیت'' کا اعلان کرتی ہے، اِسی طرح یہ ذرّات بھی غیر محدود زبانوں کے ساتھ اس رازِ ''قیّومیت'' کا اعلان کرتے ہیں۔ گویا کہ ہر جسد ایک منظّم دستہ ہے اور ہر نوع ایک منظّم لشکر ہے۔

دوسرا مسئلہ

یہ مقام اس بات کا متقاضی ہے کہ رازِ ''قیومیت'' کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعض فوائد اور بعض حکمتوں کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

جی ہاں، ہر چیز کے وجود کی حکمت، اُس کی فطرت کی غرض و غایت، اس کی تخلیق کا فائدہ اور اس کی زندگی کا ماحصل تین قسم کا ہے۔

Marfat.com

پہلی قسم کا رُخ خود اپنی طرف، انسان کی طرف اور انسان کی مصلحتوں کی طرف ہے۔

دوسری قسم زیادہ اہمیت کی حامل ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز ایک آیت، پیغام، کتاب اور قصیدے کا حکم رکھتی ہے۔ جس کا مطالعہ تمام ذی شعور کرتے ہیں۔ اور خود وہ چیز فاطر ذُوالجلال کے اسمائے گرامی کی تجلیات کا اعلان کرتی ہے اور اپنے قارئین کو اپنے غیر محدود معانی سے بہرہ وَر کرتی ہے۔

رہی تیسری قسم، تو اس کا تعلق صانع ذُوالجلال کے ساتھ ہے اور اُس کا رُخ اُسی کی طرف ہے؛ کیونکہ ہر چیز کا ذاتی فائدہ اور ماحصل اگر چہ ایک ہے لیکن صانعِ جلیل کے ساتھ تعلق رکھنے والے نتائج سینکڑوں ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود صانعِ جلیل اپنی صنعت کے عجائبات کو نگاہ میں رکھتا ہے اور اپنی مصنوعات میں پائی جانے والی اپنے اَسماء کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اس تیسری عظیمُ الشان قسم میں موجودات کا ایک سیکنڈ کے لیے زندہ رہنا ان کی تخلیق کی حکمت کے بیان کے لیے کافی ہے۔

''تیسری شعاع'' میں اس چیز کو وضاحت سے بیان کیا جائے گا کہ رازِ قیّومیت ہر چیز کے وجود کا تقاضا کرتا ہے۔

ایک دن میں نے ''طلسمِ کائنات'' اور ''معمۂ تخلیق کی تجلی کی روشنی میں موجودات میں پائی جانے والی حکمتوں اور فائدوں میں غور کیا تو تعجب کے ساتھ کہا: یہ چیزیں اپنا دیدار کروا کر اس طرح جلدی جلدی نظروں سے اوجھل کیوں ہو جاتی ہیں؟ میں جب اُن کے اجسام واشخاص کی طرف دیکھتا تو مجھے نظر آتا کہ انہیں انتہائی منظم اور حکیمانہ طریقے سے خوبصورت لباس پہنا کر اور آراستہ پیراستہ کر کے اس نمائش گاہ اور سیر گاہ میں بھیجا گیا ہے، حالانکہ یہ ایک دو دن میں غائب ہو جاتی ہیں، بلکہ بعض تو کچھ منٹوں میں غائب ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح بے فائدہ چلی جاتی ہیں۔ میں اس صورتِ حال سے بڑا غمگین ہوتا تھا اور کہتا تھا: اِن کے تھوڑے سے وقت کے لیے ظاہر ہونے میں کیا حکمت ہے!

پھر لطفِ الٰہی نے میری دستگیری کی اور مجھے موجودات کے اور خاص کر ذی حیات کے _ اِس زمینی درسگاہ میں آنے کی ایک اہم حکمت کا پتا چل گیا اور وہ یہ ہے کہ:

ہر چیز، اور خاص کر جاندار مخلوق ایک انتہائی معنی دار لفظ، ایک پیغام، ایک ربانی قصیدہ، اور ایک الٰہی اعلان نامہ ہے۔ پس جب وہ چیز تمام ذی شعور مخلوقات کے مطالعہ کا مظہر بن جاتی ہے اور غیر محدود مطالعہ کرنے والوں کو اپنے معنی سے نہال کر دیتی ہے تو اس کی لفظ اور حروف کا حکم رکھنے والی جسمانی شکل وصورت اپنے معانی وجود میں چھوڑ کر غائب ہو جاتی ہے۔

یہ حکمت مجھے ایک سال تک کے لیے کافی رہی۔ لیکن ایک سال کے بعد مجھ پر مصنوعات کے بارے میں اور خاص کر ذی حیات مخلوقات میں پائی جانے والی صنعت اور کاریگری کے بہت سے انتہائی گہرے اور غیر معمولی معجزات کا انکشاف ہوا تو مجھے پتا چلا کہ:

Marfat.com

یہ انتہائی قسم کی غیر معمولی دقیق کاریگری صرف ذی شعور مخلوق کی آنکھوں کو نہال کرنے کے لیے ہی نہیں ہے، کیونکہ اِن غیر محدود ذی شعور مخلوقات کے لیے ہر موجود چیز کا مطالعہ کرنا اگرچہ ممکن تو ہے لیکن اُن کا مطالعہ بہر کیف محدود ہے اور اس پر مزید یہ کہ ہر ذی شعور کسی زندہ وجود کی صنعت وکاریگری میں گھس کر اُس کے تمام اسرار کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

پس جانداروں کی تخلیق کا اہم ترین نتیجہ اور اُن کی فطرت کی عظیم ترین غرض وغایت یہ ہے کہ یہ جاندار خود قیّومِ اَزلی پر اُس کی اپنی صنعت، اُس کے تحفے اور اُس کے اُن رحیمانہ احسانات کے عجائبات کو پیش کردیں جو اُس نے اُنہیں عطا کیے ہوئے ہیں۔ اس غرض وغایت نے مجھے بہت عرصے تک مطمئن کیے رکھا، اور اس سے مجھے اس بات کا اِدراک ہوا کہ:

ہر موجود میں اور خاص کر ذی حیات مخلوقات میں صنعت وکاریگری کے غیر محدود حقائق کا پایا جانا اور اُن کا قیومِ اَزلی کی نگاہ میں پیش کیا جانا یعنی اس قیومِ اَزلی کا خود اپنی ہی صنعت کو دیکھ کر خوش ہونا تخلیق کی حکمت ہے۔ اور یہ حکمت مخلوقات میں اتنے خطیر اخراجات کے لیے کافی لگ رہی ہے۔

پھر ایک عرصے کے بعد میں نے دیکھا کہ موجودات کی ذاتوں میں اور صورتوں میں پائے جانے والے صنعت کی گہرائیوں اور پختہ کاریوں کو دوام نہیں ہے، چنانچہ ان میں جدت آتی رہتی ہے اور یہ انتہائی سُرعت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور لا انتہا فعالیّت اور خلاّقیت کے درمیان بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اِس خلاقیت اور فعالیّت میں پائی جانے والی حکمت اس فعّالیت کے بقدر عظیم ہو! چنانچہ میں نے اس زاویے پر غور کرنا شروع کردیا۔ اور پھر مجھے یہ مذکورہ دونوں حکمتیں ناقص اور ناکافی نظر آنے لگیں اور میں پورے شدّ ومدّ سے کسی اور حکمت کی تلاش میں لگ گیا۔ اور پھر ایک مدت کے بعد قرآنِ معجز بیان کے فیض سے رازِ ''قیومیت'' کی رو سے ایک بے حد عظیم حکمت اور غرض وغایت آشکار ہوئی۔ اور الحمد للہ کہ اس حکمت کے ذریعے وہ رازِ الٰہی سمجھ میں آگیا جسے طلسمِ کائنات اور معمۂ تخلیق کہا جاتا ہے۔ اس سرِّ الٰہی کی تفصیلات چونکہ چوبیسویں مکتوب میں آچکی ہیں، اس لیے یہاں تیسری شعاع میں ہم اِجمال کے ساتھ اس کے دوتین نقطے بیان کریں گے۔

جی ہاں، اس زاویے سے ''قیّومیت'' کے راز کی تجلّی کو دیکھو، اور وہ یہ ہے کہ:

وہ تمام موجودات کو عدم سے نکالتا ہے اور اُن میں سے ہر ایک کو فرمان گرامی ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے غیر متناہی فضا میں تھامے رکھتا ہے اور انہیں قیام وبقا دیتا ہے اور اس طرح ان سب کو رازِ قیّومیّت کی تجلّی کا مظہر بنادیتا ہے پس اگر یہ مضبوط مرکز اور نقطۂ استناد نہ ہوتو کوئی بھی چیز کبھی بھی اَز خود ٹِک نہ سکے، غیر محدود خلا میں لڑھک جائے اور عدم میں جاگرے۔

جیسے تمام موجودات اپنے وجود، قیام اور بقا کی جہت سے قیومِ ذوالجلال کے سہارے قائم ہیں اسی طرح فرمانِ گرامی

Marfat.com

﴿وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ﴾ کی رُو سے موجودات کے تمام حالات وکیفیات کے ہزاروں سلسلوں کے ابتدائی سرے رازِ قیّومیّت کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں، اگر تشبیہ دینے میں مضائقہ نہ ہوتو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی تاریں اوران تاروں کے مرکز ہوتے ہیں۔

یہ تمام سلسلے اگر اس نورانی نقطے کا سہارا نہ لیں تو اہلِ عقل کے نزدیک ہزاروں قسم کے بلکہ ان موجودات کی تعداد میں ناممکن دوراور باطل تسلسل لازم آئیں گے۔

یہ چیز ایک لحاظ سے _ مثال کے طور پر حفظ یا نور یا وجود یا رزق _ ایک اور چیز پر استوار ہے اور وہ کسی دوسری چیز کا سہارا لیے ہوئے ہے، اور دوسری چیز کسی تیسری چیز پر اور یوں آگے چلتے جائیں۔ اِس کی کوئی نہ کوئی انتہا ہوگی، یہ بغیر انتہا نہیں رہ سکتی۔

پس جہاں اِن جیسے تمام سلاسل کی انتہا ہوتی ہے وہ مقام یقیناً رازِ ''قیّومیت'' ہے۔

پس جب ''قیّومیت'' کا یہ راز سمجھ میں آجاتا ہے تو ان وہمی سلاسل میں پائے جانے والے باہمی سہاروں کے رابطے اُٹھ جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر اعتماد رکھنے یا ایک دوسرے کا سہارا لینے کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا ہے۔ اور یوں ہر چیز بغیر توسط کے براہِ راست ''رازِ قیّومیت'' کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔

تیسری شعاع

ہم ایک دو مقدموں کے ساتھ خلّاقیتِ الٰہیہ اور فعالیّتِ ربّانیہ میں پائے جانے والے ''قیّومیّت'' کے اس راز کی طرف اشارہ کریں گے جس کی طرف یہ آیاتِ کریمہ اشارہ کر رہی ہیں:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (حاشیہ:۴)

﴿فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَةِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (حاشیہ:۵)

تاکہ یہ راز کسی حد تک منکشف ہوجائے۔

پہلا مقدمہ

ہم جب اس کائنات کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ سیلِ زمان میں دائمی طور پر موجزن اور پے در پے

(حاشیہ:۱) الرحمٰن:29 (حاشیہ:۲) البروج:16 (حاشیہ:۳) الروم:54 (حاشیہ:۴) الروم:54 (حاشیہ:۵) الروم:50

Marfat.com

قافلہ در قافلہ ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی اُن موجودات کی آمد و رفت لگی ہوئی ہے، چنانچہ ان میں سے ایک قسم ایک سیکنڈ میں، ایک قسم ایک منٹ میں، ایک قسم ایک گھنٹے میں، ایک قسم ایک دن میں، ایک قسم ایک سال میں، ایک قسم ایک صدی میں، ایک قسم ایک زمانے میں عالمِ شہادت میں آ کر اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتی اور چلی جاتی ہے۔

پس موجودات کی یہ سیر و سیاحت اور مخلوقات کا یہ حیرت خیز بہاؤ ایک مکمل انتظام، میزان اور حکمت کے تحت چلایا جا رہا ہے اور ان موجودات کی اور ان قافلوں کی قیادت جو کوئی بھی کر رہا ہے اتنی با تدبیر حکمت اور سیرت کے ساتھ کر رہا ہے کہ اگر بالفرض تمام کی تمام عقلیں اکٹھی ہو کر اس پُر حکمت انتظام کی حقیقت کا ادراک کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں اور کسی ایسی کمی کوتاہی کی نشاندہی نہ کر سکیں جس پر تنقید کی جا سکے۔

پس اس ربانی خلاّقیت کے ضمن میں ان مصنوعات کو اور خاص کر ان میں سے پیاری پیاری خوبصورت ذی حیات مخلوقات کو خالقِ کائنات عالمِ غیب کی طرف کچھ اس طرح سے لے جاتا ہے کہ اُن میں سے کسی کو آنکھ کھولنے کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ اور پھر ان مصنوعات کو اس دنیاوی زندگی کی ذمہ داریوں سے کچھ اس طرح سبکدوش کر دیتا ہے کہ انہیں سانس لینے کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ اور وہ اس مہمان خانے کو مسلسل بھرتا اور مہمانوں کی مرضی کے بغیر خالی کرتا رہتا ہے۔

اور قضاء و قدر کے قلم نے کرۂ ارض کو لکھنے اور مٹانے کے لیے استعمال کیے جانے والے تختۂ سیاہ کی طرح بنا رکھا ہے، چنانچہ وہ اس کرۂ ارض میں اپنے مکتوبات لکھتا ہے اور ان مکتوبات کو ﴿یُحۡیِی وَ یُمِیۡتُ﴾ کی تجلّیوں کے ساتھ تجدد آشنا رکھتا ہے اور ان میں تبدیلی لاتا رہتا ہے۔ پس اس فعالیتِ ربانیہ اور خلاّقیتِ الٰہیہ میں پائی جانے والی حکمت کے راز کا بنیادی تقاضا اور محرک ایک غیر محدود حکمت ہے جو مندرجہ ذیل تین اہم شعبوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

پہلا شعبہ

فعالیت کی ہر قسم ـ جزئی ہو یا کلّی ـ ایک طرح کی لذت کا باعث بنتی ہے، بلکہ ہر فعالیت میں ایک لذت ہے، بلکہ خود فعالیت عین لذت ہے، بلکہ فعالیت اُس وجود کو آشکار کرتی ہے جو عین لذّت ہے۔ اور وہ وجود کو ہلا دینے والی ایک تحریک ہے جو وجود پر اُس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ اُس عدم سے دور ہوتا اور اس سے دستبردار ہوتا ہے جو عین الم ہے۔

جی ہاں، ہر صاحبِ استعداد آدمی پوری لذّت کے ساتھ فعالیّت کے ذریعے اپنی استعداد کے انکشاف کے پیچھے لگا رہتا ہے اور فعالیّت کے ذریعے استعداد کا ظہور لذّت سے جنم لیتا ہے اور لذت کو جنم دیتا ہے۔

اور ہر صاحبِ کمال لذت کے ساتھ فعالیّت کے ذریعے اپنے کمالات کے ظہور کے درپے رہتا ہے۔ تو جب اِس طرح کا ایک پسندیدہ اور مطلوب کمال اور ایک لذت پائی جاتی ہے، اور خود فعالیّت بھی کمال ہی ہے، اور جانداروں کی دنیا میں ایک دائمی اور ازلی زندگی سے ظہور میں آنے والی ایک غیر محدود محبت اور ایک غیر متناہی رحمت کی تجلیات کا مشاہدہ مسلسل

Marfat.com

ہو رہا ہے تو پھر یہ بات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یہ تجلیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ:

مثال کے ساتھ سمجھانا کوئی غلط بات نہ ہو تو اس مقدس زندگی میں لامتناہی درجات کی صورت میں لاہوتی عشق، قدسی محبت اور پاکیزہ لذت جیسے بہت سے مقدس شئوون واحوال پائے جاتے ہیں اور یہ اُس ذات کی قدسیّت کے شایانِ شان شئوون واحوال سے کشید کردہ ہیں جو اس طریقے سے اپنے ساتھ محبت کرتی ہے، اپنی ذات کو محبوب بناتی ہے اور الطاف و عنایات کے ذریعے شفقت و احسان کا انداز اپناتی ہے۔ اسی طرح یہ شئوون واحوال اُن شئوون واحوال سے کشید کردہ ہیں جو اُس ذات کے وجود کے واجب ہونے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس سرمدی زندگی کا تقاضا کرتے ہیں۔

پس یہ شئوون واحوال کائنات کو ہمیشہ اسی طرح غیر محدود فعالیت اور لامتناہی خلّاقیت کے ذریعے تجدّد پذیر اور تبدّل آشنار کھتے ہیں۔

سرِّ قیومیت کی طرف دیکھنے والی لامحدود فعّالیت الٰہیہ میں پائی جانے والی حکمت کا دوسرا شعبہ:

یہ حکمت اسمائے الٰہیہ کی طرف دیکھتی ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہر صاحب اپنے جمال کو دیکھنا اور دکھانا چاہتا ہے۔ اور کسی بھی کام میں مہارت رکھنے والا آدمی اپنی مہارت کے شاہکار کو پسند کرتا ہے اور اس کی تشہیر اور اعلان کر کے اُسے لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنانا چاہتا ہے۔ اور ایک خوبصورت مخفی حقیقت اور دیدہ زیب مخفی معنی، دونوں ہی آشکار ہونا چاہتے ہیں اور اپنے چاہنے والوں کو پالینے کا متمنی ہوتا ہے۔

یہ بنیادی قواعد چونکہ درجہ بدرجہ ہر چیز میں جاری وساری ہیں، اس لیے کائنات کی گواہی، اسمائے حسنیٰ کی تجلیات اور اُن کے نقوش کے اشاروں کی رُو سے اُس قیومِ ذُوالجلال اور جمیلِ مطلق کے ایک ہزار ایک اسمائے گرامی میں سے ہر اسم کے ہر مرتبے میں حقیقی حسن، حقیقی کمال اور حقیقی جمال اور آخری درجے کی خوبصورت حقیقت پائی جاتی ہے۔ بلکہ ان میں سے ہر اسم کے ہر مرتبے میں غیر محدود حسن و جمال کی انواع واقسام کے ساتھ غیر محدود خوبصورت حقائق پائے جاتے ہیں۔

پس اگر ان اسمائے گرامی کے قُدسی جمال کو آشکار کرنے والے یہ آئینے اور ان کے دیدہ زیب نقوش کو نمایاں کرنے والی یہ لوحیں، ان کے لطیف حقائق سے آشنا کرنے والے یہ صحیفے، یہ موجودات ہی ہیں اور یہ کائنات ہی ہے تو پھر ضروری ہے کہ دوام وبقا والے اسمائے گرامی اپنی تجلیات کے ساتھ اس مقدس عشقِ الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس رازِ قیومیت پر بنیاد رکھتے ہوئے اس کائنات کو ہمیشہ جدّت اور تبدیلی سے دوچار رکھیں، تاکہ یہ اسمائے گرامی اپنی غیر محدود تجلیات، نقوش اور مفید نگارشات کو اُن کے حقیقی مسمّٰی قیومِ ذُوالجلال کی مشاہداتی نظر کو اور بے حد وحساب ذی ارواح اور ذی شعور مخلوقات کی مطالعاتی نظر کو پیش کرتے رہیں۔

Marfat.com

اور تا کہ یہ ایک محدود اور متناہی چیز سے غیر محدود اور غیر متناہی لوحوں کو اور شخص واحد سے بہت سے اشخاص کو اور ایک حقیقت سے بہت سے حقائق کو آشکار کرتے رہیں۔

چوتھی شعاع

کائنات میں جاری وساری دائمی اور حیرت انگیز فعالیت کی حکمت کا تیسرا شعبہ یہ ہے کہ ہر رحمدل آدمی دوسروں کو راضی کر کے خوش ہوتا ہے۔ ہر شفقت بھرا انسان دوسروں کی خوشی سے فرحت محسوس کرتا ہے اور ہر محبت بھرا انسان ایسی مخلوقات کو تفریح مہیا کر کے خوش ہوتا ہے جو تفریح کے قابل ہو اور ہر عالی ہمت ذات دوسروں کو سعادت مند کر کے لذت حاصل کرتی ہے۔ اور ہر عدل پرور ذات حق کو بروئے کار لانے اور سزا کے مستحق لوگوں کو سزا دے کر حق داروں کو ان کے حق دلا کر ان کا دل جیتنے سے اور اُن پر احسان کرنے سے مسرور ہوتی ہے۔ اور ہر ماہر صنعتکار اپنی صنعت کے شاہکار کی تشہیر کر کے، اپنے تصوّر کے مطابق اُس کا استعمال کر کے اور اُس سے حاصل ہونے والے مطلوبہ نتائج کے مطابق اس کی پیداوار کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔

پس ان مذکورہ دساتیر میں سے ہر دستور کائنات میں اور عالمِ انسانیت میں جاری وساری ایک اہم ترین قاعدہ ہے۔ بتیسویں مقالے کے تیسرے موقف میں تین ایسی مثالوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جو اِن قواعد کے اسمائے الٰہیہ میں جاری وساری رہنے کو اُجاگر کرتی ہیں۔ اِس مقام پر ان کا خلاصہ لکھ دینا مناسب رہے گا۔ بنابریں ہم کہتے ہیں:

جس طرح ایک رحیم وکریم، سخی اور عالی ہمت آدمی بہت سے فقیروں اور حاجت مندوں کو بڑے سیاحی سفینے پر سوار کراتا ہے اور اپنی عالی قدر عظیم الشان فطری عادات وصفات کی بنا پر اُن کی آخری درجے کی مہمان نوازی اور عزّت افزائی کرتا ہے اور انہیں سمندر میں زمین کے اِردگرد گھماتا پھراتا ہے، مسرور ہو کر خود بھی محوِ نظارہ ہو جاتا ہے اور تفریحِ خاطر کا مزا لیتا ہے، اُن حاجت مندوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کر کے لذت گیر ہوتا ہے، اُن کی لذّت گیری سے مسرور ہوتا ہے۔ اور اُن کے مسرور ہونے سے شادمان ہوتا ہے اور فخر محسوس کرتا ہے۔

پس اگر اس طرح کا انسان جو کہ ایک تقسیم کار کی حیثیت رکھتا ہے، اس طرح کی ایک جزوی سی ضیافت کر کے اس حد تک خوش دل اور مسرور ہوتا ہے تو پھر بلاشبہ الٰہیت کے شئون واحوال اور ربوبیت کے وہ معانی جن کی معرفت سے ہم عاجز ہیں اور جن کی وضاحت کرنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے، اور جن کی طرف سرورِ مقدّس، افتخارِ مقدس اور لذتِ مقدسہ جیسے ناموں کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو مخلوقات کے تشکّر وامتنان اور ان کے فرح وسرور کی طرف سے وارد ہوتے ہیں اور اس ذاتِ ''قیّوم'' کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس نے تمام لوگوں کو، حیوانات کو اور غیر محدود فرشتوں، جنّوں اور رُوحوں کو دنیا کے اس جہاز پر سوار کیا ہے جو کہ ''الرحمان'' کا سفینہ ہے، اور ان کے لیے سطحِ زمین کو ایک ربّانی دسترخوان کی صورت میں

Marfat.com

پھیلا دیا ہے جو کہ تمام حواس واذواق کی ہمہ قسم کی خوراک اور ہمہ قسم کے رزق سے بھرا ہوا ہے اور اپنی اِن محتاج، متشکّر اور مسرور مخلوقات کو کائنات کے اطراف واکناف کی سیاحت کراتا ہے اور انہیں اس دنیا میں ہر قسم کی عزت وتکریم دے کر خوشی مہیّا کرتا ہے، بایں ہمہ اُس نے دارُ البقا میں اپنی تمام جنتوں میں ہر جنّت کو دائمی ضیافت کا دستر خواں بنا دیا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اس دائمی فعالیت اور استمراری خلاقیت کا تقاضا کرتی ہے۔

اور اسی طرح _ مثال کے طور پر _ اگر کوئی ماہر کاریگر ایک ایسا گراموفون بنائے جو ڈسک کے بغیر ہو اور وہ گراموفون اپنے بنانے والے کی چاہت کے مطابق بولے اور کام کرے تو اس کا بنانے والا کس قدر فخر اور لذت محسوس کرے گا اور وہ خود سے کہے گا: ماشاءاللہ!۔

پس اگر ایک ظاہری شکل وصورت رکھنے والی صنعت _ حقیقی ایجاد نہیں _ اپنے صانع کی روح میں اِس انداز سے فخر و سرور کا احساس پیدا کر دیتی ہے تو پھر ان موجودات کے صانعِ حکیم نے اس کائنات کو مجموعی طور پر ایک عجیب وغریب قسم کے کارخانے کا اور ایک ایسی الٰہی موسیقی کا رُوپ دیا ہے جو انواع واقسام کے غیر محدود نغمات الاپ رہی ہے، گنگنا رہی ہے، پکار رہی ہے اور مصروفِ ذکر اور محوِ کلام ہے۔ اس پر مزید یہ کہ اُس نے کائنات کی ہر نوع کو اور ہر جہاں کو صنعت کے مختلف مصنوعات اور متنوع معجزات کے ساتھ اُجاگر کر دیا ہے اور تمام جانداروں کے سروں میں _ حتی کہ سب سے چھوٹے سر میں _ گراموفون، ٹیلیفون اور بجلی جیسی بہت سی مشینیں پیدا کر دی ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ اُس نے انسان کے سر میں ایک ایسی مشین پیدا کر رکھی ہے جو ڈِسک کے بغیر گراموفون کی طرح آئینے کے بغیر کیمرے کی طرح اور بغیر تار کے ٹیلیگراف کی طرح نہیں بلکہ ان سے بیس گنا زیادہ عجیب ترین ہے۔ بلاشبہ ان خارقِ عادت مشینوں کی تخلیق سے اور اُن کے صانع کی مشیّت کے مطابق اُن کے عمل اور ان کی پیداوار سے جنم لینے والے اُس صانع کی ربوبیت کے بہت سے معانی اور اُس کے اِس نوع کے افتخارِ قدسی اور سرورِ مقدّس جیسے شئون واحوال بہر صورت قطعی طور پر اس دائمی فعالیت کو مستلزم ہیں۔

اسی طرح _ مثال کے طور پر _ ایک عادل حاکم حق کو بروئے کار لانے کے لیے ظالموں سے مظلوموں کے حقوق واگزار کرا کے لذّت گیر ہوتا ہے اور فقراء کو اُن ظالموں کی دستبرد سے محفوظ کر کے فخر محسوس کرتا ہے اور ہر حق دار کو اُس کا حق دے کر خوش ہوتا ہے۔ اور یہ حاکمیت اور عدالت کا ایک بنیادی قاعدہ ہے۔

اسی بنا پر ربوبیت کے شئون واحوال اور اُس کے مقدّس معانی جو کہ حی قیوم، حاکم حکم اور عدل عادل ذات کے عطا کرنے سے ہوتے ہیں، یہ معانی زندگی کی شرائط کا تقاضا کرتے ہیں، وہ شرائط جنہیں اُس کی تمام مخلوقات کے اور خاص کر ان میں سے ذی حیات مخلوقات کے ''حقوقِ زندگی'' کہا جاتا ہے۔

اور وہ شئون واحوال اور مقدس معانی جو کہ اُس کے ان مخلوقات پر اُس احسان کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں جو وہ

Marfat.com

ان مخلوقات کو اَز راہِ مہربانی وہ آلات مہیا کرنے کی صورت میں کرتا ہے جو زندگی کی حفاظت کریں اور ان میں سے کمزوروں کو طاقتوروں کے شر سے بچائیں۔

اور اُس ذات کے جو معانی اِس دُنیا میں تمام جانداروں کے لیے رازِ عدالت جاری کرنے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ رازِ عدالت اگر اِحقاقِ حق یعنی حق کو بروئے کار لانے کی قبیل سے ہوگا تو مکمل صورت میں ہوگا۔ اور اگر ظالموں کو سزا دینے کی صورت میں ہوگا تو اِس صورت میں اُس عدل کا بعض حصہ ظہور میں آئے گا۔ اور خاص کر اُس عدل کا جو کہ حشر کی سب سے بڑی تجلی سے ظہور میں آئے گا۔ اور یہ شئون و معانی جنہیں واضح طور پر بیان کرنے سے ہم عاجز ہیں، کائنات میں اس دائمی فعالیّت کو مستلزم ہیں۔

پس اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم مذکورہ مثالوں کی طرح اس دائمی فعالیّت میں ان بعض مقدس الٰہی شئون و احوال میں سے بعض شئون و احوال کا دار و مدار بن جاتا ہے، اور اسی بنا پر دائمی خلاّقیت کا تقاضا کرتی ہے۔

پھر جب ہر قابلیت اور ہر استعداد اپنے ثمرات و انبساط انکشاف کے ذریعے فرحت و سرور و لذت و انبساط کا باعث بنتی ہے۔ پھر جب ہر ملازم اپنے وظیفے کو مکمل طور پر ادا کرنے کے بعد فارغ کر دیا جاتا ہے تو وہ بہت زیادہ راحت اور فرحت محسوس کرتا ہے۔ پھر جب ایک بیج سے بہت سے پھلوں کی پیداوار اور ایک درہم سے سو درہموں کا منافع تاجروں کے لیے ایک خوش کن حالت اور فرحت بخش تجارت ہے، تو پھر البتہ دائمی فعالیت اور ربّانی خلاّقیت سے جنم لینے والے قدسی معانی اور الٰہی ربوبیت کی قدر و قیمت سمجھ میں آجاتی ہے، وہ دائمی فعّالیت اور ربّانی خلاّقیت جو کہ تمام مخلوقات میں _انہیں قیمتی وظائف میں استعمال کر کے_ غیر محدود استعدادوں اور قابلیتوں کے دروازے کھول دیتی ہے اور انہیں ایسی فارغ البالی اور سبکدوشی سے ہمکنار کر دیتی ہے جو کہ ترقّی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ عناصر کو ترقی دے کر انہیں معادن کے درجے تک پہنچا دیتی ہے، معادن کو نباتات کی زندگی تک اور نباتات کو رزق کی وساطت سے حیوانات کی زندگی تک پہنچا دیتی ہے، اور حیوانات کو انسان کی عالی قدر شعوری زندگی تک پہنچا دیتی ہے۔ اور یوں ہر ذی حیات کے پیچھے وجود کی بہت سی انواع و اقسام چھوڑ جاتی ہے، جیسے کہ وجود کی روح، اُس کی ماہیت، ہویّت اور شکل و صورت وغیرہ۔ اور وجود کے ظاہری جسم کے زوال کے بعد اِن انواع و اقسام کی ڈیوٹی اُس وجود کی جگہ پر لگا دیتا ہے، جیسے کہ چوبیسویں مکتوب میں واضح کیا گیا ہے۔

ایک اہم سوال کا قطعی جواب

کچھ گمراہ قسم کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ: جو کائنات کو دائمی فعالیت کے ذریعے تغیّر آشنا رکھتا اور تبدیل کرتا رہتا ہے، ضروری ہے کہ وہ خود بھی متغیر، متحوّل اور متبدّل ہو۔

Marfat.com

الجواب: لاکھ بار حاشا و کلا! ایسا نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ زمین میں آئینوں کا تبدیل ہوتے رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ آسمان میں سورج بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے، بلکہ اس کے برعکس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اُس کی تجلیات تجدّد پذیر ہیں۔

اِسی طرح وہ اَزلی ابدی اور سرمدی ذات جو کہ ہر جہت سے کمالِ مطلق اور استغنائے مطلق کی مالک ہے، مجرد عن المادہ ہے، لامکان ہے، کسی بھی قید و بند سے آزاد اور اِمکان سے بالا ہے، اُس ذات کا تغیر اور تبدل سے آشنا ہونا محال ہے۔ کائنات میں ہونے والا تغیر اس کے تغیر کی نہیں بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تغیر و تحوّل سے بالاتر ہے؛ کیونکہ جو متعدد اشیاء کو ہمیشہ نظم و ضبط میں رکھتے ہوئے متحرک رکھتا ہے، ضروری ہے کہ وہ خود متحرک اور متغیر نہ ہو۔ مثال کے طور پر:

اگر آپ بہت سی رسیوں کے ساتھ بندھے ہوئے بہت سے چھوٹے بڑے کروں کو زور سے گھمائیں اور اُنہیں دائمی حرکت میں رکھیں اور انہیں ایک منظم وضع قطع میں رکھیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی جگہ پر ساکن رہیں، حرکت بھی نہ کریں اور وہاں سے اِدھر اُدھر بھی نہ ہٹیں، وگرنہ نظم و ضبط میں خلل آ جائے گا۔

ایک مشہور و معروف قاعدہ ہے کہ:

جو پورے نظم و ضبط کے تحت متحرک رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود حرکت نہ کرے اور جو دوام و استمرار کے ساتھ تغیر میں رکھے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود متغیر نہ ہو، تاکہ وہ معاملہ دوام و انتظام کے ساتھ چلتا رہے۔

ثانیاً: حدوثِ کمال تک پہنچنے کے ارادے سے تغیر، تجدد، کمال، حاجت، مادیت اور امکان جنم لیتا ہے۔

لیکن ذاتِ اقدس قدیم اور ازلی ہے، مطلق استغناء کی مالک ہے۔ مادہ سے پاک اور واجب الوجود ہے۔ اس لیے اس کے حق میں تبدل و تغیر بہر صورت محال اور قطعاً ناممکن ہے۔

پانچویں شعاع: دو مسئلے ہیں:

پہلا مسئلہ

ہم جب اسم ''القیوم'' کی عظیم ترین تجلی کو دیکھنا چاہیں تو ہمیں یہی کرنا ہے کہ اپنے خیال کو اتنا وسیع کر لیں کہ وہ تمام کائنات کا مشاہدہ کر لے دو ایسی دوربینیں بنا لیں جو تمام کائنات کو دِکھا سکیں، اُن میں سے ایک بعید ترین اشیاء کو دکھائے اور دوسری چھوٹے سے چھوٹے ذرّات کو۔

پھر جب ہم پہلی دوربین کے ساتھ دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ زمین سے ہزاروں گنا بڑے کُرے اور نجوم و کواکب بغیر ستون کے اسم قیوم کی تجلی کے بل پر ہوا سے بھی زیادہ لطیف مادے ''ایتھر'' میں کھڑے ہیں۔ ان میں سے بعض ظاہری طور پر ثابت ہیں اور بعض خدمت کی غرض سے چل پھر رہے ہیں۔

پھر ہم دوسری دوربین سے دیکھتے ہیں جو کہ خیال کی ایک خوردبین ہے۔ اور جو چھوٹے چھوٹے ذرّوں کو دکھا سکتی

Marfat.com

ہے، تو ہمیں نظر آتا ہے کہ زمین میں پائی جانے والی تمام زندہ مخلوقات کے اجسام کے ذرّات ''رازِ قیومیت'' کی رُو سے ایک منظم کیفیت اختیار کر لیتے ہیں اور ستاروں کی طرح حرکت کرتے ہیں اور بہت سے وظائف ادا کرتے ہیں، اور خاص کر ذرّوں سے تشکیل پانے والے چھوٹے چھوٹے اوزان جاندار کے خون میں پائے جانے والے سرخ اور سفید مادے سیاروں کی طرح حرکت کرتے ہیں اور رومی درویش کی طرح دو منظم حرکتوں میں گھومتے ہیں۔

خلاصۃُ الخلاصہ:

اسم اعظم کی حیثیت رکھنے والے اسمائے ستہ (حاشیہ:۱) نے جو مقدّس روشنی تشکیل دی ہے اور اس روشنی میں پائے جانے والے رنگوں جیسے سات رنگوں کی آمیزش کر دی ہے، اُس روشنی پر ایک نظر ڈالنے کے لیے ایک خلاصہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ذرا تمام کائنات کو تھام کر رکھنے والے اور اسے بقا و دوام بخشنے والے اسمِ گرامی ''القیوم'' کی عظیم ترین تجلی سے گزر کر دیکھو۔ اسمِ ''حیّ'' کی عظیم ترین تجلی نے ان موجودات کو تابناک بنا رکھا اور کائنات کو منوّر کر رکھا ہے اور ان تمام چیزوں کو اپنی تجلّی کے ساتھ زرگوں بنا رہی ہے۔

اور اب اسمِ ''حیّ'' سے گزر کر دیکھو کہ اسمِ 'فرد'' کی تجلّیِ اعظم نے وحدت کے اندرون میں تمام کائنات کو اُس کے انواع و اُجزاء سمیت احاطے میں لے رکھا ہے اور وہ ہر چیز کی پیشانی پر وحدت کا ٹھپا اور ہر چیز کے چہرے پر احدیت کی مہر لگا رہی ہے اور غیر محدود اور غیر متناہی زبانوں کے ساتھ اپنی تجلّی کا اعلان کر رہی ہے۔

اور اب اسم ''فرد'' کے پیچھے سے اسمِ ''حکیم'' کی عظیم تجلی پر نظر کرو، اس تجلی نے ستاروں سے لے کر ذرّات تک اُن تمام موجودات کو جو خیال کی دو دوربینوں کے ذریعے ہماری تفریح خاطر کا سامان بنتی ہیں۔ اس تجلی نے ان تمام موجودات کو ۔ ایک بار آور نظام، حکیمانہ انتظام اور مفید ترین ہم آہنگی میں باندھ رکھا ہے، اور یہ کام ایسے انداز سے ہوا ہے کہ موجودات میں سے ہر کلی اور جزئی چیز کے ساتھ ہم آہنگ، موافق اور استوار ہے۔ اور اس تجلّی نے موجودات کے سب سے چھوٹے دائرے سے لے کر سب سے بڑے دائرے تک ہر چیز کو مزیّن کر رکھا اور زرگون بنا رکھا ہے۔

پھر اسمِ ''حکم'' کی تجلّیِ اعظم کے پیچھے سے دیکھو تو نظر آئے گا کہ یہ اسم تمام عالم کا اس کی موجودات سمیت اسمِ ''عدل'' کی تجلّی کے ساتھ دائمی فعالیت کے ضمن میں حسّاس میزانوں اور پیمانوں کے ذریعے کچھ اس طرح کا انتظام و انصرام کرتا ہے کہ، اجرامِ سماویہ میں سے اگر ایک جرم بھی ایک لمحے کے لیے بھی اپنا توازن کھو دے یعنی ''العدل'' کی تجلی

(حاشیہ:۱) اُسمائے ستہ مقدسہ کا ایک انتہائی مختصر خلاصہ۔ وہ اسمائے ستہ جو کہ اسمِ اعظم کے راز پر مشتمل ہیں اور ''تیسویں لمعے'' کے چھ چھوٹے چھوٹے رسائل کا موضوع اور بنیاد ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

سے باہر ہو جائے تو ستاروں کے درمیان انار کی پھیل جائے اور قیامت برپا ہو جائے۔ جیسے کہ دوسرے نکتے میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

پس تمام موجودات کے دائرۂ عظمیٰ میں سے ہر دائرہ اور وجود، اور کہکشاں کے عظیم ترین دائروں سے لے کر خون کے سرخ وسفید خلیات کی حرکات کے دائرے تک ہر دائرہ اپنی حساس میزان اور پیمانے کی روشنی میں تکمیل پانے والی ساخت پرداخت، وضع قطع اور شکل وصورت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تمام موجودات۔ نجوم وکواکب کے لشکر سے لے کر ذرّات کے لشکر تک۔ ''کن فیکون'' کے اوامر سے صادر ہونے والے ہر امر کی سراپا تسخیر ہو کر اطاعت وفرمانبرداری کرتا ہے۔

اور اب اسم ''عدل'' کی تجلّی کے پیچھے سے اسمِ ''قدّوس'' کی تجلّی پر نگاہ کریں، جیسے کہ پہلے نکتے میں وضاحت کی گئی ہے، یہ تجلّی تمام موجوداتِ عالم کو لطیف، خوبصورت، آراستہ پیراستہ اور تاباں ودرخشاں بنا دیتی ہے اور انہیں پاک صاف کر دیتی ہے، اس طرح کہ اس نے کائنات اور موجودات کو ایسے خوبصورت آئینوں کی شکل عطا کر دی ہے جو اس جمیلِ مطلق کے حسن وجمال کے شایانِ شان ہے جس کے حسن وجمال کی کوئی حد ہی نہیں، اور اس کے حسین ترین اسمائے گرامی کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے جن کے حسن وجمال کی کوئی حد نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسمِ اعظم کے ان اسمائے ستہ اور انوارِ ستہ نے تمام کائنات اور موجودات کو مختلف خوبصورت رنگوں والے، متنوع نقوش والے اور متغایر محاسن والے سنہری پردوں میں لپیٹ رکھا ہے۔

پانچویں شعاع کا دُوسرا مسئلہ:

کائنات پر جلوہ ریز ''قیّومیت'' کی یہ تجلّی جیسے وحدانیت اور جلال کے لحاظ سے پائی جاتی ہے ایسے ہی یہ کائنات کے مرکز، مدار اور اس کے باشعور پھل انسان میں بھی احدیت وجمال کے لحاظ سے پائی جاتی ہے، یعنی جس طرح کائنات رازِ قیّومیت کے بل پر قائم دائم ہے اسی طرح یہ ایک جہت سے انسان کے بل پر قائم ہے جو کہ اسم ''قیّوم'' کا کامل ترین مظہر ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کی اکثر حکمتوں، اُس کی اکثر مصلحتوں اور غایتوں کی نظر انسان پر ہے۔ تو گویا انسان میں پائی جانے والی ''قیومیت'' کی تجلّی کائنات کا ستون ہے۔

جی ہاں، یہ کہنا صحیح ہے کہ ذاتِ ''حیّ قیّوم'' نے کائنات میں انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا جا سکتا ہے کہ کائنات کو اس کے لیے پیدا کیا؛ کیونکہ انسان اپنی مکمل جامع ماہیت کی وجہ سے تمام اسمائے الٰہیہ سمجھتا ہے اور ان سے ذوق آشنا ہوتا ہے اور خاص کر یہ کہ وہ رزق میں پائے جانے والے ذائقے کی وجہ سے بہت سے اَسمائے حسنیٰ کی سمجھ رکھتا ہے جبکہ فرشتے ان اسماء کو اس ذوق وکیفیت کے ساتھ نہیں سمجھتے جس طرح انسان سمجھتا ہے۔

Marfat.com

پس انسان کی اسی اہم جامعیت کی وجہ سے ''حیّ قیوم'' نے اُسے ایک اشتہاء رکھنے والا معدہ عطا کر دیا ہے تا کہ اس انسان کو اپنے تمام اسماء کا شعور بخشے اور اسے اپنے اَنواع واقسام کے احسانات کے ذائقے سے آشنا رکھے، چنانچہ اُس نے اَز راہِ کرم معدے کے لیے اپنے لمبے چوڑے دسترخوان کو انواع و اقسام کے غیر محدود ماکولات و مشروبات سے بھر رکھا ہے۔ اسی طرح اس نے اس مادی معدے کی طرح زندگی کو بھی ایک معدہ بنا دیا ہے اور یوں نعمتوں کا ایک وسیع وعریض دسترخوان بچھا دیا جس میں حواس اِس معدے کے لیے ہاتھوں کا کام دیتے ہیں، اور اس طرح یہ زندگی ان حواس کی وساطت سے اس دسترخوان سے ہر قسم کا استفادہ کر کے انواع واقسام کا شکر ادا کرتی ہے۔

پھر اُس نے اُسے _ زندگی کے اس معدے کے بعد_ انسانیت کا معدہ بھی عطا کیا ہوا ہے، اور یہ معدہ زندگی کے معدے سے کہیں بڑھ کر رزق ونعمت کا طلب گار ہے اور عقل وفکر وخیال اس معدے کے لیے ہاتھوں کا حکم رکھتے ہیں جو زمین وآسمان جیسے وسیع دسترخوانِ رحمت سے استفادہ کرتے اور اس پر شکر ادا کرتے ہیں۔

پھر انسانیت کے اس معدے کے بعد اُس نے نعمتوں سے بھرپور ایک وسیع وعریض دسترخوان بچھانے کے لیے انسان کو ایمان واسلام کے عقیدے کا ایک معنوی معدہ عطا کیا جو کہ بہت زیادہ رزق کا طلب گار ہے اور اُس نے اُس کے رزق کے دسترخوان کے دائرے کو ممکنات کے باہر تک کچھ اس طرح سے پھیلا دیا ہے کہ اَسمائے الٰہیہ کا دائرہ بھی اس میں سما جاتا ہے۔ اسی بنا پر انسان اس معنوی معدے کی بدولت رحمان وحکیم جیسے اسمائے گرامی کا ذائقہ رزق کے تمام ذائقوں سے بڑھ کر پاتا ہے اور کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى رَحْمَانِيَّتِهٖ وَعَلٰى حَكِيْمِيَّتِهٖ

اور یوں انسان کے لیے اس سب سے بڑے معنوی معدے کی بدولت غیر محدود الٰہی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا ممکن ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ اس معدے میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے ذوق کا ایک اور ہے۔

پس ذاتِ ''حیّ قیوم'' نے انسان کو جو تمام کائنات کا مرکز اور دار ومدار بنا دیا ہے، اور اس انسان کے لیے کائنات کے برابر وسیع وعریض دسترخوان بچھا دیا ہے۔ اور ایک جہت سے اُس قیومیّت کے بل پر قائم یہ کائنات جو کہ انسان کی مسخر ہونے کی وجہ سے انسان کے واسطے سے اس رازِ قیّومیت کا مظہر بن چکی ہے۔ انسان کے مرکزِ کائنات ہونے میں اور کائنات کے قائم دائم ہونے میں جو حکمت پائی جاتی ہے وہ انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تین اہم ذمہ داریوں پر مشتمل ہے:

پہلی ذمہ داری:

کائنات میں بکھری ہوئی اَنواع واقسام کی نعمتوں کو انسان کے ساتھ باندھ دیا جائے اور تسبیح کے دھاگے کی طرح ان

Marfat.com

نعمتوں کو اس کے دھاگے میں پرو دیا جائے اور ان نعمتوں کے دھاگوں کے سروں کو انسان کے سر کے ساتھ باندھ دیا جائے۔ اور یوں اللہ تعالیٰ انسان کو رحمت کے انواع و اقسام کے تمام خزانوں کی ایک لسٹ بنا دیتا ہے۔

دوسری ذمہ داری:

انسان کا اپنی جامعیت کی جہت سے ذاتِ حی قیوم کے خطابات کا کامل ترین مخاطب بن جانا اور اپنے صانع کی مصنوعات کی حیرت انگیز قدر دانی اور حُسن شناسی کا بلند آواز منادی کرنے والا بن جاتا ہے، اور اُس کی انواع و اقسام کی غیر محدود نعمتوں پر اور گوناگوں احسانات پر ہر قسم کے شعوری شکر کے ساتھ اس کا شکر ادا کرنا ہے اور اس کی حمد و ثنا میں مگن رہنا۔

تیسری ذمہ داری:

اپنی زندگی کے ذریعے تین جہتوں سے ذاتِ ''حی قیوم'' کا اور اس کی ہمہ گیر صفات کا اور شئون و احوال کا آئینہ بن جانا ہے۔

پہلی جہت:

یہ ہے کہ انسان اپنے عجزِ مطلق کے ذریعے اپنے خالق کی مطلق قدرت کو اور اس کے درجات کو؛ اور اپنی عاجزی کے درجات کے ذریعے اُس کی قدرت کے مراتب کو سمجھ جائے۔ اور اپنے فقرِ مطلق کے ذریعے اُس کی رحمت کا اور اِس رحمت کے درجات کا ادراک کرنا؛ اور اپنی کمزوری کے ذریعے اپنے خالق کی قوت کا ادراک کرنا ہے۔ اور یوں وہ اپنی ناقص صفات کے ذریعے اپنے خالق کے کمال کے اوصاف کو ماپنے والے پیمانے کے ساتھ مشابہت رکھنے والے آئینے کا روپ دھار لے۔ جس طرح رات کی تاریکی ایک ایسے آئینے کی حیثیت رکھتی ہے جو رات کے سمے روشنی زیادہ سے زیادہ بڑھاتا اور بجلی کے چراغوں کو زیادہ نمایاں کرتا ہے، اسی طرح انسان اپنی ان ناقص صفات کے ذریعے کمالاتِ الٰہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے اور انہیں نمایاں کرتا ہے۔

دوسری جہت:

انسان اپنے جزوی ارادے، قلیل علم، کمزور سی قدرت، ظاہری ملکیت اور اپنا گھر بنانے کے ذریعے کائنات کی عظمت کے حساب سے صانعِ کائنات کی مالکیت، اُس کی صنعت، اُس کے ارادے، اس کی قدرت اور اس کے علم کو سمجھ لیتا ہے اور اِن اوصاف کا آئینہ بن جاتا ہے۔

دوسری جہت:

انسان کے اس طرح کا آئینہ بن جانے کے دو رُخ ہیں:

Marfat.com

پہلا رُخ:

اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ کے مختلف نقوش کو دیکھنا گویا کہ وہ اپنی جامعیت کے ساتھ کائنات کی ایک چھوٹی سی فہرست اور اس کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ یُوں وہ تمام اسماء کے نقوش کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسری جہت:

انسان شئونِ الٰہیہ کا آئینہ بن جاتا ہے، یعنی جس طرح وہ اپنی زندگی کے ذریعے ذاتِ حیّ قیوم کی زندگی کی طرف اشارہ کرتا ہے، اسی طرح وہ اپنی زندگی میں پائے جانے والے سمع وبصر جیسے ظاہری حواس کی وساطت سے ذاتِ ''حیّ قیوم'' کی سمع وبصر جیسی صفات کا آئینہ بن جاتا ہے اوران حواس کے ذریعے اِن صفات کی پہچان کراتا ہے۔

اسی طرح یہ انسان اُن زندگی سے بھرپور دقیق لیکن غیر منکشف حواس ومشاعرِ ومعانی کی وساطت سے ذاتِ ''حیّ قیوم'' کے مقدس شئون واحوال کا آئینہ بن جاتا ہے، جو منکشف تو نہیں ہوئے لیکن اس کی زندگی میں بہت سی صورتوں میں پائے جاتے ہیں اور حِس وحساسیت کی صورت میں بھڑکتے اور اُبھرآتے ہیں۔

مثال کے طور پر: اِس حساسیت میں حُبّ وافتخار اور فرح وسرور جیسے ایسے معانی پائے جاتے ہیں جو اُس ذاتِ اقدس کے اِس طرح کے شئون واحوال کا آئینہ بن جاتا ہے جو شئون واحوال اُس کی قُدسیّت اور غنائے مطلق کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ انسان جس طرح اپنی جامع زندگی کی حیثیت سے ذاتِ جلیل کی صفات اور اس کے شئون واحوال کا پیمانہ اور اس کے اسمائے گرامی کی تجلیات کی فہرست اور باشعور آئینہ ہے۔ اور یوں انسان بہت سی جہتوں سے ''الحیّ القیوم'' کا آئینہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح انسان اس کائنات کے حقائق کے لیے ایک میزان، ایک پیمانہ، ایک فہرست اور وحدتِ قیاسی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر:

انسان میں پائی جانے والی لوح محفوظ کی مثال اور کائنات میں اس کے پائے جانے کی قطعی دلیل وہ چیز ہے جسے ''قوتِ خیالیہ'' کہا جاتا ہے۔ (حاشیہ: ۱)

(حاشیہ: ۱) جی ہاں، جس طرح انسان کے عناصر کائنات کے عناصر کے بارے میں، اُس کی ہڈیاں کائنات کے پتھروں اور چٹانوں کے بارے میں، اس کے بال کائنات کی جڑی بوٹیوں اور درختوں کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔ اس کے بدن میں جاری رہنے والا خون، اُس کی آنکھ، اُس کے کان، ناک اور منہ سے بہنے والا پانی زمین کے سرچشموں اور معدنی پانی کے بارے میں خبر دیتا ہے، اس پر دلالت کرتا اور اُس کی طرف اشارہ کرتا ہے، اسی طرح انسان کی رُوح عالمِ ارواح کے بارے میں خبر دیتی ہے، اُس کا حافظہ لوح محفوظ کے بارے میں بتاتا ہے۔ اور اس کی قوت خیالیہ عالمِ مثال کے بارے میں خبر دیتی ہے۔ اسی طرح انسان کا ہر پُرزہ کسی نہ کسی عالَم کی خبر دیتا ہے اور اُس کے وجود پر قطعی شہادت فراہم کرتا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

اسی طرح کائنات میں روحانی مخلوقات کے پائے جانے کی ایک دلیل انسان میں پائی جانے والی قوتیں اور لطائف ہیں۔اور یوں انسان کے لیے ایک چھوٹے سے پیمانے پر کائنات میں پائے جانے والے ایمانی حقائق کا کچھ اس انداز سے اظہار کرنا ممکن ہے کہ وہ نمایاں ہو کر درجۂ شہود پر جا پہنچیں۔پس انسان اِن مذکورہ وظائف جیسی بہت سی اہم خدمات سرانجام دیتا ہے: وہ باقی رہنے والے حُسن و جمال کا آئینہ ہے۔سرمدی کمال کے مظہر کی نشاندہی کرنے والا اور ابدی رحمت کا محتاج و شکر گزار ہے۔

پس اگر جمال و کمال اور رحمت باقی رہنے والے ہیں تو پھر بلاشبہ انسان جو اس جمالِ باقی کا مشتاق آئینہ اور اِس کمالِ سرمدی کا عاشق دائی اور اِس رحمتِ ابدی کا محتاج شاکر ہے، عنقریب دارُ البقا میں داخل ہو جائے گا تاکہ باقی رہے، ابدی کی طرف کوچ کر جائے گا تاکہ اُن باقی رہنے والوں کی ہمراہی میں رہے۔اور اس کے لیے اُس ابدی جمال، سرمدی کمال اور دائمی رحمت کی ہمراہی میں رہے؛ کیونکہ اَبدی جمال کسی فانی مشتاق اور زوال پذیر دوست کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ جمال اپنے ساتھ محبت کرتا ہے اس لیے اپنی محبت کے مقابلے میں محبت کا تقاضا کرتا ہے۔اور زوال و فنا اس محبت کو دشمنی میں بدل دیتے ہیں۔اگر انسان ابد کی طرف جا کر باقی نہ رہتا تو اسکی فطرت میں جمال سرمدی کے ساتھ پائی جانے والی بنیادی محبت کی جگہ دشمنی لے لیتی۔

جیسے کہ دسویں مقالے کے حاشیے میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک مشہور حسینۂ عالم نے اپنے کسی عاشق کو اپنی محفل سے دھتکار دیا تھا تو اس شخص میں پایا جانے والا عشق اچانک دشمنی میں تبدیل ہو گیا، چنانچہ اُس نے اس سے منہ موڑ لیا، اُس کے حسن و جمال کا انکار کرنے لگا اور اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے اسے تحقیرانہ انداز میں کہنے لگا: حسن و جمال کو ناپسند کرنا شروع کر دیا، اور اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے کہنا شروع کر دیا کہ: اُف؛ کتنی بدصورت ہے! اس کی وضاحت ہم نے ''رسالۂ حشر'' کے حاشیے میں کر دی ہے۔

جی ہاں، جو چیز انسان کی پہنچ سے اور اُس کی دسترس سے باہر ہوتی ہے اور جسے وہ خود سنبھال کر نہ رکھ سکتا ہو، اَز راہ عداوت اُس کی کمیاں کوتاہیاں تلاش کرتا رہتا ہے، بلکہ وہ اُس کے ساتھ دشمنی پر اُتر آتا ہے، کیونکہ وہ ہر اس چیز کا دشمن ہے جس کا اُسے علم نہ ہو۔

پس جب وہ محبوبِ حقیقی اور جمیلِ مطلق انسان کے دل میں اپنی ذات کی اور اپنے اسماء و صفات کی محبت ڈالتا ہے۔اور وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ انسان اس کے ساتھ محبت کرے، تو پھر بلاشبہ تمام کائنات کی شہادت کی رُو سے انسان جو اس کا حبیب و محبوب ہے اُسے وہ فطری طور پر نفرت عطا نہیں کرے گا، اور اُسے اپنی طرف سے کسی بھی حال میں گہری ناراضگی سے دوچار نہیں کرے گا۔انسان کی روح کو اس مخفی دشمنی سے دوچار نہیں کرے گا جو کہ کلی طور پر انسانی فطرت کے خلاف

Marfat.com

ہے، وہ انسان جو فطری طور پر اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے، جو بہت زیادہ محبت کرنے والا اور گرانقدر ہے اور جسے اللہ نے عبودیت کے لیے پیدا کیا ہے؛ کیونکہ انسان اپنے مطلق محبوب، گرانقدر اور قیمتی حسن و جمال سے جنم لینے والے ابدی فراق کے ہاتھوں لگنے والے گہرے زخم کا علاج صرف اسی صورت میں کر سکتا ہے کہ وہ اُس کا انکار کر دے، اُس کا دشمن بن جائے اور اس سے ناراض ہو جائے۔ کفار کا اللہ کا دشمن ہونا اسی نقطۂ نظر سے جنم لیتا ہے! صورتِ حال اگر اسی طرح ہے تو اسی بنا پر وہ جمالِ اَزلی انسان کو_ جو کہ اس کا پُر اشتیاق آئینہ ہے_ ہر حال میں دار البقا میں دائمی زندگی کا مظہر بنا دیتا ہے تا کہ وہ ابد الآباد کے راستے میں اور اس سیر و سیاحت میں اس کے ساتھ رہے۔

جی ہاں، انسان کی پیدائش جب اس صورت پر ہوئی ہے کہ وہ فطری طور پر ہمیشہ باقی رہنے والے حسن و جمال کا مُحِبّ و مشتاق ہے۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والا حسن و جمال زوال پذیر محِبّ و مشتاق کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اور انسان جو چیز اُس کی پہنچ سے باہر ہو اور جسے وہ سنبھال کر نہ رکھ سکتا ہو اور جس چیز کا اُسے علم نہ ہو اُس چیز کی کمیوں کوتاہیوں کے در پے ہو کر اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہے بلکہ در پردہ اُس کا دشمن بھی ہوتا ہے تا کہ اپنی مطلوبہ چیز سے محرومی کی وجہ سے جنم لینے والے دکھ درد سے تسلی پا سکے۔ یہ کائنات جب انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور خود انسان کو معرفتِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور اس کائنات کا خالق اپنے اسمائے حسنیٰ سمیت سرمدی ہے اور اُس کے اسمائے گرامی کی تجلیات باقی، دائمی اور ابدی ہیں۔ تو پھر یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ یہ انسان عنقریب قطعی طور پر دارُ البقا کی طرف چلا جائے گا اور ہر حال میں ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کا مظہر بن جائے گا۔ اور مرشدِ اعظم و انسانِ کامل محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام جو کہ انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والے اُن تمام کمالات و ظائف کا خود اپنی ذات میں، اپنے دین میں کامل ترین صورت میں اظہار کر کے اس بات کا اثبات کرتے ہیں: جس طرح یہ کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور تخلیق کائنات کا مقصدِ اعظم اور بہترین انتخاب یہ انسان ہی ہے۔ اسی طرح اس انسان کی تخلیق کا مقصودِ اعظم اور ہموار و استوار اور معتدل ترین انتخاب، اَحدُ الصّمد کا تابندہ ترین آئینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

يا الله يا رحمان يا رحيم يا فرد يا حي يا قيوم يا حكم يا عدل يا قدوس! نسألك بحق فرقانك الحكيم و بحرمة حبيبك الأكرم، وبحق اسمائك الحُسنىٰ، و بحرمة اسمك الأعظم أن تحفظنا من شر النفس و الشيطان ومن شر الجن و الانسان ـ آمين

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

Marfat.com

اکتیسواں لمعہ

یہ ''شعاعات'' نامی مجموعہ ہے جو کہ پندرہ شعاعیں ہیں۔
اور یہ مستقل مجموعے کی صورت میں طبع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بتیسواں لمعہ

''قدیم سعید'' کی آخری تالیف جو کہ ''اللوامع'' کے نام سے آخری تالیف ہے جو کہ انہوں نے ماہِ رمضان میں صرف بیس دنوں کے دوران لکھی۔ بے ساختہ نظم میں لکھی گئی یہ کتاب ''مقالات'' کے مجموعے کے آخر میں بطورِ ضمیمہ طبع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

تینتیسواں لمعہ

یہ وہ حقائق ہیں جو کہ ''قدیم سعید'' کے دل پر شہود کے درجے میں وارد ہوئے۔ ان رسائل کو اُس نے عربی زبان میں قطرۃٌ من بحر التوحید۔ حبة من جنان القرآن۔ شمة مِن نسیم هدایة القرآن ۔ ذرة من شعاعات هدایة القرآن۔ حباب من عمان القرآن۔ زهرة من ریاض القرآن۔ شعلة من انوار القرآن کے نام سے قلمبند کیا۔ یہ تمام مضامین ضمیمہ جات کے ساتھ ''المثنوی العربی النوری'' کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔

یا الله یا رحمن، یا رحیم، یا فرد، یاحی، یا قیوم، یا حکم، یا عدل۔ یا قدوس!۔

بحق الاسم الأعظم و بحرمة القرآن المعجز البیان، و بجاه الرسول الأکرم علیه الصلاة و السلام، اجعل من کتبوا مجموعة اللمعات و أعوانهم المخلصین ورفقاء هم النوریین،نائلین السعادة الأبدیة فی جنة الفردوس آمین۔ ووفقهم دائما فی خدمة الایمان والقرآن۔ آمین۔ واکتب فی صحفیة حسناتهم ازاء کل حرف من مجموعة اللمعات الف حسنة۔ آمین۔ و أحسن بالثبات والدوام والاخلاص فی نشر الأنوار۔ آمین۔

یا ارحم الراحمین! اِجعل جمیع طلبة رسائل النور سعداء فی الدارین۔ و احفظهم من شر شیاطین الانس والجن۔ آمین۔ واعف عن سیآت هذا لسعید العاجز البائس المسکین۔ آمین

باسم جمیع طلبة رسائل النور

سعید النورسی

☆☆☆☆

یقول المترجم۔

لقد تمت ترجمة مجموعة" اللمعات" فی۲۲ من یونیو سنة ۲۰۱٤م

فی بیت رقم ۱۸۸۹ باسلام آباد باکستان۔

اللهم اغفر لمؤلف هذا الکتاب المبارك ولمترجمه و لکاتبه ولجمیع الاخوة الذین قاموا بتصحیح الترجمة وارشاد المترجم بإخلاص۔

آمین

Marfat.com